کلیاتِ مکاتیبِ اقبال

کلّیاتِ مکاتیبِ اقبال

جلد سوم

جنوری ۱۹۲۹ء تا دسمبر ۱۹۳۴ء

مرتبہ

سیّد مظفّر حسین برنی

اردو اکادمی، دہلی

کلیات مکاتیب اقبال جلد- ۳

سلسلہ مطبوعات اردو اکادمی ۳۲

تحقیقی و اشاعتی کمیٹی کے اراکین :

جناب جوگندر پال
ڈاکٹر خلیق انجم
پروفیسر شمیم حنفی
ایس۔ اشتیاق عابدی (کوآرڈینیٹر)

KULLIYAT MAKATEEB-E-IQBAL - VOL III Ed I - 1993
Edited by Dr S M H Burney
Published by Urdu Academy, Delhi
PRICE - Rs 200/-

سنہ اشاعت : ۱۹۹۳ء
قیمت : ۲۰۰ روپے (دوسو روپے)
بہ اہتمام : شعبۂ طباعت و اشاعت، اردو اکادمی، دہلی۔
طباعت : سیما آفسٹ پریس، چوڑی والان، دہلی ۶
ناشر : اردو اکادمی، دہلی۔ گھٹا مسجد روڈ دریا گنج نئی دہلی ۲

ISBN 81-7121-087-2

فہرست کلیاتِ مکاتیبِ اقبال جلد سوم

۲۹۲۔	سید نذیر نیازی	۲۷ فروری	۱۹۳۴ء	عکس	۴۷۰
۲۹۳۔	ایڈورڈ تھامسن	۴ مارچ	۱۹۳۴ء	انگریزی	۴۷۲
۲۹۴۔	راغب احسن	۶ مارچ	۱۹۳۴ء	،،	۴۷۳
۲۹۵۔	سید یابین ہاشمی	۹ مارچ	۱۹۳۴ء	عکس	۴۷۴
۲۹۶۔	ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ	۱۱ مارچ	۱۹۳۴ء	،،	۴۷۶
۲۹۷۔	راغب احسن	۱۵ مارچ	۱۹۳۴ء	انگریزی	۴۷۸
۲۹۸۔	راغب احسن	۲۱ مارچ	۱۹۳۴ء		۴۷۹
۲۹۹۔	ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ	۲ اپریل	۱۹۳۴ء	عکس	۴۸۰
۳۰۰۔	ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ	۱ اپریل	۱۹۳۴ء		۴۸۰
۳۰۱۔	ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ	۱۲ اپریل	۱۹۳۴ء	عکس	۴۸۳
۳۰۲۔	راغب احسن	۸ مئی	۱۹۳۴ء		۴۸۵
۳۰۳۔	سید نذیر نیازی	۲۲ مئی	۱۹۳۴ء		۴۸۶
۳۰۴۔	سید نذیر نیازی	۲۹ مئی	۱۹۳۴ء	عکس	۴۸۹
۳۰۵۔	سید نذیر نیازی	۲ جون	۱۹۳۴ء	عکس	۴۹۱
۳۰۶۔	سر راس مسعود	۲ جون	۱۹۳۴ء	انگریزی	۴۹۴
۳۰۷۔	سید نذیر نیازی	۳ جون	۱۹۳۴ء	عکس	۴۹۵
۳۰۸۔	سید نذیر نیازی	۵ جون	۱۹۳۴ء	،،	۴۹۷
۳۰۹	سید نذیر نیازی	۵ جون	۱۹۳۴ء	،،	۵۰۰
۳۱۰۔	سید نذیر نیازی	۸ جون	۱۹۳۴ء	،،	۵۰۴
۳۱۱۔	سید نذیر نیازی	۱۲ جون	۱۹۳۴ء	،،	۵۰۶
۳۱۲۔	سید نذیر نیازی	۱۳ جون	۱۹۳۴ء	،،	۵۰۸
۳۱۳۔	سید نذیر نیازی	۱۶ جون	۱۹۳۴ء	،،	۵۱۰

نمبر	مکتوب الیہ	تاریخ	سنہ	کیفیت	صفحہ
۳۱۴	سید نذیر نیازی	۱۰ جون	۱۹۳۴ء	عکس	۵۱۱
۳۱۵	عبدالماجد دریابادی	۱۹ جون	۱۹۳۴ء		۵۱۳
۳۱۶	سید نذیر نیازی	۲۰ جون	۱۹۳۴ء	عکس	۵۱۴
۳۱۷	سید نذیر نیازی	۲۰ جون	۱۹۳۴ء	عکس	۵۱۶
۳۱۸	ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ	۲۱ جون	۱۹۳۴ء		۵۱۸
۳۱۹	سید نذیر نیازی	۲۲ جون	۱۹۳۴ء	عکس	۵۲۱
۳۲۰	سید نذیر نیازی	۲۳ جون	۱۹۳۴ء	//	۵۲۳
۳۲۱	بی بی آمنہ	۲۳ جون	۱۹۳۴ء	انگریزی/غیر مدون	۵۲۵
۳۲۲	سید نذیر نیازی	۲۴ جون	۱۹۳۴ء	عکس	۵۲۷
۳۲۳	سید نذیر نیاری	۲۷ جون	۱۹۳۴ء	//	۵۲۹
۳۲۴	سید نذیر نیازی	۲۷ جون	۱۹۳۴ء	//	۵۳۴
۳۲۵	سید نذیر نیازی	۲۹ جون	۱۹۳۴ء		۵۱۴
۳۲۶	سید نذیر نیازی	۲ جولائی	۱۹۳۴ء	عکس	۵۳۸
۳۲۷	سید نذیر نیازی	۳ جولائی	۱۹۳۴ء		۵۴۰
۳۲۸	بی بی آمنہ	۳ جولائی	۱۹۳۴ء	انگریزی/غیر مدون	۵۴۲
۳۲۹	سید نذیر نیاری	۵ جولائی	۱۹۳۴ء	عکس	۵۴۳
۳۳۰	سید نذیر نیازی	۶ جولائی	۱۹۳۴ء		۵۴۷
۳۳۱	سید نذیر نیازی	۱۰ جولائی	۱۹۳۴ء	عکس	۵۴۷
۳۳۲	سید نذیر نیازی	۱۱ جولائی	۱۹۳۴ء	//	۵۴۹
۳۳۳	سید نذیر نیازی	۱۳ جولائی	۱۹۳۴ء	//	۵۵۱
۳۳۴	سید نذیر نیازی	۱۶ جولائی	۱۹۳۴ء	//	۵۵۳
۳۳۵	سید نذیر نیازی	۱۶ جولائی	۱۹۳۴ء	//	۵۵۸
۳۳۶	سید نذیر نیازی	۲۲ جولائی	۱۹۳۴ء	//	۵۶۰

نمبر	مکتوب الیہ	تاریخ		کیفیت	صفحہ
۳۸۳۔	سید نذیر نیازی	۱۹ اکتوبر	۱۹۳۴ء	عکس	۶۵۰
۳۸۴۔	سید نذیر نیازی	۲۰ اکتوبر	۱۹۳۴ء	//	۶۵۲
۳۸۵	سید نذیر نیازی	۲۵ اکتوبر	۱۹۳۴ء	//	۶۵۶
۳۸۶۔	سید نذیر نیازی	۲۸ اکتوبر	۱۹۳۴ء	//	۶۵۶
۳۸۷۔	سید نذیر نیازی	۳۱ اکتوبر	۱۹۳۴ء	//	۶۵۸
۳۸۸۔	سید نذیر نیازی	۵ نومبر	۱۹۳۴ء	//	۶۶
۳۸۹۔	پروفیسر ضیاء احمد بدایونی	۹ نومبر	۱۹۳۴ء	انگریزی غیر مدون	۶۶۲
۳۹۰۔	سید نذیر نیازی	۱۰ نومبر	۱۹۳۴ء	عکس	۶۶۴
۳۹۱۔	سید نذیر نیازی	۱۲ نومبر	۱۹۳۴ء	//	۶۶۸
۳۹۲۔	سید نذیر نیازی	۱۳ نومبر	۱۹۳۴ء	//	۶۶۸
۳۹۳۔	سید نذیر نیازی	۱۵ نومبر	۱۹۳۴ء	//	۶۰۳
۳۹۴۔	سید نذیر نیازی	۱۹ نومبر	۱۹۳۴ء	//	۶۷۵
۳۹۵۔	سید نذیر نیازی	۲ نومبر	۱۹۳۴ء	عکس	۶۷۸
۳۹۶۔	سید نذیر نیازی	۲۹ نومبر	۱۹۳۴ء	//	۶۸۲
۳۹۷۔	خواجہ غلام السیدین	۲۹ نومبر	۱۹۳۴ء	انگریزی / غیر مدون	۶۸۴
۳۹۸۔	ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ	یکم دسمبر	۱۹۳۴ء	عکس	۶۸۵
۳۹۹۔	خواجہ غلام السیدین	۲ دسمبر	۱۹۳۴ء	انگریزی / غیر مدون	۶۸۵
۴۰۰۔	سید نذیر نیازی	۴ دسمبر	۱۹۳۴ء	عکس	۶۸۸
۴۰۱۔	سید نذیر نیازی	۵ دسمبر	۱۹۳۴ء	//	۶۸۹
۴۰۲۔	سید نذیر نیازی	۶ دسمبر	۱۹۳۴ء	//	۶۹۰
۴۰۳۔	محمد عبد الجمیل بنگلوری	۶ دسمبر	۱۹۳۴ء	انگریزی	۶۹۰
۴۰۴۔	رجسٹرار علی گڑھ مسلم یونیورسٹی	۷ دسمبر	۱۹۳۴ء	// / غیر مدون	۶۹۲
۴۰۵۔	راغب احسن	۱۰ دسمبر	۱۹۳۴ء		۶۹۳

حرفِ آغاز

دہلی ہندوستان کا دل ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شہر اپنی تہذیبی روح، ثقافتی رنگا رنگی اور تاریخی کردار کے اعتبار سے ایک چھوٹا سا ہندوستان ہے۔ دہلی کلچر کے فروغ میں اُردو نے ایک تاریخ ساز کردار ادا کیا ہے، اور آج بھی یہ زبان اس کی ادبی وتہذیبی شناخت کا اہم وسیلہ ہے۔ اردو کلچر کی اہمیت اور دہلی کی ثقافتی زندگی سے اس کے گہرے رشتے کے پیشِ نظر آنجہانی محترمہ اندرا گاندھی سابق وزیر اعظم مرکزی حکومت ہند کے ایما پر ۱۹۸۱ء میں اردو اکادمی کا قیام عمل میں آیا تھا۔

اکادمی کا اپنا ایک انتظامی ڈھانچہ اور طے شدہ دستور العمل ہے۔ دہلی کے لفٹیننٹ گورنر اس کے صدرنشین (چیئرمین) ہیں اور اکادمی کے اراکین کو دو سال کے لیے نامزد کرتے ہیں۔ ان اراکین میں ممتاز اہلِ قلم، ادیب، نقاد، صحافی، معلّم اور محقق شامل ہیں۔ اکادمی، دہلی اور بیرون دہلی کے دوسرے علمی، ادبی، تہذیبی اور تعلیمی حلقوں سے بھی رابطہ قائم رکھتی ہے اور اپنی سرگرمیوں میں ان کے تعاون اور مشوروں کو خوش آمدید کہتی ہے۔

ہمیں احساس ہے کہ کتاب انسان کی بہترین ساتھی ہے اور کتاب کا مطالعہ اس کا شریف ترین مشغلہ۔ کتاب ماضی کو حال اور حال کو مستقبل سے جوڑنے کا سب سے عمدہ وسیلہ ہے اپنے اس بیش بہا ورثے کو محفوظ کرنا اسے خوب تر اور مفید تر بنانا ہمارے تہذیبی فرائض کا سب سے اہم حصہ ہے۔ یہ گویا ادبی روشنیوں کو عام کرنا اور علمی خوشبوؤں کو پھیلانا ہے۔

اکادمی نے نہایت اہم موضوعات پر اچھی کتابوں کی اشاعت کا جو منصوبہ بنایا ہے "کلیاتِ مکاتیبِ اقبال" جلد اول، دوم، سوم اور چہارم اسی سلسلۂ پیش کش کا ایک حصہ ہے

کلیاتِ مکاتیبِ اقبال جلد۔۳

جلد اوّل ۱۹۸۹ء میں شائع کی جا چکی ہے۔ اس میں ۱۸۹۹ء تا ۱۹۱۸ء کے خطوط شامل تھے۔ جلد دوم میں ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۸ء تک کے خطوط شامل کیے گئے تھے۔ اس وقت آپ کے ہاتھ میں کلیاتِ مکاتیبِ اقبال جلد سوم ہے جس میں ۱۹۲۹ء تا ۱۹۳۴ء کے خطوط شامل کیے گئے ہیں۔ جلد چہارم کا کام بھی جاری ہے۔ اور جلد پنجم انگریزی خطوط پر مشتمل ہے۔

اقبال ایک بڑے شاعر ہی نہیں اپنے عہد کے ایک بڑے دانشور اور مفکر بھی ہیں۔ علامہ کے خطوط ان کی شاعری ہی کی طرح ان کی فکر و دانش کا مرقع ہیں بلکہ خطوط میں ان کی عظیم شخصیت کے بہت سے ایسے پہلو بھی نمایاں ہوئے ہیں جن کا اظہار اس اکملیت کے ساتھ شاعری میں نہیں ہو سکا ہے۔ جناب سید مظفر حسین برنی نے علامہ اقبال کے خطوط کو بڑی محنت اور جاں فشانی سے جمع کیا ہے اور پھر ایک خاص ترتیب سے یکجا کر دیا ہے۔ امید ہی نہیں یقین ہے کہ اہل علم ان کے اس کام کی قدر کریں گے۔ اس کے لیے ہم فاضل مرتب کی علمی کاوشوں کے ممنون ہیں اور اس تعاون کے بھی جو اشاعتی کمیٹی کے ارکان کی طرف سے ہمیں میسر آتا ہے اور ہمارے لیے روشنی و رہنمائی کا باعث بنتا ہے۔ اس کے علاوہ دہلی کی تاریخ و ادبیات سے متعلق کچھ ایسی اہم کتابیں بھی شائع کی گئی ہیں جو کمیاب بلکہ نایاب ہو چکی تھیں۔ ایسی مزید کچھ کتابیں ترتیب و اشاعت کے مراحل سے گزر رہی ہیں۔

ہم اپنے موجودہ سرپرست اور اکادمی کے صدر نشین جناب پی۔ کے۔ دوے صاحب لفٹیننٹ گورنر دہلی، کی عنایات اور توجہات کے لیے بے حد ممنون ہیں جن کی حوصلہ افزائی سے ہم اپنے اشاعتی پروگراموں کو حسن و خوبی انجام دے پاتے ہیں۔

ایس۔ اشتیاق عابدی
سکریٹری
اردو اکادمی، دہلی

مقدمہ

مجھے نہایت مسرت ہے کہ کلیات مکاتیب اقبال کی تیسری جلد منظر عام پر آرہی ہے۔ اس کی جلد اوّل ۱۹۸۹ء میں اور جلد دوم ۱۹۹۱ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ اب تیسری اور آخری جلد بھی انشاء اللہ ۱۹۹۲ء کے اوائل میں شائع ہو جائے گی۔ اس طرح اس منصوبہ کی تکمیل کا جو خواب میں نے دیکھا تھا وہ شرمندۂ تعبیر ہو گا ارادہ ہے کہ پانچویں جلد بھی جلد ہی قارئین کی خدمت میں پیش کر سکوں جس میں اقبال کے تمام دستیاب انگریزی خطوط یکجا کیے گئے ہیں۔ ان خطوط کے اردو تراجم مختلف جلدوں میں چھپ چکے ہیں۔ اب ان کے انگریزی متون الگ علیحدہ جلد میں ان قارئین کے لیے شائع کیے جا رہے ہیں جو اصل خط پڑھنا چاہتے ہیں۔

مزید باعث مسرت یہ ہے کہ کلیات خلاف توقع اس قدر مقبول ہوئی کہ ناشر کو کئی بار عکس لینا پڑا اور اب باضابطہ طور پر دوسرا ایڈیشن شائع ہو رہا ہے۔ ناشر نے لکھا ہے کہ ان کی شائع کردہ کتابوں میں اس حجم اور اس قیمت کی کوئی دوسری کتاب اتنی کثیر تعداد میں فروخت نہیں ہوئی ہے جس سے ایک جلد خریدنے سے دوسری جلدیں حاصل کرنے کے لیے مجبور سا ہو جاتا ہے

"کلیات مکاتیب اقبال" کی زیر نظر جلد سوم میں اقبال کے چار سو چھ (۴۰۶) خطوط شامل ہیں جو انھوں نے ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۴ء تک ۶ سال کے عرصہ میں تحریر

کیے۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ جلد اوّل کے دیباچہ میں عرض کیا گیا تھا کہ اقبال کے مکاتیب کی تقسیم کے لیے ان کی تصانیف کو نشان راہ بنایا گیا ہے۔ ۱۹۲۸ء میں ان کے خطبات "فکر اسلامی کی تشکیل جدید" شائع ہوئے اور جنوری ۱۹۳۵ء میں "بال جبریل" کی اشاعت ہوئی۔ لہذا ان دو شاہکار تصانیف کی درمیانی مدت کو جلد سوم کے خطوط کی ترتیب و تدوین کے لیے اساس بنایا گیا ہے۔

اس جلد میں مشمولہ خطوط میں چودہ (۱۴) غیر مطبوعہ خطوط ہیں جن میں حسب ذیل چھ (۶) خطوط خواجہ غلام السیّدین کے نام ہیں جو ان کی صاحبزادی ڈاکٹر سیدہ سیدین حمید صاحبہ نے ازراہ کرم گستری اور اقبال شناسی عنایت فرمائے:

۱۔ ۲۵ر اکتوبر ۱۹۲۹ء
۲۔ ۱۱ر نومبر ۱۹۲۹ء
۳۔ ۲۴ر ستمبر ۱۹۳۳ء
۴۔ ۲۹ر نومبر ۱۹۳۴ء
۵۔ ۲ر دسمبر ۱۹۳۴ء
۶۔ ۱۴ر دسمبر ۱۹۳۴ء

اقبال الہ آباد، علی گڑھ اور عثمانیہ یونیورسٹیوں کے امتحانات کے ممتحن تھے چنانچہ ان یونیورسٹیوں کے ارباب حل عقد سے ان کے مکاتیب کی تلاش کی درخواست کی گئی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پانچ غیر مطبوعہ خطوط دستیاب ہوئے۔ جن میں ایک خط ۷ر دسمبر ۱۹۳۴ء بنام رجسٹرار علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور تین مکاتیب محررہ ستمبر ۱۹۳۴ء، ۹ر اکتوبر ۱۹۳۳ء اور ۱۰ر اکتوبر ۱۹۳۳ء سر راس مسعود کے نام ہیں۔ جو اس جلد میں شامل ہیں۔ جب کہ پانچواں مکتوب ضیاء الدین برنی کے نام ہے جو ۲۱ر مارچ ۱۹۳۶ء کو لکھا گیا یہ مکتوب جلد چہارم میں شامل ہوگا۔ ان کی دریافت کا سہرا جناب ضیاء الدین انصاری صاحب، چیف لائبریرین، مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سر ہے۔ یہ خطوط پہلی بار "شاعر۔ اقبال نمبر ۱۹۸۸ء" میں راقم کے ایک مضمون کے ساتھ شائع ہوئے تھے۔

ان کے علاوہ ایک خط محررہ ۷ دسمبر ۱۹۲۹ء بنام مرزا اعجاز حسین (جوائنٹ سکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ) مجھے ڈاکٹر وحید احمد صاحب، ڈائرکٹر قاید اعظم اکیڈمی کراچی نے بہ تلطف خاص مرحمت فرمایا۔ ایک مکتوب محررہ ۱۲ جولائی ۱۹۳۳ء بنام سی۔ سی۔ گاربیٹ (C.C. GARBETT) (چیف سکریٹری، پنجاب گورنمنٹ) جناب سلیم قریشی صاحب انڈیا آفس لائبریری۔ لندن کی دین ہے اور ایک سطری خط بنام لیڈی سر علی امام محررہ ۲ دسمبر ۱۹۳۴ء ڈاکٹر عابد رضا بیدار ڈائرکٹر، خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ نے عطا کیا ہے۔ یہ سب خط انگریزی میں ہیں۔ میں ان سب کرم فرماوں کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

ان کے علاوہ پندرہ (۱۵) خطوط غیر مدون ہیں جو ابھی تک کسی مجموعہ میں شامل نہیں ہوئے:

۱	سر امین جنگ	۳ جنوری	۱۹۳۰ء
۲	حمید احمد انصاری	۳ جنوری	۱۹۳۰ء انگریزی
۳	سید محمد صف	۲ جولائی	۱۹۳۰ء
۴	پروفیسر سراج الدین آزر	۲۵ ستمبر	۱۹۳۰ء انگریزی
۵	سر اکبر حیدری	۳ مئی	۱۹۳۱ء انگریزی
۶	سر اکبر حیدری	۱۴ مئی	۱۹۳۱ء انگریزی
۷	سردار بیگم	۲۶ اگست	۱۹۳۱ء
۸	حسن لطیفی	۱۳ اکتوبر	۱۹۳۱ء انگریزی
۹	نظیر لدھیانوی	۱۹ فروری	۱۹۳۲ء
۱۰	پنڈت شمبو نرائن شمیم	۱۸ اپریل	۱۹۳۲ء
۱۱	محمد عثمان	بلا تاریخ	
۱۲	سر ولیم روتھنسٹائن (SIR WILLIAM ROTHENSTEIN)	۲۸ فروری	۱۹۳۳ء انگریزی

۱۳۔	بی بی آمنہ	۲۳ جون	۱۹۳۴ء	انگریزی
۱۴۔	بی بی آمنہ	۳ر جولائی	۱۹۳۴ء	انگریزی
۱۵۔	پروفیسر ضیا احمد بدایونی	۹ر نومبر	۱۹۳۴ء	انگریزی

ان میں نو (۹) مکاتیب انگریزی میں ہیں۔ متعلقہ مکاتیب کے فٹ نوٹ میں مآخذوں کی نشاندہی کردی گئی ہے۔

ایک سواتی (۱۰۰) مکاتیب کے عکس ھی دیے جارہے ہیں۔ جو تمام مشمولہ مکاتیب کے قریباً چوالیس (۴۴) فی صد ہیں بالفاظ دیگر ہر دو خط میں سے ایک کا عکس حاصل کیا گیا ہے تاکہ کماحقہٗ صحت متن کی جا سکے۔ اس صدمیں سو (۱۰۰) مکاتیب انگریزی کے ہیں۔ چند خطوط کا ترجمہ پہلی بار کیا ہے اور باقی خطوط کے ترجموں پر نظرثانی کی گئی ہے۔ دو خط فارسی زبان میں لکھے ہیں جو ایران کے ادیب ونقاد سعید نفیسی کے نام ۲۶ اگست ۱۹۳۲ء اور ۴ر نومبر ۱۹۳۲ء کو لکھے گئے ان خطوط کے اردو ترجموں کے ساتھ اصل فارسی متنوں کو بھی شامل کردیے ہیں۔

حسب سابق اس جلد میں بھی صحتِ متن کی جانب بطور خاص توجہ کی گئی ہے۔ چنانچہ دستیاب شدہ خطوط کا موازنہ و مقابلہ عکسی نقول سے اور "اقبال نامہ" زیر اشاعت سے کیا گیا ہے۔ متعدد مطبوعہ خطوط میں کہیں کہیں تو ایک ایک پیراگراف حذف تھا۔ اسے عکس کے مطابق متعلقہ جگہ پر شامل کردیا گیا ہے۔ اس کا اشارہ متعلقہ خطوط کے فٹ نوٹ میں کردیا گیا ہے۔ اس جلد میں یہ بھی التزام کیا گیا ہے کہ عکس متعلقہ خط کے سامنے رہے تاکہ وقت ضرورت قاری کو مقابلہ وموازنہ میں سہولت ہو۔

مکاتیب کی تاریخیں بھی داخلی شہادتوں اور دوسرے قرینوں سے متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس میں ڈاکٹر صابر کلوروی صاحب کی تصنیف "اشاریہ مکاتیب اقبال" اور ان کے تین مضامین "مکاتیب اقبال کے مآخذ ایک تحقیقی جائزہ"

"مکاتیب اقبال کے ماٰخذ ۔ چند مزید حقائق" اور "روح مکاتیب اقبال ایک تنقیدی جائزہ" ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی کتاب "تصانیف اقبال ـ توضیحی و تحقیقی مطالعہ" ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کی تصنیف "اقبال ـ ایک مطالعہ" مشعل راہ ثابت ہوئیں۔

اشخاص کے حالات زندگی درج کرتے وقت ان کی تاریخ ولادت و وفات کی صحت میرے دیرینہ کرم فرما اور اردو ادب کے ماہر ناز محقق و ناقد جناب مالک رام صاحب کی خصوصی توجہ کا نتیجہ ہے میں ان کے بے پایاں لطف و عنایت کا شکریہ صمیم قلب سے ادا کرتا ہوں۔ میں نے اس ضمن میں ان کی کتاب "تذکرہ ماہ و سال" پر کلی طور پر اعتبار کیا ہے۔

تلاش و کاوش کے باوجود درج ذیل مکتوب الیہم پر حواشی مرتب نہ ہو سکے، کہ ان کے بارے میں کوئی معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔

۱ انوری بیگم ۲۱ دسمبر ۱۹۲۹ء

۲۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین ۲۲ ستمبر ۱۹۳۲ء

۳۔ بی۔ بی۔ آمنہ ۲۳ جون ۱۹۳۴ء

چار خطوط گمنام ہیں۔ پہلا خط ۱۸ جولائی ۱۹۳۰ء کو کسی بیگم صاحبہ کے نام لکھا گیا اور دوسرا ۲۳ اپریل ۱۹۳۳ء تیسرا یکم ستمبر ۱۹۳۳ء اور چوتھا ۲ ستمبر ۱۹۳۳ء کو تحریر کیا گیا۔ موخر الذکر دو مکاتیب پٹنہ کے وکیل سید نعیم الحق صاحب کا عطیہ[1] ہیں۔

یہاں یہ بھی واضح کرنا مناسب ہوگا کہ تقاریظ اور مکاتیب میں حد فاصل قائم کرنا بڑا نازک اور دشوار کام ہے۔ میں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ اگر اقبال نے کسی کتاب پر اپنی رائے کا اظہار براہ راست اس کے مصنف یا مولّف کو کیا ہے تو یہ خط ہے اور اگر اظہار رائے بلاواسطہ ہوا ہے تو تقریظ ہے۔ مثلاً یہ تحریر

---

[1] اقبال نامہ جلد اول ص ۴۲۷ ـ ۴۲۸ ـ

"آپ کی کتاب مفید ہے" خط کے ذیل میں آتی ہے جب کہ یہ رائے "کتاب مفید ہے" تقریظ کہلائے گی۔

اس بار حواشی میں متعلقہ مکاتیب کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔

۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۴ء کا زمانہ اقبال کی زندگی میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یہ ان کی کل ہند سیاسیات میں عملی سرگرمیوں کا آخری دور ہے جس کا آغاز ۱۹۲۶ء میں ہوا تھا جب وہ پنجاب قانون ساز کونسل کے ممبر منتخب ہوئے۔ اس طرح انھوں نے آٹھ برس تک عملی سیاسیات میں بھرپور حصہ لیا۔ ان کا مشہور خطبہ الٰہ آباد جو آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے اس کے سالانہ اجلاس میں ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو پڑھا گیا اسی دور کا تاریخ ساز واقعہ ہے۔ اس خطبہ میں انھوں نے شمال مغربی ہند میں ایک خود مختار مسلم ریاست کا تصور پہلی بار پیش کیا جو مملکت پاکستان کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اقبال کے پیش نظر آبادیوں کے تبادلہ کا کوئی تصور نہ تھا۔ (ملاحظہ ہو مکتوب محررہ ۱۱ جنوری ۱۹۳۱ء) اپنی مجوزہ اسکیم کی وضاحت سرفرانسز ینگ ہسبنڈ (SIR FRANCIS YOUNGHUSBAND) کے نام ایک مکتوب میں کی جو ۳۰ جولائی ۱۹۳۰ء کو لاہور کے انگریزی روز نامہ "سول اینڈ ملٹری گزٹ" میں شائع ہوا۔

۱۰ جولائی ۱۹۳۱ء کے "مسلم آؤٹ لک" میں نارتھ انڈین مسلم اسٹیٹ پر پنجاب ہائی کورٹ کے جج پلوڈن نے اپنے خیالات کا اظہار کیا، جنھیں اقبال "دل چسپ" بتاتے ہیں۔ ۱۹۳۲ء میں ایک ہندو بزرگ ایس۔ وی۔ للت نے اقبال کو لکھا کہ: "ڈاکٹر مونجے آپ کی اسکیم کو تسلیم کرتے ہیں اور مولانا شوکت علی سے بھی گفتگو ہوئی ہے وہ بھی صلح پر آمادہ ہیں۔" (مکتوب محررہ ۸ جون ۱۹۳۲ء بنام مولانا عرفان خاں)۔

اسی زمانے میں تین گول میز کانفرنسیں لندن میں منعقد ہوئیں۔ جن میں ہندوستان کے پیچیدہ سیاسی عقدے کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی گئیں۔ اقبال پہلی

گول میز کانفرنس (منعقدہ ۱۹ر مارچ ۱۹۳۱ء) میں مدعو نہ کیے گئے لیکن بقیہ دونوں کانفرنسوں میں شریک ہوئے۔ دوسری گول میز کانفرنس اکتوبر ۱۹۳۱ء میں ہوئی۔ اقبال ۸ر ستمبر ۱۹۳۱ء کو لاہور سے روانہ ہوئے اور دہلی اور بمبئی ہوتے ہوئے ۲۷ر ستمبر ۱۹۳۱ء کو لندن پہنچے (خط محررہ ۴ ستمبر ۱۹۳۱ء بنام سید نذیر نیازی، اور ۲۸ر دسمبر ۱۹۳۱ء کو لاہور واپس آئے۔ اقبال نے لندن کے سفر کے دل چسپ حالات اپنے مکتوب مورخہ ۱۲ر ستمبر ۱۹۳۱ء بنام منشی طاہر دین میں لکھے ہیں جو ایک سفر نامہ کی نوعیت رکھتا ہے۔ اس میں بمبئی میں سردار صلاح الدین سلجوقی قنصل افغانستان مقیم بمبئی کی ضیافت اور لطف صحبت اور عطیہ فیضی صاحبہ کے ہاں سماع کی محفل کا ذکر ہے۔ عدن، پورٹ سعید، بحر احمر اور بحر روم کے بارہ میں نہایت دل چسپ پیرایہ میں لکھا ہے بحر احمر کے بارہ میں لکھتے ہیں:

"البتہ بحر احمر میں گرمی تھی۔ کیوں کہ یہ سمندر عصائے کلیم کا ضرب خوردہ ہے۔ گرم کیوں نہ ہو چاروں طرف جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے سمندر ہی سمندر ہے۔ گویا قدرت الٰہی نے آسمان کے نیلگوں خیمہ کو الٹ کر زمین پر بچھا دیا ہے۔"

کیوں نہ ہو آخر اقبال شاعر تھے۔ انھوں نے سمندر کی منظر کشی میں شاعرانہ تخیل اور ندرت آمیز انداز بیان سے کام لیا ہے۔

کانفرنس کے اختتام پر اقبال ۲۱ر نومبر ۱۹۳۱ء کو لندن سے روم کے لیے روانہ ہوئے۔ وہاں ۲۷ر نومبر ۱۹۳۱ء کو مسولینی سے ملاقات کی۔ تعجب ہے کہ اس ملاقات کے تاثرات کا ذکر اس دور کے کسی مکتوب میں نہیں ملتا۔ البتہ ۱۲ر مارچ ۱۹۳۷ء کے خط میں پروفیسر آل احمد سرور کے استفسار پر لکھا:

"مسولینی کے متعلق جو کچھ میں نے لکھا ہے اس میں آپ کو تناقص نظر آتا ہے۔ آپ درست فرماتے ہیں لیکن اس بندہ خدا میں ڈیول (شیطان) اور سینٹ (ولی) دونوں کی خصوصیات جمع ہوں تو اس کا

میں کیا علاج کروں۔ مسولینی سے اگر آپ کی ملاقات ہوتو آپ اس بات کی تصدیق کریں گے کہ اس کی نگاہ میں ایک ناممکن البیان تیزی ہے جس کو شعاعِ آفتاب سے ہی تعبیر کرسکتے ہیں۔ کم از کم مجھے اس قسم کا احساس ہوا۔"[1]

یہ بھی عجیب وغریب اتفاق ہے کہ ہندوستان کے دو ہم عصر عظیم شاعر اقبال اور ٹیگور دونوں مسولینی سے ملے اور دونوں اس سے بیحد متاثر ہوئے۔ اس شوق ملاقات کے تحت الشعور میں یقیناً انگریز دشمنی کا جذبہ کارفرما رہا ہوگا کہ دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے۔

اقبال مسولینی سے اس درجہ متاثر تھے کہ ڈاکٹر ریاض الحسن، پروفیسر معاشیات الہ آباد یونیورسٹی کو اپنے مکتوب محرّرہ ۲۹ رمئی ۱۹۳۳ء میں لکھتے ہیں:

"اپنے مضمون (اکنامک تھیوری آف اسلام) کے لیے مسولینی کے نظریات کا بغور مطالعہ کریں۔ اسلامی معاشیات کی روح یہ ہے کہ سرمائے کی بڑی مقدار میں اضافے کرنا ناممکن بنادیا جائے مسولینی اور ہٹلر کا انداز فکر بھی یہی تھا:

۲۹ رنومبر کو اقبال قاہرہ اور وہاں سے ۶ ردسمبر کو یروشلم پہنچے۔ جہاں موتمر اسلامی کے اجلاس میں شرکت کی وہاں سے ۱۱ رفروری ۱۹۳۲ء کو مولوی صالح محمد کو یہ سمجھاتے ہوئے کہ یروشلم سے مدینۃ النبی کا سفر آسان تھا فرماتے ہیں:

"لیکن یہ خیال جاگزیں ہوگیا کہ دنیوی مقاصد کے لیے سفر کے ضمن میں حرم نبوی کی زیارت کی جرأت کرنا سوأدب ہے۔"

اللہ اللہ بارگاہ نبوی میں حاضری کے لیے کیا سچی عقیدت تھی اور کیا خلوص نیت تھا!

---

[1] اقبال نامہ، حصہ دوم، ص ۲۱۴۔

اقبال تیسری گول میز کانفرنس (۱۷ر نومبر تا ۲۴ر دسمبر ۱۹۳۲ء) میں بھی شریک ہوئے۔ یہ کانفرنس بڑی سیاسی اہمیت رکھتی ہے۔ کانفرنس میں جانے سے پیشتر انھوں نے اپنے سیاسی موقف کی وضاحت اپنے مکتوب محرّرہ اکتوبر ۱۹۳۲ء بنام ڈائرکٹر روزنامہ "ہمدم" لکھنؤ میں کر دی تھی۔ اقبال ۱۷ر اکتوبر ۱۹۳۲ء کو ایک بار پھر یورپ کے لیے روانہ ہوئے۔ پیرس ہوتے ہوتے ۱۲ر نومبر کو لندن پہنچے۔ ان کے دستیاب مکاتیب میں اس کانفرنس کے متعلق بہت کم لکھا گیا ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال کے مطابق اقبال نے اس کانفرنس میں محض ایک تماشائی کی حیثیت سے شرکت کی[۱]

اس کانفرنس کے بعد اقبال ۳ر دسمبر ۱۹۳۲ء کو براستہ پیرس ہسپانیہ کے لیے روانہ ہوئے۔ پیرس میں جنوری ۱۹۳۳ء کے پہلے ہفتے میں ان کی ملاقات برگساں[۲] (BERGSON) سے ہوئی جس سے جدید فلسفے اور تمدن پر تقریباً دو گھنٹے گفتگو رہی۔ (مکتوب محرّرہ ۱۷ر مارچ ۱۹۳۳ء بنام لارڈ لوتھین[۳]) اس سے قبل سر ولیم روتھین اسٹائن کو ۲۸ر فروری ۱۹۳۳ء کو لکھ چکے تھے کہ برکلے (BERKLEY) کے فلسفے کا ماحصل بھی زیرِ بحث آیا۔

اقبال اسپین کے دارالسلطنت میڈرڈ ۵، ۶ر جنوری ۱۹۳۳ء کو پہنچے۔ اسی روز پروفیسر آسین بیلاکیوس (ASIN PALACIOS) سے ملے جنھوں نے "ڈوانٹے کا میڈی اور اسلام" پر معروف کتاب لکھی تھی۔ (مکتوب محرّرہ جنوری ۱۹۳۳ء)۔

ہسپانیہ کے سفر کے دوران اقبال نے مسجد قرطبہ میں نماز ادا کی۔ اپنے

---

[۱] جاوید اقبال۔ زندہ رود، جلد سوم، ص ۴۹۱۔

[۲] کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، جلد دوم، ص ۸۰۵

[۳] LORD LOTHIAN

مکتوب محررہ ۲۷ر مارچ ۱۹۳۳ء میں شیخ محمد اکرام کو لکھتے ہیں
"مسجد کی زیارت نے مجھے جذبات کی ایسی رفعت تک پہنچا دیا جو
مجھے پہلے کبھی نصیب نہ ہوئی تھی"
ان ہی جذبات کے تحت مدیر "انقلاب" لاہور کو قرطبہ دیکھنے کی ترغیب دیتے
ہوئے جنوری ۱۹۳۳ء میں لکھا تھا۔
"مرنے سے پہلے مسجد قرطبہ ضرور دیکھیے"
جاوید اقبال کو بھی اسی مضمون کا خط اسی زمانہ میں لکھا
"میں خدا کا شکر گزار ہوں کہ میں اس مسجد کے دیکھنے کے لیے زندہ
رہا۔ یہ مسجد تمام دنیا کی مساجد سے بہتر ہے خدا کرے کہ تم جوان
ہو کر اس عمارت کے انوار سے اپنی آنکھیں روشن کرو"
اقبال کی معرکتہ الآرا نظم "مسجد قرطبہ" اسی موقع پر کہی گئی تھی۔

کابل یونیورسٹی کے قیام کے سلسلہ میں اقبال نے سر راس مسعود اور مولانا سید سلیمان ندوی کے ہمراہ نادر شاہ کی دعوت پر افغانستان کا سفر کیا (۲۰ راکتوبر۔ ۴ رنومبر ۱۹۳۳ء) ان کے مکتوبات میں اس سفر کا مختصر سا ذکر ہے۔

اقبال مسلمانوں کے مسائل کی وجہ سے ہمیشہ فکرمند رہے مولوی ابو محمد مصلح حیدر آباد کی قرآنی تحریک کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ (مکتوب محررہ جنوری ۱۹۲۹ء) ان کو ایک اور خط محررہ ۱۸ راپریل ۱۹۳۱ء میں ایک ٹرسٹ قائم کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں جس کا مقصد مسلمانوں کے تمدن اور ان کے سیاسی حقوق کی حفاظت اور ان کی دینی اشاعت ہو۔ وہ اس "مقصد جلیل کے لیے" اپنی زندگی کے باقی ایام وقف کر دینے کو تیار تھے۔ (مکتوب محررہ ۲۲ راپریل ۱۹۳۱ء)۔

بعدازاں سر امین جنگ سے دائرۃ المعارف اسلامیہ کے قیام کے لیے حضور نظام دکن سے مالی امداد حاصل کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ (مکتوب محررہ ۳ رجنوری ۱۹۳۰ء) انھیں امید تھی کہ علی گڑھ تحریک اسلام جدید کی ترقی میں ٹر اردل ادا

کر سکتی ہے بشرطیکہ یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد ان تمام واقعات کا وسیع النظری سے مطالعہ کریں جو آج کی دنیائے اسلام میں رونما ہو رہے ہیں۔ (مکتوب مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۲۹ء بنام خواجہ غلام السیدین)۔

۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء کو مولانا سید سلیمان ندوی کو لکھتے ہیں:

"دنیا اس وقت عجیب کش مکش میں مبتلا ہے۔ جمہوریت فنا ہو رہی ہے اور اس کی جگہ ڈکٹیٹر شپ قائم ہو رہی ہے۔ جرمنی میں مادّی قوت کی پرستش کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ سرمایہ داری کے خلاف بھی ایک جہاد عظیم ہو رہا ہے۔ تہذیب و تمدن بالخصوص یورپ میں حالت نزع میں ہے۔ غرض کہ نظام عالم ایک نئی تشکیل کا محتاج ہے۔ ان حالات میں آپ کے خیال میں اسلام اس جدید تشکیل کا کہاں تک ممد ہو سکتا ہے۔"

اقبال بیرون ہند کے مسلمانوں کے مسائل کی وجہ سے بھی ہمیشہ دردمند رہے۔ اپنے ایک مکتوب الیہ محمد جمیل صاحب کو "ہمارے اٹک پار کے بھائیوں کی طرف سے" ذمہ داری کا احساس دلاتے ہیں۔ (مکتوب محرّرہ ۴ نومبر ۱۹۲۹ء) اقبال کا خیال تھا کہ "افغانستان کا استحکام مسلمانان ہندوستان اور وسطی ایشیا کے لیے وجہ جمعیت و تقویت ہے۔"

مسئلہ فلسطین مسلمانان عالم کے لیے ایک عقدہ لاینحل بن گیا تھا۔ اقبال بھی اس مسئلہ پر برابر بے چین رہے۔ اس کا ذکر براہ راست یا بلا واسطہ ان کے خطوط میں ملتا ہے۔ اپنے مکتوب محرّرہ ۲۲ نومبر ۱۹۳۳ء میں مس فارک ہرسن (MISS FARQUAHARSON) کو لکھا کہ:

"نیشنل لیگ کی بروقت سعی سے مجھے امید ہے کہ آپ حکومت کی احمقانہ فلسطینی حکمت عملی کے خلاف برطانوی رائے عامہ بیدار کرنے میں کامیاب ہوں گی۔"

انھیں پھر مکتوب محرّرہ ۲۵ر دسمبر ۱۹۳۳ء میں لکھا:

"ہم سب آپ کے اور لارڈ آز لنگٹن[1] کے فلسطینی عربوں کی نہایت ہی گرانقدر خدمات بجالانے کے لیے دلی احسان مند ہیں۔"

اقبال کشمیر کے معاملات میں بھی برابر دل چسپی لیتے رہے۔ وہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے ممبر تھے۔ بعد میں اس کے صدر منتخب ہوئے۔ اس ضمن میں وہ خط جو پنجاب کے چیف سکریٹری، سی۔سی۔ گاربیٹ کے مراسلے کے جواب میں ۱۲ر جولائی ۱۹۳۳ء کو لکھا اور جو پہلی بار شائع ہو رہا ہے درخورِ اعتنا ہے۔ ریاست کشمیر کے ایما پر گورنمنٹ نے کشمیر کمیٹی کے اراکین کو ریاست کشمیر نہ جانے کا مشورہ دیا تھا۔ اقبال نے صاف صاف لکھا کہ:

"اگر حالات اس قدر خراب ہوئے جن سے بیرون کشمیر کے مسلمانوں میں نقصِ امن ہو جائے تو میں پیش بینی کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ کشمیر کمیٹی کیا اقدام کرے گی۔"

اقبال نے کشمیر سے متعلق مقدمات میں بھی غیر معمولی دل چسپی لی اور پٹنہ کے ممتاز وکیل سید نعیم الحق سے ۱۹۳۴ء میں خاص طور سے خط و کتابت کی کہ وہ ان مقدمات کی پیروی کریں (مکاتیب محرّرہ ۱۳ر جنوری، ۲۲ر جنوری، ۲۸ر جنوری اور ۹ر فروری ۱۹۳۴ء وغیرہ)۔

۱۴ر ستمبر ۱۹۳۳ء کو نواب بہادر یار جنگ سے مظلومین کشمیر کی امداد کے لیے اپیل کی۔ اس کے علاوہ مسلم کانفرنس کے اجلاس کی خبر سن کر شیخ محمد عبداللہ کو مشورہ دیا کہ:

"ہم آہنگی ہی ایک ایسی چیز ہے جو تمام سیاسی و تمدنی مشکلات کا علاج ہے۔" (مکتوب محرّرہ ۲ر اکتوبر ۱۹۳۳ء)

---

[1] LORD ISLINGTON

۱۹۳۲ء کے اوایل ہی سے اقبال سیاسی حالات سے بددل ہو چکے تھے۔
۱۶ رجنوری ۱۹۳۲ء کو حاجی سیٹھ عبداللہ ہارون کو لکھتے ہیں:

"تجربے نے مجھے سکھایا ہے کہ بہت ہی کم لوگوں پر اعتبار کرنا چاہیے۔"

مس فارک ہرسن کو لکھا:

"میں ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں خاصا مایوس ہو چکا ہوں۔ بمبئی کے فسادات ابھی جاری ہیں۔ مجھے خدشہ ہے کہ ہندوستان میں جمہوریت کا نتیجہ خونریزی کے علاوہ کچھ نہ ہوگا۔ میرا یہ اعتقاد ہے کہ برطانیہ کا سب سے زیادہ باخبر شخص بھی قطعی یہ اندازہ نہیں لگا سکتا کہ واقعات کی ظاہری سطح کے نیچے کیا کچھ ہو رہا ہے۔"
(مکتوب محررہ ۲۲ رمئی ۱۹۳۲ء)

راغب احسن کو ۱۲ راگست ۱۹۳۳ء کو لکھتے ہیں:

"اب تو گزشتہ پانچ چار سال کے تجربے نے مجھ کو اپنے تمام لیڈروں سے مایوس کر دیا ہے۔"

چنانچہ ان کو عملی سیاست سے اپنی کنارہ کشی کی اطلاع دیتے ہیں (مکتوب محررہ ۲۸ رستمبر ۱۹۳۳ء) اسی مضمون کا خط ۲۴ رستمبر ۱۹۳۳ء کو مولانا عبدالماجد دریابادی کو لکھا تھا:

"گزشتہ پانچ چار سال کے تجربے نے مجھے بہت دردمند کر دیا ہے۔ اس لیے جلسوں میں میرے واسطے کوئی کشش باقی نہ رہی میں کہیں نہیں جا رہا نہ پٹنہ نہ کانپور۔"
(جہاں اس سال قومی اجتماعات ہو رہے تھے)

ان ہی وجوہ کی بنا پر سر فضل حسین سے "مذاکراتِ دہلی" میں شرکت کرنے سے معذرت کر دی تھی (مکتوب محررہ ۲۱ رجنوری ۱۹۳۲ء)۔

اس دور کے مکاتیب میں اقبال نے جا بجا اپنی تصانیف کی طرف بھی اشارے کیے ہیں جو اس وقت زیرِ طبع تھیں یا اسی زمانہ میں اشاعت پذیر ہوئی تھیں۔ ان مکاتیب سے ان کی تصانیف سے متعلق نہایت اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔
جب ۱۹۲۹ء میں "پیامِ مشرق" کا تیسرا ایڈیشن مکتبہ جامعہ اسلامیہ سے شائع ہوا تو ۴۴۸ نسخے پہنچنے کی اطلاع سید نذیر نیازی کو دی (مکتوب مورخہ ۲ اگست ۱۹۲۹ء)
اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تیسرا ایڈیشن جولائی ۱۹۲۹ء کے آخر میں شائع ہوا "پیامِ مشرق" کا پہلا ایڈیشن مئی ۱۹۲۳ء میں شائع ہوا تھا۔ (مکتوب بنام سرکشن پرشاد مورخہ ۱۸ مئی ۱۹۲۳ء) اور دوسرا ایڈیشن مارچ ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا تھا۔

اس دور کی اہم ترین تصنیف "جاوید نامہ" ہے گو اس کی ابتدا ۱۹۲۷ء میں ہوگئی تھی لیکن تکمیل ۱۹۳۱ء میں ہوئی۔ اس کتاب کی اشاعت اکتوبر ۱۹۳۱ء تک متوقع تھی (مکتوب محررہ ۱۹ اگست ۱۹۳۱ء بنام سید نذیر نیازی) مگر یہ فروری ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئی (مکتوب محررہ ۱۱ فروری ۱۹۳۲ء بنام مولوی صالح محمد)۔ ابتدا میں دیباچہ بھی لکھنے کا ارادہ تھا مگر یہ پورا نہ ہوا (مکتوب محررہ ۲۰ جنوری ۱۹۳۱ء) اقبال کی خواہش تھی کہ "جاوید نامہ" کا تمام و کمال ترجمہ انگریزی میں کیا جائے (مکتوب محررہ ۳۱ مارچ ۱۹۳۳ء)۔

فارسی مثنوی "مسافر" کا آغاز سفرِ افغانستان کی واپسی پر ہوا۔ اور یہ نومبر ۱۹۳۴ء میں منظرِ عام پر آئی۔ (مکتوب محررہ ۶ دسمبر ۱۹۳۴ء بنام محمد جمیل خواجہ غلام السیدین کے نام مکتوب مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۳۴ء سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال نے اسی سال "ضربِ کلیم" کا بیشتر حصہ لکھ لیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ ایک کتاب بہ عنوان "ایک فراموش شدہ پیغمبر کا صحیفہ" لکھوں۔ "عصرِ حاضر کے خلاف اعلانِ جنگ" اس کتاب کا

لہ کلیات مکاتیبِ اقبال، جلد دوم، ص ۴۴۶۔

صرف تشریحی عنوان ہوگا۔ چند روز قبل بہت سے خیالات میرے ذہن میں بجلی کی طرح کوند گئے اور میں نے اپنی خواہش اور اردو شاعری میں اپنی شہرت کے برعکس ان کو قلمبند کرلیں۔ بعد کے دو روز میں کتاب کا بیشتر حصّہ لکھا جا چکا تھا۔ اب میں اس کو اردو میں مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ "فراموش شدہ پیغمبر کا صحیفہ۔ انگریزی میں ایک علیحدہ کتاب ہوگی۔ جسے بعد میں لکھنے کی توقع رکھتا ہوں تقریب قریب بہ "اعلان حق" کے موضوعات پر ہی ہوگی۔"

اس اقتباس سے شاعر کے پُراثر تخلیقی عمل (PROCESS OF CREATION) پر بھی ایک نئی روشنی پڑتی ہے اور صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال کے لیے صریر خامہ بلاشبہ نوائے سروش ہے۔

اقبال کے خطبات کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۰ء میں شائع ہوا۔ دوسرا ایڈیشن ان کے ایک مدّاح لارڈ لوتھین کے ایما پر آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے ۱۹۳۴ء میں شائع کیا جس کا ذکر اس دور کے خطوط میں ملتا ہے۔ ان خطبات کا اردو ترجمہ سید نذیر نیازی کر رہے تھے۔

یہاں یہ امر خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ اقبال نے اپنی تمام کتابوں کا حق تصنیف جاوید اقبال کے نام ہبہ کرکے دستاویز پر رجسٹری کرادی تھی۔ (مکتوب محررہ ۹ر ستمبر ۱۹۳۴ء)۔

اسی دوران اقبال نے آکسفورڈ یونیورسٹی میں روڈز (RHODES) لیکچرز دینے کی دعوت قبول کرلی اور " زماں و مکان فلسفہ اسلام کی تاریخ میں " یا "فکر اسلامی میں تصورِ زمان و مکان " ان کا موضوع تھا۔ یہ فیصلہ نہیں کیا جاسکا کہ خطبات پڑھنے کے لیے ۱۹۳۴ء یا ۱۹۳۵ء میں انگلستان جائیں گے بہرکیف اقبال ان خطبات کی تیاری میں مستغرق ہوگئے۔ چنانچہ ایک ہی دن (۸ر اگست ۱۹۳۴ء) میں دو خط محی الدین ابن عربی کے بارہ میں معلومات حاصل کرنے کو

خاطر لکھتے ہیں۔ ایک مولانا سید سلیمان ندوی کے نام اور دوسرا پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی کے نام۔ ۴ ستمبر کو پھر مولانا سید سلیمان ندوی سے مہدی[1] فلسفی ساکن پھلواری شریف مصنف "تسویلاتِ فلسفہ" کا نام دریافت فرماتے ہیں۔

سید محفوظ علی بدایونی سے استفسار کرتے ہیں کہ بدایوں کے کسی بزرگ نے علم ہیئت پر کوئی رسالہ عربی میں شائع کیا ہے جو غالباً کسی یونانی رسالہ کا ترجمہ ہے۔ علاوہ ازیں مولانا نورالاسلام کے رسالہ "فی تحقیق المکان" کی نقل کتب خانہ رامپور سے حاصل کرتے ہیں۔ ملا محب اللہ بہاری کی مرتب کردہ "جوہر الفرد" کی تلاش کرتے ہیں۔ مولانا حکیم برکات احمد بہاری ثم ٹونکی کا رسالہ "اتقان فی ماہیۃ الزمان" ملاحظہ فرماتے ہیں۔ حافظ امان اللہ بنارسی کی تمام تصانیف دیکھنا چاہتے ہیں۔

ان مکاتیب میں شاعری کے متعلق اور اقبال کے خیالات و نظریات کے متعلق بھی اشارے ملتے ہیں۔ اپنے مخصوص نظریہ شاعری کی وضاحت کرتے ہیں:

"جذبات انسانی کی تخلیق یا بیداری کے کئی ذرائع ہیں۔ جن میں ایک شعر بھی ہے۔ اور شعر کا تخلیقی یا انفعالی اثر محض اس کے مطالب و معانی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس میں شعر کی زبان اور زبان کے الفاظ کی صوت اور طرز ادا کو بھی بہت بڑا دخل ہے۔"

(مکتوب محررہ ۳۰ مئی ۱۹۳۰ء)

ایک اور خط مورخہ ۳۰ جنوری ۱۹۲۱ء میں لکھتے ہیں:

"میرے زیر نظر حقائق اخلاقی و ملی ہیں۔ زبان میرے لیے ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔"

ایک اور خط میں صاف صاف کہا ہے:

---

[1] شاہ محمد ظہور الحق پھلواری شریف۔ حواشی ملاحظہ ہوں۔

"باقی رہی زبان اردو اور فن شاعری سو ان سے مجھے کوئی سروکار نہیں
میرے مقاصد شاعرانہ نہیں بلکہ مذہبی اور اخلاقی ہیں۔"
جدید اردو شاعری کے نئے میلانات پر اظہار خیال کرتے ہیں۔
"اب کچھ عرصہ سے بلا ردیف و قافیہ نظمیں لکھی جاتی ہیں مگر میرے
خیال میں یہ روش آئندہ مقبول نہ ہو گی۔ ۔ میں خط فرسودہ مضامین
کی حد تک جدید و قدیم کی بحث کو مانتا ہوں۔ شاعری کی جان و مادہ
کے جذبات ہیں۔ جذبات انسانی اور کیفیات قلبی اللہ بن دن ہے
ہاں یہ ضرور ہے کہ طبع موزوں اس کے ادا کرنے کے لیے مناسب الفاظ کی
تلاش کرے۔ اگر ہم نے پابندی عروض کی قدر ورزی کی تو شاعری کا
قلعہ ہی منہدم ہو جائے گا۔"
(مکتوب محررہ ۱۰ اپریل ۱۹۳۴ء بنام ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ)
اقبال معاصرانہ اور معاندانہ چشمکوں سے ملبدو بالا تر تھے۔ وہ اپنے ہم عصر شعراء
کو داد و تحسین دینے میں بہت فراخ دل تھے۔ خواجہ عزیز لکھنوی کی شاعری کے بارہ
میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ اس پر دال ہے۔ اس کے علاوہ ثاقب کانپوری
کے مجموعہ کلام "متاع درد" محمد عبدالقوی فانی چشتی صابری کے فارسی قصائد کے
مجموعہ "گلزارِ عثمانی" اور شوکت تھانوی کے مجموعہ کلام "کہرستان" کو خوب داد و تحسین
دی ہے۔ مزید برآں بیگم گرامی کو دیوان گرامی کی طباعت و اشاعت میں برابر مشورہ
دیتے رہے۔ البتہ اصلاح کلام سے ہمیشہ گریز کرتے تھے۔
اقبال اپنی شاعری کے بارہ میں ہمیشہ عجز و انکساری کا اظہار کرتے تھے۔
ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:
"میری شاعری ہندی فارسی ہے۔ ایک ایرانی کو کیا پسند آئے گی۔"
یہی جذبہ ایران کے معروف ادیب و نقاد سعید نفیس کے نام مکاتیب میں جھلکتا ہے۔
اقبال کو تصوف اور روحانیت سے بڑا شغف تھا جو اس دور کے مکاتیب میں

بھی عیاں ہے۔ ایک مکتوب میں دورِ حاضر کے چند ممتاز صوفیا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس زمانے میں بھی مسلمانوں کی روحانیت کا خزانہ ختم نہیں ہوا ہے۔"
(مکتوب مورخہ ۲۵ جولائی ۱۹۳۰ء)

سید نذیر نیازی کو سمجھاتے ہیں:

"تصوف لکھنے پڑھنے کی چیز نہیں ہے کرنے کی چیز ہے۔"

۲۹ جون ۱۹۳۴ء کو سرہند تشریف لے جارہے تھے۔ اس روز سید نذیر نیازی کو لکھتے ہیں:

"چند روز ہوئے صبح کی نماز کے بعد میری آنکھ لگ گئی۔ اور خواب میں کسی نے پیغام دیا ہم نے جو خواب تمہارے اور شعیب ارسلان کے متعلق دیکھا ہے وہ سرہند بھیج دیا ہے۔ ہمیں یقین ہے خدا تعالیٰ تم پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔

اس خواب کی بنا پر اقبال کہتے ہیں کہ "وہاں کی حاضری ضروری ہے"

یہاں اس قصہ کا ذکر بھی ناگزیر ہے جو اقبال نے عطیہ فیضی کو ۲۹ رمئی ۱۹۳۳ء کو لکھا۔ ہسپانیہ میں ان کی پرائیویٹ سکریٹری (جو انگریز لڑکی تھی) نے کچھ عرصہ ان کے ساتھ رہنے کے بعد بالکل ایک مرید کی طرح خدمت کرنا شروع کردی اور بالآخر ایک دن کہنے لگی "آپ ولی اللہ ہیں"

ان مکتوبات میں اقبال کے سوانح، عادات و معمولات، سیرت و کردار کے متعلق بھی کافی معلومات حاصل ہوسکتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جولائی ۱۹۳۰ء سے چند قبل ان کے شفیق استاد سر ٹامس آرنلڈ کی وفات ہوئی۔ اور اگست ۱۹۳۰ء میں ان کے والد ماجد کا انتقال ہوا۔

یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ برصغیر کا یہ عظیم شاعر اور مفکر اپنی شہرت و ناموری کے دورِ عروج میں بھی کسبِ معاش کی خاطر یونیورسٹی کے امتحانوں کے پرچوں کی جانچ

رہا۔ (مکتوب محررہ ۶ مئی ۱۹۳۲ء بنام سید نذیر نیازی)

چند خطوط اقبال کی نجی زندگی سے بھی متعلق ہیں۔ ان میں ان کا ایک خط قابلِ ذکر ہے جو انھوں نے اپنی بیوی سردار بیگم کے نام ۲۶ / اگست ۱۹۳۱ء کو لکھا ہے اور جو پہلی بار ڈاکٹر جاوید اقبال کی کتاب "زندہ رود" جلد سوم (ص، ۴۳۵) پر شائع ہوا ہے۔ اس میں اپنی ناگہانی موت کی صورت میں مسائلِ وراثت کی وضاحت کی تھی۔

سید نذیر نیازی اقبال کے بڑے نیازمند تھے ایک بار انھوں نے ایک کتاب "الطواسین" ان سے عاریتاً لی۔ وہ وقت مقررہ پر واپس نہ کی تو اُس پر اقبال نے بڑے غیظ و غضب کا اظہار کیا اور ان کو انگریزی میں خط لکھا جب کہ بالعموم وہ ان کو اردو میں خط لکھتے تھے۔

ایک دلچسپ واقعہ یہ ہے جب اقبال نے عرصہ دراز کے بعد یورپ کا دوسرا سفر کیا تو انھیں اپنی جرمن اتالیق مس ایما ویگے ناسٹ کی پھر یاد آئی۔ اس کے نام اقبال کے ستائس (۲۷) خطوط دستیاب ہیں۔ ان میں سترہ (۱۷) جرمن زبان میں اور دس (۱۰) انگریزی میں ہیں۔ ان میں سے انیس (۱۹) خطوط "کلیاتِ مکاتیبِ اقبال" کی جلد اول میں اور ایک (۱) خط جلد دوم میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس جلد میں اس کے نام سات (۷) خط شامل ہیں۔

اقبال کی جان لیوا بیماری کی ابتدا اسی دور میں ہوئی ڈاکٹر جاوید اقبال کی روایت[1] کے مطابق عید الفطر کے دن (۱۰ / جنوری ۱۹۳۴ء) اقبال نے پنجاب کے دستور کے مطابق سویوں پر دہی ڈال کر کھائی۔ اسی روز سے ان کا گلا بیٹھ گیا جو مرتے دم تک ٹھیک نہ ہوا۔ پہلا خط جس میں اپنی بیماری کا ذکر کیا ہے ۱۲ / فروری ۱۹۳۴ء کو سید نذیر نیازی کے نام ہے۔ اس کے بعد ان کو برابر اپنی علالت اور معالجہ کے بارے

---

[1] جاوید اقبال۔ زندہ رود، جلد سوم، ص، ۵۲۶۔

ں خطوط لکھتے رہے۔ سید نذیر نیازی اس وقت دہلی میں مقیم تھے اور حکیم نابینا صاحب (حکیم عبدالوہاب انصاری برادر بزرگ ڈاکٹر مختار احمد انصاری) کے زیر علاج تھے۔ خط و کتابت کا یہ سلسلہ اقبال کی وفات تک جاری رہا۔ اقبال کے ۱۹۳۴ء کے بیشتر خطوط ان کی بیماری کے احوال علاج و معالجہ اور پرہیز سے متعلق ہیں۔

اس زمانے میں اقبال کی یہ خواہش تھی کہ بیرونی ممالک جیسا یہ شمالی افریقہ، ترکی، مصر اور ایران کی سیاحت کریں ایران جانے کی ان کی دیرینہ آرزو تھی۔

۱۹۳۴ء میں فردوسی کے ہزار سالہ جشن کے موقع پر ایران جانے کا قصد تھا مگر ناسازی طبع کی وجہ سے یہ ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ اس تقریب میں ہندوستان سے رابندر ناتھ ٹیگور شریک ہوئے یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ فارسی میں دور حاضر کا عظیم ترین شاعر اپنی زندگی میں ایران نہ جا سکا۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ اقبال نے اپنے بڑے بیٹے آفتاب اقبال کے بارے میں صرف دو خط لکھے ہیں جو سر اکبر حیدری کے نام ہیں۔ (مکاتیب محررہ ۲ رمئی ۱۹۳۱ء اور ۱۴ رمئی ۱۹۳۱ء) جو اس جلد میں شامل ہیں۔

یہ تھا مختصر اور سرسری جائزہ ان مکاتیب کا جو اس جلد میں۔ ان کا ایک سیر حاصل تنقیدی اور توضیحی تجزیہ جلد چہارم میں شامل ہوگا۔

آخر میں ان تمام احباب اور علم دوست حضرات کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جن کی گراں قدر امداد، تعاون اور مشوروں کے بغیر اس صبر آزما منصوبہ کو تیسری منزل تک پہنچانا آسان نہ تھا۔ بالخصوص حواشی مرتب کرنے میں خاصی محنت و کاوش کرنا پڑی۔ اگر چند کرم فرماؤں کا ہمہ پہلو تعاون حاصل نہ ہوتا تو یہ کام کبھی پایہ تکمیل کو نہ پہنچتا۔ ان میں سر فہرست نام پروفیسر مختار الدین احمد صاحب، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا ہے۔ جنھوں ادب پروری اور علم نوازی

کے جذبہ سے سرشار ہوکر نہ صرف معلومات ضروری حاصل کرنے پر اپنا وقت عزیز صرف کیا بلکہ مکمل اور جامع نوٹ مرتب کرکے بھیجے اور مجھے ہمیشہ کے لیے اپنا مرہونِ منت بنالیا۔

اس کے علاوہ ڈاکٹر ڈی۔آر۔ سرین صاحب، ڈائرکٹر انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹاریکل ریسرچ، نئی دہلی، پروفیسر شہاب الدین انصاری صاحب، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی۔ میر عابد علی خاں صاحب مرحوم، سابق مدیر اعلیٰ روزنامہ'سیاست' حیدرآباد دکن، ڈاکٹر حسن الدین احمد صاحب، حیدرآباد اور ڈاکٹر اوصاف علی صاحب، جامعہ ہمدرد، تغلق آباد، نئی دہلی، پروفیسر نذیر احمد صاحب، علی گڑھ کی گراں قدر امداد کے بغیر اس قدر معلومات کی فراہمی میرے لیے نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن تھی۔ ان حضرات کا میں دل و جان سے ممنون ہوں اور رہوں گا۔

آخر میں اپنے دیرینہ اور عزیز دوست پروفیسر نثار احمد فاروقی صاحب کا بھی بے حد شکرگزار ہوں کہ انھوں نے ہر قدم پر میری ہر ممکن مدد فرمائی۔ میرے لٹریری اسسٹنٹ جناب سید راشد حسین صاحب اس کی ترتیب و تدوین میں بھی میرے ساتھ کام کرتے رہے۔ ان کی مجاہدانہ ریاضت قلندرانہ تن دہی و انہماک اور مثالی محنت و جانکاہی کی جس قدر تعریف کروں کم ہے۔ ڈاکٹر توقیر احمد خاں نے بھی صحت متن میں بڑی محنت اور عرق ریزی سے کام کیا۔ جناب ریحان عباسی صاحب نے پروف ریڈنگ کا کام گہرے احساس ذمہ داری اور جانفشانی سے کیا ہے۔ یہ سب میرے دلی شکریہ کے مستحق ہیں۔

جناب اشتیاق عابدی صاحب سکریٹری اردو اکادمی کا میں تہہ دل سے سپاس گزار ہوں کہ ان کی غیر معمولی توجہ اور کاوش و کوشش سے یہ جلد اس آب و تاب کے ساتھ منظرعام پر آئی۔ اکادمی کے مشیرِ خاص جناب

ں خطوط لکھتے رہے۔ سید نذیر نیازی اس وقت دہلی میں مقیم تھے اور حکیم نابینا صاحب (حکیم عبدالوہاب انصاری برادر بزرگ ڈاکٹر مختار احمد انصاری، کے زیر علاج تھے۔ خط و کتابت کا یہ سلسلہ اقبال کی وفات تک چلتا رہا۔ اقبال کے ۱۹۳۴ء کے بیشتر خطوط ان کی بیماری کے احوال علاج و معالجہ اور پرہیز سے متعلق ہیں۔

اس زمانے میں اقبال کی یہ خواہش تھی کہ بیرونی ممالک بالخصوص شمالی افریقہ، ترکی، مصر اور ایران کی سیاحت کریں۔ ایران جانے کی ان کی دیرینہ آرزو تھی۔

۱۹۳۴ء میں فردوسی کے ہزار سالہ جشن کے موقع پر ایران جانے کا قصد تھا مگر ناسازی طبع کی وجہ سے یہ ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ اس تقریب میں ہندوستان سے رابندر ناتھ ٹیگور شریک ہوئے۔ یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ فارسی میں دور حاضر کا عظیم ترین شاعر اپنی زندگی میں ایران نہ جا سکا۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ اقبال نے اپنے بڑے بیٹے آفتاب اقبال کے بارے میں صرف دو خط لکھے ہیں جو سر اکبر حیدری کے نام ہیں۔ (مکاتیب محررہ ۲ر مئی ۱۹۳۱ء اور ۱۴ر مئی ۱۹۳۱ء) جو اس جلد میں شامل ہیں۔

یہ تھا مختصر اور سرسری جائزہ ان مکاتیب کا جو اس جلد میں۔ ان کا ایک سیر حاصل تنقیدی اور توضیحی تجزیہ جلد چہارم میں شامل ہوگا۔

آخر میں ان تمام احباب اور علم دوست حضرات کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جن کی گراں قدر امداد، تعاون اور مشوروں کے بغیر اس صبر آزما منصوبہ کو تیسری منزل تک پہنچانا آسان نہ تھا۔ بالخصوص حواشی مرتب کرنے میں خاصی محنت و کاوش کرنا پڑی۔ اگر چند کرم فرماؤں کا ہمہ پہلو تعاون حاصل نہ ہوتا تو یہ کام کبھی پایۂ تکمیل کو نہ پہنچتا۔ ان میں سرفہرست نام پروفیسر مختارالدین احمد صاحب، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا ہے۔ جنھوں ادب پروری اور علم نوازی

کے جذبہ سے سرشار ہوکر نہ صرف معلومات فراہم کرنے پر اپنا وقت عزیز صرف کیا بلکہ مکمل اور جامع نوٹ مرتب کرکے بھیجے اور مجھے ہمیشہ کے لیے اپنا مرہون منت بنالیا۔

اس کے علاوہ ڈاکٹر بی۔آر۔ سربن صاحب ڈائرکٹر انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹاریکل ریسرچ، نئی دہلی، پروفیسر شہاب الدین انصاری صاحب جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی، میر عابد علی خاں صاحب مرحوم، سابق مدیر اعلی روز نامہ "سیاست" حیدرآباد دکن، ڈاکٹر حسن الدین احمد صاحب، حیدرآباد اور ڈاکٹر اوصاف علی صاحب، جامعہ ہمدرد، تغلق آباد، نئی دہلی، پروفیسر نذیر احمد صاحب، علی گڑھ کی گراں قدر امداد کے بغیر اس قدر معلومات کی فراہمی میرے لیے نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن تھی۔ ان حضرات کا میں دل وجان سے ممنون ہوں اور رہوں گا۔

آخر میں اپنے دیرینہ اور عزیز دوست پروفیسر نثار احمد فاروقی صاحب کا بھی بے حد شکر گزار ہوں کہ انھوں نے ہر قدم پر میری ہر ممکن مدد فرمائی۔ میرے لٹریری اسسٹنٹ جناب سید راشد حسین صاحب اس کی ترتیب وتدوین میں بھی میرے ساتھ کام کرتے رہے۔ ان کی مجاہدانہ ریاضت، قلندرانہ دہی وانہماک اور مثالی محنت وجانکاہی کی جس قدر تعریف کروں کم ہے۔ ڈاکٹر توقیر احمد خاں نے بھی صحت متن میں بڑی محنت اور عرق ریزی سے کام کیا۔ جناب ریحان عباسی صاحب نے پروف ریڈنگ کا کام گہرے احساس ذمہ داری اور جانفشانی سے کیا ہے۔ یہ سب میرے دلی شکریہ کے مستحق ہیں۔

جناب اشتیاق عابدی صاحب سکریٹری اردو اکادمی کا میں تہہ دل سے سپاس گزار ہوں کہ ان کی غیر معمولی توجہ اور کاوش وکوشش سے یہ جلد اس آب وتاب کے ساتھ منظر عام پر آئی۔ اکادمی کے ممبرِ خاص جناب

سید شریف الحسن نقوی صاحب کا مناسب الفاظ میں بھرپور شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ ان کا مختلف مراحل میں فراخدلانہ تعاون حاصل رہا۔ اردو اکادمی کے جملہ اراکین عملہ نے اس کتاب کی طباعت و اشاعت میں خاص دلچسپی لی ہیں ان کا بھی تہہ دل سے شکرگزار ہوں۔

مجھے وثوق کامل ہے کہ اکادمی اس سلسلہ کی آخری اور چوتھی جلد بھی اسی اعلیٰ معیار پر ۱۹۹۳ء میں شائع کرے گی۔

سیّد مظفر حسین برنی

۲۸ دسمبر ۱۹۹۲ء
ایف ۳/۱۷
وسنت وہار نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۵۷

محمد عبداللہ چغتائی کے نام

ڈیر ماسٹر عبداللہ تمام لاہور میں اس بات کا چرچا ہے کہ ماسٹر عبداللہ اعلانِ آزادی کے خوف سے کہیں بھاگ گئے ہیں کیا یہ واقعی درست ہے؟

محمد اقبال لاہور

(عکس) ۷ جنوری ۱۹۲۹ء

(اقبال نامہ)

ابو محمد مصلح کے نام[1]

جناب مولوی صاحب

السلام علیکم، قرآنی تحریک کا پروگرام مبارک ہے۔ اس زمانہ میں قرآن کا علم ہندوستان سے مفقود ہوتا جاتا ہے۔ ضرورت ہے کہ مسلمانوں میں نئی زندگی پیدا کی جائے۔ کیا عجب کہ آپ کی تحریک بارآور ہو اور مسلمانوں میں قوتِ عمل پھر عود کر آئے۔

مخلص

اقبال

(صحیفۂ اقبال)

---

[1] علامہ اقبال سفرِ مدراس کے بعد جنوری ۱۹۲۹ء میں حیدر آباد دکن پہنچے تو مندرجہ بالا خط کے مکتوب الیہ ابو محمد مصلح نے نواب نذیر جنگ بہادر کے ہمراہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

ڈیر مسٹر عبداللہ ۔ تمام لاہور میں اس بات کا
چرچا ہے کہ مسٹر عبداللہ اعلانِ آزادی کے خوف سے
ایک بھاگ گئے تھے کیا یہ درست ہے !

محمد اقبال لاہور
۷ جنوری ۲۹ء

میجر سعید محمد خاں کے نام[1]

محترمی میجر صاحب

ایک معمولی شاعر کے نام سے فوجی سکول کو موسوم کرنا کچھ زیادہ موزوں نہیں معلوم ہوتا۔ میں تجویز کرتا ہوں کہ آپ اس فوجی سکول کا نام "ٹیپو فوجی اسکول" رکھیں۔ ٹیپو ہندوستان کا آخری مسلمان سپاہی تھا جس کو ہندوستان

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا) اقبال سے ملاقات کی اور انھیں اپنی "تحریک قرآن" کے مقاصد سے آگاہ کیا۔ بعد میں قیام حیدر آباد کے دوران میں علامہ اقبال نے "تحریکِ قرآن" کا لٹریچر بھی دیکھا اور ابو محمد مصلح صاحب کو یہ مختصر مراسلہ روانہ کیا۔

اس مراسلے پر کوئی تاریخ درج نہیں لیکن اندازہ ہے کہ جنوری ۱۹۲۹ء کے تیسرے ہفتے میں لکھا گیا ہوگا کیونکہ علامہ اقبال ۱۵ جنوری کو میسور سے حیدر آباد دکن پہنچے اور چار پانچ روز قیام کیا (رفیع الدین ہاشمی)

(نوٹ) مکاتیب اقبال کے مآخذ۔ ایک تحقیقی جائزہ، کے صفحہ ۵۲ پر صابر کلوروی صاحب نے یہ تو صحیح لکھا ہے کہ اس خط کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط علامہ کے دورۂ میسور سے واپسی کے بعد لکھا گیا اور خط لکھتے وقت سفرِ میسور کے مشاہدات تازہ تھے لیکن ان کا یہ کہنا درست نہیں کہ علامہ نے دسمبر ۱۹۲۸ء میں میسور کا دورہ کیا تھا اور ۱۸ فروری ۱۹۲۹ء سے پہلے واپس آگئے تھے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال نے زندہ رود جلد سوم ص ۳۴۸، ۳۵۲ میں لکھا ہے کہ علامہ کا جنوبی ہند کا سفر اوائل جنوری ۱۹۲۹ء سے شروع ہوا اور ۱۹ جنوری ۱۹۲۹ء کو علامہ واپس لاہور کے لیے روانہ ہوئے۔ لہٰذا یہ خط جنوری ۱۹۲۹ء کے اواخر یا فروری ۱۹۲۹ء کے اوائل میں لکھا گیا ہوگا۔ (مؤلف)

[1] اقبال کے نام سے ایک فوجی سکول قائم کرنے کی تجویز کے جواب میں لکھا گیا۔

(عطاء اللہ)

کے مسلمانوں نے جلد فراموش کر دینے میں بڑی ناانصافی سے کام لیا ہے۔ جنوبی ہندوستان میں جیسا کہ میں نے خود مشاہدہ کیا ہے اس عالی مرتبت مسلمان سپاہی کی قبر زندگی رکھتی ہے بہ نسبت ہم جیسے لوگوں کے جو بظاہر زندہ ہیں یا اپنے آپ کو زندہ ظاہر کر کے لوگوں کو دھوکا دیتے رہتے ہیں۔

نیاز مند محمد اقبال

(انگریزی سے) (اقبالنامہ)

عبدالعزیز کے نام

لاہور

۷ر فروری ۱۹۲۹ء

مائی ڈیر عبدالعزیز

لاہور ریلیف کمیٹی کی میٹنگ بلانے کی تجویز ہے تاکہ کمیٹی کی تحویل میں باقی ماندہ رقم کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ کیا جا سکے۔ یہ میٹنگ میرے غریب خانہ پر بتاریخ ۱۰ر فروری ۱۹۲۹ء بوقت تین بجے بروز اتوار ہو گی۔

آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس میں شرکت کریں اور اس معاملے کا فیصلہ کریں جو مدت سے معرض التوا میں پڑا ہوا ہے۔

آپ کا مخلص

محمدؐ اقبال

بیرسٹر ایٹ لا، لاہور

براہ کرم ضرور شرکت کریں۔ (نوادر)

(عکس)

(انگریزی سے)

عبدالعزیز کے نام

لاہور

۹ر فروری ۱۹۲۹ء

ڈیر عزیز

اس میٹنگ میں بہت تھوڑا وقت صَرف ہو گا۔ آدھے گھنٹے سے زیادہ نہ لگے گا۔ آپ آسانی سے شریک ہو سکتے ہیں۔

آپ کا

محمد اقبال

(نوادر)

(عکس)

(انگریزی سے)

محمد عبدالجمیل بنگلوری کے نام

لاہور

۱۸ر فروری ۱۹۲۹ء

مائی ڈیر مسٹر جمیل!

ابھی ابھی آپ کا نوازش نامہ اور تصویری کارڈ موصول ہوئے بہت بہت شکریہ قبول فرمائیے۔ آپ تک یہ اطلاع پہنچانا میرے لیے باعثِ مسرت ہے کہ میں آزمائش میں ثابت قدم نکلا اور اب باوجود مالی مشکلات کے ایران و ترکی کے سفر کی تیاری میں مصروف ہوں۔ خداوندِ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ اس سفر کے لیے جو میں محض اسلام اور مسلمانوں کی بہتری و بلندی کے لیے اختیار کر رہا ہوں، زادِ راہ میسر آ جائے گا۔ مجھے اس اطلاع سے بے حد مسرت ہوئی کہ میرا سفرِ میسور مسلم نوجوانوں میں تاریخی

تحقیق کے شوق و ذوق کا باعث ہوا۔ سیٹھ محمد اُبا نے مجھے سلطان ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ سے متعلق ایک قلمی مسودہ جو ایک شخص کے پاس ہے جو ہمیں سلطان کے مقبرہ پر ملا تھا ارسال فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ مجھے اُمید ہے وہ اس کوشش میں کامیاب ہوں گے۔ اُن تک میرا سلام شوق پہنچا دیجئے اور ان سے کہئے کہ اسلام کی خدمت کے لیے ان کے ذوق و جوش نے میرے دل پر ایک ایسا اثر پیدا کیا ہے جو کبھی محو نہ ہوگا۔ میں دست بدعا ہوں کہ انھیں بنگلور کے حاجی سر اسماعیل کی سی عظمت و منزلت حاصل ہو۔

چودھری محمد حسین صاحب بخیریت ہیں اور تصاویر کی موجودہ قسط اور آئندہ اقساط ان کی دلچسپی اور مسرت کا باعث ہوں گی چودھری صاحب کو بھی سلطان مرحوم کی تاریخ سے دلچسپی پیدا ہوگئی ہے اور آج کل وہ سلطان پر ایک مختصر آرٹیکل مرتب کر رہے ہیں۔ وہ سفرنامہ مدراس بھی لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس میں تمام تصاویر جو آپ ارسال فرما سکیں کام آئیں گی میں آپ کے دوست عمر ہاسٹس کے لیکچروں کی اشاعت میں کوئی ہرج نہیں سمجھتا۔ اُن میں کوئی خاص نئی بات تو ہے نہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں شاید عیسائی قارئین پر اُن کا کچھ اثر ہو۔

اسلام کے ثقافتی اور فلسفیانہ پہلو پر ابھی کام کرنے کی شدید ضرورت ہے جرمن زبان میں چند کتابیں ہیں۔ جن کا حال ہی میں کلکتہ کے صلاح الدین خدابخش صاحب نے انگریزی میں ترجمہ کیا۔ لیکن وہ کتابیں بھی کچھ یونہی سی ہیں۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمدؐ اقبال

(انگریزی سے) (اقبال نامہ)

ایڈیٹر "انقلاب" کے نام

جناب ایڈیٹر صاحب "انقلاب" السلام علیکم

خواتین مدراس کے سپاس نامے کے جواب میں جو تقریر میں نے کی تھی، وہ آج آپ کے اخبار میں میری نظر سے گزری ہے افسوس ہے کہ جن صاحب نے تقریر مذکور کے نوٹ لیے ان سے بعض ضروری باتیں چھوٹ گئیں۔ خیر اس وقت ان باتوں کا ذکر مطلوب نہیں۔ ایک دو اغلاط کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے فقہ اسلامی میں بیوی بچوں کو دودھ پلانے کی اُجرت طلب کرسکتی ہے، نہ کہ بچہ جننے کی جیسا کہ نوٹ لکھنے والے صاحب نے لکھا ہے۔ میں نے تقریر میں اسی کا ذکر کیا تھا معلوم

نوٹ: (الف) دسمبر ۲۸ ۱۹ء میں علامہ اقبال نے مدراس کا سفر اختیار کیا ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی اور چودھری محمد حسین آپ کے ہمراہ تھے۔ مدراس میں آپ نے انجمن خواتینِ اسلام کے استقبالیے (منعقدہ ۷ جنوری ۱۹۲۹ء بمقام ٹاکرس گارڈن) میں شرکت کی۔ انجمن خواتین نے علامہ موصوف کی خدمت میں ایک سپاس نامہ پیش کیا (متن کے لیے ملاحظہ ہو "انوارِ اقبال" ۲۲۲ - ۲۳۲) جواباً علامہ اقبال نے اسلام میں عورتوں کی حیثیت کے موضوع پر ایک تقریر کی (متن کے لیے ملاحظہ ہو۔ "انوارِ اقبال" ص ۷۵ - ۸۴) "انقلاب" میں اس کی رپورٹ شائع ہوئی جو نادرست اور نامکمل تھی۔ یہ وضاحتی خط، اسی ضمن میں ایڈیٹر "انقلاب" کو لکھا گیا۔

خط پر کوئی تاریخ درج نہیں لیکن اندازہ ہے کہ ۱۸ / ۱۹ فروری کو لکھا گیا۔

(ب) خط بنام میجر سعید محمد خاں میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ علامہ اقبال نے مدراس کا سفر اوائل جنوری ۱۹۲۹ء میں کیا نہ کہ دسمبر ۱۹۲۸ء میں جیسا کہ رفیع الدین ہاشمی صاحب نے مندرجہ بالا نوٹ میں تحریر کیا ہے۔

(مولف)

ہوتا ہے کہ یہ بات ان کے حافظے سے اتر گئی علیٰ ہذالقیاس لالہ لاجپت رائے آنجہانی کی کتاب میں جس سرکلر[2] کا حوالہ ہے وہ ترکوں کا نہیں بلکہ انگلستان کا ہے مہربانی کرکے ان چند سطور کو شائع فرما دیجیے[3] کہ غلط فہمی (بالخصوص امراول کے متعلق) پیدا نہ ہو۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(خطوط اقبال)

ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ حیدرآبادی کے نام

لاہور

۱۵/اپریل ۱۹۲۹ء

جنابِ من

نوازش نامہ جس میں آپ کی نظم ملفوف تھی ابھی ابھی موصول ہوا جس کے لیے ممنون ہوں۔ مجھے اس اطلاع سے مسرت ہوئی کہ میرے اشعار کے مطالعہ سے آپ کو فائدہ پہنچا۔ آپ نے اپنی نظموں میں مجھ ناچیز کے متعلق جن جذبات

---

[1] "گفتارِ اقبال" کے متن میں لفظ "سرکار" غلط ہے۔

[2] پہلی بار "انقلاب" ۲۰/فروری ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا۔

[3] "انقلاب" کے حوالے سے دوسری بار "گفتارِ اقبال" (ص ۲۷۷) میں نقل کیا گیا — میں نے "انقلاب" کا شمارہ دیکھ کر "گفتارِ اقبال" کے اختلافات کی نشاندہی کر دی ہے۔

(رفیع الدین ہاشمی)

کا اظہار فرمایا ہے اُن کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

نیاز مند

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

شیخ دین محمد کے نام

لاہور

۱۹ راپریل ۱۹۲۹ء

مائی ڈیر دین محمد،

حامل خط ہذا منشی فضل محمد کو بڑا اشتیاق ہے کہ وہ آپ کی لاہور منتقلی پر ایک کلرک کی حیثیت سے آپ کی خدمات بجا لائیں۔ میری نظر میں، وہ لاہور ہائی کورٹ کے بہترین کلرکوں میں سے ہیں (اگر آپ انھیں اپنے ہاں ملازمت کا موقع دیں تو) بلاشبہ یہ آپ کا بہت عمدہ انتخاب ہوگا۔ اگر آپ انھیں بطور کلرک منتخب کریں تو آپ خود محسوس کریں گے کہ وہ مخلص ہونے کے علاوہ پوری طرح قابلِ اعتماد ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہائی کورٹ کے کام کے جملہ پہلوؤں سے بخوبی واقف ہیں۔

آپ کا

محمد اقبال

(خطوط اقبال) (انگریزی سے)

نوٹ ا۔ ۱۹۲۹ء میں پنجاب لیجسلیٹو کونسل کا ممبر منتخب ہو جانے کے بعد شیخ دین محمد لاہور منتقل ہو گئے۔ اس زمانے میں لاہور ہائی کورٹ کے ایک کلرک منشی فضل محمد شیخ صاحب کے ہاں ملازمت کے خواہاں ہوئے اور چاہا کہ علامہ اقبال، شیخ صاحب سے ان کا تعارف کرا دیں اس ضمن میں علامہ نے شیخ دین محمد کو یہ خط لکھا۔ (رفیع الدین ہاشمی)

۲۔ اس خط کا عکس، صحیفۂ اقبال، (نومبر ۱۹۸۶ء) میں صفحہ ۸۱ پر شائع ہوا ہے۔ (مؤلف)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور ۲۴؍اپریل ۱۹۲۹ء[1]

ڈیر نیازی صاحب

کتاب پیام مشرق آج ختم ہو گئی ہے۔ صرف اغلاط دُرست کرنے باقی ہیں جو کاتب کر رہا ہے کل پرسوں تک ختم کرلے گا۔ آپ نے میرے خط کا جواب نہیں دیا۔ مہربانی کر کے میرے استفسارات کا جواب جلد دیجئے تاکہ آخری فیصلہ کرسکوں امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا مجیب صاحب سلام قبول کریں۔

محمدؐ اقبال لاہور

(مکتوبات اقبال) (عکس)

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۲۵؍اپریل ۲۹ء

مخدومی السلام علیکم

نوازش نامہ مل گیا ہے۔ لکچروں کا اردو ترجمہ انشاءاللہ کیا جائے گا اصطلاحات کے متعلق آپ سے بھی مشورہ طلب کروں گا۔

سر شفیع کی خدمت میں بھی عرض کردوں گا۔ ذوالفقار علی خاں ۴ مئی کو ولایت جا رہے ہیں۔ ان سے کہنا مناسب نہیں معلوم ہوتا کیوں کہ ان کی مالی حالت اس

---

[1] عکس میں اس خط کی تاریخ ۲۴؍اپریل ۱۹۲۹ء صاف نظر آتی ہے جب کہ مکتوبات اقبال میں اس کی تاریخ ۲۴؍مارچ ۱۹۲۹ء درج کی گئی ہے۔ ہم نے تاریخ کا تعین عکس کے مطابق کیا ہے۔

(مؤلف)

وقت کچھ حوصلہ افزا نہیں ہے۔ بہتر ہے کہ آپ سر عبدالقادر سے اس کارِ خیر[1] کے لیے چندہ طلب فرمائیں والسلام

مخلص محمد اقبال

(عکس) (اقبالنامہ)

محمد دین فوق کے نام

لاہور ۳۰[2] اپریل ۲۹ء

ڈیر فوق صاحب۔ السلام علیکم

اخبار انقلاب میں آپ کی اہلیہ کے انتقال کی خبر پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ خدا تعالیٰ مرحومہ کو جنت عطا فرمائے اور آپ کو صبر جمیل۔ تقدیر الٰہی سے کوئی چارہ نہیں۔ مسلمان کے لیے تسلیم کے سوا کوئی راہ نہیں اور یہی راہ انسب و اولیٰ ہے والسلام۔

محمد اقبال

(عکس) (انوار اقبال)

---

[1] ندوہ کی امداد (روحِ مکاتیب اقبال)

[2] "انوار اقبال" میں اس خط کی تاریخ ۲۰ اپریل ۱۹۲۹ء درج ہے عکس اور ڈاک خانے کی مہر سے ۳۰ اپریل ۲۹ء پڑھا جاتا ہے چنانچہ اس خط کی تاریخ ۳۰ اپریل ۱۹۲۹ء طے کی گئی ہے۔

(مولف)

ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ حیدر آبادی کے نام

جناب من

السلام علیکم۔ فی الحال اشعار سے معاف فرمائیے کہ فرصت بالکل نہیں۔

محمد اقبال۔ لاہور

۷ ر مئی ۲۹ء

(اقبال نامہ) (عکس)

محمد عبد الجمیل بنگلوری کے نام

لاہور

۲۱ ر مئی ۱۹۲۹ء

مائی ڈیر مسٹر جمیل [۱]

عید کارڈ ملا۔ شکریہ۔ آپ کی خیریت کی اطلاع باعث مسرت ہوئی۔ میں بھی الحمد للہ بخیریت ہوں۔ میں ترکی اور مصر کے سفر کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہوں۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں، زرمی طلب والا معاملہ ہے اور ہندوستان کے مسلمان امرا اسلام کی راہ میں خرچ کرنے کی ضرورت و اہمیت سے قطعاً نا آشنا ہیں۔ تاریخ اسلام میں یہ دَور نہایت نازک ہے۔ اگر مناسب ذرائع اور طریق اختیار کیے جائیں تو اسلام اقوامِ عالم کو اب بھی مسخر کر سکتا ہے۔ مجھ سے جو خدمت ممکن ہوئی بجا لاؤں گا۔ مسٹر حمید حسن اور حاجی

---

[۱] اقبال نامہ اوّل (ص — ۲۶۶) اور روح مکاتیب اقبال کے متن میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ عکس کے مطابق روح مکاتیب اقبال (ص — ۳۸۶) کا متن زیادہ صحیح ہے۔

(مؤلف)

جنابِ من - السلام علیکم

مجھ کو وقت بالکل نہیں معاف فرمائیے اشعار کے لیے اصلاح کے لیے

مخلص

محمد اقبال لاہور

۲ مئی ۲۹ء

سیٹھ جمال محمد صاحب کی خدمت میں میرا سلام شوق عرض کر دیجئے۔

مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے) (اقبال نامہ)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور ۴ رجون ۲۹ ء

جناب نیازی صاحب، السلام علیکم

مجیب صاحب کو پروف دیکھنے کی اجازت ہے۔ میرے پاس صرف دو دفعہ پروف آئے ہیں جو میں نے دیکھ کر واپس بھیج دیے تھے۔

مجھے معلوم نہیں آپ کس غرض کے لیے سارٹیفیکیٹ مانگتے ہیں۔ آپ خود وہاں سے لکھ کر اور ٹائپ کر کے بھیج دیں۔ میں دستخط کر کے واپس کر دوں گا۔

تصوف لکھنے پڑھنے کی چیز نہیں کرنے کی چیز ہے کتابوں کے مطالعے اور تاریخی تحقیقات سے کیا ہوتا ہے کسی کو کوئی حقیقی فائدہ اس سے نہیں پہنچتا۔ نہ کتابوں کے مصنف کو، نہ اس کے پڑھنے والوں کو۔ اس کے علاوہ مجھے امید نہیں کہ بمبئی کے تاجر ایسے مضامین پڑھنے والے کسی کو ولایت بھیجیں وہ عملی لوگ ہیں ایسے مضامین ان کو اپیل نہیں کرتے ضرورت بھی اسی امر کی مقتضی ہے۔ بہتر ہو کہ آپ کسی اچھے ہنر کی تلاش میں ولایت جائیں۔ والسلام

محمد اقبال

(مکتوبات اقبال)

(عکس)

لہ سید صاحب مزید تعلیم کے لیے یورپ جاکر "اسلامی تصوف کا مطالعہ" موضوع تحقیق بنانا چاہتے تھے۔ (روح مکاتیب اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

جناب نیازی صاحب. السلام علیکم
میں تصوف پر تاریخ کو ترجیح دیتا ہوں خط کا مسودہ لکھ کر ارسال کر دیجیے میں دستخط کر کے واپس بھیج دوں گا۔ کتاب چھپنے میں دیر ہو رہی ہے۔ معلوم نہیں کیا باعث ہے۔ مجیب صاحب سے کہیے کہ وہ اس طرف خاص توجہ دیں.
والسلام

محمد اقبال لاہور
۱۸ رجون ۲۹ء
(مکتوبات اقبال) (عکس)

ایڈیٹر انقلاب کے نام

شملہ ۲۸ رجولائی ۲۹ء

جناب ایڈیٹر صاحب انقلاب
السلام علیکم۔ ۲۶ر جولائی کے انقلاب میں آپ نے نواب احمد یار خاں صاحب کے ایک مکتوب کا حوالہ دیا ہے، میں اس مکتوب کے متعلق چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اور استدعا کرتا ہوں کہ سطور ذیل اپنے اخبار کے کسی کالم میں شائع فرما کر مجھے ممنون فرمائیے۔

نواب صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ کسی مطبوعہ پمفلٹ میں وہ تمام تجاویز درج تھیں جن پر اب انقلاب متوجہ ہے اور اس پمفلٹ کی تجاویز پر تمام مسلم ارکانِ کونسل نے دستخط ثبت کیے تھے اس واسطے نواب صاحب موصوف

لہ سید صاحب نے اپنے تحقیقی مقالے کا موضوع بدل کر "فلسفۂ تاریخ" کر دیا تھا۔
(روح مکاتیب اقبال)

کے خیال میں اس مسلم کشی کے لیے صرف پنجاب سائمن کمیٹی کے ممبر ہی ذمہ دار نہیں بلکہ تمام مسلم ارکان کونسل ذمہ دار ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا یہ مطبوعہ پمفلٹ وہی تحریر ہے جس پر آپ نے متعدد مضامین انقلاب میں لکھے تھے اور جس کی تجاویز کے خلاف لاہور کے تمام میونسپل وارڈوں نے ریزولیوشن پاس کیے تھے۔ یہ ریزولیوشن بھی غالباً آپ کے اخبار میں شائع ہو چکے ہیں۔

پنجاب سائمن کمیٹی کی سفارشات کا مجھے کوئی علم نہیں۔ ان کی رپورٹ اب تک شائع نہیں ہوئی لیکن نواب صاحب کے خط سے جس کا ملخص آپ نے انقلاب میں شائع کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا خطرہ بالکل بجا ہے اور غالباً پنجاب سائمن کمیٹی کی سفارشات وہی ہیں جو مذکورہ بالا پمفلٹ میں درج تھیں۔ بہر حال میں نے متعدد ارکان کونسل سے دریافت کیا وہ سب کے سب پمفلٹ مذکورہ کی تجاویز پر دستخط کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ نواب احمد یار خاں صاحب سے بھی میں نے گفتگو کی وہ فرماتے ہیں کہ کوئی میٹنگ کسی جگہ ہوئی تھی جہاں مسلم ارکان کونسل نے ان تجاویز پر دستخط کیے تھے۔ ممکن ہے نواب صاحب کے پاس ان حضرات کے دستخط محفوظ ہوں جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں ایسی کسی میٹنگ میں شریک نہیں ہوا اور نہ کسی پمفلٹ کی تجاویز پر میں نے دستخط کیے ہیں[1] جن ارکانِ کونسل

---

[1] ہندوستان کی تاریخ میں آئینی اصلاحات کا تدریجی ارتقا ایک دلچسپ موضوع ہے۔ انھی اصلاحات کے سلسلے میں برطانوی حکومت نے ۱۹۲۸ء میں ایک کمیشن مقرر کیا جو اپنے صدر کے نام سے سائمن کمیشن کہلایا۔ یہ کمیشن ۳ رفروری ۱۹۲۸ء کو ہندوستان پہنچا۔ اس کمیشن کے تمام اراکین برطانوی باشندے تھے۔ اس بنا پر کانگرس نے اس سے مقاطعہ کا فیصلہ کیا لیکن مسلمانوں کی اکثریت اس مقاطعے کے حق میں نہیں تھی ۔۔ ... سائمن کمیشن کی مدد کے لیے ہر صوبے میں کمیٹیاں بنائی گئیں جو کونسل کے ممبران پر مشتمل تھیں پنجاب سائمن کمیٹی نے جو سفارشات تیار کیں وہ پنجاب کے مسلمانوں کے جائز حقوق کے مطابق نہ تھیں۔ روزنامہ ’انقلاب‘ میں ان کے خلاف مقالے لکھے گئے۔ اس کمیٹی کی سفارشات شائع ہونے سے قبل ایک پمفلٹ شائع ہوا تھا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

سے ہیں تے دریافت کیا ان کے اسمائے گرامی ذیل میں درج ہیں :
سر راس مسعود، سیّد محمد حسن سہ ہ۔ مولوی سر رحیم بخش۔
سر رابر حبیب اللہ، مسٹر دین محمد
پیر اکبر علی۔ ملک محمد امین شمس آبادی مسٹر علام یٰسین ان حضرات نے بڑے زور
سے نواب احمد یار خاں صاحب کے بیان کی تردید کی۔ مسٹر دین محمد نو نما بعد اس
مضمون کی کوئی تحریر بھی آپ کی خدمت میں اشاعت کے لیے ارسال کر چکے ہیں
والسلام ۔

محمد اقبال شمد

(انوار اقبال)

(عکس)

سید نذیر نیازی کے نام

جناب نیازی صاحب السلام علیکم
خط مل گیا ہے ۴۸ ۲ عدد کتب حامد علی خاں[1] سے موصول ہوئیں باقی کتب
جلد بھجوا دیجیے ملٹی میرے نام آئے یا مبارک علی[2] کے نام میرا ارادہ آپ کے مطبع
سے اور کتب انگریزی و اردو و فارسی چھپوانے کا تھا مگر افسوس ہے مجیب صاحب

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا) جس میں ایسی باتیں درج ہیں جس سے سنہ ہوتا ہے کہ کمیٹی کی سفارشات
اسی نوعیت کی ہوں گی نواب احمد یار خاں نے جو یونینسٹ پارٹی کے سکرٹری تھے اخباروں
میں ایک مکتوب چھپوایا جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان سفارشات کو پنجاب کونسل
کے جملہ مسلم ارکان منظور کر چکے ہیں۔ اقبال اس زمانے میں کونسل کے ممبر تھے۔
(بشیر احمد ڈار)

[1] مہتمم مکتبہ جامعہ دہلی
[2] شیخ مبارک علی صاحب، تاجر کتب، لاہور ۔

بیمار ہوگئے۔ خدا تعالیٰ انھیں جلد صحت عطا فرمائے۔ میری طرف سے ان کی صحت دریافت فرمائیے۔ کتاب بانگِ درا ابھی تقریباً تیار ہے۔ اس کی چھپوائی کا انتظام تو شاید ابھی نہ ہو سکے۔ اطلاع دیجیے کہ اگر آپ نہ چھاپ سکیں تو لاہور ہی میں چھپوائی کا انتظام کیا جائے۔ والسلام

مخلص محمد اقبال لاہور ۲ راگست ۲۹ء

(مکتوباتِ اقبال)

(عکس)

محمد عبدالجمیل بنگلوری کے نام

لاہور

۴راگست ۱۹۲۹ء[1]

مائی ڈیر مسٹر جمیل!

آپ کا نوازش نامہ محررہ بیس ماہ حال ابھی ابھی موصول ہوا جس کے لیے نہایت ممنون ہوں۔ آج کل عدالتیں تعطیلات گرما کے سلسلہ میں بند ہیں اور میں اپنے آخری تین خطبات مرتب کر رہا ہوں جو اُمید ہے اواخر اکتوبر تک مکمل ہو جائیں گے۔ ابھی تک اسلامی ممالک کی سیاحت کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ مالی مشکلات ہنوز سدِ راہ ہیں۔ سلطان شہید پر میری نظم اس کتاب کا حصہ ہوگی، جسے میں اپنی زندگی کا ماحصل بنانا چاہتا ہوں لیکن میں سمجھتا ہوں اس کے لیے آپ کو انتظار کرنا پڑے گا۔ میں نے اس کا ایک حصہ کچھ عرصہ ہوا مرتب کیا تھا۔ لیکن پھر ضروری مشاغل کی بنا پر اس کو نامکمل چھوڑ دینا پڑا۔

سلطان شہید کے کسی روز نامچہ کا مجھے علم نہیں۔ لیکن اگر واقعی کوئی روزنامچہ موجود ہو تو اس کا ایک نسخہ نہایت شوق سے حاصل کروں گا۔ اگر آپ کے پاس موجود ہو تو کچھ دیر کے لیے مستعار مرحمت فرمائیے میں اس سے ضروری نوٹ لے کر واپس کردوں گا

[1] خط کے پہلے ہی جملے کے پیش نظر اس خط کی تاریخ غالباً ۲۴ر ہوگی (موتف)

چودھری محمد حسین صاحب ہر شام یہاں تشریف لاتے ہیں میرا خیال ہے کہ وہ سردیوں میں سفرنامہ کی تالیف و ترتیب پوری گرمجوشی سے شروع کرسکیں گے مجھے اس اطلاع سے بیحد مسرّت ہوئی کہ جنوبی ہندوستان میں یوم النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تقریب کے لیے ایک ولولہ پیدا ہوگیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان میں ملّتِ اسلامیہ کی شیرازہ بندی کے لیے رسولِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذاتِ اقدس ہی ہماری سب سے بڑی اور کارگر قوّت ہوسکتی ہے۔ مستقبل قریب میں جو حالات پیدا ہونے والے ہیں، اُن کے پیش نظر مسلمانانِ ہند کی تنظیم اشد لازمی ہے (عبدالمجید صاحب قریشی) بانی تحریک (سیرت) آج تشریف لائے ہوئے تھے میں نے انھیں بتایا ہے کہ کس طرح اس تحریک کو ہندوستان میں خدمتِ اسلام کے لیے مفید و موثر بنایا جا سکتا ہے۔ ان تفاصیل پر صرف بالمشافہ گفتگو ہی ہوسکتی ہے۔ ان کا ضبطِ تحریر میں لے آنا مناسب نظر نہیں آتا۔ آپ کا مکتوب چودھری صاحب کے حوالے کردیا گیا ہے۔ امید ہے وہ سفرنامہ سے متعلق آپ کو مفصل اطلاع دیں گے امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمدؐ اقبال

(انگریزی سے) (اقبالنامہ)

مولانا غلام مرشد۔ مولانا احمد علی۔ مولانا ظفر علی خاں۔ سید حبیب۔ مولوی نورالحق۔ سید عبدالقادر۔ مولانا مہر صاحبان [1]

کے نام

جنابِ مکرم السلام علیکم۔ ایک نہایت ضروری امر میں مشورہ کرنے کو

---

[1] مولانا غلام مرشد جو کافی عرصے تک بادشاہی مسجد کے خطیب رہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آج آٹھ بجے شام غریب خانہ پر تشریف لاکر مجھے ممنون فرمایئے۔ مشورہ طلب امر نہایت ضروری ہے[1] اُمید کہ آپ تکلیف معاف فرمائیں گے

مخلص محمدؐ اقبال بیرسٹر لاہور

۵ ر ستمبر ۲۹ء

(عکس) (انوار اقبال)

جے۔ سی۔ بینزلے[2] کے نام

لاہور

۸ ر ستمبر ۱۹۲۹ء

مجھے یہ کہتے ہوئے بہت مسرت ہے کہ میں مسٹر عبدالمجید بی۔ اے کو عرصہ دراز

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا) مولانا احمد علی جنھوں نے انجمن خدام الدین لاہور کی بنیاد ڈالی۔ وہ مولانا عبداللہ سندھی مرحوم کے داماد اور شاگرد تھے۔

مولانا ظفر علی خان ایڈیٹر و مالک روزنامہ زمیندار و سیاسی راہنما اور ادیب تھے۔ سید حبیب روزنامہ "سیاست" لاہور کے ایڈیٹر تھے۔

مولوی نورالحق، مالک روزنامہ "مسلم آؤٹ لک" لاہور

سید عبدالقادر اسلامیہ کالج لاہور کے پروفیسر تاریخ اور صاحب دل بزرگ تھے

[1] ضروری امر جیسا کہ مہر صاحب بیان کرتے ہیں، مسلمانوں کے فقہی مسائل کے متعلق مشورہ تھا (بشیر احمد ڈار)

[2] یہ خط جے سی۔ بنزلے ( ) کے نام لکھا گیا جو اس وقت پنجاب کے چیف سکریٹری تھے۔ اس میں مسٹر عبدالمجید کی سفارش کی گئی ہے جو کچھ عرصہ ماہ نامہ "پاکستان ریویو" (PAKISTAN REVIEW) کے ایڈیٹر تھے۔

(بشیر احمد ڈار)

سے جانتا ہوں۔ یہ بہت ہوشیار، محنتی اور قابل آدمی ہیں اور جو بات زیادہ اہم ہے وہ یہ کہ پوری طرح قابل اعتماد ہیں۔ انھوں نے مجھے بتایا ہے کہ انھوں نے سکریٹریٹ میں ایک آسامی کے لیے درخواست دی ہے (جونیر کلرک کی آسامی) مجھے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ یہ اس کام کے لیے نہایت موزوں رہیں گے اور یقیناً اپنی کارکردگی سے اپنے افسران بالا کی پوری تسلی کریں گے۔ مجھے متعلقہ افسران سے ان کی سفارش کرنے میں ذرا باک نہیں اور مجھے امید ہے کہ یہ اس ملازمت کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ مزید برآں یہ لاہور کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

محمد اقبال ایم اے
بیرسٹر ایٹ لا
(لیٹرز آف اقبال)

(عکس)
(انگریزی سے)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور ۱۳[1] ستمبر ۲۹ء

جناب نیازی صاحب السلام علیکم

معلوم نہیں آپ شملہ سے واپس دہلی آگئے یا ابھی وہیں ہیں باقی کتاب کی طباعت کے متعلق جہاں تک ممکن ہو جلد آگاہ فرمائیے تاکہ اگر دہلی میں طباعت کا انتظام نہ ہو سکے تو پھر میں لاہور میں ابھی سے اس کا انتظام کرلوں امید کہ مجیب صاحب اب بالکل تندرست ہوں گے۔ ان کی موجودگی سے مجھے اطمینان ہو سکتا ہے اگر وہ علالت

---

[1] مکتوبات اقبال میں اس خط کی تاریخ ۱۲ ستمبر درج ہے جب کہ عکس میں ۱۳ ستمبر واضح نظر آتی ہے

(مؤلف)

کی وجہ سے دہلی واپس نہ آ سکتے ہوں تو پھر اور انتظام مجبوراً کرنا ہوگا غرض یہ ہے
مہربانی کر کے کوئی ...... جواب دیجئے۔ والسلام

محمدؐ اقبال

(عکس) (مکتوبات اقبال)

سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۲۲ ستمبر ۲۹ء

مخدومی۔ السلام علیکم

الکلام (یعنی علم کلام جدید) کے صفحہ ۱۱۴-۱۱۳ پر مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ (صفحہ ۱۲۳) کا ایک فقرہ عربی میں نقل کیا ہے جس کے مفہوم کا خلاصہ انھوں نے اپنے الفاظ میں بھی دیا ہے۔ اس عربی فقرہ کے آخری حصّہ کا ترجمہ یہ ہے

"اس بنا پر اس سے بہتر اور آساں کوئی طریقہ نہیں کہ شعار تعزیرات اور انتظامات خاص اس قوم کے عادات کا لحاظ کیا جائے جس میں یہ امام پیدا ہوا ہے اس کے ساتھ آنے والی نسلوں پر ان احکام کے متعلق چنداں سختی نہ کی جائے۔[1]"

مہربانی کر کے یہ فرمایئے کہ مندرجۂ بالا فقرہ میں لفظ شعار سے کیا مراد ہے اور اس کے تحت میں کون کون سے مراسم یا دستور آتے ہیں اس لفظ کی مفصّل تشریح مطلوب ہے جواب کا سخت انتظار رہے گا والسّلام

مخلص محمدؐ اقبال

(عکس) (اقبال نامہ)

---

[1] مولانا شبلی مرحوم نے شاہ صاحب کے الفاظ کے جو وسیع معنی قرار دیے ہیں وہ صحیح نہیں۔

(عطا اللہ)

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۳؎ ستمبر ۲۹ء

مخدومی السلام علیکم

ایک عریضہ ارسال کر چکا ہوں اُمید کہ پہنچ کر ملاحظۂ عالی سے گزرا ہوگا۔
جس باب سے مولانا شبلیؒ نے ایک فقرہ شعائر و ارتفاقات کے متعلق نقل کیا
ہے اسی باب میں ایک اور فقرہ نظر سے گزرا جو پہلے نظر سے نہ گزرا تھا۔

"وشعائرُ الدین اُمورٌ ظاھرۃٌ یختصُّ بہٖ و یمتازُ صاحبُہ بہٖ
عن سائرِ الادیانِ کالختانِ وتعظیمِ المساجدِ والاذانِ والجُمعۃِ
والجماعاتِ" ۲؎

یہ شاہ صاحب کی اپنی تشریح ہے جناب کا ارشاد اس بارے میں کیا
ہے؟ علیٰ ہذا القیاس ارتفاقات میں شاہ صاحبؒ کی تشریح کے مطابق تمام
تدابیر جو سوشل اعتبار سے نافع ہوں داخل ہیں مثلاً نکاح وطلاق کے احکام وغیرہ
اگر شاہ صاحب کی عبارت کی یہ تشریح صحیح ہے تو حیرت انگیز ہے۔ اگر ان معاملات

۱؎ سید سلیمان ندوی کے نام مکتوب محررہ ۲۲ ستمبر ۱۹۲۹ء کے مندرجات کی روشنی میں یہ خط اس کے بعد لکھا گیا ہوگا مگر عکس میں واضح طور سے ۳ ستمبر ہی پڑھا جاتا ہے اور یہی اقبال نامہ (اول) میں ہے۔ اغلب ہے کہ علامہ سے تاریخ کے اندراج میں سہو ہوا ہے۔
(مولف)

۲؎ ترجمہ شعائرِ دین ظاہری امور ہیں جس سے دوسرے سب مذاہب میں دیندار کا امتیاز ہوتا ہے اور وہ پہچانا جاتا ہے مثلاً ختنہ کرانا، مسجدوں کی تعظیم کرنا، اذان، جمعہ جماعات وغیرہ۔

میں تھوڑی سی ڈھیل بھی دی جائے تو سوسائٹی کا کوئی نظام نہ رہے گا۔ ہر ایک ملک کے مسلمان اپنے اپنے دستور و مراسم کی پابندی کریں گے
ستمبر کے معارف کا شدت کے ساتھ منتظر ہوں جلد بھجوایئے۔

والسلام

مخلص محمد اقبال

(عکس) (اقبالنامہ)

شاطر مدراسی کے نام

لاہور

۲۴ ستمبر ۲۹ء

مخدومی، السلام علیکم

نوازش نامہ مل گیا ہے۔ ایک کاپی ضمیمہ اعجاز عشق کی بھی موصول ہوئی جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ سبحان اللہ آپ کا کلام سراپا اعجاز ہے۔ حکمت و فلسفہ و مذہب کے حقائق سے لبریز ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اہلِ دل آپ کے اشعار کو حرزِ جان بنائیں گے۔

میری فارسی مثنویوں کے متعلق جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا وہ آپ کی ذرہ نوازی ہے افسوس کہ دیگر مصروفیتوں کی وجہ سے جو کچھ میں چاہتا تھا نہ لکھ سکا۔ بہر حال جو کچھ ہو گیا غنیمت ہے۔ اردو اشعار کا مجموعہ ابھی تک شائع نہیں ہو سکا[1] امید کہ مزاج بخیر ہو گا والسلام

مخلص محمد اقبال بیرسٹر لاہور

(خطوطِ اقبال)

---

[1] غالباً اشارہ ہے دوسرے اردو مجموعۂ کلام (بالِ جبریل) کی طرف جو ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا۔

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور

۲۸ ستمبر ۱۹۲۹ء

مخدومی! والا نامہ ملا جس کے لیے بہت شکر گزار ہوں۔

لفظ شعار کے معنی کے متعلق پورا اطمینان آپ کی تحریر سے نہیں ہوا۔ کیا کسی جگہ حضرت شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں شعائر کی یہ تشریح کی ہے جو آپ نے کی ہے؟ دیگر عرض یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ نے اسی فقرہ میں لفظ ارتفاقات استعمال کیا ہے، مولانا شبلی نے ایک جگہ اس کا ترجمہ انتظامات اور دوسری جگہ مسلمات کیا ہے، اردو ترجمہ سے یہ نہیں کھلتا کہ اصل مقصود کیا ہے کل سیالکوٹ میں حجۃ اللہ البالغہ مطالعہ سے گزری، اس سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب نے ارتفاقات کی چار قسمیں لکھی ہیں، ان چار قسموں میں تمدنی امور مثلاً نکاح طلاق وغیرہ کے مسائل بھی آجاتے ہیں، کیا شاہ صاحبؒ کے خیال میں ان معاملات میں بھی سخت گیری نہیں کی جاتی؟ میرا مقصد محض شاہ صاحب کا مطلب سمجھنا ہے، مہربانی کر کے اسے واضح فرمائیے، سنت پر آپ کا مضمون ضرور دیکھوں گا، اور اس سے اپنی تحریر میں فائدہ بھی اٹھاؤں گا۔ اس خط کا جواب جلد ارسال فرمائیے۔

مخلص

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

مولوی غلام رسول مہر کے نام

ڈیر چودھری غلام رسول۔

رسالہ معارف بابت ماہ اگست ۲۹ء اگر آپ کے پاس ہو تو بھجوائیے۔ اس میں ایک مضمون سنت پر ہے اسے دیکھنا مطلوب ہے۔ والسلام۔

محمد اقبال

(عکس) (انوارِ اقبال)

خواجہ بشیر[1] احمد کے نام

۱۱ر اکتوبر ۱۹۲۹ء

عزیزم بشیر[2]

السلام علیکم

افسوس ہے کہ میں مولوی صاحب مرحوم کے جنازے میں شریک نہ ہو سکا۔ مجھے اس سے دو ایک روز پہلے نقرس ہو گیا، جس کی وجہ سے پاؤں میں سخت تکلیف تھی، حرکت سے قاصر رہا۔ دوسرے روز دانت کے درد کا پھر اضافہ ہو گیا۔ میں نے خواجہ[3] صاحب کے

---

[1] یہ خط ہفتہ وار ' ہماری زبان' علی گڑھ کے ۸ رمئی ۱۹۶۳ء کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔

[2] اقبال نے مولوی احمد دین کی وفات پر یہ تعزیتی خط ان کے بڑے بیٹے خواجہ بشیر احمد کو لکھا تھا مولوی احمد دین (مصنف "اقبال" اور " سرگزشت الفاظ") اقبال کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔

[3] خواجہ فیروز الدین لاہور کے مشہور بیرسٹر اور اقبال کے گہرے دوست تھے۔ وہ اقبال کے ہم زلف (والدہ آفتاب اقبال کے تعلق سے) بھی تھے۔

(شبیر احمد ڈار)

ڈیر چودھری غلام رسول

رسالہ معارف بابت ماہ اگست ۲۶ء اگر آپ کے پاس ہو تو بھجوائیے۔ اس میں ایک مضمون سنت پر ہے جسے دیکھنا مطلوب ہے —

محمد اقبال

ہم دست آپ کو اپنی معذوری کا پیغام بھی بھیجا تھا۔ معلوم نہیں کہ وہ پیغام آپ تک پہنچا کہ نہ پہنچا۔ بہرحال مجھے یہ افسوس تازیست رہے گا کہ مرحوم کے لیے آخری دُعا جو کی گئی، میں اس میں شریک ہونے سے محروم رہا۔ خدا تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت کرے اور آپ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ کل آپ کے ہاں حاضر ہونے کا قصد تھا مگر اس سے پہلے انجمن کے جلسے میں دیر ہو گئی۔ انشاء اللہ اب حاضر ہوں گا اُمید ہے شام کے قریب آپ سب بھائی گھر پر ہوتے ہوں گے۔ زیادہ کیا عرض کروں سوائے دعائے صبرِ جمیل کے۔ والسلام

محمد اقبال

(انوارِ اقبال)

محمد عبداللہ چغتائی کے نام

ڈیر ماسٹر عبداللہ۔ "مرقعِ چغتائی" کی ایک کاپی جو عبدالرحمٰن صاحب نے بھیجی ہے مجھے مل گئی ہے۔ مگر یہ کتاب بیش قیمت ہے۔ اس واسطے میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کی جگہ دوسری ایڈیشن کی کاپی ہدیتہً مجھے دے دیں اور اس کو اپنے مصرف میں لائیں۔

اس کے علاوہ یہ امر دریافت طلب ہے کہ آیا آپ نے میری تصویر کا بلاک حاصل کر لیا یا نہ۔ مہربانی کر کے اس کام کو جلد کریں۔ کاغذ کے لیے آرڈر دے دیا گیا ہے۔ ٹیٹا گڑھ ملز سے منگوایا جائے گا۔ کتاب کی طباعت عنقریب شروع ہو گی۔ آپ کا کارڈ بھی مل گیا تھا۔ والسلام

محمد اقبال لاہور

۲۳ر اکتوبر ۲۹ء

(اقبال نامہ)

(عکس)

خواجہ غلام السیّدین کے نام

لاہور

۲۵/اکتوبر ۱۹۲۹ء

مائی ڈیر سیّدین

آپ کے خط کا شکریہ جو چند لمحے قبل مجھے موصول ہوا۔ آپ نے بڑا کرم کیا کہ مجھے تہران سے بھی خط لکھا۔ حسب خواہش میں نے اپنی تین کتابیں ان صاحب کو بھیج دیں جن کا تذکرہ آپ نے اپنے خط میں کیا تھا لیکن ابھی تک رسید سے محروم ہوں۔

جہاں تک خطبات کا تعلق ہے یہ اب تیار ہیں۔ میں نے مسلم یونیورسٹی کے شعبہ فلسفہ کے پروفیسر ظفر الحسن کو لکھا ہے۔ وہ آپ کو میرے منصوبوں سے مطلع کریں گے۔ میں گزشتہ شب مسٹر مسعود کی یونیورسٹی میں (کی گئی) تقریر پڑھ کر بہت مسرور ہوا۔ ان کی رجائیت حیرت انگیز ہے۔ علی گڑھ تحریک اسلام جدید کی ترقی میں بڑا رول ادا کر سکتی ہے بشرطیکہ یونیورسٹی کے ارباب حل وعقد ان تمام واقعات کا وسیع النظری سے مطالعہ کریں جو آج کی دنیائے اسلام میں رونما ہو رہے ہیں اور ذہانت کے ساتھ ان کو ان حالات میں مقامی رنگ دیں جن میں علی گڑھ کالج کا بانی تھا جو بنیادی طور پر سلفی مسلمان تھا مگر جس کی تحفظ پسندی کبھی اس کی روح کی آزادہ روی میں مانع نہیں ہوئی۔

امید کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔

آپ کا مخلص

محمدؐ اقبال

(لیٹرز آف اقبال)

(عکس)

(انگریزی سے)

شاکر صدیقی کے نام

جناب من۔

میری رائے میں یہ استعارہ درست نہیں[1]

محمد اقبال ۲۹ر اکتوبر ۲۹ء

(انوارِ اقبال)

محمد عبدالجمیل بنگلوری کے نام

لاہور

۴ر نومبر ۱۹۲۹ء

مائی ڈیر مسٹر جمیل!

ہلال احمر فنڈ کے لیے دس روپیہ کے عطیہ کا شکریہ! میں آپ کا عطیہ سکرٹری صاحب کے پاس بنک میں جمع کرانے کے لیے بھیج دوں گا۔ مجھے امید ہے کہ احبابِ بنگلور جن سے میں نے اس سلسلہ میں اعانت کی درخواست کی ہے فراخ دلی سے چندہ دیں گے۔ میں نے سیٹھ حاجی اسماعیل اور ایڈیٹر الکلام کے علاوہ عبدالغفور صاحب کو بھی تار دیا ہے۔ ازراہ کرم ہمارے اٹک پار کے [illegible]ں کی طرف سے جو ذمہ داری ہم پر عاید ہوتی ہے وہ ان حضرات کو یاد د[illegible]یئے۔ افغانستان کا استقلال و استحکام مسلمانانِ ہندوستان اور وسطی ایشیا کے لیے وجہِ جمعیت و تقویت ہے۔ بچۂ سقّہ اپنے گیارہ ساتھیوں

---

[1] شاکر صدیقی صاحب نے اپنے خط میں پوچھا کہ "اشک ندامت" کو "کوہ نور" سے تشبیہ دینا درست ہے یا نہیں۔ اقبال نے اسی خط کی پشت پر یہ فقرہ لکھ کر واپس بھیج دیا۔

(بشیر احمد ڈار)

سمیت قتل ہوچکا ہے اور نادر خاں بادشاہ بتدریج استحکام حاصل کر رہے ہیں۔
میرے خطبات اب مکمل ہو چکے ہیں اور غالباً اسی ماہ علی گڑھ میں اُن کے سنانے کے لیے جاؤں گا۔ عثمانیہ یونیورسٹی کی طرف سے بھی اواخر جنوری ۱۹۳۰ء میں اسی سلسلہ میں حاضری کی دعوت موصول ہوئی ہے۔ مدراس کی طرف سے بھی دعوت نامہ موصول ہوا ہے۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ حاضر نہ ہوسکوں گا۔

سلطان شہیدؒ کے روز نامچہ کے لیے جو سلسلہ جنبانی آپ نے شروع کی ہے، اس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ اگر آپ ایک نسخہ بھجوا سکیں تو میرے لیے یہ ایک گنج گراں بہا ہوگا۔ اس روز نامچہ سے امید ہے کہ سلطان سے متعلق مجوزہ نظم میں مجھے سلطان شہید کے صحیح صحیح حالات پیش کرنے میں بہت امداد ملے گی۔ از راہ کرم مطلع فرمایئے کہ وہ مالکِ کتاب قیمت چاہتے ہیں تو کیا؟ میں بخوشی مناسب قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں۔ اگر وہ آپ کو کتاب کی نقل لینے دیں تو خوشخط نقل لے لیجئے۔

چودھری صاحب بخیریت ہیں اور ہر شام تشریف لاتے ہیں۔

مخلص

محمدؐ اقبال

(انگریزی سے) (اقبالنامہ)

خواجہ غلام السیّدین کے نام

لاہور

۱۱رنومبر ۱۹۲۹ء

ڈیر سیّدین

اطلاعاً عرض ہے کہ میں نے جو کتابیں آپ کے ایما پر تہران کے آغا سید مدنی

کو ارسال کی تھیں وہ نارسیدہ واپس آ گئی ہیں۔ نہ معلوم ان کو میرا خط ملا بھی یا نہیں. بہر حال اگر آپ ان کو خط لکھیں تو ان کو اس بارہ میں مطلع کر دیں. میرا گمان ہے کہ ان کا ڈاک کا انتظام اطمینان بخش نہیں۔

میں نے آج ہی سر راس مسعود کو شادی کے دعوت نامہ کے جواب میں خط لکھا ہے اور امید ہے کہ میں ماہ نومبر میں آسکوں گا۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال

(انگریزی سے)
عکس

(غیر مطبوعہ)

رشید احمد صدیقی کے نام

لاہور دسمبر ۲۹ء

جناب صدیقی صاحب السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے۔

میری رائے ناقص میں خواجہ حافظ کے شعر میں لفظ "بادیہ پیمائی" ہے[1]

---

[1] خواجہ حافظ کا شعر ہے ؎

صد بادِ صبا ایں جا بے سلسلہ مے رقصند
این است حریف اے دل تا بادیہ پیمائی

ترجمہ: یہاں تو بادِ صبا بے زنجیر رقص کرتی ہیں
اے دل یہی تیری حریف ہیں، اگر تو بادیہ پیمائی کرے

"بادیہ پیمائی" کی جگہ دیوان میں اختلافات ہیں۔ ایک "بادہ نہ پیمائی" دوسرا "بادہ نہ پیمائی" سوال غالباً یہ تھا کہ تینوں میں سے کون سا صحیح ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے "بادیہ پیمائی" کو درست قرار دیا۔ (بشیر احمد ڈار)

پہلے مصرع میں ,, اینجا ,, سے مراد ,, دریں بادیہ ,, ہے۔ مفہوم شعر کا یہ ہے کہ اس دشت میں سینکڑوں ہوائیں بے سلسلہ (یعنی بے زنجیر، آزادانہ) رقص کر رہی ہیں اور یہی ہوائیں اے دل تیری رفیق (حریف بمعنی رفیق) ہیں جب تک تو بادیہ پیما ہے یا ان کا رقص اس غرض سے ہے کہ تو آسانی اور اطمینان سے اس صحرا کو طے کرے۔ شاعر کا مقصود اپنے آپ کو تسکین دیتا ہے کہ تو اس بادیہ گردی میں تنہا نہیں ہے بلکہ عالم کا ہر ذرّہ تیری ہی خاطر حالتِ رقص میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پہلا مصرع بہت بلند ہے اور کسی اور مضمون کا متقاضی ہے امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام!

محمد اقبال

(عکس) (انوارِ اقبال)

مرزا اعجاز حسین کے نام

لاہور

۷ر دسمبر ۱۹۲۹ء

مائی ڈیر مرزا صاحب،

آپ کے خط کا شکریہ جو مجھے ابھی ملا ہے۔ مجھے یقینی طور پر یاد ہے کہ میرے خلاف ...... ۵ روپے کا مطالبہ تھا کہ خاتمِ قطعی خود مجھ سے آن کر ملا تھا

---

[1] نوٹ: (الف) یہ خط جناب خالد شمس الحسن خلف جناب سید شمس الحسن مرحوم اسسٹنٹ سکرٹری، آل انڈیا مسلم لیگ کی اجازت سے جناب ڈاکٹر وحید احمد صاحب، ڈائرکٹر، قائد اعظم اکیڈمی، کراچی نے ,,شمس الحسن کلکشن، کورسپونڈیس آف قائد اعظم مسٹر ایم۔ اے۔ جناح اینڈ ادر پیپرز، جلد دوم از ذخیرہ شمس الحسن، خط و کتابت قائد اعظم مسٹر ایم اے۔ جناح اور دیگر کاغذات،، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

اور مجھے یہ بتایا تھا۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میں کوئی کاغذات محفوظ نہیں رکھتا۔ میں کل صبح اپنے منشی سے معلوم کروں گا کہ آیا اس کی تحویل میں اس معاملہ سے متعلق کچھ کاغذات یا خطوط ہیں۔ اگر ایسے کاغذات ہوئے تو میں انھیں آپ کو روانہ کردوں گا مگر جو کچھ میں نے اوپر لکھا ہے وہ مجھے قطعی طور پر یاد ہے۔ یہ معاملہ اب کلّی طور پر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ میں اس سے گلو خلاصی چاہتا ہوں۔

آپ کا مخلص
محمدؐ اقبال

(انگریزی سے)
(غیر مطبوعہ)

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا)
(نایاب خطوط، جلد دوم)

(Shamsul Hasan Collection, Correspondence of Qaide Azam Mr M.A. Jinnah and Other Papers, Rare Letters, Vol.II)

سے ارسال فرمایا۔

(ب) مرزا اعجاز حسین (۱۹۵۸-۱۸۱۲ء) دلّی میں وکیل تھے اور آل انڈیا مسلم لیگ کے جوائنٹ سکریٹری تھے۔ (مؤلف)

انوری بیگم کے نام

لاہور۔ ۲۱ر دسمبر ۲۹ء

محترمہ انوری بیگم صاحبہ

السّلامُ علیکم

نوازش نامہ مل گیا ہے آپ کے خیالات پاکیزہ اور بلند ہیں۔ اخبار انقلاب لاہور کے ایڈیٹر سے اور نیز میاں سر محمد شفیع اور نواب سر ذوالفقار علی خاں سے میں نے اُن کا ذکر کیا ہے۔ ایک دو روز کے بعد اخبار میں ان کی اشاعت ہوگی۔ فقط

مخلص محمّد اقبال۔ لاہور

(اقبال: جہانِ دیگر)

سر امین جنگ کے نام

لاہور

۳ر جنوری ۱۹۳۰ء

مائی ڈیر سر امین جنگ

"دائرۃ المعارف اسلامیہ" کا ایک نسخہ آپ کی خدمت میں ارسال ہے۔ مسلمان اساتذہ اور علماء کی صوبائی کمیٹی کی جانب سے آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس کو اعلیٰ حضرت حضور نظام کی خدمت اقدس میں پیش فرمادیں۔ اس کا مقصد ایشیا میں مسلم تہذیب و تمدن کی بازیافت اور تحفظ ہے۔ خیال یہ ہے کہ صرف اس طریقہ سے ہم اپنے اہل وطن کو متاثر کرسکتے ہیں اور ان حضرات میں کچھ ایقان پیدا کرسکتے ہیں جو اسلامی تمدن کی حیات بخش قوت کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا نظر آتے ہیں لیکن اس کام کی شروعات اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہمیں مسلم والیان ریاست اور خاص طور پر ان سب کے سرتاج، اعلیٰ حضرت نظام کی جانب سے وافر امداد حاصل نہ ہو۔ میں آپ کے توسط سے حضور نظام کی خدمت میں رسائی حاصل کر رہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ اعلیٰ حضرت پر اس کام کی پوری اہمیت واضح فرمائیں گے جو ہم کرنا چاہتے ہیں۔ میں ملک کے دیگر مسلم والیان ریاست تک بھی رسائی حاصل کر رہا ہوں۔ میں آپ کا بے حد ممنون ہوں گا اگر آپ ازراہ کرم اعلیٰ حضرت نظام پر ہمارے منصوبہ کی فوری ضرورت واضح فرمادیں اور اس منصوبے میں ان سے امداد حاصل کریں جو بہت سے مسلمانوں کو عزیز ہے۔ براہ نوازش یہ مطبوعہ صفحات بغور مطالعہ

فرمائیں تاکہ آپ اعلیٰ حضرت کو اس معاملہ کے تمام پہلو سمجھا سکیں۔ امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ آپ کے اوقات میں دراندازی کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

نیاز مند
محمد اقبال

پس نوشت۔ میں یہ بھی واضح کر دوں کہ اگر ہمیں کم از کم تین ہزار روپیہ سالانہ مستقل آمدنی کا یقین ہو جائے تو ہم اس منصوبہ کو فوراً شروع کر سکتے ہیں۔ مجھے بھوپال اور بہاولپور دونوں سے پانچ سو روپیہ سالانہ سے زائد کی توقع نہیں۔ پبلک سے چندہ نہیں کیا جائے گا بجز معدودے چند ممتاز اصحاب کے جو ہمارے منصوبہ کے مقصد اور معنویت کو پوری طرح سمجھتے ہوں۔

(انگریزی سے) (اقبال ریویو۔ اپریل جون ۱۹۸۴ء)

(غیر مدون)

حمید احمد انصاری[1] کے نام

لاہور

۳ر جنوری ۱۹۳۸ء

مائی ڈیر مسٹر انصاری

آپ کے خط کا بہت بہت شکریہ جو مجھے ابھی ملا ہے۔ مجھے یہ لکھتے ہوئے افسوس ہے کہ آپ کی تجویز کے مطابق جنوری کے آخر میں حیدر آباد آنا میرے لیے ممکن نہیں ہوگا۔ گزشتہ بار تو میں یہ سفر اس لیے کر سکا تھا کہ میں نے ایک ماہ کے لیے لاہور چھوڑ دیا تھا۔ اس بار ویسا ہی کرنا ممکن نہیں۔ حیدر آباد کے سفر اور

---

[1] یہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد کے رجسٹرار تھے۔ (مؤلف)

وہاں کے قیام میں دو ہفتے سے زیادہ صرف ہو جائیں گے۔ اتنے طویل عرصے تک لاہور سے میری غیر حاضری میرے تمام کاموں کو درہم برہم کر دے گی۔
امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال

(انگریزی سے) (اقبال ریویو اپریل۔جون ۱۹۸۴)
(غیر مدون)

عبدالماجد دریا بادی کے نام[1]

لاہور
۵ر جنوری ۱۹۳۰ء

مخدومی السلام علیکم
آپ کا نوازش نامہ کل موصول ہوا جس کے لیے شکریہ قبول فرمائیے میں بھی ایک ہفتہ کے لیے علی گڑھ گیا تھا وہاں ایک نئی زندگی کا آغاز معلوم ہوتا ہے سید راس مسعود بہت مستعد آدمی معلوم ہوتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ ان کی مساعی سے یونیورسٹی کی زندگی میں ایک خوشگوار تبدیلی ہوگی آپ بھی کبھی وہاں جایا کریں

---

[1] اس خط کی تاریخ جیسا کہ عام اتفاق ہوتا ہے سال بھر کی عادت کی وجہ سے جنوری ۱۹۲۹ء لکھ گئے ہیں حالانکہ جنوری ۱۹۳۰ء لکھنا چاہئے تھا۔ سر راس مسعود ۱۹۲۹ء میں علی گڑھ کے وائس چانسلر ہو کر آئے تھے اور اقبال دسمبر ۱۹۲۹ء کے آخری ہفتہ میں علی گڑھ آئے۔
(عطاء اللہ)

شیخ عطاء اللہ کا یہ بیان درست نہیں کہ اقبال دسمبر ۱۹۲۹ء کے آخری ہفتہ میں علی گڑھ آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ نومبر ۱۹۲۹ء کے آخری ہفتہ میں علی گڑھ گئے تھے ملاحظہ ہو "زندہ رود" جلد سوم ص ۳۲۱ (مؤلف)

اور مذہبی مضامین پر طالب علموں سے گفتگوئیں کیا کریں تو نتائج بہت اچھے ہوں گے باوجود بہت سی مخالف قوتوں کے جو ہندوستان میں مذہب کے خلاف (اور بالخصوص اسلام کے خلاف) اس وقت عمل کر رہی ہیں۔ مسلمان جوانوں کے دل میں اسلام کے لیے تڑپ ہے لیکن افسوس کہ کوئی آدمی ہم میں نہیں جس کی زندگی قلوب پر موثر ہو۔ بانگ درا کی تیسری ایڈیشن جس کی تعداد دس ہزار ہوگی چھپ رہی ہے۔ غالبؔ دو ماہ تک تیار ہو جائے گی۔

لاہور کانگرس نے آزادی کامل کا اعلان کر دیا ہے۔ جماعتی اختلافات کا ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ دیکھیے ہندوؤں کا برن گروہ ان اختلافات کا کیا فیصلہ کرتا ہے۔ مسلمانوں میں آزادی کے لیے ایک ولولہ موجود ہے مگر

مشکل این نیست کہ بزم از سر ہنگامہ گذشت
مشکل این است کہ بے نقل و ندیم اند ہمہ

مخلص
محمد اقبال

(اقبال نامہ)

راغب احسن کے نام

ڈیر راغب صاحب
السلام علیکم

لہ ترجمہ: دشواری یہ نہیں ہے کہ محفل میں ہنگامہ نہیں رہا اصل مشکل یہ ہے کہ بزم میں کسی کے لیے نہ نقل (گزک) ہے نہ کوئی ندیم ہے!

آپ کا خط مل گیا ہے کہ کھانسی کی شکایت اب نہیں ہے۔ طبی معائنہ ہو چکا ہے۔ بجلی یعنی   کے ذریعہ علاج کل سے شروع ہے۔ چند روز تک معلوم ہوگا کہ کس قدر فائدہ اس سے ہوتا ہے۔

گوتم بدھ تناسخ ارواح کا قائل نہ تھا۔ ہاں تناسخ کا قائل ضرور تھا تناسخ اور چیز ہے، تناسخ ارواح اور چیز ہے لفظ تناسخ میں نے وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے۔ روحِ مجرد کے متعلق اس کی تعلیم کیا تھی؟ اس کے لیے مندرجہ ذیل کتاب پڑھیے۔

آپ کے دوست ظفر محمد صاحب نے جو کچھ دیکھا وہ قلبی مشاہدات ہیں اور اس بات کا ثبوت کہ حضرت انسان جو کچھ نظر آتے ہیں اس سے بہت زیادہ ہیں۔

محمد اقبال

بھوپال، ریاض منزل

۶ر فروری ۳۵ء

(اقبال، جہان دیگر)

راغب احسن کے نام

بھوپال ۱۲ر فروری ۳۵ء

ڈیر مولانا۔

السلام علیکم

آپ کا والا نامہ مل گیا ہے۔ الحمدللہ آپ خیریت سے ہیں راغب احسن کی مجھے خود فکر ہے۔ مگر کیا کیا جائے آج کل ہر طرف اقتصادی بدحالی کی داستان دہرائی جا رہی ہے۔ بہر حال میں سید راس مسعود کو آپ کا خط دکھا کر ان سے

ذکر کروں گا۔ شاید کوئی صورت یہاں پیدا ہو جائے۔ گو مجھے اس کی کوئی زیادہ امید نہیں ہے۔ آج راغب صاحب کا خط بھی آیا ہے اُن سے بھی کہہ دیجئے کہ میں حتی الامکان کوشش کروں گا۔ راغب صاحب کے خط سے جو حالات معلوم ہوئے بہت قابلِ تشویش ہیں۔ مسٹر جناح نے اپنی قابلیت کا خوب مظاہرہ کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ عام مسلمانوں کی پالیسی کے خلاف ایک قدم بھی نہ اٹھائیں گے میری اُن سے مفصل گفتگو ہو چکی ہے۔ اور انتخاب جداگانہ و مشترکہ پر بھی گفتگو ہو چکی ہے فقط

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

محمد اقبال

بھوپال

(اقبال: جہانِ دیگر)

محمد عبدالجمیل بنگلوری کے نام

لاہور ۴ر مارچ ۱۹۳۰ء

مائی ڈیر جمیل!

آپ کے خوب صورت عید کارڈ کے لیے جو ابھی موصول ہوا سراپا سپاس ہوں۔ میری طرف سے بھی عید مبارک قبول فرمائیے۔ میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہندوستان اور دوسرے (اسلامی) ممالک کے نوجوانوں کو اپنے لطف وکرم سے فیضیاب و شادکام کرے اور اپنی رحمتِ بے پایاں سے ان کا دامنِ اُمید بھر دے۔

میرے خطبات زیرِ طباعت ہیں اور امید ہے دو ماہ تک شائع ہو جائیں گے۔ میں ناشر سے کہہ دوں گا کہ ان کے شائع ہوتے ہی ایک نسخہ آپ کی خدمت میں بھیج دے۔ لیکن اگر میں بھول جاؤں تو آخر اپریل تک مجھے بلا تکلف یاد

دلا دیجئے۔

جہاں تک مجھے علم ہے گولڈزی کی کوئی انگریزی تصانیف نہیں ہیں۔ وہ ایک جرمن یہودی ہے اور انگریزی میں نہیں لکھتا۔ اس کی مشہور ترین کتب جرمن زبان میں ہیں اور ان میں کوئی خاص چیز مجھے تو نظر نہیں آئی۔ میں یورپین مستشرقین کا قائل نہیں کیونکہ اُن کی تصانیف سیاسی پراپیگنڈا یا تبلیغی مقاصد کی تخلیق ہوتی ہیں۔

افغانستان میں دوبارہ امن قائم ہوتا جاتا ہے۔ ہندوستان میں معدودے چند افراد کو اُس مُلک کے انقلاب کے اسباب سے واقفیت ہے۔ میری رائے میں امیر امان اللہ کی واپسی کے کوئی امکانات نہیں۔ جہاں تک میں جانتا ہوں افغان اُسے نہیں چاہتے۔ اعلیٰ حضرت نادر خان ملک کو شاہراہ ترقی پر ڈالنے کی بے حد کوشش فرما رہے ہیں وہ افغانوں کے محبوب ہیں اور یہ پنجابی بھی۔ ان کی والدہ لاہور میں پیدا ہوئیں اور یہیں پرورش پائی۔

مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے) (اقبالنامہ)

پروفیسر محمد عبدالغنی کے نام

لاہور

۱۵ مارچ ۱۹۳۰ء

مائی ڈیر مسٹر غنی،

ازحد ممنون ہوں کہ آپ نے ازراہِ عنایت ہمایوں اور بابر کے بارے میں اپنی تصانیف کے نسخے ارسال کیے۔ مطالعے کے لیے یہ کتابیں بہت دلچسپ ہیں اور آپ نے جس سلسلۂ کتب۔ کو لکھنے کا آغاز کیا ہے، بلاشبہ اس سے ایک بہت

بڑی ضرورت پوری ہوگی۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے کہ ہندوستان کے نوجوان عالم تندہی کے ساتھ تحقیقی کاموں میں مصروف ہیں۔

محمد اقبال

(خطوط اقبال)

(انگریزی سے)

حسن لطیفی کے نام

جناب من آپ کا پوسٹ کارڈ مجھے مل گیا ہے۔ پہلے سے افاقہ ہے مگر برقی علاج کا سلسلہ ابھی جاری رہے گا اور مجھے دو ماہ کے بعد پھر بھوپال جانا ہوگا۔

نوٹ (۱) سلی ...ریہ انگریزی مکتوب ... وحید محمد عبداللہ کی کتاب

معبوعہ انڈین پریس الہ آباد ۱۹۳۰ء کی تیسری جلد کے آخر میں شائع کیا گیا۔

(۲) مندرجہ بالا حوالے سے اس کا اردو ترجمہ اکبر علی خان نے اپنے مضمون "چند نوادر بسلسلہ اقبالیات مطبوعہ" اقبال ریویو جولائی ۱۹۶۲ء (ص ۸۵) میں شائع کیا۔ اس اردو ترجمے میں مکتوب الیہ کا نام درج نہیں ہے نیز القاب "مائی ڈیر مسٹر غنی" کے بجائے "مائی ڈیر غنی" نقل کیا گیا ہے۔

(۳) تیسری بار اس کا مکمل متن قاضی افضل حق قریشی نے "نیا پیام" یکم دسمبر ۱۹۶۸ء میں نقل کیا۔

(۴) قاضی افضل حق قریشی نے ایک بار پھر اس کا مکمل انگریزی متن اپنے مضمون "باقیات اقبال" مطبوعہ اردو شمارہ ۳، ۱۹۶۹ء میں شائع کیا۔

میں نے "اردو" میں شائع شدہ متن اختیار کیا ہے اور از سر نو اس کا اردو ترجمہ کیا ہے۔

(رفیع الدین ہاشمی)

خالد شیلڈریک کے عزائم و مقاصد کا حال مجھے معلوم نہیں ان کی تحریروں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ روس اور فرانس کے خلاف ہیں۔ جہاں تک فرانس کا تعلق ہے یہ پروپوگنڈا حق بجانب ہے روس کے متعلق بھی ان مہاجرین سے سننے میں آتے ہیں جو بخارا سے آتے ہیں نظام کے متعلق پروپوگنڈا ان کا ہے اس کے وجوہ مجھے معلوم نہیں بلکہ آپ کے خط سے مجھے یہ بات پہلی دفعہ معلوم ہوئی۔ میں نے جو کچھ آپ کو بتایا تھا وہ میرے ذاتی مشاہدات کا نتیجہ تھا کسی خاص فرد کے حالات اور عزائم کا علم کسی کو کیا معلوم ہو سکتا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ شیلڈریک لاہور آرہے ہیں یا نہیں۔ والسلام

محمد اقبال لاہور

مارچ ۳۳

(عکس)   (نقوش دسمبر ۱۹۸۴ء)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور ۴ اپریل ۳۲ء

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم۔

انگریزی لیکچر قریباً ۱۵ اپریل تک چھپ کر تیار ہو جائیں گے۔ آپ اپنے دوست سے پوچھیے کہ آیا وہ اردو ترجمہ کرنے کے لیے لاہور آ سکیں گے یا نہیں اگر وہ نہ آسکتے ہوں تو آپ خود یہ کام کرنے کو تیار ہیں یا نہیں ترجمہ بلامعاوضہ نہ ہوگا۔

ایک صاحب امیر شاہی[1] نے جو غالباً جامعہ ملیہ سے تعلق رکھتے ہیں گلشن راز

---

[1] امیر حمزہ شاہی راقم الحروف کے دوست تھے۔ ان کا تعلق جامعہ ملیہ سے تو نہیں تھا لیکن قیام قرول باغ ہی میں تھا یعنی جامعہ کے نزدیک۔ (نذیر نیازی)

محمد اقبال

جدید کی شرح لکھنے کا خیال ظاہر کیا تھا۔ میں نے ان کو اجازت بھی دے دی تھی۔ اس کے بعد ان کا کوئی خط نہیں آیا۔ چونکہ ایک صاحب لاہور سے بھی اس کام کے لیے آمادہ ہیں۔ اس واسطے ان سے بھی دریافت کر کے مجھے مطلع کریں۔

مولانا شوکت علی اس وقت دہلی میں ہیں۔ میں نے ان کو بمبئی کے پتہ پہ ایک خط لکھا تھا معلوم نہیں ان تک پہنچا یا نہ پہنچا۔ ان سے مل کر دریافت کریں کہ میرا خط ان تک پہنچا یا نہ پہنچا اگر پہنچا ہے تو اب تک جواب کیوں نہیں ملا۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے عابد صاحب سے سلام کہیے۔

والسلام۔

محمد اقبال

(عکس) (مکتوباتِ اقبال)

بیگم گرامی کے نام

لاہور ۲۱ اپریل ۳۰ ۶

محترمہ جناب بیگم گرامی صاحب

بجواب آپ کے خط کے عرض ہے کہ اگر آپ مولانا مرحوم کے کلام کی اشاعت وطباعت کا کام خود نہیں کر سکتے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ آپ کے لیے یہ مشکل بھی ہے تو بہتر ہے حبیب اللہ صاحب سے معاہدہ کر لیجیے۔ آپ کے مالی فائدہ کی جو صورت ہو وہ اختیار کر لیجیے۔ خط سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ مولانا گرامی مرحوم کا کلام معاہدہ کی رو سے جزواً جزواً شائع ہوگا یا تمام کلام ایک ہی دفعہ اور پانچ سال کی مدت میں کتنے ایڈیشن شائع ہوں گے آیا ایک ایک ہزار کے پانچ ایڈیشن ہوں گے یا کم وبیش۔ اس کے علاوہ کتاب کی قیمت کیا ہوگی حجم کیا ہوگا۔ اس کے علاوہ آپ کو مسودہ دینے سے پیشتر یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ جو

روپیہ آپ کو ملے گا وہ فوراً نقد ادا کیا جائے گا یا باقساط ادا کیا جائے گا، اور اقساط کتنی مدت کے بعد ادا ہوں گی۔ والسّلام

محمد اقبال

(عکس) (مکاتیبِ اقبال بنام بیگم گرامی)

بیگم گرامی کے نام

جناب بیگم گرامی صاحبہ السلام علیکم

میری رائے میں تین ہزار روپیہ تھوڑی رقم ہے کم از کم پانچ ہزار ہونی چاہیئے۔ پانچ سال مدت اس تاریخ سے شروع ہو جب معاہدہ لکھا جائے نہ کہ کتاب کے طبع ہونے کی تاریخ سے۔ اس کے علاوہ آپ اس بات کا بھی اطمینان کر لیں کہ پانچ ہزار سے زائد کاپی نہ چھپیں گی۔ معاہدہ باقاعدہ تحریر ہو جائے۔ والسّلام

محمد اقبال لاہور ۲۵ / اپریل ۲۰ء

(مکاتیب اقبال بنام بیگم گرامی)

(عکس)

مکاتیب اقبال میں اس خط کی تاریخ ۲۰ / اپریل ۲۰ء درج کی گئی ہے جب کہ عکس میں ۲۵ / اپریل ۲۰ء صاف پڑھا جاتا ہے مزید برآں علامہ اقبال کے گزشتہ مکتوب بنام بیگم گرامی مورخہ ۲۱ / اپریل ۱۹۲۰ء کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مندرجہ بالا خط اُس خط کے بعد لکھا گیا کیونکہ اس میں معاہدہ اور رقم مقرر کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

(مولّف)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ کتابت چھپ گئی ہے اس کی جلد بندی ۲۰ اپریل تک ختم ہو جائے گی۔ میرا قصد تھا کہ جلد بندی کے بعد آپ کو خط لکھوں گا۔ بہ حال تعطیلوں میں آپ غالباً لاہور آئیں گے ہی۔ آپ نے یہ نہیں لکھا کہ آپ کے کالج میں تعطیل کب شروع ہوگی۔ کیا جامعہ کے بند ہونے پر آپ لاہور آنے کا قصد رکھتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ تشریف لائیں اور نمونۃً ایک آدھ لیکچر کا ترجمہ کریں پھر فیصلہ ہو سکے گا۔ اس کام میں اور احباب کی مدد بھی جہاں تک ممکن ہو آپ کے شامل حال ہوگی۔ والسلام

محمد اقبال ۲۰ اپریل ۳۰ء[2]

لاہور

(عکس)

(مکتوبات اقبال)

---

[1] خطبات

[2] عکس کے مطابق اس خط کی تاریخ ۲۷ اپریل ۱۹۳۰ء ہے لیکن متن سے صاف ظاہر ہے کہ یہ خط ۱۶ اپریل سے پہلے لکھا گیا ہوگا۔ ان دونوں تاریخوں میں سے کسی ایک میں علامہ سے سہو ہوا ہے۔ رفیع الدین ہاشمی صاحب (تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ ص — ۲۲۸) کا خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ۶ مئی ہونا چاہیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ۶ مئی کی جگہ ۶ اپریل سہواً لکھ گئے ہیں۔

(مولف)

مولوی صالح محمد ادیب تونسوی کے نام

لاہور

۱۰ مئی ۳۰ء

جناب مولوی صالح صاحب السلام علیکم

کل کی ڈاک میں ایک خط میں آپ کی خدمت میں ارسال کر چکا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ شاید میں عرس[1] کے موقع پر حاضر نہ ہو سکوں لیکن مزید غور کرنے پر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مجھے اس موقع پر حاضر ہونا چاہیے اس واسطے آپ کی خدمت میں اطلاعاً عرض ہے کہ میں حاضر ہوں گا۔ میرے ایک دو دوست اور بھی ہوں گے۔ براہ مہربانی بواپسی ڈاک مطلع فرمائیے کہ کس تاریخ کو مجھے وہاں ہونا چاہیے۔ خواجہ صاحب کب تک وہاں پہنچ جائیں گے۔ اور ان کا قیام وہاں کب تک رہے گا۔ اس کے علاوہ یہ بھی مطلع فرمانے کہ کس تاریخ کو یہاں سے روانہ ہونے کی اطلاع دی جائے۔ کیا حضرت دیوان صاحب کو براہ راست لکھ دیا جائے یا جب خواجہ نظام الدین صاحب وہاں پہنچ جائیں تو ان کو بذریعہ تار مطلع کیا جائے۔ اس خط کا جواب فوراً ارسال کیا جائے۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

بیگم گرامی کے نام (اقبال نامہ)

لاہور ۱۸ مئی ۳۰ء

محترمہ جناب بیگم صاحبہ

السلام علیکم، بہت بہتر ہے جو آپ کا ارادہ ہو کاغذ کا خریدنا کسی اچھے

---

[1] پاک پٹن شریف میں ہونے والے عرس سے مراد ہے۔

کاتب کے زیر نگرانی کام کرانا پھر کتاب کا پریس میں جانا اور پروف وغیرہ دیکھنا یہ کام آسان نہیں اور مجھ کو اس کام سے قطعاً واقفیت نہیں۔ بہتر ہے کہ آپ یہ کام حفیظ جالندھری صاحب کے سپرد کر دیں میں بھی ان کی مدد کروں گا یعنی دیباچہ لکھوا کے دینے میں کاغذ کی خرید کتابت چھپوائی اور پروف دیکھنے کا کام اُن کے سپرد ہو بلکہ کتاب کے چھپ جانے پر اشتہار دینا اور اس کی اشاعت کرنا بھی ان کے سپرد ہونا چاہیے مجھے واقفیت نہیں اس کے علاوہ فرصت بھی نہیں۔ خود اپنی کتابوں کے لیے بھی یہ اہتمام نہیں کر سکتا۔ والسلام

محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام بیگم گرامی)

(عکس)

ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ حیدر آبادی کے نام

لاہور

۲۰ رمئی ۳۲ ۱۹ء

مائی ڈیر عباس علی خاں

آپ کا نوازش نامہ ابھی ابھی موصول ہوا جس کے لیے ممنون ہوں میں نے آپ کی کتاب جو آپ نے مجھے تحفتہً بھیجی مطالعہ نہیں کی۔ لیکن میں اسے نہایت خوشی سے پڑھوں گا اور امید ہے اس سے منفعت بھی حاصل کروں گا۔ آپ کے والد بزرگوار کے انتقال کی اطلاع سے قلق ہوا۔ جسے آپ نیچر کہتے ہیں اس کے سپرد ایک بہت بڑی کائنات کا اہتمام ہے۔ اور ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ

---

[1] ابوالاثر حفیظ جالندھری مولانا گرامی کے شاگرد تھے (ان پر نوٹ حواشی میں ملاحظہ ہو)

وہ اپنے وظیفہ کی نوعیت سے کماحقہ آگاہ ہے۔

پر میرے لیکچر شائع ہوگئے ہیں۔ اگر آپ کا امریکن دوست زمانۂ حال کے اسلام سے دلچسپی رکھتا ہے تو اسے ان کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ مبارک علی تاجر کتب لوہاری گیٹ سے یہ کتاب مل سکتی ہے

مخلص محمد اقبال

(انگریزی سے) (اقبال نامہ)
(عکس)

مولوی صالح محمد ادیب تونسوی کے نام

لاہور

۳۰ رمئی ۳۰ء

جناب من! السلام علیکم۔ آپ کا خط مل گیا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ مجھ کو آپ کے خط نے بہت متاثر کیا مجھ کو یہ خیال ہمیشہ تکلیف روحانی دیتا ہے کہ آنے والی مسلمان نسل کے قلوب ان واردات سے یکسر خالی ہیں جن پر میرے افکار کی اساس ہے۔ لیکن آپ کے خط سے مجھے ایک گونہ مسرت ہوئی۔ اِن اشعار کی دِقت زبان کی وجہ سے نہیں ہیں نو اتنی فارسی ہی نہیں جانتا کہ مشکل زبان لکھ سکوں۔ دِقت جو کچھ بھی ہے، واردات و کیفیات کے فقدان کی وجہ سے ہے اگر کیفیات کا احساس ہو تو مشکل زبان بھی سہل ہو جاتی ہے۔ بہر حال آپ کی کوشش ایک مبارک فال ہے لیکن یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جذبات انسانی کی تخلیق یا بیداری کے کئی ذرائع ہیں، جن میں سے ایک شعر بھی ہے۔ اور شعر کا تخلیقی یا ایقاظی[1] اثر محض اس کے مطالب و معانی کی وجہ سے

---

[1] ایقاظی جگانے والا۔

نہیں بلکہ اس میں شعر کی زبان اور زبان کے الفاظ کی صوت اور طرز ادا کو بھی بہت بڑا دخل ہے۔ اس واسطے ترجمے یا تشریح سے وہ مقصد حاصل نہیں ہوتا جو مترجم کے زیر نظر ہوتا ہے۔ بہر حال اس تشریح میں آپ کو ان لوگوں کی کیفیات خیالات کا بغور مطالعہ کرنا چاہئے جن کے قلوب میں آپ 'پیام' کے جذبات پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات 'پیام' کے مطالعے سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی گُر کی بات ہے کہ مجھ سے مشورہ نہ کیجئے جس شعر کا جو اثر آپ کے دل پر ہوتا ہے اُسی کو صاف و واضح طور پہ بیان کرنے کی کوشش کرنا چاہئے مصنف کا مفہوم معلوم کرنا بالکل غیر ضروری بلکہ مضر ہے۔ ہاں ایک ضروری شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ جو تشریح آپ کریں اس کی تائید شعر کی زبان سے ہوتی ہو چاہئے۔ ایک ہی شعر کا اثر مختلف قلوب پہ مختلف ہوتا ہے بلکہ مختلف اوقات میں بھی مختلف ہوتا ہے اس اختلاف کی وجہ قلوب انسانی کی اصل فطرت اور انسانی تعلیم و تربیت اور تجربہ کا اختلاف ہے۔ اگر کسی شعر سے مختلف اثرات مختلف قلوب پہ پیدا ہوں تو یہ بات اسی شعر کی قوت اور زندگی کی دلیل ہے۔ زندگی کی اصل حقیقت موج اور گوناگونی ہے۔ والسلام

خواجہ صاحب کی خدمت میں میری طرف سے سلام مسنون پہنچا دیجئے۔ میں ان کے خاندان سے محبت رکھتا ہوں۔

مخلص محمد اقبال

(اقبالنامہ)

لہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب کے مطابق (تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ ص ۲۲۹) خط کا یہ حصہ اقبال نامہ دوم (ص ۲، ۳) میں محذوف تھا اس عبارت کا جزوی عکس بھی ہاشمی صاحب نے مذکورہ کتاب میں دیا ہے جو اس تالیف میں شامل کر لیا گیا ہے۔

(مولف)

مولوی صالح محمد ادیب تونسوی کے نام

جنابِ من! السلام علیکم

کئی دن ہوئے، میں نے آپ کے خط کے جواب میں خط لکھا تھا اور اسی خط میں آپ کی "شرح پیامِ مشرق" (رباعیات) کا مسودہ ملفوف تھا۔ معلوم نہیں، وہ خط آپ تک پہنچا یا نہ پہنچا۔ اگر نہیں پہنچا تو مجھے سخت افسوس ہے۔ بالخصوص اُن نوٹوں کی وجہ سے جو میں نے مسودہ مذکور کے حواشی پر کیے تھے۔ بہر حال مطلع فرمائیے کہ اطمینان ہو جائے۔

حضرت خواجہ نظام الدین صاحب سے یہ بھی معلوم کیجیے کہ آیا اُن کے بزرگوں کے کتب خانے میں حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری کا وہ رسالہ موجود ہے، جس میں انھوں نے آسمانوں اور ستاروں کی سیر کا ذکر کیا ہے۔ مجھے اس کی مدت سے تلاش ہے، اب تک دستیاب نہیں ہو سکا۔ آج تک شائع بھی کسی نے نہیں کیا۔ اگر وہ رسالہ اُن کے پاس نہیں تو ممکن ہے اسی مضمون کا کسی اور بزرگ کا رسالہ موجود ہو۔ والسلام

محمد اقبال

لاہور

(اقبال نامہ)

نوٹ: یہ خط علامہ کے انگریزی سٹینو نے لکھا ہے لیکن تاریخ تحریر نہیں کی گئی۔ اندازہ یہی ہے کہ یہ گزشتہ خط کے بعد کا ہے۔

(عطاء اللہ)

گویا جون ۱۹۳۳ء میں لکھا گیا (صابر کلوروی۔ مکاتیب اقبال کے ماخذ۔ ایک تحقیقی جائزہ ص ۶۵)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور یکم جون ۳۳ء

ڈیر نیازی صاحب السلام علیکم

جناب کا خط مل گیا ہے۔ ترجمہ کا خیال بدستور ہے بلکہ بعض اصحاب کی طرف سے تقاضا ہے کہ جلد کیا جائے۔ مجھے اس پر شبہ ہے کہ عام لوگ اس سے مستفیض ہو سکیں گے ہاں علما جنھوں نے فلسفہ کا خاص طور پر مطالعہ کیا ہے وہ میرا مقصد سمجھ سکیں گے بہرحال جب آپ لاہور آئیں تو نمونہ کے طور پر کچھ حصہ اس کا ترجمہ کر لیں تا کہ معلوم ہو کہ کہاں تک اس کوشش میں کامیابی ہو سکے گی۔ والسلام

محمد اقبال لاہور

(مکتوبات اقبال)

(عکس)

محمد عبداللہ چغتائی کے نام

۵ جون ۳۰ء

ڈیر ماسٹر عبداللہ

آپ نے ANE کی ڈکشنری کا اقتباس بھیجنے کا وعدہ کیا تھا جس کا میں اب تک منتظر ہوں۔

محمد اقبال

(اقبالنامہ)

بیگم گرامی کے نام

جناب بیگم صاحبہ

آپ کا خط مل گیا ہے آپ کے پہلے خط میں جو میرے خط کے جواب میں تھا، کوئی بات ایسی نہ تھی جس کا جواب لکھا جاتا۔ اس واسطے میں نے خط نہ لکھا۔ آپ نے لکھا تھا کہ بعد از مرحوم آپ کسی آدمی کو مع مسودہ کلام مولانا مرحوم لاہور بھیجوگی[1] مسودہ آنے گا تو میں اسے کاتب سے صاف کرا دوں گا اور کتابت کے متعلق اس کا اطمینان کرا دوں گا۔ والسلام

محمد اقبال لاہور

۱۱ جون ۲۰ء[2]

(مکاتیب اقبال بنام بیگم گرامی)

عکس

محمد شعیب قریشی کے نام

لاہور

۱ جون ۳۵ء

میرے پیارے شعیب

اس خط کے لانے والے بغداد کے ایک نوجوان ہیں یہ بہت اچھی ترکی بولتے ہیں اور اچھی عربی شاعری کرتے ہیں اخباروں میں مرحومہ علیا حضرت بیگم صاحبہ

---

[1] کے سہواً رہ گیا ہے (مولف)

[2] مکاتیب اقبال بنام گرامی میں یہ خط ص ۲۵۲ پر بغیر تاریخ کے شائع ہوا ہے جبکہ عکس میں ۱۱ جون ۲۰ء واضح طور پر تحریر ہے۔ (مولف)

بھوپال کی وفات کے بارے میں پڑھ کر انھوں نے عربوں کی روایت کے مطابق ایک مرثیہ لکھا ہے اور ان کی دلی خواہش ہے کہ یہ اپنی اس نظم کو اعلیٰ حضرت کے حضور میں پڑھیں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ ممکن ہے یا نہیں مگر چونکہ ان کی خواہش ہے کہ یہ ایسا کریں اور انھوں نے مجھ سے کئی بار درخواست کی ہے کہ میں ایک تعارفی خط لکھ دوں اس لیے میں آپ سے ان کا تعارف کرانے کے لیے چند سطریں لکھ رہا ہوں۔ اور یہ آپ کے اوپر چھوڑتا ہوں کہ اس سلسلہ میں جو بہتر سمجھیں وہی کریں۔ اگر ان کو اپنا لکھا ہوا مرثیہ اعلیٰ حضرت کے حضور میں پڑھنے کا موقع ملتا ہے تو مجھے یقین ہے کہ ان کے سننے والوں کے لیے ایک نیا تجربہ ہوگا۔ میں نے ان کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ جس طریقہ سے یہ اسے پڑھتے ہیں اس سے مجھے ان خاموش اور بے راستہ ریگستانوں کی یاد آجاتی ہے۔ جن کی بے پناہ خاموشی میں خدا نے خود کو انسانوں کے سامنے سب سے پہلے آشکار کیا تھا۔

یہ امید کرتے ہوئے کہ آپ اچھے ہوں گے اور آپ کی شادی کی مبارکباد دیتے ہوئے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے) (اقبال نامہ)

(عکس)

مولوی صالح محمد ادیب تونسوی کے نام

۱۹ر جون ۳۶ء

جنابِ من السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے جس کے لیے شکریہ قبول کیجیے۔ الحمدللہ کہ مسودہ آپ تک

پہنچ گیا۔ آپ نے نسخۂ مطلوبہ کی تلاش میں جو زحمت گوارا کی اس کے لیے جناب خواجہ صاحب کا اور آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اگر آپ اُدھر کے نادر الوجود قلمی نسخوں کی ایک فہرست تیار کر دیں تو عہدِ حاضر کے ہندوستانی مسلمانوں پر ایک احسانِ عظیم ہوگا نیز ایک بڑی علمی خدمت ہو گی۔ افسوس مسلمانوں کا علمی سرمایہ ہندوستان میں بالکل ضائع ہو گیا اور آج یورپ والے یہ طعنہ دینے کے لائق ہوئے کہ ہندوستانی مسلمان علمی دولت سے بالکل تہی دست تھے۔ سترالسمآء کا ذکر میں نے آج تک نہیں سنا اس کتاب کی تلاش بھی جاری رکھیے۔ میں نہایت ممنون ہوں گا اگر سترالسماء مل جائے شاید بہاول پور سے ملے۔

حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں سلام مسنون عرض کیجیے اگر وہ کبھی لاہور کا رُخ کریں تو مجھے مطلع کیجیے۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

سردار رب نوازؔ خاں کے نام[1]

لاہور ۲۶ جون ۲۳ء

جنابِ سردار صاحب السلام علیکم

آپ کا والا نامہ مل گیا ہے جس کے لیے شکر گزار ہوں الحمد للہ کہ حسنِ ہے

---

[1] ان کے نام علامہ اقبال کے متعدد دیگر خطوط بھی تھے لیکن اب دستیاب نہیں سردار کریم نواز خان زیرِ نظر مکتوب کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں " اس زمانہ میں گورمنٹ نے ڈیرہ غازی خان کے جملہ زمینداروں کو ۵۰ مربعہ اراضی (بقیہ اگلے صفحے پر)

مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے اللہم زدفزد زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا والسلام

مخلص محمدؐ اقبال

(عکس) (خطوطِ اقبال)

(بقیہ حاشیہ) میں نقد تمغہ دار عطیہ کیا تمغہ داروں کے سربراہ اس زمانے میں نواب سر ... خان ... تھے نقد تمغہ دار ہوتے تھے ... پٹھان تھا اس لیے نواب صاحب مرحوم سے بہ نسبت ... ہوئے ... داروں کے لیے منظور کی نہیں اس عطیہ سے محروم رکھا گیا۔ حالانکہ اس دور کی خدمات آنریری مجسٹریٹ اور ممبر جرگہ کی حیثیت سے ہم برابر تھے۔ میاں سر فضل حسین اس زمانے میں وزیر تھے اور علامہ صاحب سے ان کے مراسم تھے والد صاحب نے علامہ صاحب سے گزارش کی کہ ہمارے ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے، میاں صاحب سے سفارش کر کے اس کا ازالہ کرائیں۔ جواب میں علامہ صاحب نے معذوری ظاہر کی کہ وہ دنیاوی معاملات میں کسی سفارش کے قائل نہیں۔ والد صاحب خود میاں صاحب سے علامہ صاحب کے فرمان کے مطابق ملے اور اپنا کیس بیان کیا جس پر انھیں بھی باقی جوہری تمغہ داروں کی طرح عطیہ دیا گیا۔ اس کی اطلاع والد صاحب نے علامہ صاحب کو دی جس کا یہ خط جواب تھا۔" (مکتوب سردار کریم نواز خان بنام رفیع الدین ہاشمی مورخہ ۱۹ اپریل ۱۹۷۵ء) (رفیع الدین ہاشمی)

؎ انوارِ اقبال (ص ۲۰۴) میں اس خط کی تاریخ ۲۶ جون ۱۹۳۲ء درج ہے لیکن رفیع الدین ہاشمی صاحب نے ۲۶ جولائی درج کی ہے (خطوطِ اقبال ص ۱۹۴ اور تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ ص ۲۴۲) عکس میں ۲۶ جون صاف پڑھا جاتا ہے اس لیے رفیع الدین ہاشمی صاحب سے معذرت کے ساتھ اس خط کی تاریخ ۲۶ جون ۱۹۳۲ء متعین کی گئی ہے۔ (مولف)

؎ 'انوارِ اقبال' کے متن میں یہ عربی جملہ موجود نہیں ہے۔ (رفیع الدین ہاشمی)

بیگم گرامی کے نام[1]

آپ کا مسودہ درست ہے۔ جہاں میرے نمبر ۲ اس عبارت کی جگہ مندرجہ ذیل عبارت لکھنی چاہیے۔ جو واقعات کی رو سے صحیح ہے

"دیوان کی طباعت و کتابت وغیرہ کے متعلق ڈاکٹر اقبال صاحب سے مشورہ کیا گیا ہے۔ کتابت مشہور خوش نویس منشی محمد امین رقم کریں گے کاغذ اور طباعت۔۔۔الخ"

میں نے لفظ "ترتیب" کاٹ دیا ہے کیونکہ مجھے ترتیب کتاب کا کوئی علم نہیں یہ اشتہار طباعت ختم ہونے سے ایک دو ماہ پہلے اخبارات میں دینا چاہیے۔

محمد اقبال لاہور
۲۹ جولائی ۱۹۲۳ء

---

[1] علامہ اقبال نے بیگم گرامی کے اسی خط پر جواب لکھ کر واپس بھیج دیا بیگم گرامی کا خط قارئین کی دلچسپی کے لیے ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے (مؤلف)

گرامی منزل۔ ہوشیار پور
۲۳ جون ۱۹۲۳ء

مکرم و محترم بھائی صاحب السلام علیکم!

میرا خیال ہے کہ دیوان کے لیے پروپیگنڈا شروع کر دیا جائے۔ اخبارات و رسائل کے لیے ایک اعلان تجویز کیا ہے جس کا مسودہ آپ کے ملاحظے کے لیے ارسال خدمت ہے واپسی اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔

خاکسارہ
اقبال
(اقبال بیگم)

باقی جو امور ہوں اس کے متعلق اگر ضرورت ہو تو آپ شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ سے خط و کتابت کریں جن نے ان کو اس بارے میں کہہ دیا ہے۔ وہ قابل اعتبار آدمی ہیں اور واقف کار۔

محمد اقبال

(مکاتیب اقبال بنام بیگم گرامی)

راغب احسن کے نام

لاہور ۶ جولائی ۳۶ء

ڈیر راغب صاحب۔

آپ کے دونوں خطوط مل گئے ہیں۔ بچے راضی خوشی ہیں۔ ان کے استفسار حال کا شکریہ۔

میں ۱۵ جولائی کو بھوپال جانے کا قصد رکھتا ہوں۔ وہاں بغرض علاج ڈیڑھ ماہ قیام رہے گا۔ جاوید کو ساتھ لے جاؤں گا۔

میں دست بدعا ہوں کہ خدا تعالیٰ آپ کے لیے کوئی اچھی صورت پیدا کردے جس سے آپ کے قلب کو اطمینان ہو جائے کانفرنس کی حالت اب سدھر نہیں سکتی بعض لوگوں نے اس کو آلہ کار بنایا تھا وہ اپنا مطلب نکال چکے اب اس کی ضرورت ان کے لیے باقی نہیں رہی اگر دوبارہ اُن کو ضرورت ہوئی تو مشکل سے کامیابی ان کو ہوگی۔ جن لوگوں کا دین و مذہب محض سیاست ہو اُن کو میرا مضمون کیونکر پسند آسکتا ہے میرا مذہب سوائے اسلام کے اور کچھ نہیں اور اگر سیاست اسلام کی خادم نہو تو میری نگاہوں میں محض الحاد ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

مولوی شفیع داؤدی صاحب کی خدمت میں سلام کہیے گا۔ فقط

محمد اقبال

(اقبال۔ جہانِ دیگر)

لیڈی آرنلڈ کے نام

لاہور

۱۰ جولائی ۱۹۳۰ء

محترمہ لیڈی آرنلڈ،

میرے لیے یہ بیان کرنا ممکن ہے کہ جب سر طامس آرنلڈ کی ناگہانی وفات کی خبر ہم تک ہندوستان میں پہنچی، تو ہم سب کو کس قدر دلدوز صدمہ ہوا۔ آپ کو یہ بخوبی معلوم ہے کہ سر طامس سے اُن کے شاگردوں کو، اور ان تمام لوگوں کو جو ان سے واقف تھے، کس قدر محبت و عقیدت تھی۔ مجھے معلوم ہے کہ احساسِ غم کے الفاظ آپ کو اور آپ کی صاحبزادی نینسی، کو بہت کم تقویت پہنچا سکتے ہیں، لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے غم میں نہ صرف انگلستان بلکہ ہندوستان اور باقی دنیا کے اُن تمام ممالک کے لوگ شریک ہیں، جہاں سر طامس کا نام بحیثیت ایک مستشرق کے معروف تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ ان کی وفات سے نہ صرف برطانوی دنیائے علم کو، بلکہ دنیائے اسلام کو بے حد نقصان پہنچا ہے، جس کے فکر و ادب کی خدمت میں انھوں نے تا دمِ آخر کمی نہ آنے دی۔ میرے لیے یہ زیاں ایک ذاتی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ یہ انھی کا اثر تھا، جس نے میری روح کی تربیت کی، اور اسے جادۂ علم پر گامزن کیا۔ یہ صحیح ہے کہ دنیاوی نقطۂ نظر سے ان کی زندگی کا تابندہ شعلہ اب خاموش ہو چکا ہے، لیکن میرا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ وہ لوگ جو سر طامس کی طرح، اپنی زندگی کو محبت اور خدمت کے لیے وقف کرتے ہیں، اُن کے لیے موت ' مزید روشنی " کے مصداق ہے۔

میں تہہ دل سے دعا کرتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ ان کی روح کو ہمیشہ کے لیے جوارِ رحمت میں جگہ دے، اور آپ کو اور نینسی کو یہ حوصلہ عطا کرے کہ ان کی ناگہانی موت کا صدمہ، صبر و شکر کے ساتھ

برداشت کر پائیں

آپ کا مخلص
محمد اقبال

۱۔ انگریزی سے۔ ۲۔ اقبال یورپ میں۔ ۳۔ عکس۔

بیگم ؟ کے نام ۱

لاہور ۱۹ جولائی ۳۰ء

محترمہ جناب بیگم صاحبہ السلام علیکم
آپ کا والا نامہ مل گیا ہے جس کے لیے شکریہ قبول کیجیے آپ کی سکیم عمدہ ہے

۱۔ اس خط کی عکسی نقل روزنامہ "انجام" کراچی میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ علامہ اقبال کا نام، عنوان اور خط کے سوا اور کوئی تفصیل نہیں دی گئی۔ اس لیے اس خط کی مکتوب الیہ کا نام اور خط کا پس منظر وغیرہ کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا۔
اس عکسی نقل میں تحریر بہت باریک ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصل خط کو مُصغر کر کے عکسی نقل بنائی گئی۔ پھر اس کے کناروں پر کچھ ایسے نشانات ہیں جن سے بعض الفاظ مٹ گئے ہیں۔ اندازہ ہے کہ اصل خط پر پانی کے چھینٹے پڑ گئے جس کے سبب بعض الفاظ کچھ یوں خراب ہو گئے کہ صاف نہیں پڑھے جا سکتے۔ ایسے الفاظ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے۔ (رفیع الدین ہاشمی)
نوٹ: اس خط کا عکس روزنامہ "انجام" کراچی کے کسی شمارے میں شائع ہوا۔ مجھے اس اخبار کا تراشہ پروفیسر امین احمد اعظمی سے دستیاب ہوا تھا۔ یہ عکس صاف نہیں ہے۔ اس لیے بعض الفاظ پڑھے نہیں جا سکے۔ (رفیع الدین ہاشمی)
۲۔ اس خط کا جو عکس ہمیں دستیاب ہوا ہے اس کی تحریر پڑھی جا سکتی ہے چنانچہ وہ جگہ جو رفیع الدین ہاشمی صاحب نے خالی چھوڑ دی تھی یہاں عکس کے مطابق پُر کر دی گئی ہے۔ (مولف)

مخلص محمد اقبال

مگر اس کا تعلق زیادہ تر معاشرتی اصلاح سے ہے جو میرے نزدیک بہت ضروری ہے پنجاب کے حالات مختلف ہیں اور میری توجہ زیادہ تر اس طرف ہے مفصل اس خط میں عرض نہیں کر سکتا جو سکیم آپ نے تجویز کی ہے میرے خیال میں اس کو بروئے کار لانا جمعیت العلما کا کام ہے۔ ایک آدمی بہت سے کام نہیں کر سکتا ورنہ ایک جماعت ہی ہر کام کے اہل ہو سکتی ہے پنجاب میں اس وقت زیادہ توجہ کے مستحق پولیٹیکل امور ہیں اور ایک مدت تک غالباً یہی امور جاذب توجہ رہیں گے سوشل اصلاح صوبہ وار ہو تو بہتر ہے کیونکہ صوبوں کے حالات ایک دوسرے سے مختلف ہیں اگر ملک کے ایک حصے میں ایک اسلامی اسٹیٹ قائم ہو جائے تو معاشرتی زندگی بہت جلد سنور سکتی ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

آپ کی مرتبہ سکیم اس خط میں ملفوف ہے اس میں بعض عمدہ باتیں مگر کئی امور فی الحال ناممکن العمل ہیں۔ والسلام

محمد اقبال

(عکس) (خطوط اقبال)

سید محمد حنیف کے نام

لاہور

۲۱ جولائی ۱۹۳۰ء

ڈیر مسٹر حنیف،

السلام علیکم۔

میر غلام بھیک نیرنگ کو میں نے آپ کے حلقے اور آئندہ انتخابات کے متعلق لکھا تھا۔ ان کا خط چند روز ہوئے مجھے آیا تھا۔ جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ انھوں نے آپ کو اپنے خیالات سے آگاہ کر دیا ہے کہ میں مزید خط و کتابت آپ سے کروں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آپ کے احباب و معاونین نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ اگر میر صاحب یا آپ کی جماعت

نوٹ: ۱۹۳۰ء میں جب پنجاب لیجسلیٹو کونسل کی رکنیت کی مدت ختم ہوئی اور از سر نو انتخابات کا مرحلہ سامنے آیا تو اس مرتبہ اقبال نے کسی وجہ سے طے کیا کہ انبالہ سے کاغذات نامزدگی داخل کرائیں۔ اس کے لیے انھوں نے میر غلام بھیک نیرنگ سے خط و کتابت کی۔ میر نیرنگ نے مشورہ دیا کہ اس سلسلے میں سید محمد حنیف، ایڈووکیٹ سے رابطہ قائم کیا جائے۔ سید محمد حنیف میر نیرنگ کے قابل اعتماد دوستوں میں سے تھے اور انبالہ کے مسلمانوں میں بڑی قدر کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ اقبال نے میر نیرنگ کی تجویز پر انھیں خط لکھا۔ یہ خط اپنے تاریخی پس منظر کے اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ سید محمد حنیف نے جواب میں کیا لکھا یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ یہ خط اقبال ریویو، جنوری ۱۹۸۲ء (ص ۵۴۔۵۵) کے شمارے میں رحیم بخش شاہین کے وساطت سے شائع ہوا ہے۔

(ڈاکٹر محمد امین اندرابی۔ مطالعۂ مکاتیب اقبال۔ ص۔ ۳۴۴)

میں سے کوئی صاحب کھڑے ہوں تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ لیکن اگر
ایسا نہ ہو تو مہربانی کر کے اپنی جماعت کے فیصلے سے مجھے آگاہ فرمائیں کہ
صورت حال کیا ہے۔ اور آپ کے حلقے کی طرف سے کون کون سے امیدوار
کھڑے ہوں گے۔

امید کہ آپ کا مزاج گرامی بخیر ہو گا۔ والسلام۔

مخلص محمد اقبال

(مطالعہ مکاتیب اقبال)

غیر مدون)

مولوی صالح محمد ادیب تونسوی کے نام

لاہور

۲۵ جولائی ۳۰ء

مکرمی السلام علیکم

والا نامہ ابھی ملا ہے۔ جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ حضرت خواجہ صاحب
کی خدمت میں میری طرف سے خاص طور پر شکریہ ادا کیجیے۔ میں ان کا نہایت شکرگزار
ہوں کہ انھوں نے "سر السما" کے متعلق اس قدر دلچسپی کا اظہار فرمایا۔ معلوم نہیں

کتاب مذکور قلمی ہے یا طبع شدہ اگر قلمی ہے تو معلوم نہیں۔ حجم کس قدر ہے اور
کس زبان میں ہے۔ بہرحال اگر خواجہ صاحب کسی آدمی کو بھیج دیں تو مہربانی ہوگی۔
اس طرح کتاب جلدی مل جائے گی اور میں اس سے اپنی کتاب کو ختم کرنے سے
پہلے مستفیض ہو سکوں گا۔ میں نے شاید آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ میرا مقصود
"سرالسماء" کے مطالعہ سے علمی مقصد نہیں ہے۔ عملی ہے یعنی وہ تحقیق ہے جس
کا دارومدار علم ریاضی پر ہو اور جس کے مشاہدات کے لیے دوربینوں کی ضرورت
ہو۔ میرا مقصود اس تحقیق سے ہے جس کی بنا مکاشفات قلبی پر ہو۔ چونکہ آپ کے
والد ماجد "سرالسماء" کو دیکھ چکے ہیں اس واسطے مجھے یقین ہے کہ ان کے مطالعے
گوہر مقصود ہاتھ آئے گا۔ حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں عرض کیجیے جب میری
کتاب ختم ہو گئی تو ان شاء اللہ اس کی ایک جلد حاضر خدمت کروں گا اور مجھے
یقین ہے کہ وہ بے انتہا خوش ہوں گے۔ جہاں تک مجھے علم ہے کسی اسلامی زبان میں
اس قسم کی کتاب اس سے پہلے نہیں لکھی گئی۔ کتاب نظم میں ہے۔ زبان فارسی ہے
مثنوی مولانا روم کے بحر میں ہے۔ سیرۃ سلیمان ضرور لکھیے آپ کا اردو طرز بیان
دلچسپ اور سادہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں آپ پڑھنے والوں کی توجہ جذب کر سکنے پر
پوری قدرت رکھتے ہیں۔ گزشتہ رات میرے ہاں بہت سے احباب کا مجمع تھا
مسلمانان ہندوستان کی عام روحانیت کا ذکر تھا اور بہت سے احباب مسلمانوں کے
موجودہ انحطاط سے متاثر ہو کر ان سے مایوسی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس سلسلے میں
میں نے ریمارک کیا کہ جس قوم سے خواجہ سلیمان تونسوی، شاہ فضل رحمن گنج مراد آبادی
اور خواجہ فرید چاچڑاں شریف والے اب اس زمانے میں بھی پیدا ہو سکتے ہیں اس کی روحانیت
کا خزانہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے کہ کتاب "سرالسماء" کے حصول میں عجلت فرمائیے۔
خواجہ صاحب کی خدمت میں سلام شوق پہنچائیے اور دعا کی التماس۔ والسلام۔

مخلص۔ محمد اقبال

(اقبالنامہ)

ڈاکٹر ناموس شجاع منعمی کے نام

لاہور

املا تاریخ ۱ جولائی ۳۰ ۱۹ء[1]

مائی ڈیر مسٹر شجاع

آپ نے کتاب "سرّ السماء" کے سلسلہ میں جو زحمت گوارا فرمائی اس کے لیے نہایت ممنون ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کتاب کا بغور مطالعہ فرمائیں۔ مجھے صرف اس قدر اطلاع کی ضرورت ہے کہ آیا اس کتاب کا موضوع فلکیات سے ایک سائنٹفک بحث ہے یا صرف اس میں آسمان کی کیفیات تخیل یا مذہبی تجربہ یعنی مشاہدۂ روح یا وحی والہام کی بنا پر لکھی گئی ہیں۔ اکثر مسلمان صوفیاء نے آسمانوں سے اسی انداز سے بحث کی ہے اگر کتاب پر موخر الذکر صورت کا اطلاق ہوتا ہو تو میں یا خود آؤں گا یا چودھری محمد حسین صاحب کو بھیجوں گا۔

آپ کا محمد اقبال

(اقبالنامہ)

---

[1] اقبال نامہ "جلد اوّل کی فہرست مندرجات میں ان کا نام خواجہ ایف ایم۔ شجاع، پروفیسر صادق ایجرٹن کالج، بہاولپور درج ہے جبکہ "روح مکاتیب اقبال" مرتبہ عبداللہ قریشی میں ان کا نام پروفیسر شجاع منعمی (ڈاکٹر ناموس) (ص ۱۴۱، ۴۴) لکھا ہے (مولف)

[2] صابر کلوروی صاحب "مکاتیب اقبال کے ماخذ - ایک تحقیقی جائزہ ص ۵۲" کے مطابق یہ خط (خط نمبر ۱۰۹ ص ۲۱۷، دخط نمبر ۸ (محررہ ۲ جنوری ۳۰ ۱۹ء کے بعد اور خط نمبر ۱۱ (محررہ ۲۰ جنوری ۱۹۳۱ء) سے پہلے لکھا گیا تھا لہٰذا اس خط کی تاریخ تحریر جنوری ۱۹۳۱ء ہو گی۔

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار (اقبال - ایک مطالعہ ص ۲۵۸) لکھتے ہیں "کتاب "سرّ السماء" کے حوالے سے اقبالنامہ (دوم) میں خطوط نمبر ۴۷ تا ۴۸ (بنام مولوی صالح محمد) کو دیکھا جائے تو مذکورہ خط جولائی یا اگست ۱۹۳۰ء میں لکھا گیا۔" ان کی دلیل نفسِ مضمون پر مبنی ہے اور زیادہ معقول ہے لہٰذا اس خط کی تاریخ جولائی اگست ۱۹۳۰ء معین کی جاتی ہے (مولف)

مولوی محمد یعقوب کے نام

لاہور

جناب من، السلام علیکم

آپ کا والا نامہ مل گیا ہے۔ جن حضرات کے ناموں کی فہرست آپ نے ارسال فرمائی ہے ان کے نام علیحدہ علیحدہ تاکیدی خطوط لیگ کے دفتر کی طرف سے جانے چاہئیں اس کے علاوہ ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین، سکرٹری پراونشل مسلم لیگ لاہور کے نام بھی تاکیدی خط لکھیے کہ لاہور سے بہت سے حضرات شریک اجلاس ہوں۔ ابھی تک معلوم نہیں ہوا کہ باہر سے آنے والے لوگوں کے قیام کا کیا بندوبست لکھنؤ میں ہو گا۔ بہت سے لوگوں نے مجھ سے استفسار کیا ہے ان تمام امور کے متعلق اطلاع مفصل شائع ہونا ضروری ہے۔ مہربانی کر کے ممبران استقبالیہ کمیٹی کی خدمت میں میری طرف سے عرض کیجئے کہ کسی قسم کے استقبال کی تیاری نہ کی جائے۔ میں اپنے پرانے دوست مسٹر محمد وسیم بیرسٹر کے ہاں قیام کروں گا۔ چونکہ مجھے استقبال کا اندیشہ تھا اس واسطے میں نے ان کو لکھا ہے کہ میرے لکھنؤ پہنچنے کے وقت سے کسی کو بھی آگاہ نہ کریں اور اسی شرط پر میں نے ان کے ہاں ٹھہرنے اور ان کا مہمان ہونا قبول کیا ہے۔

خطبہ صدارت قریبًا تیار ہے۔ ایک ہزار کی تعداد میں چھپے گا۔ اردو ترجمہ کرنا اور اسے رسالے کی صورت میں شائع کرنا میرے بس کا کام نہیں۔ غالبًا مدیر 'انقلاب' اپنے اخبار کے لیے ترجمہ کریں گے جو اخبار ہی میں شائع

ؐلہ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم لیگ کا اجلاس لکھنؤ میں اگست میں ہونا قرار پایا تھا لیکن بعض وجوہ سے اسے ملتوی کرنا پڑا جس کا ذکر اگلے خطوں میں کیا گیا ہے۔ یہ خط یکم اگست کا تحریر کردہ ہے۔

ہوگا اگر مسلم لیگ اردو ترجمہ شائع کرے، تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔

فقط

سیکرٹری مسلم لیگ

مخلص محمد اقبال

صحیفہ اقبال،

سر فرانسیس ینگ ہسبنڈ کے نام[1]

میں نے لائف ان دی سٹارز ، میں ان

صفحات کا بڑی دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کیا ہے جہاں آپ نے جماعتی مفاد کے پس منظر میں باہمی اشتراک اور تعاون کے جذبہ عامہ پر بحث کی ہے یہ جذبہ جس کے اطلاق کو آپ نے بے حد وسعت دی ہے اس کتاب کا نچوڑ کہا جا سکتا ہے۔

آپ نے ہمارے سامنے ایک بہت بلند معیار پیش کیا ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ انگریز اور دوسری تمام قومیں اس معیار تک پہنچنے کی پوری کوشش کریں گے انگلستان پر جسے آپ نے اس کتاب میں خصوصیت سے مخاطب کیا ہے اور جس کے متعلق آپ کو یقین کامل ہے کہ اس معیار پر پورا اتر سکتا ہے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ جنگ و جدال اور قومی تنفر کی طاغوتی طاقتوں کے خلاف جہاد کرنے میں پیش قدمی کرے۔ ہم ہندوستانی اس نیک کام میں تعاون پیش کرنا اپنے لیے

---

[1] سر فرانسس ینگ ہسبنڈ کے نام خط کے چند اقتباسات حاصل ہوئے جو انگریزی روزنامہ سول اینڈ ملٹری گزٹ میں ۳۰ جولائی ۱۹۳۲ کو شائع ہوا تھا لطیف احمد شروانی ایڈیٹر، 'اسپیچز اینڈ اسٹیٹمنٹس آف اقبال ص ۲۰۵ - ۲۰۹۔

باعثِ افتخار سمجھیں گے۔ آپ اسے طرزِ محض کیونکہ یہاں ہم میں سے بہت سے لوگوں کا اور میرا خود یہی خیال ہے کہ انگلستان اس وقت اس مقصد کے حصول کے لیے تمام بنی نوع انسان کی قیادت کرنے کی اہلیت رکھتا ہے وہاں کے لوگوں کی سوجھ بوجھ، ان کا انسانی فطرت کے گہرے مطالعے پر مبنی سیاسی شعور، ان کی متانت، مستقل مزاجی، متعدد لوازم میں دوسروں پر ان کی اخلاقی برتری۔ مادی ذرائع پر ان کا جبرِ انگیز انضباط، انسانی فلاح و بہبود کے لیے بہت سی تحریکوں کا وجود اور زندگی کے ہر شعبہ میں ان کی تنظیم، یہ تمام باتیں ایسی ہیں کہ کوئی غیر ملکی ان کی تعریف کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مذکورہ بالا خوبیوں کا حسنِ اجتماع ہی دنیا میں برطانوی قوم کے اس غیر معمولی اقتدار کا باعث رہا ہے۔

میں اس دن کا منتظر ہوں جب کہ انگلستان اور ہندوستان کے درمیان اختلافات دُور ہو جائیں گے اور دونوں ممالک نہ صرف اپنے لیے بلکہ بنی نوع انسان کی بہبود کے لیے کوئی پروگرام بنائیں گے۔ ہم دونوں میں سے کسی کو بھی صورت حال سے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو صرف اس خیال سے مرعوب ہو کر کوئی کام کرنے کی جرأت نہیں کرتے کہ آج کل دونوں ممالک میں شدید اختلافات موجود ہیں۔ لیکن میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں۔

میرا تو خیال ہے کہ یہ اختلافات باہمی مطابقت کے دور کا لازمی نتیجہ ہیں اور کسی کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچائے بغیر دُور ہو جائیں گے بشرطیکہ ہم ہوشمندی سے کام لیں۔ اور تنفر، غرور، تشدد اور عدم رواداری کے جذبات پر قابو رکھیں۔ باہمی مطابقت کے دور تاریخ میں عام ہیں وہ آفرینشِ عالم سے چلے آئے ہیں۔ یورپ کی تاریخ ان سے بھری پڑی ہے اسی طرح مشرق و مغرب میں بھی مطابقت اور موافقت ناگزیر ہے۔ اگرچہ قدرتی طور پر اسے عملی جامہ پہنانے میں مقابلۃً زیادہ عرصہ لگ گیا ہے۔

اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خود ہندوستان میں باہمی مطابقت کی ضرورت ہے اور جب تک ہم اپنے خانگی جھگڑے طے نہ کرلیں اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہنا نہ سیکھ لیں۔ ہم بین الاقوامی امن کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔

ہندوستان کے اندرونی جھگڑے اور اختلافات عالمگیر امن کے راستے میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہیں لیکن موجودہ حالات کی نزاکت کے باوجود مجھے فرقہ وارانہ مفاہمت کے امکان کی قوی اُمید ہے۔ آج کل ہندوستانیوں کی سب سے بڑی ضرورت ہندو مُسلم سمجھوتہ ہے جو ناممکن ہے اور اس ضمن میں تمام کوشش رائیگاں جائے گی اور مجھے یہ کہنے سے بھی عار نہیں کہ اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے میں ہمیں برطانیہ کی امداد کی ضرورت ہوگی۔ بشرطیکہ اس کے اغراض نیک نیتی پر مبنی ہوں۔

آئندہ گول میز کانفرنس میں اگر برطانیہ نے دونوں قوموں کے اختلافات سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تو آخرہ ریہ بات دونوں ملکوں کے لیے تباہ کن ثابت ہوگی اگر برطانیہ اپنے کسی مادّی مفاد کے پیش نظر ہندوؤں کو سیاسی اختیارات سونپ دے اور اسے برسرِاقتدار رکھے تو ہندوستان کے مسلمان اس بات پر مجبور ہوں گے کہ سوراجیہ یا اینگلو سوراجیہ نظام حکومت کے خلاف وہی حربہ استعمال کریں جو گاندھی نے برطانوی حکومت کے خلاف کیا تھا۔ مزید برآں اس کا نتیجہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایشیا کے تمام مسلمان روسی کیمونزم کے آغوش میں چلے جائیں اور اس طرح مشرق میں برطانوی تفوق و اقتدار کو سخت دھکا لگے۔

میرا ذاتی خیال ہے کہ روسی لوگ فطرتاً لا مذہب نہیں ہیں۔ بلکہ میری رائے میں وہاں کے مرد اور عورتوں میں مذہبی میلان درجۂ اتم پایا جاتا ہے۔ روس کے مزاج کی موجودہ منفی حالت غیر معینہ عرصہ تک نہیں رہے گی۔ یہ اس لیے کہ

کسی سوسائٹی کا انتظام دہریت کی بنیاد پر دیر تک قائم نہیں رہ سکتا۔ حالات کے اپنے معمول پر آجانے کے بعد جونہی لوگوں کو ٹھنڈے دل سے سوچنے کا موقع ملے گا انھیں یقینی طور پر اپنے نظام کے لیے کسی مثبت بنیاد کی تلاش کرنی ہوگی

اگر بالشوزم میں خدا کی ہستی کا اقرار شامل کر دیا جائے تو بالشوزم اسلام کے بہت ہی قریب آجاتا ہے۔ اس لیے میں متعجب نہ ہوں گا اگر کسی زمانے میں اسلام روس پر چھا جائے یا روس اسلام پر۔ اس چیز کا انحصار زیادہ تر اس حیثیت پر ہوگا جو نئے آئین میں ہندوستان کے مسلمانوں کی ہوگی۔

میرا یہ مطلب نہیں کہ ہندوؤں کے خلاف مجھے تعصب ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ میں ان کی قربانیوں اور ہمت کا جس کا انھوں نے پچھلے چند سالوں میں مظاہرہ کیا ہے دل سے مداح ہوں۔ انھوں نے زندگی کے ہر شعبہ میں ممتاز شخصیتیں پیدا کی ہیں۔ اور وہ بہت تیزی سے معاشرتی اور اقتصادی ترقی کے راستہ پر گامزن ہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں اگر ہندو ہم پر حکومت کریں بشرطیکہ ان میں حکومت کرنے کی اہلیت اور شعور ہو لیکن ہمارے لیے دو آقاؤں کی غلامی ناقابل برداشت ہے ہندو اور انگریزوں میں سے صرف ایک ہی کا اقتدار گوارا کیا جا سکتا ہے۔

میں نے مختصر طور پر ہندوستان کے مسلمانوں کا نظریہ آپ کے سامنے رکھ دیا ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہندو مسلم سمجھوتہ کے متعلق مایوس ہوں مجھے تو امید ہے کہ آیندہ گول میز کانفرنس میں ہندو مسلم مسئلہ کا کوئی نہ کوئی اس قسم کا حل ضرور مل جائے گا۔ جس سے نہ صرف ہندو اور مسلمان بلکہ انگریز بھی مطمئن ہوں گے۔ ہمیں اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے حالات کا روشن پہلو لینا چاہیئے۔

میں یہ سمجھ سکتا ہوں کہ بعض لوگ یہ ضرور کہیں گے کہ اس قسم کی امیدیں رکھنا تو بہت اچھا معلوم ہوتا ہے لیکن نہ ختم ہونے والے جھگڑے اور فسادات عدم تعاون اور سول نافرمانی، برطانوی حکومت کا تشدد، بنگال کے انتہا پسندوں کی دہشت پسندی

اور کاں پور کے بلووں کے پیش نظر اس قسم کی اُمیدیں غلط معلوم ہوتی ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ جمہوریت کامل سیاسی سکون کی ضامن ہے تو وہ تاریخ سے بالکل ناواقف ہے۔ یہ حقیقت اس کے بالکل اُلٹ ہے۔

جمہوریت میں ایسی تمام خواہشات وشکایات کو پھر سے اُبھرنے کا موقع ملتا ہے جنھیں شخصی حکومت کے دور میں دبا دیا گیا ہو یا پورا نہ کیا گیا ہو۔ جمہوریت ایسی آرزوؤں اور تمناؤں کی موجد ہوتی ہے جو بسا اوقات ناقابلِ عمل ہوتی ہیں یہ اعتبار کا آسرا نہیں لیتی۔ بلکہ تقریروں، اخباروں اور پارلیمنٹ میں بحث وتمحیص سے قوت حاصل کرتی ہے اور بتدریج لوگوں کو کسی مسئلہ کے ایسے حل کو قبول کرنے پر تیار کر لیتی ہے جو معیاری تو نہیں کہا جا سکتا لیکن حالات کے پیشِ نظر قابلِ عمل ہوتا ہے۔

چنانچہ جب میں ہندوستان کے گزشتہ دس سالوں کے ہنگامہ خیز واقعات پر نظر ڈالتا ہوں تو مسرت اور نا اُمیدی کا مظاہرہ کرنے کی بجائے میں انگلستان اور ہندوستان دونوں کو ایک قابلِ ستائش آغاز کے لیے مبارکباد کا مستحق سمجھتا ہوں۔

اس میں شک نہیں کہ ہمیں جمہوریت کی بڑھتی ہوئی دقتوں سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔ لیکن میرے خیال میں ہندوستان اور انگلستان میں ایک بھی شخص ایسا نہ ہوگا جو اس بات سے اتفاق نہ کرتا ہو کہ ان دقتوں سے یہ ضرور فائدہ ہوا ہے۔ کہ ہر شخص آج ہندوستانی سلف گورنمنٹ کے مسائل کو دس سال پہلے کے مقابلہ میں بہتر سمجھتا ہے اور خوبی کی بات یہ ہے کہ یہ تمام تکلیف دہ لیکن مفید سبق ہندوستانی حکومت کو ڈھائے بغیر حاصل ہوئے ہیں۔

جمہوری طرزِ حکومت میں طرح طرح کی دقتیں پیش آئی ہیں۔ لیکن انسانی تجربہ اس بات کو ثابت کر دیتا ہے کہ یہ دقتیں ناقابلِ عبور نہیں۔ یہ مسئلہ ہمیشہ سے اعتقاد سے متعلق رہا ہے۔ اور آج بھی یہی صورت ہے اور ہمارے اعتقاد کا دارومدار رواداری

اور شعور پر ہے۔

ہمیں اس وقت سرعت کے ساتھ ہندوستانی سیاسی گتھی سلجھانے کے بے اعتقاد کی ضرورت ہے۔ میرا خیال ہے کہ یورپ میں اعتقاد بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے حکمران اور اُن کے عمّال دس سال پہلے کی نسبت آج اس کی اہمیت کو سمجھنے کی زیادہ ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔

اس لیے مشرق اور مغرب دونوں میں ہوم رول کی راہ پر گامزن ہونے کے لیے ہمیں جھگڑے اور فساد سے اجتناب کرنے اور ایک مشترکہ نصب العین کو تسلیم کرنے کے لیے سرگرم کار ہو جانا چاہیئے

(انگریزی سے)

ثاقبؔ[1] کانپوری کے نام

لاہور

مخدومی۔ آپ کا مجموعہ[2] ملا آپ کے کلام میں جو رنگ ہے وہ نوجوان شعراء کے یہاں بہت کم ملتا ہے۔

آپ کے ایک شعر نے مجھے تڑپا دیا۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے۔

جان دیتا ہوں قفس میں دونوں پر کھوئے ہوئے
حسرتِ پرواز میں بھی شان ہے پرواز کی

---

[1] ثاقب کانپوری نے اپنا مجموعہ کلام جو ۱۹۲ء میں شائع ہوا تھا اقبال کے پاس رائے کے لیے بھیجا۔ اقبال نے اسے دیکھ کر ثاقب کو مندرجہ بالا خط لکھا تھا۔
(بشیر احمد ڈار)

[2] بقول رفیع الدین ہاشمی صاحب (تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ ص ۲۴۹) اس مجموعۂ کلام کا نام "متاعِ درد" تھا۔

(مؤلف)

امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔

مخلص

محمد اقبال

(انوار اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور

۳ اگست ۱۹۳۰ء

مائی ڈیر نیازی صاحب

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آپ نے کتاب (کتاب الطواسین) کی واپسی کا کوئی انتظام نہیں کیا، جو میں نے آپ کو عاریتاً دی تھی۔ میرے خیال میں یہ آپ کا فرض تھا کہ آپ دہلی جانے سے پہلے دیکھتے کہ کتاب مجھے لوٹا دی گئی ہے۔ اصولاً میں اپنی کتابوں کی جدائی گوارا نہیں کرتا، بالخصوص جن کو میں ہمیشہ اپنے پاس رکھتا ہوں۔ میرے لیے اس سے زیادہ تکلیف دہ بات کوئی نہیں کہ ایک کتاب کے استعمال سے اس طرح محروم کر دیا جاؤں۔ اس قسم کی لاپروائی اس آدمی کے شایانِ شان نہیں جسے خود بھی کتابیں پڑھنے کا شوق ہو۔

مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے) (روح مکاتیب اقبال)

---

[1] کتاب کا نام 'روح مکاتیب اقبال' کے مولف نے اضافہ کیا ہے۔

(مولف)

مولوی صالح محمد ادیب تونسوی کے نام

لاہور

۴ر اگست ۳۰ء

جناب مولوی صاحب السلام علیکم

میں آپ کو خط لکھنے کے قصد سے بیٹھا ہی تھا کہ ملازم نے آپ کا خط لاکر دیا۔ کتاب 'سترِ آسمان' کے حصول میں خواجہ صاحب جو سعیِ بلیغ فرما رہے ہیں اُس کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔

(۱) میں نے بھی آج مولوی شمس الدین صاحب کی خدمت میں خط لکھا ہے وہ خود علمی ذوق کے آدمی ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت خواجہ صاحب نے اُن کو لکھا ہے۔ یقین ہے کہ پوری کوشش کریں گے اگر کتاب مفید مطلب نکل آئی تو اپنی کتاب کے دیباچے میں اُس کا ذکر کرنا ہوگا اور اس سلسلہ میں علامہ عبدالعزیز مصنّف کتابِ مذکور کا ذکر بھی ضروری ہوگا علاوہ اس کے خواجہ صاحب موصوف کا بھی جن کی وساطت سے کتاب حاصل ہوئی۔ ان اُمور کے متعلق آپ کو کتاب دیکھنے کے بعد تکلیف دوں گا۔

(۲) فہرست کتب خود تیار کیجیے۔ لیکن اگر آپ لاہور آئیں تو زمانہ حال کی تیار شدہ فہرستیں ضرور ملاحظہ کریں۔ ان کی ترتیب کا طریق اور ہے اور بہت زیادہ مفید۔ آپ نے الندیم کی 'الفہرست' دیکھی ہوگی۔ اُس نمونہ کی ہونی چاہیئے۔ لیکن صرف نایابِ کتب ہی کا ذکر ہو تو بہتر ہو۔ اس کی اشاعت کے لیے میں علی گڑھ یونیورسٹی کو لکھوں گا کہ آپ کی مدد کرے۔

(۳) کابل جانے کا امکان ہے۔ آپ ساتھ ہوں تو اور بھی اچھی بات ہو۔ ممکن ہے اگست کے آخر میں۔ قونصل جنرل افغانستان متعینہ ہند (دہلی) نے مجھ سے کہا تھا کہ جشنِ استقلال کے موقع پر اعلیٰ حضرت آپ کو دعوت دینے کا قصد رکھتے

ہیں حتی استقلال وسط اگست میں ہے۔ لیکن وسط اگست میں میں آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کے لیے لکھنؤ جا رہا ہوں۔ اگر اس موقع پر کابل نہ جا سکا تو کسی اور موقع پر انشاء اللہ ضرور جاؤں گا۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ جناب خواجہ صاحب کی خدمت میں میرا سلام شوق عرض کرنے کے بعد عرض کیجیے کہ اپنے خاندانی اثر و رسوخ روحانیت کو مسلمانوں کے مفاد میں کام میں لانے کا وقت ہے اور گدی نشینوں نے دین کو حصولِ دنیا کا درجہ بنا لیا ہے۔ اس اُمت سے اخلاص رخصت ہو چکا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(اقبالنامہ)

مولوی محمد یعقوب کے نام

لاہور

۴ راگست ۱۹۳۰ء

مائی ڈیر مولوی صاحب،

آپ کے خط کا شکریہ جو مجھے کل موصول ہوا۔ لکھنؤ سے بھی ایک خط ابھی آیا ہے جس میں لیگ کے اسسٹنٹ سکریٹری مسٹر شمس الحسن نے مجھے اطلاع دی ہے کہ استقبالیہ کمیٹی ہونے والے اجلاس کے لیے ضروری تیاریاں کر رہی ہے۔ انھوں نے مزید لکھا ہے کہ اس خبر میں بھی کچھ سچائی ہے جو میں اپنے پچھلے خط میں آپ کو لکھ چکا ہوں۔ سابقہ خط میں مذکور وجوہات کی بنا پر یہ مناسب ہوگا کہ اجلاس اکتوبر تک یعنی انتخابات کے مکمل ہونے تک ملتوی کر دیا جائے۔ اگر دلّی مناسب جگہ نہ ہو تو ہم یہ اجلاس لاہور میں منعقد کر سکتے ہیں بشرطیکہ مسٹر فیروز خاں اور دوسرے حضرات اس معاملہ میں دلچسپی لیں۔ میرا خیال ہے کہ اس سے کچھ فرق نہیں پڑے گا

اگر گول میز کانفرنس کے لیے ہمارے نمائندے اکتوبر کے پہلے ہفتے میں لندن کے لیے روانہ ہو رہے ہیں۔ وہ اجلاس میں شامل نہ ہوں۔ ہماری قراردادیں ان کو بذریعہ تار بھیجی جا سکتی ہیں۔ مزید برآں یہ بھی ممکن ہے کہ گول میز کانفرنس ایک ہفتہ سے زاید کے لیے ملتوی ہو جائے۔ میں نے حال ہی میں اس طرح کی چند افواہیں سنی ہیں لیکن آپ بہتر جانتے ہیں۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے) (لیٹرز آف اقبال)

سیکرٹری مسلم لیگ کے نام

لاہور

۹ راگست ۳۰ء

جنابِ من السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ استقبالیہ کمیٹی نے جو فیصلے کیے ہوں، آپ کو لازم ہے کہ ان کو صوبہ پنجاب اور دیگر صوبوں کے اخباروں میں شائع کریں تاکہ لوگوں کو ضروری اطلاعات مل جائیں۔ امید ہے کہ پنجاب سے خاصی تعداد میں لوگ آئیں گے۔ یہ بھی تحریر فرمائیے کہ لیگ کا اجلاس ۱۶ راگست کے روز کس وقت شروع ہوگا۔

ایڈریس کے اردو ترجمے کے لیے اب نہ ہمت باقی ہے نہ وقت۔ کل ختم ہوگا اور دو تین روز میں طبع ہوگا۔ فقط

محمد اقبال

(صحیفۂ اقبال)

مولوی صالح محمد ادیب تونسوی کے نام

لاہور
۹ راگست ۳۲ء

جناب من السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے جس کے لیے بہت بہت شکریہ میں نے مولوی شمس الدین صاحب کی خدمت میں خط لکھا تھا۔ جواب نہیں ملا۔ وہ جواب لکھنے میں یوں بھی سُست ہیں۔ میں اس کتاب کے لیے خود نواب صاحب بہادر والئ بہاولپور کی خدمت میں لکھتا۔ مگر اس معمولی بات کے لیے ان کو زحمت دینا پسند نہ کیا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ مولوی احمد سعید صاحب کتاب عاریۃً نہ دیں گے۔ یہ بخل ایک مدت ا سے ، مسلمانوں کو لاحق حاصل ہے۔ خدا تعالیٰ ان پر رحم کرے۔ ان حالات میں شاید یہ بہتر ہوگا کہ خواجہ صاحب بہاولپور سے کسی ایسے آدمی کو مقرر (فرمادیں) جو اس کتاب کو سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہو اور مولوی صاحب احمد سعید سے صرف کتاب کے دیکھنے کی اجازت مانگی جائے اور) مقرر کردہ بزرگ مولوی احمد سعید صاحب کی موجودگی میں کتاب مذکور کا وہ حصہ دیکھیں جس کا تعلق سیارات سماوی اور متعلقہ (امورسے) ہے۔ اگر وہ کتاب علم ہئیت کی ہے تو اس کی ضرورت نہیں (یعنی میرے مقاصد کے لیے) اور اگر اُس کے (مضامین) مکاشفاتی ہیں تو جستہ جستہ نوٹ سیارات کے متعلق اس کتاب سے لے لیے جائیں اور مجھ کو

لے ... ۔ جو الفاظ بریکٹ میں لکھے گئے ہیں وہ خط کے سیاق و سباق پر نظر رکھتے ہوئے میں نے خود داخل کیے ہیں۔ یہ الفاظ خط کے ماہین کنارے پر تھے جس کا ایک تھوڑا سا حصہ شکن پڑنے سے ضائع ہوچکا ہے۔

(عطاء اللہ)

وہ نوٹ ارسال کر دئے ہیں اس طریق سے مولوی احمد سعید کتاب عاریۃً
دینے کی زحمت سے بچ جائیں گے اور میرا کام ہو جائے گا زیادہ کیا عرض کروں
سوائے اس کے کہ آپ کی ذرہ نوازی کا شکرگزار ہوں والسلام
حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں سلام پہنچے ۔

مخلص
محمد اقبال

(انوار اقبال)

بیگم گرامی کے نام

جناب بیگم صاحبہ
السلام علیکم۔ میری رائے میں رباعیات پر عنوان دینے کی ضرورت
نہیں ہے۔

والسلام
محمد اقبال۔ اگست ۲۳ء
لاہور

(مکاتیب اقبال بنام بیگم گرامی)

بیگم گرامی کے نام

جناب بیگم گرامی صاحبہ
آپ کا خط ابھی ملا ہے جسے پڑھ کر مجھے کوئی رنج نہیں ہوا عورتوں کو کسی
معاملے کے متعلق مشورہ دینا آسان کام نہیں کیونکہ ان کو معاملات کی سمجھ نہیں اس
کے علاوہ وہ فطرتاً بدظن ہوتی ہیں اور خواہ کتنی ہی سچی بات کیوں نہ کہی جائے ان
کو اس پر اعتبار کرنے میں تامل ہوتا ہے۔ آپ کے عزیز سے میں نے کبھی وعدہ نہیں

کیا کہ کتاب کی کتابت طباعت وغیرہ کا کام میں اپنے ذمّہ لوں گا۔ میں اس کام کی قطعاً واقفیت نہیں رکھتا اور جو صاحب از راہ عنایت میرے لیے یہ کام کر دیا کرتے تھے وہ اس زحمت کو گوارا کرنے سے قاصر ہیں۔ ہاں انھوں نے دیباچہ میری زیرِ نگرانی لکھ دینے کا وعدہ کیا ہے سو یہ کام ہو جائے گا۔ اب اس خط میں پھر مفصل لکھتا ہوں کہ بات آپ کی سمجھ میں آ جائے۔

۱۔ دیباچہ میں اپنے زیرِ نگرانی لکھوا دوں گا جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں۔

۲۔ رباعیات وغیرہ اگر میرے مشورے کے مطابق منتخب شائع ہوتیں تو میں انتخاب بھی کر دیتا۔ مگر چونکہ آپ سارا کلام چھپوانا چاہتی ہیں اس واسطے اس کام کی اب ضرورت نہیں۔ اسی بات کا آپ کے عزیز سے وعدہ کیا تھا جس سے آپ کو غلط فہمی ہوئی۔

۳ کاغذ خریدنا اور اس کے متعلق آپ سے روپیہ منگوانا اور آپ کو حساب دینا یہ کام مجھ سے نہ ہوگا۔ میں نے حفیظ صاحب کا نام لکھا تھا۔ مگر معلوم ہوتا ہے آپ کو ان پر اعتماد نہیں۔ اگر وہ آپ کو پسند نہیں تو کسی اور صاحب مثلاً سالک صاحب مدیر "انقلاب" کو اس کام کے لیے مقرر کیا جائے۔ مگر اس کام کے لیے ابھی جلدی نہیں۔ پہلے کتاب کی کتابت ہونی چاہیے اور اس میں تین چار ماہ بلکہ زیادہ مدت لگ جائے گی

۴۔ کاتب اور پریس کا انتخاب، جہاں سے میں چھپواتا ہوں میرے خیال میں وہ پریس اچھا ہے۔ عبد المجید کاتب بھی میرے نزدیک لاہور میں سب سے بہتر ہے۔ انھی سے آپ کام لے سکتی ہیں۔ مگر کاتب اور پریس سے اُجرت کا طے کرنا اور اس کی ادائیگی کی ذمّہ داری لینا یہ کام اس آدمی کے سپرد ہو جس کا ذکر میں نے نمبر ۳ میں کیا ہے۔

۵۔ پروف دیکھنا اور اس سے پہلے کاتب سے لے کر کاپی دیکھنا اس کے متعلق آپ خود ہی لکھتی ہیں کہ تم کو زحمت نہ دی جائے گی جس کے لیے میں

آپ کا شکر گزار ہوں یہ کام مجھے آتا بھی نہیں۔ میں اپنی کتابوں کے پروف خود نہیں دیکھتا جو صاحب دیکھتے ہیں ان سے کہا تھا کہ مدد کریں مگر ان کے حالات اس قسم کے ہیں کہ وہ مشکل سے میرے زیر نگرانی دیباچہ لکھنے پر راضی ہوئے۔

مختصر یہ کہ پروف و کاپی دیکھنے کے علاوہ ان سارے معاملات کا جو پہلو روپیہ کی ادائیگی اور خرید و فروخت وغیرہ سے تعلق رکھتا ہے اس کی ذمہ داری قبول کرنے سے میں قاصر ہوں اور یہ بات بھی زیادہ تر آپ کی ہی ہمدردی کی وجہ سے کہتا ہوں۔ کیونکہ روپیہ پیسہ کے معاملے میں بالکل نابلد ہوں۔ اور جس طرح آپ کو اس معاملے میں اعتماد کرنے میں تامل ہوتا ہے اسی طرح مجھ کو بھی ہے۔ چونکہ سالک اور حفیظ دونوں لاہور میں ہیں اور یہیں رہتے ہیں اس واسطے ان میں سے کسی ایک کا انتخاب مذکورہ بالا معاملات کے لیے موزوں ہوگا۔ یہ کام کسی لاہور سے باہر رہنے والے آدمی سے نہ ہو سکے گا۔ آپ اس کام کو شاید معمولی تصور کرتی ہیں یہ بڑی سردردی کا کام ہے میں اس سے آج تک عہدہ برآ نہیں ہو سکا اور اگر چودھری محمد حسین مدد و معاون نہ ہوتے تو میری ایک کتاب بھی شائع نہ ہو سکتی۔ اب تو مدت سے میں نے ان کو بھی تکلیف نہیں دی۔ کیونکہ کسی نئی کتاب کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی۔ ایک دفعہ کتاب چھپ کر نکل جائے تو پھر آسانی ہو جاتی ہے۔ یہی صاحب میری زیر نگرانی دیباچہ لکھیں گے۔ چونکہ وہ صبح سے شام تک دفتر میں رہتے ہیں۔ اس واسطے پروف دیکھنے کی زحمت ان کو دینا مناسب بھی نہیں اور وہ اس کا وعدہ بھی نہیں کرتے۔

مختصر یہ کہ آپ کسی آدمی کو مسودہ دے کر لاہور بھیج دیجئے جو کاتب کے ساتھ معاملہ اُجرت وغیرہ طے کر کے اسے مسودہ دے جائے اور اگر کاتب اپنی اُجرت کا کچھ حصہ پیشگی مانگے تو پیشگی دی جائے۔ اس کے علاوہ لاہور میں ایک آدمی مقرر کر جائے جو کاتب سے کام جلد کرائے اور کاپی ساتھ ساتھ دیکھتا جائے تاکہ بعد میں اُسے پروف

دیکھنے میں آسانی ہو اور غلطیاں کم ہوں۔ جب یہ کام ختم ہو جائے تو کاپیاں پریس میں دے کاغذ خرید ے اور پریس سے جلد کتاب چھپوائے[1] اور جب کتاب کی طباعت قریب الاختتام ہو تو مجھے اطلاع دے تاکہ میں دیباچہ لکھاؤں

والسلام

محمد اقبال

(عکس) (مکاتیب اقبال بنام بیگم گرامی)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے۔ کتاب "الطواسین" بذریعہ ڈاک لکھنؤ سے آگئی ہے۔ جلسۂ لیگ[2] ملتوی ہو گیا ہے۔ اکتوبر کے پہلے ہفتے میں ہو گا، غالباً لکھنو میں یہ بھی ممکن ہے کسی اور جگہ ہو لکھنؤ پنجاب والوں کے لیے ذرا دور ہے۔ بہت سے لوگ جانے کو تیار تھے مگر اخراجات سے گھبراتے تھے۔ عابد حسین صاحب سے کہہ دیجیے کہ مناسب ترمیم کے بعد بل بھجوا دیں۔ میں روپیہ بھجوا دوں گا۔

---

[1] یہ یاد رہے کہ مولانا گرامی کی وفات کے بعد مولوی عزیزالدین عظامی اور حضرت میاں علی محمد صاحب سجادہ نشین بسی لوز (ہوشیارپور) نے کوشش کر کے "دیوانِ گرامی" اور "رباعیات گرامی" دو مجموعے چھپوا دیے۔ یہ دونوں مجموعے منشی عبدالمجید پروین رقم کے حسن کتابت کا نمونہ ہیں۔ (حمید اللہ ہاشمی)

[2] یہی اجلاس بالآخر الہ آباد میں منعقد ہوا۔

سورتی صاحب[1] سے ضرور مدد لیجیے۔ وہ آپ کو تراجم کے متن (بالخصوص اصطلاحات کے تراجم کے متعلق) بہت مفید مشورہ دیں گے عابد صاحب سے یہ بھی پوچھیے کہ فاوسٹ ہیں[2]
کا کیا اردو ترجمہ انھوں نے کیا ہے؟ والسلام

محمد اقبال لاہور ۱۴ اگست ۳۰ء

(مکتوبات اقبال)

(عکس)

سید شمس الحسن کے نام

جناب شمس الحسن صاحب! السلام علیکم

آپ کا خط مجھے مل گیا تھا۔ لیگ کے آئندہ اجلاس کے متعلق آپ نے کچھ نہیں لکھا۔ اس بارے میں آپ مہربانی کر کے مجھے اطلاع دیں، ملتوی شدہ اجلاس کب ہوگا اور کہاں تاکہ اگر اجلاس ہو تو میں ایڈریس میں، جو اس وقت پروف شیٹ کی صورت میں ہے، ضروری ترمیم کر سکوں۔ فقط

محمد اقبال

لاہور۔ ۲۹/ اگست ۳۰ء

(صحیفۂ اقبال)

---

[1] مولانا محمد السورتی، استاد عربی، جامعہ ملیہ اسلامیہ غیر منقسم ہندوستان میں بہت کم علماء ان کے درجۂ فضلیت کو پہنچتے تھے۔ اگست ۴۲ء ۱۹ میں وفات پائی۔ حواشی ملاحظہ ہوں (مولف)

[2] "تمہید آسمانی"

مولوی صالح محمد ادیب تونسوی کے نام

جناب من السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے جس کے لیے شکریہ۔ حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں میری طرف سے بہت بہت شکریہ ادا کیجیے کہ "سرالسما" کے لیے انھوں نے بہاول پور خط لکھنے کی زحمت گوارا کی۔ میں نے بھی وہاں ایک دوست سے خط و کتابت کی تھی معلوم ہوا کہ شمس الدین صاحب کا کتب خانہ محفوظ ہے اور اُن کے بیٹے ریاست کی ملازمت میں ہیں۔ ممکن ہے وہ کتاب (سرالسما) اس کتب خانے میں محفوظ ہو۔ اگر یہ کتاب مل گئی اور میرے مطلب کے موافق ہوئی تو امید ہے بہت فائدہ ہوگا۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا خواجہ صاحب سلام شوق قبول فرمادیں۔

مخلص محمد اقبال

(اقبالنامہ)

(یہ خط بھی علامہ کے انگریزی بیڈ پر لکھا ہے اور تاریخ درج ہونے سے رہ گئی ہے۔ مرتب)

(عطاءاللہ)

اقبال نامہ (دوم) میں یہ خط (نمبر ۱۷۸ ص ۳۸۲) بلاتاریخ درج ہے خط (نمبر ۱۷۶) محررہ ۴ راگست ۱۹۳۰ء اور خط (نمبر ۱۷۷) مورخہ ۱۹ر اگست ۱۹۳۰ء کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط بھی اگست ۱۹۳۰ء میں لکھا گیا ہوگا۔

(صابر کلوروی مکاتیب اقبال کے مآخذ۔ ایک تحقیقی جائزہ ص ۶۵۔)

ایڈیٹر پیشوا کے نام

رسولؐ نمبر ملا، شکریہ! ماشاء اللہ آپ نے اس سال پیشوا کے رسولؐ نمبر کو سیرتِ رسولؐ کی انسائیکلوپیڈیا بنا دیا ہے۔ اس وقت جتنے رسولؐ نمبر شائع ہو رہے ہیں، ان سب سے بلند مرتبہ "پیشوا" کے تذکرۂ مجمل کو ملنا چاہیے۔ یہی ایک ایسا رسولؐ نمبر ہے جو تعلیم یافتہ جماعت کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے۔

محمد اقبال

(خطوطِ اقبال)

دہلی کے رسالہ "پیشوا" نے اگست ۱۹۳۰ء میں ایک خصوصی شمارہ "رسول نمبر" شائع کیا۔ یہ رسالہ جب حضرت علامہ کو موصول ہوا تو آپ نے اسے پسند فرمایا اور "پیشوا" کے ایڈیٹر صاحب عزیز حسن بقائی کے نام یہ مکتوب ارسال فرمایا۔

یہ خط ملاکسی لفظ کے شروع ہوتا ہے۔ اس پر کوئی تاریخ بھی درج نہیں مگر قرائن کی بنا پر یہ کہنا مشکل نہیں کہ اگست ۱۹۳۰ء میں لکھا گیا۔

(رفیع الدین ہاشمی)

الف۔ پہلی بار یہ خط رسالہ "پیشوا" کے تتمہ رسولؐ نمبر ۱۹۳۰ء میں شائع ہوا۔

ب۔ "پیشوا" کے حوالے سے دوسری بار اسے قاضی افضل حق قریشی نے "اردو" شمارہ ۳، ۱۹۶۹ء میں شائع کیا۔

(رفیع الدین ہاشمی)

ایڈیٹر "انقلاب" کے نام

لاہور: یکم ستمبر ۳۰ء

جناب مدیر انقلاب السلام علیکم ورحمتہ اللہ

آپ کے بیش قیمت کالموں کی وساطت سے میں ان بے شمار احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے میرے والد مرحوم کی وفات پر مجھ سے اور میرے اعزہ سے اظہار ہمدردی فرمایا۔ خدا تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ چونکہ فرداً فرداً خطوط اور برقی پیامات کا جواب لکھنے سے قاصر ہوں اس واسطے آپ سے درخواست ہے کہ میرا دلی شکریہ میرے احباب تک پہنچا کر مجھے ممنون فرمایئے۔

والسلام

مخلص محمد اقبال

(عکس) (انوار اقبال)

فقیر سید سراج الدین کے نام

لاہور ۳ ستمبر ۳۰ء

عزیزم سراج۔ تمہارا خط پڑھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ مجھے یقین ہے کہ

سید سراج الدین، فقیر سید افتخار الدین کے صاحبزادے تھے۔ فقیر افتخار الدین لاہور کی معروف فقیر فیملی کے ایک ممتاز فرد تھے علامہ اقبال سے ان کے انتہائی قریبی مراسم تھے۔ ان کے انتقال کے ۲۲ سال بعد جب ان کے فرزند فقیر سید سراج الدین نے پی۔ سی ایس میں منتخب ہو کر ملازمت کا آغاز کیا۔ تو اس کی اطلاع علامہ اقبال کو دی۔ آپ نے جواباً سراج الدین کو یہ خط لکھا۔

(رفیع الدین ہاشمی)

اس خط کا عکس "روزگار فقیر" حصہ اول (ص ۹۰) میں چھپا۔

محمد اقبال

ملازمت میں تم اپنے والد مرحوم کے نقشِ قدم پر چلو گے اور اپنے فرائض محنت اور دیانت سے ادا کرو گے۔ صرف محنت اور دیانت ہی ترقی کی راہیں کھولتی ہیں۔ زیادہ دُعا۔

محمدؐ اقبال

(خطوطِ اقبال)

سید شمس الحسن کے نام

۸ ستمبر ۱۹۳۰ء

ڈیر سید شمس الحسن صاحب

السلام علیکم

اجلاس لیگ کی تاریخ سے آپ نے اب تک کوئی اطلاع نہیں دی۔ تاریخ جلد مقرر ہونی چاہیے تاکہ اخباروں کو پروپیگنڈا کرنے کے لیے وقت مل جائے۔ مجھ کو آج بمبئی سے ابراہیم رحمۃ اللہ صاحب کا خط آیا تھا کہ مسلم ڈیلی گیشن[1] کے ساتھ انگلستان جاؤں میں نے وہاں جانے سے انکار کر دیا ہے۔ من جملہ دیگر وجوہ کے ایک وجہ یہ بھی

---

[1] مسلم ڈیلی گیشن سے مراد پہلی گول میز کانفرنس کے ممبران کی طرف اشارہ ہے پہلی گول میز کانفرنس ۱۹۳۰ء میں انگلستان میں منعقد ہوئی جس میں اقبال شریک نہیں ہوئے اس کی وجہ اس خط میں بیان کر دی گئی ہے۔

(ایوس جاوید)

درج مکاتیب اقبال مرتبہ محمد عبداللہ قریشی کے ص ۴۰۹ پر یہ خط شائع ہوا ہے متن میں ذرا سا فرق ہے۔ اجلاس لیگ کی بجائے "اجلاس" اور "انگلستان جاؤں" کی بجائے "جاؤ" لکھا ہے نیز یہ خط بھی انگریزی میں لکھا گیا تھا۔

(مولف)

ہے کہ لیگ کا اجلاس قریب ہے۔ ان کا ڈیلی گیشن ۱۴ اکتوبر کو بمبئی سے روانہ ہو گا۔ فقط۔

محمدؐ اقبال لاہور

(انگریزی سے) (صحیفۂ اقبال)

سید شمس الحسن کے نام

جناب شمس الحسن صاحب

السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ پراونشل لیگ کے متعلق جو خط و کتابت ضروری ہو، وہ خلیفہ شجاع الدین صاحب بیرسٹرایٹ لا لاہور سے ہونی چاہیے۔ فارم ممبری اور چندہ انھیں کے نام ارسال فرمائیے۔ ضروری اطلاعات وہی صاحب دیں گے۔ دیگر عرض یہ ہے کہ آئندہ اجلاس جہاں کہیں ہو، ۵ یا ۸ اکتوبر میرے لیے موزوں نہیں۔ انتخابات کا ہنگامہ پنجاب میں تو ۲۲ ستمبر تک ختم ہو جائے گا، اور مقامات کا حال مجھے معلوم نہیں۔ اکثر مقامات سے لوگ بلا مقابلہ منتخب ہو گئے ہیں۔ اس واسطے میری رائے میں آئندہ اجلاس ۲۸، ۲۹ ستمبر کو

صحیفۂ اقبال (ص ۵۷) میں یہ خط بلا تاریخ خط نمبر ۶ کے تحت درج کیا گیا ہے جب کہ متن سے صاف ظاہر ہے کہ یہ خط ۲۲ ستمبر سے قبل تحریر کیا گیا ہے کیونکہ خط میں لکھا ہے کہ

"آئندہ اجلاس جہاں کہیں ہو ۵ یا ۸ اکتوبر میرے لیے موزوں نہیں انتخابات کا ہنگامہ پنجاب میں تو ۲۲ ستمبر تک ختم ہو جائے گا اور مقامات کا حال مجھے معلوم نہیں۔"

(مؤلف)

ہونا چاہیے۔ ۲۸ ستمبر کو آخری ہفتہ اور ۲۹ کو اتوار ہے۔ اجلاس میں جانے
والوں کے لیے سہولت ہوگی۔ یہاں کی ہائی کورٹ اکتوبر کے پہلے ہفتے میں
کھل جائے گی، یعنی ۷ اکتوبر سے۔ فقط

مخلص محمد اقبال

(صحیفہ اقبال)

پروفیسر سراج الدین آزر کے نام

لاہور

۲۵ ستمبر ۱۹۲۰ء

ڈیر آزر

مسٹر جعفری نے مجھے بتایا ہے کہ آپ نے اپنا ووٹ ایک رجسٹرڈ
خط کے ذریعے مجھے ارسال کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ مجھے آپ کا کوئی رجسٹرڈ
خط نہیں ملا۔ میری خواہش ہے کہ آپ نواب صاحب کو ووٹ دیتے۔ اگر
آپ نے ابھی تک نہیں دیا لیکن مسٹر جعفری مجھے بتاتے ہیں کہ آپ نے ابھی
تک ووٹ نہیں دیا۔ مہربانی کرکے اپنا ووٹ مجھے دیں یا حامل رقعہ ہذا
کو دے دیں کہ مجھے مل جائے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے) (مجلہ "نقوش" سالنامہ ۱۹۹۱ء)

(عکس)

(غیر مدون)

سیکرٹری انجمن حمایت اسلام کے نام

لاہور، ۲۰ ستمبر ۱۹۲۰ء

جناب سیکرٹری صاحب، انجمن حمایت اسلام لاہور

جناب کا نوازش نامہ مل گیا ہے جس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ تم کو جنرل کونسل اور کالج کمیٹی کا ممبر انتخاب کیا گیا ہے۔ اس عزت افزائی کا شکریہ۔ لیکن میں نادم ہوں کہ کونسل و کمیٹی کے اجلاس میں حاضر نہیں ہو سکا اور ان غیر حاضریوں کی وجہ سے میں اس امر کا مستحق نہیں تھا کہ مجھے دوبارہ انتخاب کیا جاتا لہذا ملتمس ہوں کہ میری جگہ کسی اور صاحب کو منتخب کیا جائے جو باقاعدہ حاضر ہوا کریں اگر مجھے اعتماد ہوتا کہ آئندہ حاضر ہو سکوں گا تو یہ عریضہ نہ لکھتا لیکن کئی وجوہ سے اس باقاعدگی کا یقین نہیں اس واسطے مذکورہ بالا درخواست کی گئی۔

گرفتم اینکہ بستم و بندیے طاعت
قبول کردن و رفتن نہ شرط انصاف است[1]

محمد اقبال

(خطوطِ اقبال)

---

[1] ترجمہ: یہ میں نے مانا کہ بعبر عبادت کے بھی وہ جنت دے سکتے ہیں مگر اسے قبول کرنا اور وہاں جانا شرط انصاف ہے۔

نوٹ (۱) پہلی بار یہ خط جنرل کونسل انجمن حمایت اسلام لاہور کی قلمی روداد ۶ جنوری ۱۹۲۹ء تا ۲۶ دسمبر ۱۹۳۰ء میں نقل کیا گیا۔

(۲) قلمی روداد کے حوالے سے محمد حنیف شاہد نے اپنے مضمون "علامہ اقبال کے چند نادر خطبات و مکاتیب" مطبوعہ مجلہ "اقبال" اکتوبر دسمبر ۱۹۷۱ء (ص ۵۸) میں شائع کیا۔

(رفیع الدین ہاشمی)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب السلام علیکم۔

ترجمہ میں کچھ پروگریس ہوئی یا نہیں؟

بل جامعہ ملیہ بکڈپو کی طرف سے اب تک نہیں پہنچا۔ ان سے کہیے کہ بل جلد ارسال کریں تاکہ ادا کر کے حساب صاف کیا جائے۔ پچاس کتابوں کے متعلق وہ آسانی سے مجیب صاحب سے دریافت کر سکتے ہیں اور اگر وہ ان کی قیمت کو نظر انداز کرنا چاہتے ہیں تو نظر انداز کر کے ہی مجھے بل ارسال کریں غرضکہ معاملہ جلد طے ہو جائے تو بہتر ہے میرے خیال میں بہتر ہو کہ وہ نصف قیمت ان کتب کی وضع کریں۔ والسّلام۔

آپ کے دوست مسٹر محمد اسمٰعیل[1] کہاں ہیں؟ معلوم ہوتا ہے وہ لاہور واپس نہیں آئے۔

محمد اقبال لاہور
یکم اکتوبر ۳۰ء
(مکتوباتِ اقبال)

(عکس)

---

[1] چودھری محمد اسماعیل وارثی پروفیسر محمد مجیب کے برادر عم زاد تھے۔ اس وقت لاہور میں ریلوے کے کسی اونچے منصب پر فائز تھے۔ بڑے صوفی مشرب اور علم دوست تھے۔ حضرت علامہ سے مخلصانہ عقیدت رکھتے تھے۔
(نذیر نیازی)

سید شمس الحسن کے نام

جناب شمس الحسن صاحب

اگر لیگ کونسل کا اجلاس کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہو تو مہربانی کر کے مطلع فرمائیے کہ اجلاس کہاں ہوگا اور کون سی تاریخ کو۔ آپ کی طرف سے کوئی اطلاع اخبارات میں شائع نہیں ہوئی، لوگ مجھ سے دریافت کر رہے ہیں۔ فقط

مخلص

اقبال

۲ اکتوبر ۳۰ء

(صحیفۂ اقبال)

سیکرٹری مسلم لیگ کے نام

جنابِ من السلام علیکم

آپ کا خط ملا ہے۔ میں کیا عرض کروں۔ پہلے عرض کر چکا ہوں، لیگ

---

[1] صحیفۂ اقبال (ص۔ ۷۶) میں یہ خط، خط نمبر ۸ کے تحت ترتیب دیا گیا ہے جبکہ خط نمبر ۷۔ ۲/ اکتوبر ۱۹۳۰ء کا تحریر کردہ ہے اس خط میں علامہ نے لیگ کونسل کے اجلاس کی تاریخوں کے بارے میں دریافت فرمایا ہے جب کہ زیر بحث مکتوب میں علامہ لکھتے ہیں۔

"اجلاس لیگ لکھنؤ میں ہونا چاہیے اور وقت تاریخ ۱۸/ اکتوبر .. اس کے علاوہ آل انڈیا مسلم لیگ کانفرنس کے آئندہ اجلاس کے لیے ۶/ اکتوبر کو لکھنؤ جائیں"

خط کے متن سے ظاہر ہے کہ یہ خط ۲/ اکتوبر کے بعد اور ۶/ اکتوبر سے قبل لکھا گیا۔ (مولف)

کا اجلاس آل انڈیا مسلم کانفرنس[1] سے پہلے ہونا چاہیے۔ یہ بہت ضروری امر ہے اور اس حقیقت کو فراموش کر دینا میرے نزدیک سخت غلطی ہے۔ باقی رہا کونسل کا اجلاس، سو میرے نزدیک اور وقت سیشن کے تعین کے لیے کونسل کا اجلاس کرنا وقت ضائع کرنا ہے۔ اجلاس لیگ لکھنؤ میں ہونا چاہیے اور وقت تاریخ ۱۸ر اکتوبر۔ اگر کونسل کا اجلاس قواعد کی رو سے ضروری ہے تو بہتر ہے، جہاں آپ چاہیں کرلیں، مگر مجھے امید نہیں کہ لوگ پہلے کونسل کے اجلاس کے لیے دہلی یا لاہور میں جائیں، اس کے علاوہ آل انڈیا مسلم لیگ کانفرنس کے آئندہ اجلاس کے لیے ۶ر اکتوبر کو لکھنؤ جائیں، (راجہ سلیم پور کے خطوط اس مضمون کے جاری ہوئے ہیں) اور پھر کانفرنس اور لیگ کے اجلاسوں کے لیے لکھنؤ یا کسی اور مقام کا سفر کریں۔

علاوہ اس کے پنجاب کونسل کا اجلاس ممکن ہے ۱۲ر اکتوبر کے قریب ہو پنجاب سے لوگ کونسل لیگ کے اجلاس کے لیے نہ آسکیں گے۔ ملک فیروز خاں صاحب کی رائے بھی یہی ہے کہ کونسل لیگ کا اجلاس کرنا ضروری نہیں ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ فقط

محمد اقبال لاہور

(صحیفۂ اقبال)

---

[1] مسلم کانفرنس کا اگلا اجلاس لکھنؤ میں نومبر ۱۹۳۰ء میں منعقد ہوا جس کے صدر نواب محمد اسماعیل خاں تھے۔

(دیوش جاوید)

سیکرٹری مسلم لیگ کے نام

جناب من

السلام علیکم

مسٹر جناح کا خط پرسوں آیا تھا کہ کونسل کی میٹنگ طلب کی جائے اور اجلاس لیگ کی تاریخ اور جگہ کا فیصلہ کیا جائے۔ میں نے ان کو جواب میں لکھا ہے کہ اجلاس کا لکھنؤ ہی میں ہونا بہتر ہے کیونکہ کسی اور مقام کے انتخاب میں دقت ہوگی اور وہاں کے لوگ اس بات کا تقاضا کریں گے کہ لیگ کے اجلاس کو کامیاب بنانے کے لیے چندہ کرنے کے واسطے مزید وقت کی ضرورت ہے۔ لکھنؤ میں اجلاس کی تیاری ہو چکی ہے، اس واسطے موزوں یہی ہے کہ اجلاس وہاں کیا جائے۔ پریزیڈنٹ اجلاس کی تاریخ مقرر کر دے۔

میرے خیال میں ۱۸ اکتوبر (ہفتہ) موزوں تاریخ ہوگی۔ آپ مسٹر جناح سے جلد خط و کتابت کر کے تاریخ کا اعلان کریں، کیونکہ اجلاس کی کامیابی کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ تاریخ اجلاس کا اعلان جہاں تک ممکن ہو، جلد ہو جائے۔ مسٹر جناح ۴ اکتوبر کو انگلستان جا رہے ہیں۔ فقط

محمد اقبال

(صحیفۂ اقبال)

صحیفۂ اقبال (ص۔ ۷۷) میں یہ خط خط نمبر ۹ کے تحت بلا تاریخ ترتیب دیا گیا ہے جب کہ خط کے متن سے ظاہر ہے کہ یہ خط ۴ اکتوبر سے قبل تحریر کیا گیا کیونکہ علامہ لکھتے ہیں۔

"تاریخ اجلاس کا اعلان جہاں تک ممکن ہو جلد ہو جائے مسٹر جناح ۴ اکتوبر کو انگلستان جا رہے ہیں" (مؤلف)

عبدالسلام سلیمؒ ہزاروی کے نام

لاہور ۵ ر نومبر ۱۹۳۰ء

مخدوم و مکرم جناب مولانا سلیم

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہٗ۔ آپ نے مجھ بیچمد ان کے متعلق جن اچھے حسالات کا اظہار فرمایا ہے۔ میں ان کے لیے آپ کا بے حد ممنون ہوں خدائے تعالیٰ

لہ مولانا مرحوم ہزارہ (صوبہ سرحد) میں پیدا ہوئے مکہ معظمہ میں استاد عربی کی خدمات انجام دیں مکہ معظمہ سے تشریف لاکر منشی ٹریننگ کالج میسور میں عربی کے استاد مقرر ہوئے عربی فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ان کے عربی قصائد پر ہی اقبال نے اپنی رائے بصورتِ خط دی تھی۔ مولانا نے اپنے فارسی کلام (نسیم سلیم) میں اپنی ایک نظم نامہ سوئے اقبال، کے ساتھ "جوابِ اقبال" کے زیرِ عنوان یہ خط پیش کیا ہے اصل خط میری نظر سے نہیں گزرا ہے۔

(سلیم تمنائی)

لہ بشیر احمد ڈار نے "انوارِ اقبال" ص ۱۵۰ پر یہ خط بلا تاریخ درج کیا ہے۔ متن میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ "خدائے تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے" کی جگہ "اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے" لکھا ہے اور خط کا اختتام یوں ہوتا ہے "مخلص محمد اقبال، بیرسٹر، لاہور"

علاوہ ازیں مولانا پر بشیر احمد ڈار کا نوٹ حسبِ ذیل ہے:

"ابوالمکارم محمد عبدالسلام متخلص بہ سلیم نے اپنے چند فارسی قصائد مرتب کرکے "نسیم سلیم" کے عنوان سے چھپوائے۔ ان قصائد میں ۲۲ اشعار کا ایک قصیدہ "نامہ بسوئے اقبال" کے عنوان سے اور "جواب اقبال" کے عنوان سے اقبال کا ایک خط شامل ہیں:

(مؤلف)

آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ کے عربی قصائد بہت دلکش ہیں۔ اللہ کرے حسنِ رقم اور زیادہ۔

مخلص محمد اقبال

(دانائے راز دیار دکن میں)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور ۸ر نومبر ۳۲ء

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم

جامعہ ملیہ مطبع سے بل ابھی تک موصول نہیں ہوا۔ مہربانی کر کے اُن سے کہیے کہ جلد ارسال کریں۔ اب تو مجیب صاحب بھی میں نے سُنا ہے دہلی واپس آگئے ہیں۔ بل مذکور کی تیاری میں ان کو کوئی دقت نہ ہوگی۔ میں آج شام ایک روز کے لیے مراد آباد جا رہا ہوں۔ سوموار کی صبح کو واپس لاہور آجاؤں گا۔ امید کہ میری واپسی تک بل آجائے گا۔ والسلام۔

مجیب صاحب کی خدمت میں میری طرف سے سلام کہیے۔

محمد اقبال لاہور

(عکس) (مکتوباتِ اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا۔ بہت بہتر ہے جس طرح مجیب صاحب کہتے ہیں اس پر عمل کیا جائے گا۔ حامد علی خاں صاحب کا خط بھی آیا تھا۔ میں نے ان کو کل جواب لکھا تھا کہ وہ بل بھیج دیں۔ کیونکہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ اصل مطالبہ مطبع کی طرف سے کس قدر تھا۔ ان کے خطوط میں یہ تو لکھا تھا کہ فلاں فلاں رقم بل

ے وضع کی جائے مگر یہ نے معلوم ہوا کہ جس رقم سے یہ رقوم وضع ہوں گی اس کی مقدار کیا ہے۔ شاید وہ خیال کرتے ہیں کہ اصل بل حوالوں سے جدا ہیں۔ اصل کیا تھا میرے پاس ہے مگر وہ ان کو واپس بھیج دیا گیا تھا آپ بھی ان کو تاکید کر دیں کہ اصل بل یا اس کی نقل میرے پاس بھیج دیں تاکہ مجھے اصل مطالبہ معلوم ہو اور اس میں سے ان کی بیان کردہ رقوم وضع کر کے باقی ان کی خدمت میں ارسال کر دوں۔ والسلام

محمد اقبال بیرسٹر لاہور

۲ نومبر ۳۰ء

(مکتوبات اقبال)

(عکس)

غلام رسول مہر کے نام

۲۲ نومبر ۳۰ء

ڈیر مہر و سالک

کل برکت علی محمڈن ہال میں مجوزہ کانفرنس کے متعلق جلسہ ہے[1]۔ اگر تجویز متفقہ طور پر قرار پا گئی تو استقبالیہ کمیٹی وہیں بن جائے گی آپ اس جلسے میں ضرور تشریف لاویں اور وقت پر یعنی پورے گیارہ بجے صبح تشریف لاویں۔ خلیفہ شجاع الدین صاحب[2]

---

[1] ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو اقبال نے آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے وہ مشہور خطبہ دیا جس میں پہلی بار واضح الفاظ میں مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ قومی نصب العین کا نقشہ پیش کیا۔ اس جلسے سے تقریباً ایک مہینہ پہلے یہ خط لکھا گیا۔ برکت علی محمڈن ہال لاہور میں موچی دروازے سے باہر ایک مشہور ہال ہے جہاں اکثر جلسے ہوتے رہتے۔

[2] خلیفہ شجاع الدین مرحوم اقبال کے ساتھ مسلم لیگ کے پرجوش کارکن تھے اور بعد میں پنجاب اسمبلی کے صدر بھی رہے۔ (بشیر احمد ڈار)

قلب ۵۰ سب اول صد ۳

کی طرف سے آپ کو اطلاع بھی پہنچے گی والسلام
اوروں کو بھی ساتھ لائیے۔

محمد اقبال

(عکس، "انوار اقبال")

سید نذیر نیازی کے نام

۹ دسمبر ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب

السلام علیکم۔ آپ بک ڈپو کے مینجر صاحب کو یاد دلائیں کہ وہ ۲۹ روپے کے بل کی رسید ارسال کریں جو میرے کلرک نے کئی دن ہوئے ان کی خدمت میں ارسال کیا تھا ان کو لکھا گیا تھا کہ باقی روپیہ (۵۰) چک کے وصول کی رسید آنے پر بھیج دیا جائے گا۔ مگر ان کی طرف سے کوئی رسید اس وقت تک وصول نہیں ہوئی۔ چک رجسٹری شدہ خط میں بند تھا کلرک کو بھی تردد ہو رہا ہے رسید آنے پر باقی روپیہ ارسال ہو گا۔

مولانا اسلم[1] کا ارشاد بجا ہے۔ مگر اس آیت کو تاریخی نقطۂ نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔ اس مضمون کی آیات قریباً تمام قدیم کتبِ سماوی میں موجود ہیں۔ اس کا مقصود یہ نہیں کہ خدا مادی معنوں میں نور[2] ہے

نور محض ایک استعارہ ہے جیسے قدیم کتبِ سماوی میں ... اغراض کے لیے استعمال کیا گیا تھا یعنی وجود باری کو ہمہ گیر

---

[1] مولانا اسلم جیراج پوری

[2] جیسا کہ نور سے علومِ طبعیہ میں بحث کی جاتی ہے

[3] وحدۃ الوجود

ظاہر کرنے کے لیے۔قرآن نے میری رائے ناقص میں اس
قدیم استعارہ کو وجودِ باری کی پر اشارہ
کرنے کے لیے استعمال کیا ہے کیونکہ عالم مادّی بھی زمانہ حال کی تحقیق کی
رُو سے صرف نور ہی ایک ایسی چیز ہے جو
ہے۔ مقدمہ وغیرہ کا انتظام ابھی سے کر لیجیے غالباً مارس جاؤں گا۔

والسلام

محمد اقبال

(مکتوبات اقبال)

معلوم[3] ہوتا ہے تیسرے خطبے میں جو کچھ آیت مذکورہ میں نے لکھا ہے آپ
اسے کچھ صحیح سمجھ نہیں سکے ورنہ مولانا اسلم اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوتے کہ
میرے خیال ــ آیت قرآنی میں خدا تعالیٰ نے اپنے آپ کو نور (مادّی معنوں
میں) قرار دیا ہے۔

والسلام

(عکس)

---

[1] مطلقیت
[2] اضافی طور پر مطلق
[3] مکتوبات اقبال بنام نذیر نیازی میں یہ حصہ حذف ہو گیا ہے عکس کے
مطابق تصحیح کی گئی ہے۔

(مولف)

سید نذیر نیازی کے نام

۱۱ ستمبر ۱۹۳ ء

ڈیر نیازی صاحب السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے۔ آیہ نور کے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا ہے اسے تاویل کہنا صحیح نہیں ہے۔ تاویل کا لفظ اس وقت صحیح ہوتا ہے جب کسی آیت کے الفاظ کے عام معنی چھوڑ کر کوئی اور معانی لیے جائیں۔ میں نے لفظ نور کے وہی معنی لیے ہیں جن میں یہ لفظ عام طور پر لیا جاتا ہے۔ اگر آپ کہیں کہ اس آیہ میں نور علم یا ہدایت یا حق وغیرہ سے کچھ اور مراد ہے تو یہ تاویل ہوگی۔ میں نے اپنے تمام لیکچروں میں اس قسم کی تاویل سے پرہیز کی ہے اور الفاظ کو انھیں معنوں میں لیا ہے جن میں وہ عام طور پر مستعمل ہوتے ہیں۔ میرا عقیدہ ہے کہ حضور رسالت مآب کا یہی طریق تھا۔ یہی طریق ابن حزم کا ہے۔ مولانا روم کا یہ شعر میرے لیے نہ صرف دلیل راہ ہے بلکہ سوز و گداز کا بھی سامان ہے

کردہ تاویل حرف بکر را[۱]
خویش را تاویل کن نے ذکر را

باقی رہی دوسری آیت جس کا ذکر آپ نے اپنے آخری خط میں کیا ہے سو عرض یہ ہے کہ ایک اعتبار سے یہ کہنا بالکل درست ہے کہ تمام حوادث پہلے سے متعین ہیں میرے لیکچروں کا مشکل ترین حصہ غالباً یہی بحث ہے۔ اس کو غور سے پڑھنا چاہیے۔ میں نے اس حصہ میں " " اور " " کے تناقض کو رفع

۱؎ ترجمہ: تو نے ہمارے اچھوتے الفاظ کی تاویل کی ہے، ذکر کی نہیں بلکہ اپنی تاویل کر۔

۲؎ وجوب، اور زمانہ ۔

کرنے کی کوشش کی ہے ... کے اعتبار سے حوادث متعین نہیں۔ ... کے اعتبار سے ان کو متعین تصور کرنا بالکل ہی درست ہے۔ اس مسئلہ پر غالباً جدید سائنس مزید روشنی ڈال سکے گی ... سے اس بحث کا آغاز سمجھنا چاہیے۔ علما کے اعتراضات و استفسارات سے زیادہ سروکار نہ رکھنا چاہیے آپ کو وضع اصطلاحات کا فکر کرنا چاہیے۔ آخر یہ مباحث فلسفیانہ ہیں اور فلسفہ ایک متحرک شے ہے۔ اس کی کوئی دلیل جیسا کہ میں نے دیباچہ میں لکھ بھی دیا ہے قطعی اور آخری قرار نہیں دی جا سکتی علم انسانی کی ترقی کے ساتھ ساتھ انسانی تصورات بھی ... ہوتے جاتے ہیں فلسفہ محض حقائق کو تصور کرنے کی کوشش کا نام ہے۔

لیگ کا جلسہ بنارس کی جگہ الہ آباد میں ہوگا۔ اس واسطے میں الہ آباد جاؤں گا غالباً ۲۰ دسمبر کو۔ وسط جنوری یا جنوری کے آخر میں آپ کہاں جانے والے ہیں۔ میں نے اتنا نام تو پڑھ لیا مگر دوسرا لفظ نہ پڑھ سکا۔ آپ نے لکھا ہے ... معلوم نہیں ... سے آپ کی کیا مراد ہے بہرحال چودھری صاحب کو آپ کا خط دکھا دوں گا۔

مشترکہ قومیت کا مفہوم اب تک میری سمجھ میں نہیں آسکا اس پر مفصل گفتگو ہو سکتی ہے مگر اس خط میں نہ سمائے گی۔

---

[۱] آئن اسٹائن

[۲] خطوط اقبال مرتبہ رفیع الدین ہاشمی میں تصورات درج ہے جب کہ عکس میں ''استفسارات'' صاف پڑھا جاتا ہے۔

(مولف)

[۳] بہر

[۴] حسن اقبال ... جرمن لفظ یعنی ... ہے۔

پروفیسر ہیل جس کی کتاب کا شاید ترجمہ آپ نے اُردو میں کیا ہے ان کا خط
ارلانگن ، ، ، ، (جرمنی) سے آیا تھا۔ وہ لیکچرز کے متعلق لکھتے ہیں۔

زیادہ کیا لکھوں۔ آپ کے دوست اسمٰعیل صاحب سے گزشتہ رات ملاقات
ہوئی تھی۔ والسلام

محمد اقبال

(مکتوباتِ اقبال)

(عکس نامکمل)

۱؎ پروفیسر ہیل (، ، ۱۸۷۵ء۔ ۱۹۵۰ء) معروف
جرمن مستشرق تھے اور میونخ یونیورسٹی میں پروفیسر تھے ان کی مشہور کتاب
(تعارف ، ، ،) ۱۹۰۹ء میں
شائع ہوئی۔ اس کا ترجمہ صلاح الدین خدا بخش نے
کے نام سے ۱۹۲۵ء میں کیا
(مولف)

۲؎ آپ کی کتاب عصر حاضر کے اہم ترین مظاہر میں سے ہے۔
(نذیر نیازی)

DR. SIR MUHAMMAD IQBAL

BARRISTER-AT-LAW

LAHORE

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور ۱۱ر جنوری ۳۱ء

ڈیر نیازی صاحب

السلام علیکم آپ کا خط مل گیا ہے

ایڈریس[1] کا اردو ترجمہ شائع کرنے کا خیال نہایت اچھا ہے مگر دیکھیے اس سے پہلے انقلاب کے دو نمبروں میں پورا ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ وہ ترجمہ بھی اچھا ہے، اس پر نظر ثانی کر لیجیے غالباً مولوی غلام رسول مہر نے کیا تھا۔

اقبال فیسٹ وکذا کے متعلق میں نے چودھری محمد حسن صاحب سے کہہ دیا تھا بلکہ آپ کا خط بھی ان کو دکھا دیا تھا پھر کہہ دوں گا غالباً وہ لکھیں گے۔

مجوزہ اسلامی ریاست ایک نصب العین ہے، اس میں آبادیوں کے تبادلے کی ضرورت نہیں۔ یہ خیال (آبادیوں کے تبادلے کا) مدت ہوئی لالہ لاجپت رائے نے ظاہر کیا تھا۔ اس ایک ریاست یا متعدد اسلامی ریاستوں میں جو شمال مغربی ہند میں اس اسکیم کے مطابق پیدا ہوں گی ہندو اقلیت کے حقوق کا پورا پورا تحفظ کیا جائے گا۔

والسلام

محمد اقبال

(اقبال شناسی اور نقوش بزم اقبال، لاہور، ۱۹۸۸ء)

[1] خطبۂ الہ آباد

ڈاکٹر ناموس شجاع منعمی کے نام

لاہور

۲۰ جنوری ۱۹۳۱ء

ڈیر خواجہ شجاع السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔
بڑی خوشی سے تشریف لایئے، میں ۱۴ فروری کو غالباً لاہور ہی میں ہونگا۔
اگر کہیں باہر جانے کا اتفاق ہو گیا تو لکھ بھیجوں گا فوٹو میرے پاس اس وقت موجود نہیں لیکن میں کوشش کرونگا کہ آپ کی تشریف آوری تک دستیاب ہو جائیں باقی رہے منظومات سو یہ ہندی فارسی ہے ایک ایرانی کو کیا پسند آئے گی۔ میرے زیر نظر حقائق اخلاقی و ملی ہیں۔ زبان میرے لیے ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ بلکہ فن شعر سے بھی میں بحیثیت فن کے نابلد ہوں۔ اگر ان خیالات کو کوئی شخص ان کی مروجہ زبان میں لکھ دے تو شاید ان لوگوں کے لیے مفید ہو۔ بہر حال جو کچھ شائع ہو چکا ہے حاضر کر دیا جائے گا۔ آخری نظم "جاوید نامہ" جس کے دو ہزار شعر ہونگے ابھی ختم نہیں ہوئی۔ ممکن ہے مارچ تک ختم ہو جائے یہ ایک قسم کی ڈوائین کامیڈی ہے اور مثنوی مولانا روم کی طرز پر لکھی گئی ہے۔ اس کا دیباچہ بہت دلچسپ ہوگا اور اس میں غالباً ہندوایران بلکہ تمام دنیائے اسلام کے لیے نئی باتیں ہوں گی۔ ایرانیوں میں حسین ابن منصور حلاج، قرۃ العین، ناصر خسرو علوی وغیرہ کا نظم میں ذکر آئے گا۔ جمال الدین افغانی کا پیغام مملکتِ رُوس کے نام ہو گا۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص

محمدؐ اقبال

(اقبالنامہ)

ڈاکٹر ناموس شجاع منعمی کے نام

لاہور

۲۰ / جنوری ۱۹۲۱ء

ڈیر خواجہ شجاع السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ آپ نے کتاب کی عبارت نقل کرنے میں بڑی زحمت اٹھائی میر سراج الدین صاحب میرے پرانے مہربان ہیں۔ میں نے ان کو بھی اس کتاب کے لیے لکھا تھا۔ بہرحال اب معلوم ہوا کہ کتاب میرے مطلب کی نہیں ہے۔

آپ لاہور تشریف لائیں تو فہرست ہمراہ لیتے آئیں۔ ممکن ہے بعض کتابیں یا کُل پنجاب یونیورسٹی خرید لے۔ پروفیسر شفیع جو پنجاب یونیورسٹی کے عربی کے پروفیسر ہیں اور جن کو غالباً آپ بھی جانتے ہوں گے۔ وہ بھی اس فہرست کو دیکھ لیں گے۔ اور دیکھنے کے بعد یونیورسٹی میں رپورٹ کرسکیں گے۔ زیادہ کیا عرض کروں امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ حیدر آبادی کے نام

لاہور
یکم فروری ۱۹۳۱ء

مائی ڈیر ڈاکٹر عباس علی خاں

نوازش نامہ اور اُس کے ملفوفات کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ مسٹر محمد علی مرحوم کا خاتمہ بخیر ہوا۔ اگرچہ میں اُن کی سیاست کا کبھی بھی مدّاح نہ تھا لیکن ان کی اسلامی سادگی اور آخری سالوں میں اپنی بعض آرا کے بدل لینے میں جس امانت و دیانت کا انھوں نے ثبوت دیا بہت احترام کرتا ہُوں۔ اپنے متعلق ان کی پیشگوئی بھی درست ثابت ہوئی ہے اور اس سے بھی قوم میں ان کا وقار بڑھ گیا ہے۔ مسجدِ اقصیٰ میں آخری آرام گاہ کا میسّر آنا ان کی خوش نصیبی ہے۔ جس سے ان کا مرتبہ بلند تر ہو گیا ہے۔ اب تو محض ایک سیاسی رہنما کی حیثیت سے اُن کا مرتبہ نہایت ارفع ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ انھیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ امید ہے آپ آج کل کی سیاست سے اپنے آپ کو بچائے ہوئے ہوں گے۔

مخلص
محمد اقبال

(اقبال نامہ)

نیاز احمد کے نام

لاہور
۱۱ر فروری ۱۹۳۱ء

ڈیر مسٹر نیاز احمدؐ

حاشیہ اگلے صفحے پر

آپ کا خط ملا جس کے لیے تشکر گزار ہوں۔ مجھے افسوس ہے مگر نہ تو میرے پاس اس قدر وقت ہے اور نہ ہی ایک مختصر خط اس کا متحمل ہو سکتا ہے کہ آپ نے جو سوالات کیے ہیں ان کے جوابات قلمبند کر سکوں۔ اصل میں آپ کے سوالات کے مکمل جواب کے لیے ایک کتاب درکار ہو گی۔ آپ میرے خطبات "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" جو میں نے علی گڑھ اور جنوبی ہندوستان میں دیئے تھے۔ مطالعہ کیجئے۔ وہ شائع ہو چکے ہیں۔ مذہبی مسائل بالخصوص اسلامی مذہبی مسائل کے فہم کے لیے ایک خاص تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ افسوس کہ مسلمانوں کی نئی پود اس سے بالکل کوری ہے جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تعلیم کا تمامتر غیر دینی ہو جانا اس معیت کا باعث ہوا ہے۔ اور ہندوؤں کے ہاں تو ایک گونہ مذہب کا وجود ہی ندارد ہے اگر آپ کبھی لاہور تشریف لائیں تو مجھ سے ملئے۔ میں آپ کی دقتوں اور پریشانیوں کو رفع کرنے میں جو خدمت بجا لا سکوں اس سے دریغ نہ ہو گا۔

مخلص محمد اقبال

(اقبال نامہ)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب السلامُ علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ غلام صابر سے بہت مدت کا وعدہ ان کے ہاں ٹھہرنے کا ہے جس کو میں اب تک پورا نہ کر سکا اگرچہ مولانا شفیع داؤدی صاحب نے بھی مکان

لہ حاشیہ پچھلے صفحے کا۔

مکتوب الیہ الہ آباد یونیورسٹی میں ایم کے طالب علم تھے۔ اور سوشلزم اور کمیونزم کے مطالعہ کے بعد انھوں نے ڈاکٹر اقبال سے دریافت کیا تھا کہ تحریکات حاضرہ کے پیش نظر آئندہ تشکیل عالم کے سلسلہ میں اسلام کوئی قوت ہو گا یا نہیں (عطاء اللہ)

کا انتظام کر دیا ہے لیکن میرا ارادہ یہی ہے کہ صابر صاحب کے ہاں ہی ٹھہروں گا کہ وعدہ پورا ہو جائے۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ قرول باغ جہاں صابر صاحب رہتے ہیں شہر سے کئی میل دور ہے بہر حال میں انشاء اللہ ۲ اپریل کی شام کو غالباً بمبئی میل میں یہاں سے چلوں گا۔ ۳ کی صبح کو دہلی پہنچ جاؤں گا۔ باقی خیریت ہے۔ احباب جامعہ کی خدمت میں سلام کہیے۔ قرول باغ میں ٹھہرنے سے ان سے ملنے کے بہت سے موقعے ہوں گے۔ والسلام۔

محمد اقبال لاہور ۲۱ مارچ ۳۱ء

(عکس) (مکتوبات اقبال)

مولوی صالح محمد ادیب تونسوی کے نام

لاہور

۱۸ اپریل ۳۱ء

مکرمی منشی محمد صالح صاحب! السلام علیکم

ایک مدت کے بعد یہ خط آپ کو لکھتا ہوں۔ خواجہ صاحب کو یہ خط دکھادیں اور کامل غور و خوض کے بعد اس کا جواب لکھیں۔

اسلام پر ایک بہت بڑا نازک وقت ہندوستان میں آرہا ہے۔ سیاسی حقوق و ملی تمدن کا تحفظ تو ایک طرف، خود اسلام کی ہستی معرض خطر میں ہے۔ میں ایک مدت سے اس مسئلہ پر غور کر رہا تھا۔ آخر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسلمانوں کے لیے مقدم ہے کہ ایک بہت بڑا نیشنل فنڈ قائم کریں جو ایک ٹرسٹ کی صورت میں ہو اور اس کا روپیہ مسلمانوں کے تمدن اور اُن کے سیاسی حقوق کی حفاظت اور ان کی دینی اشاعت

---

[1] وطن پٹیالہ۔ حضرت علامہ کے نیازمندوں میں تھے۔

(نذیر نیازی)

وغیرہ پر خرچ کیا جائے۔ اسی طرح اُن کے اخباروں کی حالت درست کی جائے اور وہ تمام وسائل اختیار کیے جائیں جو زمانۂ حال میں اقوام کی حفاظت کے لیے ضروری ہیں۔ مفصل سکیم پھر عرض کر دی جائیگی۔ فی الحال یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ قدیم سجادوں کے نوجوان مالک ایک جا جمع ہو کر مشورہ کریں کہ کس طرح اس درخت کی حفاظت کی جا سکتی ہے جو اُن کے بزرگوں کی کوششوں سے پھلا پھولا تھا۔ اب جو کچھ ہوگا نوجوان علما اور نوجوان صوفیہ سے ہی ہوگا، جن کے دلوں میں خدا نے احساس حفاظتِ ملّی کا پیدا کر دیا ہے۔

خواجہ صاحب کی خدمت میں عرض کیجیے کہ وہ ایسے نوجوان سجادہ نشینوں کو ایک جگہ جمع کر لیں۔ میں بھی وہاں حاضر ہو کر اُن کی مشورت میں مدد دوں گا۔ یہ جلسہ فی الحال پرائیویٹ ہوگا۔ میرے خیال میں ایسے نوجوانوں کی کافی تعداد ہے۔ فی الحال سندھ اور پنجاب کے حضرات ہی جمع ہوں۔ بعض کے نام میں جانتا ہوں، مگر غالباً خواجہ صاحب اور آپ اُن حضرات کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ غرض یہ کہ اُن کے نام دعوت نامہ جاری ہو اور اس پر اگر میرے دستخط کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔ اس خط کو معمولی نہ تصور فرمائیے۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا خواجہ صاحب کی خدمت میں میری طرف سے سلام شوق عرض کیجیے۔

مخلص

محمد اقبال، لاہور

(اقبالنامہ)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیئر نیازی صاحب۔ السلام علیکم۔

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمدُللہ خیریت ہے۔ بہت بہتر ہے اگر جامعہ خطبات کا ترجمہ خریدنا چاہتی ہے۔ یہ مطلع فرمائیے کہ وہ کس قدر کاپیاں چھاپنا چاہتے ہیں۔

علاوہ اس کے کتابت طباعت اور کاغذ وغیرہ پر کس قدر خرچ ہوگا تاکہ میں کتاب کی قیمت کا اندازہ کر سکوں۔ میرے خیال میں کتاب عمدہ کاغذ پر چھپنی چاہیے اور کتابت بھی عمدہ ہونا چاہیے۔ اب تک میرا دستور یہ رہا ہے کہ کتاب کمیشن پر فروخت کردی جاتی ہے بشرطیکہ کُل کتاب خریدی جائے اور قیمت یک مشت بوقتِ خریداری ادا کی جائے۔ والسلام۔

محمدؐ اقبال ۱۹ر اپریل ۳۱ء

ایشیائی انڈیا کانفرنس کا جلسہ بھی انشاء اللہ ہوگا۔ والسلام۔ شیخ صابر صاحب کی خدمت میں میری طرف سے سلام کہیئے۔ الہ آباد والے خطبہ کا ترجمہ میں نے نہیں دیکھا۔[1]

(عکس)

(مکتوبات اقبال)

مولوی صالح محمد ادیب تونسوی کے نام

لاہور

۲۲ر اپریل ۳۱ء

جناب مولوی صاحب! السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ اس گروہ کے جمود کا مجھے بھی احساس ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں نے اس گروہ میں سے نوجوانوں کو انتخاب کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اگر ان کو کسی مرکزی مقام پر جمع کیا جائے تو میں شاید

---

[1] خط کی یہ عبارت مکتوبات اقبال میں محذوف ہے۔ عکس کے مطابق خط کا پورا متن پیش کیا جا رہا ہے۔

(مؤلف)

ان کو یقین دلا سکوں کہ نظر بہ حالات آئندہ اُن کا اور اُن کے خانوادوں کا احترام واقتدار بھی اس پر موقوف ہے کہ وہ اس نازک زمانے میں اسلام کی حفاظت کریں۔ فی الحال تجویز یہ ہے کہ ایک قومی فنڈ قائم کیا جائے کہ بغیر اس کے اسلام کے سیاسی و دینی مقاصد کی تکمیل واشاعت ناممکن ہے۔ مسلمان اخباروں کو قوی کیا جائے۔ نئے اخبار اور نیوز ایجنسیاں قائم کی جائیں۔ مسلمانوں کو مختلف مقامات میں ذہنی اور سیاسی اعتبار سے منظم کیا جائے۔ قومی عساکر بنائے جائیں اور تمام وسائل سے اسلام کی منتشر قوتوں کو جمع کر کے اس کے مستقبل کو محفوظ کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کو ابھی تک اس کا احساس نہیں کہ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس ملک ہندوستان میں کیا ہو رہا ہے۔ اور اگر وقت پر موجودہ حالت کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کی گئی تو مسلمانوں اور اسلام کا مستقبل اس ملک میں کیا ہو جائے گا۔ ہم تو اپنا زمانہ حقیقت میں ختم کر چکے۔ آئندہ نسلوں کی فکر کریں۔ ہمارا فرض ہے ایسا نہ ہو کہ ان کی زندگی گونڈ اور بھیل اقوام کی طرح ہو جائے اور رفتہ رفتہ ان کا دین اور کلچر اس ملک سے فنا ہو جائے۔ اگر ان مقاصد کی تکمیل کے لیے مجھے اپنے کام چھوڑنے پڑیں تو انشاء اللہ چھوڑ دوں گا۔ اور اپنی زندگی کے باقی ایام اسی ایک مقصد جلیل کے لیے وقف کر دوں گا۔

آپ خواجہ صاحب کے دل میں تڑپ پیدا کریں اور اُن سے درخواست کریں کہ وہ اپنے دیگر احباب میں بھی یہی تحریک کریں۔ ورنہ ہم سب لوگ قیامت کے روز خدا اور رسولؐ کے سامنے جوابدہ ہوں گے۔ زیادہ کیا عرض کروں، سوائے اس کے کہ اس کام میں، ذرا سا توقف بھی نہ ہونا چاہیئے۔

کتاب 'جاوید نامہ' جو میں لکھ رہا تھا، ختم ہو گئی ہے۔ آج کل میں کاتب کے حوالے کر دی جائیگی۔ تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ جو میں نے انگریزی زبان میں لکھی تھی اُس کا اُردو ترجمہ بھی ہو گیا ہے عنقریب شائع ہو جائے گا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

سر اکبر حیدری کے نام

نجی اور رازدارانہ

لاہور

۲ مئی ۱۹۳۱ء

مائی ڈیر سر اکبر

آپ کے نوازش نامے کا بہت شکریہ جو ابھی کچھ دیر قبل مجھے ملا ہے یہ قصہ طولانی اور اس کا بیان اذیت ناک ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر آپ کو تمام حقائق کا علم ہوتا تو آپ کے لیے اس کی جانب سے مجھے لکھنا دشوار معلوم ہوتا۔

دراصل میں دہلی میں آپ سے ملاقات کرنے سے بھی اس لیے کترایا کہ میں نے سوچا وہ ہماری گفتگو میں موضوع بن سکتا ہے اور اس سے کچھ دیر کے لیے میرا ذہنی سکون برباد ہوگا۔ میں پہلے ہی اپنی بساط سے زیادہ اس کی مدد کر چکا ہوں۔ اس طرز عمل کے باوجود جو وہ میرے ساتھ اور خاندان کے دوسرے افراد کے ساتھ کرتا رہا ہے۔ کوئی باپ تحمل کے ساتھ وہ شرارت آمیز خطوط نہیں پڑھ سکتا جو اس نے مجھے لکھے ہیں۔ اب جو کچھ وہ کر رہا ہے وہ صرف بلیک میلنگ کے منصوبے کا ایک حصہ ہے جو وہ کچھ عرصے سے کرتا آرہا ہے۔

بہرحال یہ میرے لیے ممکن نہیں کہ اس کی مدد کر سکوں۔ میں ایک بوڑھا آدمی ہوں جس کی صحت بھی ڈانواڈول رہتی ہے۔ کسی طرف سے کوئی امید نہیں۔ دو چھوٹے بچے ہیں جن کی پرورش کرنا ہے۔ اگر میں کوئی مالدار آدمی ہوتا تو شاید اس کی کچھ اور مدد کر دیتا اگرچہ وہ اس کا مستحق نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے حالات کے بارے میں آپ کو کچھ علم نہیں۔ فطرت نے مجھے کچھ چیزیں دی ہیں اور کچھ نہیں دیں۔ میں پوری طرح قانع ہوں اور میرے لبوں پر کبھی حرف شکایت نہیں آیا۔ شاید آپ پہلے آدمی ہیں جسے میں نے یہ باتیں لکھی ہیں جو اس سے قبل کسی کو نہیں لکھیں۔ میں

میں اپنے زخموں کی نمائش ناپسند کرتا ہوں کیونکہ عموماً یہ دنیا بے درد ہے اور ہر کسی شخص کو سر اکبر کی سی فطرت نہیں ملی جس کی ہمدردی کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ نے اس کی مدد کی ہے کچھ اس لیے کہ اس نے آپ کو خوب متاثر کیا ہے اور کچھ میرے تعلق کی وجہ سے۔ آپ کی فیاض فطرت اس کے سوا اور کچھ کر ہی نہیں سکتی تھی۔ مگر مجھے یقین ہے کہ آپ کا اس پر اور مجھ پر بہت بڑا کرم ہوتا اگر اس کو کوئی موزوں ملازمت جامعہ عثمانیہ میں دلا سکتے۔

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ لیڈی حیدری کو میرا آداب جن کا تذکرہ میں ابھی چند روز قبل مسز[1] بایم کی کتاب "دی لارنس آف انڈیا" میں پڑھ رہا تھا۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے) (مجلہ۔ شاعر۔ اقبال نمبر ۱۹۸۸ء)

(غیر مدون)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب السلام علیکم

میں آپ کو آج خط لکھنے ہی والا تھا کہ آپ کا خط پہنچا۔ آپ کے بھائی کی علالت کا افسوس ہے۔ خدا تعالیٰ اسے صحت کرامت فرمائے۔ کتاب کے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا ہے درست ہے۔ اس سے اتفاق کرتا ہوں۔ غالباً میں نے بھی آپ کو اس سے پہلے یہی لکھا تھا کہ کتابت، طباعت، کاغذ، کمیشن وغیرہ منہا کر کے باقی روپیہ ادا کر دیا

[1] تشبیر۔ MRS PYML : THE LARNCE OF INDIA

جائے البتہ یہ ضروری ہے (۱) کہ پہلے مجھے یہ بتایا جائے کہ خرچ کُل کس قدر ہوگا؟
(۲) کیا میں نے جو کمیشن لکھی تھی وہ انھیں منظور ہے؟ (۳) کتاب کے تیار ہو جانے
پر روپیہ پیشگی ادا کرنا ہوگا۔ ان تمام اُمور سے آگاہی دی جائے نیز یہ بھی لکھیں
کہ جامعہ کی طرف سے یہ معاہدہ کون کرے گا تاکہ یہ تمام خط (۲) انھیں صاحب سے
ہو۔ میں پرسوں بھوپال جا رہا ہوں۔ دو چار روز وہاں قیام رہے گا۔ اگر قومی سرمایہ
مسلمان جمع کر سکیں تو میرا یہ اندازہ ہے کہ مسلمانوں میں ہندوؤں کی نسبت زیادہ
مادۂ قربانی اور اپنے حقوق کے لیے ایجی ٹیشن کرنے کی جرأت و ہمت موجود ہے۔

محمد اقبال لاہور

(عکس) (مکتوباتِ اقبال)

مولوی صالح محمد ادیب تونسوی کے نام

۱۴ مئی ۳۱ء

جناب مولوی صاحب! السّلام علیکم

میں ابھی صبح بھوپال سے واپس آیا اور آپ کا خط ملا۔ ریاست بھوپال میں
بھی نواب صاحب کی دعوت پر میں اسی مطلب کے واسطے گیا تھا کہ مسلمانوں کے
سیاسی اختلافات رفع کرنے کی کوشش کر کے ان کو ایک مرکز پر متحد کیا جائے۔
معاملہ امید افزا ہے مگر افسوس ہے کہ چونکہ ہر روز قریباً دو بجے رات تک کام کرنا
اور جاگنا پڑا، میں وہیں بیمار ہو گیا۔ آج صبح واپس آیا ہوں۔ کسی قدر افاقہ ہے۔
میں یقیناً نہیں کہہ سکتا کہ پاک پٹن شریف حاضر ہو سکوں گا۔ مگر چونکہ حضرت خواجہ
صاحب نے امید دلائی ہے، اس واسطے پوری کوشش کروں گا کہ حاضر ہوں۔ آپ
مہربانی کر کے بواپسی ڈاک دو باتوں کا جواب دیں:

(۱) خواجہ صاحب اور دیگر نوجوان سجادہ نشین کونسی تاریخ کو وہاں
موجود ہوں گے۔

(۲) اگر میں پاک پٹن حاضر نہ ہو سکا تو کیا اور کوئی موقع ایسا ہو سکتا ہے یا کوئی اور ایسی صورت ہو سکتی ہے کہ میں ان سب سے ایک مقام پر مل سکوں اور اپنے معروضات ان کی خدمت میں پیش کر سکوں۔ ان باتوں کا جواب فوراً ارسال فرما دیجیے۔ والسلام
حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں میری طرف سے شکریہ اور آداب عرض ہو۔
والسلام

مخلص

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

سر فضل حسین کے نام

لاہور

۱۴ مئی ۱۹۳۱ء

مائی ڈیر فضلی

میں آج ہی صبح واپس آیا۔ مندرجہ ذیل تجاویز میں سے آپ کو کون سی پسند ہے؟

۱۔ مخلوط طریقہ انتخابات (...) دس سال کے عرصہ پر نافذ کیا جائے بالغ حق رائے دہی کے ساتھ۔ بشرطیکہ وفاقی یا صوبائی مجالس کے مسلمان اراکین کی اکثریت مشترک حلقہ ہائے انتخاب کو دس سال کی مدت سے پہلے کسی وقت تسلیم کرنے پر راضی ہو جائے۔ ایسے قانون کے بعد جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب ختم کر دیئے جائیں گے۔

۲۔ نئے دستور کے تحت پہلا انتخاب جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب کی بنیاد پر پہلی مقننہ کے پانچویں سال کے آغاز میں منعقد ہو۔

براہ کرم پہلی فرصت میں ایک سطر لکھ بھیجیں۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

پس نوشت ۔ مجھے شملہ آنا چاہئے تھا مگر میری طبیعت ٹھیک نہیں ۔ ہمیں تقریباً ہر رات کو نصف شب تک جاگنا پڑا۔

(گفتارِ اقبال)

(انگریزی سے)

سر اکبر حیدری کے نام

لاہور

۱۴ ر مئی ۱۹۳۱ء

مائی ڈیر سر اکبر

آپ کے مہربانی نامے کا بہت بہت شکریہ جو مجھے تھوڑی دیر قبل ملا ۔ یہ نوجوان اب تک ستر ہزار روپے اپنے اوپر خرچ کر چکا ہے ۔ اس میں سے خود اپنے بقول اس نے پچاس ہزار روپے انگلستان میں قرض لیے تھے ۔ میں نے اس کی ماں کو دس ہزار

(نوٹ) ۱۰ ر مئی ۱۹۳۱ء کو بھوپال میں ایک غیر ضابطہ جلسہ ہوا ۔ جس میں علامہ اقبال، سر محمد شفیع، مولانا شوکت علی اور تصدق علی خاں شیروانی نے شرکت کی ۔ ۱۳ ر مئی کو نواب محمد اسماعیل خاں کی معیت میں بھوپال سے دلّی کے لیے روانہ ہوئے ۔ دلّی ریلوے اسٹیشن پر علامہ اقبال نے اسٹیٹسمین (STATESMAN) کو ایک بیان دیا جس میں مسلم کانفرنس سے " دہلی تجویز" کی حمایت کی تھی ۔ ۱۵ ر مئی کو علامہ نے ایک بیان میں یہ بات واضح کی کہ جداگانہ اور مخلوط انتخابات کے سلسلے میں کوئی مفاہمت نہیں ہوئی ۔ یہ خط اسی سلسلے میں لکھا گیا ہے ۔

(بشیر احمد ڈار)

روپے تھے جو اس نے سب کے سب اس پر خرچ کر دیے تھے اور یہ رقم بھی اس کے علاوہ ہے جو اس نے اور اس کے باپ نے اس لڑکے کو دیے۔

اس کی انگلستان سے واپسی کے صرف ایک یا دو ماہ قبل ہی مجھے ایک ہزار روپے دینے پر مجبور کیا گیا اور اس کی ہندوستان آمد کے چند روز بعد ہی مجھے اس کے انگلستانی قرض خواہوں میں سے ایک کا پہلا خط ملا۔ اس کے باوجود وہ اکثر و مستقر بلیک میلنگ پر مبنی خطوط بھیجتا رہتا ہے۔ میں اس کے تازہ ترین خط کی نقل آپ کو ارسال کرنا چاہتا تھا مگر میں ایسا نہیں کرنا بالخصوص اس واسطے کہ ہیں نے سوچا اس کے بعد آپ اس کے ساتھ ہمدردی کرنا ترک فرما دیں گے فارسی کا مندرجہ ذیل شعر میری موجودہ کیفیت ذہنی کے مطابق ہے۔

آں جگر گوشہ ہماں شد کہ من اوّل گفتم
کہ چو شوید لبش از شیر جگر خوارہ شود

آپ کا مخلص
محمد اقبال

پس نوشت۔ میں چاہتا تھا کہ آپ شملہ جاتے ہوئے بھوپال میں قیام کرتے۔

(انگریزی سے) (مجلہ شاعر۔ اقبال نمبر ۱۹۸۸ء)

(غیر مدون)

ترجمہ: یہ جگر کا ٹکڑا، وہی ہوا جو میں نے شروع میں کہا تھا کہ جب دودھ منہ سے پوچھے گا تو جگر خوار (خونی) بن جائے گا۔

(مولف)

مولوی صالح محمد ادیب تونسوی کے نام

لاہور

۲۰ر مئی ۱۹۲۱ء

جناب مولوی صاحب السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ۔ اس سے پہلے حضرت خواجہ صاحب کا خط بھی مل گیا تھا.
میں نے خواجہ حامد صاحب کے انتقال کی خبر اخبار میں پڑھی تھی اور میرا خیال تھا کہ
تمام اختلافات کو رفع کرنے کی خاطر خواجہ صاحب کو اُن کا جانشین تسلیم کر لیا جائے گا
اس کے متعلق آپ کو لکھنے کا ارادہ بھی رکھتا تھا۔ مگر چونکہ حالات سے آگاہی نہ تھی.
اس واسطے خاموش رہا۔ بہر حال صلح کی خبر سے میں بہت خوش ہوا. خدا تعالیٰ مبارک
کرے اور یہ کام باحسن وجوہ انجام پائے. اگر خواجہ صاحب اس دفعہ پاک پٹن نہ
آسکیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اجتماع کسی اور جگہ ہو جائے گا. میں نے ٹائم ٹیبل دیکھا
تو معلوم ہوا کہ پاک پٹن جانے والی سب ٹرینیں تکلیف دہ ہیں۔ باقی خیریت ہے.
امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ خواجہ صاحب کی خدمت میں سلام عرض ہو۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب السلام علیکم۔

آپ نے میرے خط کا جواب نہیں دیا۔ چونکہ کتاب کے متعلق بہت لوگ
استفسار کر رہے ہیں۔ اس واسطے ضروری ہے کہ اس کی اشاعت میں جلدی کی
جائے۔ آپ مہربانی کر کے مجھے جلد لکھیں کہ جامعہ والے کیا چاہتے ہیں۔ ورنہ مسودہ

مجھے بھیج دیں تاکہ میں اُسے لکھوانے کا انتظام کروں۔ والسلام۔

محمد اقبال ۲۰ مئی ۱۹۳۱ء

لاہور

(مکتوبات اقبال) (عکس)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور ۲۰ مئی ۳۱ء

ڈیر نیازی صاحب السلام علیکم

آپ کا خط کل شام ملا آپ کے بھائی کی علالت کی خبر سے مُتردد ہوں خدا تعالیٰ اس کو صحتِ عاجل کرامت فرمائے۔ میں انشاء اللہ ان کے لیے ضرور دعا کروں گا۔ کتاب کے بارے میں یہ عرض ہے کہ اگر آپ رخصتوں میں لاہور آئیں تو کتاب ساتھ لیتے آئیں یا پہلے یہاں بھیج دیں اگر اس پر نظر ثانی آپ کی موجودگی میں ہو تو بہتر ہو گا۔ مع جلد قیمت تین روپے میرے خیال میں کم ہے مگر اس معاملہ میں کچھ رائے نہیں دے سکتا۔

مینجر صاحب مکتبہ سے آپ کہیں کہ وہ کُل معاملات کے متعلق مجھ سے خط و کتابت کریں۔ اخراجات کا صحیح اندازہ کیا ہو گا؟ کاغذ کس قسم کا ہو گا؟ جلد کیسی ہو گی؟ کیا یہ اچھا نہ ہو گا کہ کتاب بے جلد فروخت کی جائے؟ یہ سب سوالات ہیں جن پر غور کرنا ہے۔ باقی رہا اقساط کا معاملہ سو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ میں دو اقساط میں روپیہ لوں گا۔ بشرطیکہ دو اقساط کی درمیانی مدت تین ماہ سے زائد نہ ہو۔ کمیشن بیس فی صدی ادا کر دی جائے گی۔ مینجر مکتبہ مفصل خط مجھ کو لکھ دیں کہ ان کی رائے مذکور بالا امور کے متعلق کیا ہے۔ والسلام

محمد اقبال لاہور

(مکتوبات اقبال)

(عکس)

مولوی صالح محمد ادیب تونسوی کے نام

۲۵ رمئی ۲۱ء سوموار[1]

جناب مولوی صاحب! السلام علیکم
کل میٹنگ کا اجلاس تمام دن رہا اور شام کو میں دردِ دنداں میں مبتلا ہوگیا اس واسطے مجبوراً آج پاک پٹن کا سفر کرنے سے قاصر ہوں کہ دانت کو نکلوا دینے کا ارادہ ہے۔ انشاء اللہ پھر کسی موقع پر خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام معروضات پیش کروں گا۔ اس عرصے میں وہ اپنے نوجوان احباب کے ساتھ میرے خطوط کے مضمون پر گفتگو کے لیے اُن کو تیار کر رکھیں۔
امید کہ اُن کا مزاج بخیر و عافیت ہوگا اور خاندانی تنازع کا کلی باحسن وجوہ خاتمہ ہوگیا ہوگا۔ آج تو آپ اور وہ پاکپٹن میں ہوں گے اور یہ خط تونسہ شریف کے پتے پر ہی لکھتا ہوں کہ غالباً منگل کے روز آپ پاک پٹن سے تونسہ شریف تشریف واپس لے جائیں گے۔ والسلام

مخلص
محمد اقبال
(اقبال نامہ)

---

[1] علامہ اقبال نے شاید ہی کسی خط میں تاریخ کے ساتھ دن بھی لکھا ہو عکس پیش نظر ہوتا تو صحیح صورت حال واضح ہو جاتی۔
(مؤلف)

راغب احسن کے نام

لاہور ۲۸ / مئی ۱۹۲۱ء

جناب راغب صاحب!

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ آپ کی تحریک مبارک ہے۔ کچھ عجیب نہیں کہ عالمگیر ہو جائے۔ انگریزی ترجمے کی فی الحال کوئی ضرورت نہیں۔ اس وقت تک انتظار کیجیے، جب کہ انگریز خود آپ کی تحریک کا مطالعہ کرنے انگلستان سے ہندوستان آئے۔ فی الحال اس کا ترجمہ جدید فارسی، عربی، ترکی اور پشتو میں کرایئے اور ممکن ہو تو اہل زبان سے پھر ایک جزو کی صورت میں ممالک اسلامیہ میں اس میثاق و قواعد و مقاصد وغیرہ کو شائع کرایئے تاکہ ان ممالک میں اس کی تخم ریزی ہو جائے غالباً آپ کی تقلید وہاں بھی ہوگی یا ممکن ہے ان ممالک میں یہ تحریک کوئی اور صورت اختیار کرلے۔

مدت ہوئی میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک سیاہ پوش فوج عربی گھوڑوں پر سوار ہے۔ مجھے تفہیم ہوئی کہ یہ ملائکہ ہیں۔ میرے نزدیک اس کی تعبیر یہ ہے کہ ممالکِ اسلامیہ میں کوئی جدید تحریک پیدا ہونے والی ہے۔ عربی گھوڑے سے مراد روحِ اسلاف ہے۔ کیا عجب ہے کہ یہی وہ تحریک ہو جس کا آغاز آپ نے کیا ہے۔ ابھی اور بھی امور ہیں جن پر آپ کو غور کرنا ہوگا اور ان کو اپنی تحریک کے مقاصد کے اجزا بنانا ہوگا۔ مگر ان کا وقت ابھی نہیں آیا۔

قومی سرمائے کی سخت ضرورت ہے۔ افسوس مسلمان امرا پر

---

[1] ۲۳ / اپریل ۱۹۲۱ء کو جناب راغب احسن صاحب ایم۔ اے نے جمعیۃ الشبان المسلمین کلکتہ کی بنیاد رکھی اور اس فکر اسلامیت کا میثاق شائع کیا اور علامہ اقبال کی خدمت میں ارسال کیا۔ علامہ نے مندرجہ بالا مکتوب ارسال فرمایا۔

حُبِّ مال غالب ہے۔

مخلص محمد اقبال لاہور

(عکس) (اقبال نامہ)

مولوی صالح محمد ادیب تونسوی کے نام

لاہور

۲ر جون ۱۹۳۱ء

جناب من

السلام علیکم۔ "انجم" واحد دیکھنے میں نہیں آیا۔ اصلاح سے معاف فرمائیے کہ نہ فرصت ہے نہ اہلیت۔ والسلام

محمد اقبال

(انوارِ اقبال)

مولوی صالح محمد ادیب تونسوی کے نام

لاہور

۷ر جون ۱۹۳۱ء

جنابِ مولوی صالح محمد صاحب! السلام علیکم

معلوم ہوتا ہے، آپ اور حضرت خواجہ صاحب میرے تار اور خط کو فراموش کر گئے یا ممکن ہے تار کا مطلب صحیح نہ سمجھا گیا ہو اور خط نہ ملا ہو۔ میں نے تار اور خط دونوں میں لکھ دیا تھا کہ میں دردِ دنداں میں مبتلا ہو گیا اور چار روز کی سخت تکلیف کے بعد دونوں دانت جو دُکھتے تھے، اُن کو اکھڑوا دیا گیا۔ اگر یہ خط اور تار پہنچنے کے بعد بھی خواجہ صاحب نے بقول آپ کے میرے نہ آ سکنے کو بُرا محسوس کیا، تو مجھے تعجب بھی ہے اور افسوس بھی۔ تعجب اور افسوس اس واسطے کہ میں

نے حدیث میں نے دیکھا ہے کہ مسلمان کو مسلمان پر نیک ظن رکھنا چاہیے۔ میں نے جھوٹ نہ لکھا تھا، نہ اِس زمانے کے لوگوں کی طرح بہانہ تراشی کی تھی۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ والسلام

محمدؐ اقبال

لاہور

(دوسرا صفحہ ملاحظہ کیجیے)

باقی رہا مقصود جس کے لیے سفر کرنا تھا، سو مجھے یہ لکھنے میں تامل نہیں کہ اس کا ایک پہلو سیاسی بھی ہے اور یہ اس وجہ سے کہ اسلام بحیثیت مذہب کے دین و سیاست کا جامع ہے یہاں تک کہ ایک پہلو کو دوسرے پہلو سے جدا کرنا حقائق اسلامیہ کا خون کرنا ہے۔ میں نے جو حضرات مشائخ کو اس طرف متوجہ کرنے کا قصد کیا تھا، وہ محض اللہ اور اس کے رسول کی خاطر تھا، نہ اپنے نام و نمود کی خاطر۔ مجھ کو نہ ہندوؤں سے کچھ مطلب ہے نہ انگریزوں سے۔ خیال یہ تھا کہ شاید اسی طریق سے نوجوان صوفیہ میں کہ اُن کے اقتدار کا دار و مدار بھی اسلام کی زندگی پر ہے کچھ حرارت پیدا ہو جائے اور وہ کلاً نہیں تو جزواً اس کام میں شریک ہو جائیں۔ خواجہ صاحب اگر اس تحریک میں شریک ہوں تو میرے عقیدے کی رُو سے اُن کی سعادت ہے۔ بلکہ میں تو چاہتا ہوں کہ اس ساری تحریک کا سہرا اُن ہی کے سر رہے۔ والسلام۔

محمدؐ اقبال

(اقبال نامہ)

لہ حدیث: ظنّوا المومنین خیراً کی طرف اشارہ ہے۔

خواجہ وصی الدین کے نام

لاہور ۹ / جون ۱۹۳۱ء

جنابِ مکرم

السلام علیکم۔ کلیات عزیز[1] کا ایک نسخہ جو آپ نے بکمال عنایت ارسال فرمایا ہے مجھے مل گیا ہے، جس کے لیے میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں۔ نوازش نامہ میں جو کچھ آپ نے میرے متعلق ارشاد فرمایا ہے وہ آپ کے حُسنِ اخلاق کا نتیجہ ہے۔

---

[1] خواجہ عزیز الدین لکھنوی فارسی کے شاعر تھے۔ ان کا کلام ان کے لڑکے خواجہ وصی الدین ڈپٹی کلکٹر (ریٹائرڈ) نے شائع کیا اور اس کی ایک کاپی اقبال کو بھیجی۔ اقبال نے اس پر اپنی رائے کا اظہار اپنے ایک خط میں فرمایا تھا۔ خواجہ وصی الدین کا تعارف اور اقبال کا خط ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

والد مرحوم حضرت خواجہ عزیز الدین لکھنوی کا مجموعۂ کلام حال میں ہم نے مرتب کر کے مع تصاویر خاص اہتمام سے طبع کر دیا ہے۔ اس کی ایک جلد مرحوم کے کشمیری ہم وطن علامہ ڈاکٹر سر اقبال صاحب کی خدمت میں ہم نے بھیجی تھی جس کی رسید میں موصوف کا ایک گرامی نامہ ہم کو موصول ہوا ہے جس طرح مرحوم طرزِ قدیم میں ہندوستان کے یگانۂ عصر اور مسلّم استاد تھے، اسی طرح علامہ موصوف طرزِ جدید میں ایشیا کے مایۂ ناز فارسی شاعر مانے جاتے ہیں اور بمصداق ؎

قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

(جواہرات، موتی کی قدر بادشاہ جانتا ہے یا جوہری جانتا ہے)

مرحوم کے کلام کی حقیقت کو کماحقہٗ سمجھنے کے ساتھ اس پر بہترین رائے دے سکتے ہیں۔ اگرچہ مرحوم کا گرامی نامہ ایک مختصر رسید کے خط کی حیثیت رکھتا ہے اور اس میں تفصیلی تبصرہ کرنا ان کا مقصود نہیں ہے، تاہم چونکہ اس سے اجمالاً کلام پر روشنی پڑتی ہے (بقیہ اگلے صفحے پر)

خواجہ عزیز مرحوم فارسی ادبیات کے اس دور سے تعلق رکھتے ہیں جس کی ابتدا شہنشاہ اکبر کے عہد سے ہوئی۔ افسوس ہے کہ وہ دور ہندوستان میں ان کی ذات پر ختم ہوا۔ ایرانی تخیل نظم کی شاہراہوں کو چھوڑ کر اب زیادہ تر نثر میں اپنے کمالات دکھا رہا ہے شعرائے متاخرین میں قاآنی کا آوازہ بہت بلند ہوا اور اب تک بلند ہے۔ لیکن خواجہ عزیز مرحوم کے قصائد اور مخمسات جو انھوں نے قاآنی کی زمینوں میں لکھے ہیں وہ فارسی زبان کی موسیقیت اور خواجہ مرحوم کی اس زبان پر قدرت کا بیّن ثبوت ہیں مثلاً

سحر گہاں بیادِ حق زطائران فرق فرق
غزل سرایداں نسق کہ کودکان ہم سبق
شفق لعلگوں وشتی چنانکہ در افق شفق
شگفتہ گل ورق ورق بسعی ابر و عرق
بہ ورق طبق طبق گہر کند نثار ہا

غزل میں ان کی نظر بیشتر روحانی حقائق پر رہتی ہے اور ان حقائق کو وہ نہایت آسانی اور لطافت کے ساتھ ادا کر جاتے ہیں۔ مثلاً

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا)
اس لیے ناظرین اخبار کی آگاہی و دلچسپی کے لیے ہم اسی کو شائع کرتے ہیں۔
(بشیر احمد ڈار)

ترجمہ: (۱) صبح کے وقت خدا کی یاد میں پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ۔
(۲) اس طرح غزل سرا تھے جیسے ہم سبق بچے رمل کر سبق پڑھتے ہیں)۔
(۳) سرخ لالہ لعل ناب جیسا یوں جھک رہا ہے جیسے افق میں شفق
(۴) پھولوں کی ہر پنکھڑی شگفتہ تھی اور بادلوں کی مہربانی سے بھیگ رہی تھی۔
(۵) جو ہر پنکھڑی پر طباق بھر بھر کے موتی نچھاور کر رہا تھا۔

دو غنچہ ہست دو عالم ز گلشن منعش
یکے شگفتہ یکے نا شگفتہ است ہنوز
ز کوثر آں طرف است آبجوئے مقصد تو
عناں بجانب ناب از رہِ سراب انداز
بر آز پردہ و احوال جیب و داماں بیں
تو مہوشی و تماشائیاں کتاں پوشند
رسول ملت منصورم احوالم چہ می پُرسی
رسید ستم بمعراجے کہ نام دیگرش دار است[1]

خواجہ عزیز کے اس شعر سے ایک ہندی شاعر کا شعر یاد آگیا جس کے لطف سے
میں آپ کو محروم نہیں رکھنا چاہتا ۔

انا الحق گفتن منصور تاویلے نمی خواہد
گدا گم می کند خود را چو دولت میکند پیدا[2]

اسی طرح خواجہ مرحوم کے یہ شعر بھی حقائق سے لبریز ہیں ۔

---

[1] ترجمہ ۔ اس کی صنعت کے گلشن میں دونوں جہاں دو کلیوں کی طرح ہیں ان میں ایک کھلی ہوئی ہے دوسری ابھی کھلی نہیں ہے ۔ تمہارے مقصد کی نہر، کوثر کے اس طرف ہے خالص پانی کی طرف سراب کے راستے سے اپنی باگ موڑ کر جاؤ پردے سے باہر نکلو اور اپنے جیب و دامن کا حال دیکھو تم چاند سا چہرہ رکھتے ہو سب کتاں پہنے ہوئے ہیں (جو چاندنی میں پھٹ جاتا ہے ۔) میں منصور کی امت کا رسول ہوں، میرا حال کیا پوچھتے ہو میں ایسی معراج تک پہنچ گیا ہوں جس کا دوسرا نام دار (صلیب) ہے ۔

[2] منصور کے انا الحق کہنے کی کوئی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں کسی بھکاری کو دولت مل جاتی ہے تو وہ خود کو بھول جاتا ہے ۔

ہنوز لوح و قلم بود در سواد عدم
کہ نقش مہر تو بر لوح دل نشست مرا
نشاط وصل تو محروم دار دم از وصل
کہ در کنار چو آئی ز خود کنارہ کنم

یہ فیض ظہوری اور نظیری کا نہیں بلکہ کلام الٰہی کا فیض ہے اور خواجہ مرحوم کو خود اس کا احساس تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں ؎

کے از ظہوری و ز نظیری رسد عزیز
فیضے کہ از کلام الٰہی بما رسید

مخلص
محمد اقبال لاہور
۹ جون ۳۱ء
(انوار اقبال)

مولوی صالح محمد ادیب تونسوی کے نام

لاہور
۲ جولائی ۱۹۳۱ء
جناب مولوی صاحب! السلام علیکم

ترجمہ ۱؎ ابھی لوح و قلم عالم نیستی میں تھے۔ جب تمہاری محبت کا نقش میرے دل کی تختی پر جم چکا تھا تمہارے وصال کی خوشی ہی مجھے وصال سے محروم رکھتی ہے تم جب میرے پہلو میں آجاتے ہو تو میں اپنے آپ میں نہیں رہتا (بے خود ہو جاتا ہوں)
۲؎ وہ فیض ظہوری و نظیری سے اے عزیز کب مل سکتا ہے جو ہمیں کلام الٰہی کے ذریعہ سے پہنچتا ہے۔

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ مجھے اس بات سے دلی رنج ہوا کہ خواجہ صاحب پر اُن کے مقدس جد کے مزار کی زیارت بند کر دی گئی ہے۔ اس تنگ دلی پر ہزار افسوس مگر میں خواجہ صاحب کی خدمت میں یہ مشورہ دوں گا کہ وہ اس مصیبتِ عظمیٰ پر صبر کریں۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مشکلات کا خاتمہ کر دے گا اور اُن پر ظلم کرنے والے ذلیل و خوار ہوں گے۔ اس امر کے متعلق جو کچھ مدد خواجہ صاحب کے خیال میں میں کر سکتا ہوں اُس کے لیے دل وجان سے حاضر ہوں۔ آپ بڑی خوشی سے تشریف لائیں۔ ضلع ڈیرہ غازی کے ڈپٹی کمشنر صاحب کون بزرگ ہیں، ان کے نام سے مطلع فرمائیے۔ اگر میری اُن سے واقفیت ہوئی تو میں آپ کی ہدایت کے مطابق اس بارے میں ان سے خط وکتابت کرنے کو حاضر ہوں۔ ایسے مصائب کا علاج سوائے توجہ الی اللہ کے اور کچھ نہیں۔ خواجہ صاحب خود اس بات کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ فیصلے کی نقل ابھی نہیں پہنچی۔ پڑھ کر پھر لکھوں گا۔ والسلام

محمد اقبال۔ لاہور

(اقبالنامہ)

غلام رسول مہر کے نام

۱۰ر جولائی ۱۹۳۱ء

ڈیر مہر صاحب

آج کے مسلم آوٹ لک کے صفحہ ۹ پر نارتھ انڈیا مسلم سٹیٹ پر جج پلوڈن کے خیالات ہیں جو نہایت دلچسپ ہیں[1]۔ ان کا ترجمہ کر کے انقلاب میں شائع کیجیے۔

---

[1] مسلم آوٹ لک MUSLIM OUTLOOK لاہور کا واحد مسلم انگریزی روزنامہ تھا۔ جج پلوڈن PLAUDON پنجاب ہائی کورٹ کا جج تھا۔ نارتھ انڈیا مسلم سٹیٹ سے مراد شمالی ہندوستان کے صوبوں پر مشتمل ایک علاحدہ ریاست کا تصور ہے جو اقبال نے الہ آباد میں مسلم لیگ کے خطبۂ صدارت (۲۹ر دسمبر ۱۹۳۰ء) میں پیش کیا تھا۔

۱۷ یا ۱۸ جولائی کو بھوپال جانا ناممکن ہو گیا ہے۔ مغل پورہ کالج انکوائری ۲۰ سے شروع ہو گی اور مجھے گواہی دینا ہے جو ۲۰ اور ۲۴ کے درمیان ہو گی[1]۔ کل گشنہ لاہور کا خط اس مضمون کا آیا ہے۔ والسلام

شاید ۲۱ کو بھوپال جا سکیں گے[2]

محمد اقبال

(عکس) (انوارِ اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

۱۵ جولائی ۱۹۳۱ء

ڈیر نیازی صاحب السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ آپ کے بھائی کی علالت کا حال معلوم کر کے متردد ہوا۔ خدا تعالیٰ ان پر فضل کرے اور آپ کو اطمینانِ قلب عطا کرے۔ ان حالات میں اگر خطبات کی اشاعت میں تعویق ہو جائے تو مضائقہ نہیں ہے۔ والسلام

محمد اقبال

(عکس) (مکتوبِ اقبال)

---

[1] لاہور میں مغل پورہ انجینئرنگ کالج جو اب انجینئرنگ یونیورسٹی میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اس وقت اس کالج کا پرنسپل ڈیکر Decker تھا جس نے کالج کے ایک پروفیسر صدیقی کو برطرف کر دیا۔ اس کے خلاف مسلمان طلبا نے ہڑتال کر دی جو کل صوبہ تحریک کی شکل اختیار کر گئی۔ حکومت نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی جس کے سامنے دوسرے اشخاص کے علاوہ اقبال نے بھی شہادت دی تھی۔

[2] ۱۹۳۱ء میں آزادیٔ کشمیر کی تحریک پہلی دفعہ منظم ہو کر عوامی تحریک بنی تھی۔ مہاراجہ ہری سنگھ والیٔ کشمیر نے نواب بھوپال کی وساطت سے کوشش کی کہ کوئی سمجھوتہ ہو جائے۔ اس غرض کے لیے نواب بھوپال نے اقبال کو بھوپال طلب اور ایک مرتبہ دہلی بلایا لیکن بدقسمتی سے یہ گفتگوئے مصالحت کامیاب نہ ہو سکی۔ (بشیر احمد ڈار)

غلام رسول مہر کے نام

۲۲ر جولائی [1]

ڈیر مہر صاحب

السلام علیکم۔ مجھ کو بھی شعیب[2] صاحب کا تار آیا تھا جس کا جواب میں نے ان کو دے دیا تھا۔ انشاء اللہ ۲۷ تک لاہور پہنچ جاؤں گا۔ وہاں سے اس کو مارننے دوں کا ۲۶ر کو یہاں کشمیر کے معاملات کے متعلق مشورت ہو گی۔ لاہور سے انشاء اللہ بھوپال چلیں گے۔ والسلام

چودھری صاحب سے سلام کہیئے۔ سبز سالک صاحب سے۔

محمدؐ اقبال

(عکس) (انوار اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

۷ اگست ۱۹۲۱ء

ڈیر نیازی صاحب السلام علیکم

آپ کا خط دو منٹ ہوئے ملا جس کو پڑھ کر مجھے بہت قلق ہوا۔ خدا تعالیٰ آپ کے مرحوم بھائی کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اپنے والد ماجد اور والدہ کی خدمت میں میری طرف سے ماتم پرسی کیجیے اور عرض کیجیے کہ

---

[1] کشمیر کے متعلق مشاورت ۱۹۲۱ء میں شملہ میں ہوئی تھی۔ لہذا یہ خط ۱۹۲۱ء کا ہی ہو سکتا ہے۔

(صابر کلوروی۔ مکاتیب اقبال کے مآخذ - ایک تحقیقی جائزہ ص ۷۶)

[2] شعیب قریشی ان دنوں نواب بھوپال کے سکریٹری تھے۔

ایک مُسلمان کے لیے رضائے الٰہی ہر شے پر مقدّم ہے اور صبر مسلمان کے لیے سب سے بڑی سعادت ہے۔

میں اگست کے آخری ہفتوں سے باہر جاؤں گا۔ اس وقت تک لاہور ہی رہوں گا

والسلام۔

مخلص محمّد اقبال

(عکس)
(مکتوباتِ اقبال)

غلام رسول مہر کے نام

۱۶ راگست ۳۱ء

ڈیر مہر صاحب۔

السلام علیکم آپ کے اخبار میں یہ شائع ہوا ہے کہ جموّں کے حوادث کے متعلق جو پرسوں رونما ہوئے تمام فوٹو لیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ سری نگری میں جو آتش بازی ہوئی اس کے فوٹو بھی میں نے سنا ہے موجود ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اپنے کسی دوست یا نامہ نگار کی معرفت تمام مذکورہ بالا فوٹو حاصل کریں گے یہ کام بڑا ضروری اور مفید ہے۔ اس کے لیے فوراً کوشش شروع کیجیے اور میرے انگلستان روانہ ہونے سے پہلے سب کو حاصل کر لیجیے[ا]

[ا] دسمبر ۱۹۳۰ء میں کل ہند کشمیر مسلم کانفرنس کا ایک اجلاس لاہور میں منعقد ہوا جس میں حکومت کشمیر کے ظلم وستم اور مسلمانوں کی حق تلفی کے خلاف آواز اٹھائی گئی تھوڑی مدت کے بعد کشمیر میں دو واقعات رونما ہوئے جنھوں نے کشمیر میں آگ لگا دی۔

پہلا واقعہ تو یہ تھا کہ ایک ہندو سب انسپکٹر نے ایک مسجد کے امام صاحب کو خطبہ پڑھنے سے روک دیا جس پر مسلمانوں نے احتجاج کیا۔ دوسرا واقعہ یہ تھا کہ جموّں سنٹرل جیل میں ایک ہندو سپاہی نے قرآن مجید کی بے حرمتی کی اس پر ایک شخص عبدالعزیز نے اشتعال انگیز تقریر کی۔ پولیس نے عبدالعزیز کو قید کر کے عدالت میں پیش کیا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

آپ کا جہاز مکتوب ہو چکا یا نہیں؟ چودھری صاحب تو رہ گئے ^1 والسلام
محمد اقبال
(انوارِ اقبال) (عکس)

سید نذیر نیازی کے نام

۱۹ اگست ۳۱ء

ڈیر نیازی صاحب السلام علیکم

میں غالباً یکم ستمبر کی شام کو یہاں سے روانہ ہوں گا اور ۵ ستمبر کو بمبئی۔ ممالکِ اسلامیہ کی سیاحت کی بڑی آرزو ہے مگر یہ سب کچھ روپیہ پر منحصر ہے خطبات کے ترجمے کی اشاعت کا التوا ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے امید ہے دسمبر کے آخر تک واپس آ جاؤں گا جاوید نامہ ابھی تک شائع نہیں ہوا کل اس کی کتابت ختم ہو گی غالباً اکتوبر کے آخر میں شائع ہو جائے گا۔

حیات بعد الممات کے متعلق جو کچھ میں نے لکھا ہے اس کو دوبارہ غور سے پڑھیے آپ کے سوالوں کا جواب مل جائے گا۔ میرے نزدیک حیات بعد الممات انسانی کوشش اور فضلِ الٰہی پر منحصر ہے بچوں کے لیے بعث زیادہ آسان ہے کیونکہ بعث کا مفہوم ہے

(بقیہ حاشیہ) مقدمہ کی سماعت کے موقع پر مسلمانوں کا ایک کثیر ہجوم عدالت کے باہر جمع ہو گیا پولیس نے انھیں منتشر کرنے کے لیے فائرنگ کی جس سے بے شمار آدمی ہلاک ہوئے یہ واقعہ ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کا ہے اقبال کے خط میں انہی واقعات کی تصویروں کا ذکر ہے۔

^1 اقبال اور مہر صاحب دوسری گول میز کانفرنس (دسمبر ۱۹۳۱ء) میں شرکت کے لیے لندن جا رہے تھے چودھری صاحب سے مراد چودھری محمد حسین ہیں جو اقبال کے مخلص اور عزیز دوست تھے۔
(دبشیر احمد ڈار)

علامہ ستمبر ۱۹۳۱ء میں لندن کے لیے روانہ ہوئے۔ (مؤلف)

ایک نئے MEMORY THEM کے ساتھ A کرنے کا۔ بچوں کے لیے یہ زیادہ آسان ہے کیونکہ ہمارا M ان کی فطرت میں پورے طور پر راسخ نہیں ہوتا EG کا نہایت گہرا تعلق TEM سے ہے۔

مرنے والوں سے اس زندگی میں اتحاد ممکن ہے۔ بعینہ اسی طرح جس طرح ہم آپس میں ملتے جلتے ہیں مگر یہ اتحاد زیادہ تر کُلّیا یا کامل انسانوں سے ہوتا ہے کیونکہ ان کی زندگی بعد از موت یقینی ہے۔ اس کے علاوہ وہ گزشتہ تجربات کا اعادہ کر سکتے ہیں عوام سے یہ امر محال ہے خواہ وہ بعد از مرگ زندہ بھی ہوں۔ بعثت ثانیہ A ہے اس میں انسانی کو شش کو بھی ایک حد تک دخل ہے اس کو انسانی کبھی کہہ سکتے ہیں ابدی موت اور زندگی خاص قسم کے اعمال سے متعین ہوتی ہے۔ میرے نزدیک اگر کوئی شخص ابدی موت کا خواہشمند ہو تو وہ اُسے حاصل کر سکتا ہے علیٰ ہٰذالقیاس دوزخ اور جنت بھی زندگی کے ہیں۔ اور ان کے کی تعین اسی مرحلہ پر منحصر ہے جو زندہ شے نے حاصل کیا ہو۔ اس زندہ شے کے لیے دوزخ اور جنت ہے۔ یہاں تک کہ پودوں اور حیوانوں کے لیے بھی۔ مگر اس دوزخ اور جنت کے CHARACTER کی تعیین اور ANIMAL LIFE کے اسٹیج پر منحصر ہے۔ یہی حال بچوں کی زندگی کا ہے۔ زندگی کے مدارج بے شمار ہیں۔ اس ضمن میں بہت سے اُمور عقلِ انسانی سے باہر ہیں۔ ان کے متعلق بصیرت ایمان اور ذرائع سے پیدا ہوتا ہے۔ ان ذرائع کا تعلق فلسفہ سے نہیں ہے۔ والسلام

محمد اقبال

(عکس نامکمل) (انوارِ اقبال)

سردار بیگم کے نام

والدہ جاوید کو بعد سلام علیک کے واضح ہو کہ چونکہ میں گول میز کانفرنس کے سلسلہ میں ولایت جانے والا ہوں اور زندگی کا کوئی اعتبار نہیں اس واسطے یہ تحریر لکھتا ہوں کہ صورت حال سے تم کو آگاہی رہے اگرچہ پہلے بھی تم کو کل حالات معلوم ہیں۔

(۱) عرصہ دو تین سال کا ہوا جب میں درد گردہ کی وجہ سے بیمار ہو گیا تھا اور زندگی کی امید منقطع ہو گئی تھی۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے صحت عطا کی۔ اس بیماری کے بعد میرے خیالات میں بڑا تغیر ہوا اور چند روزہ زندگی کی حقیقت مجھ پر واضح ہو گئی۔ صحت یابی کے بعد میں نے مبلغ دس ہزار روپیہ جاوید کے نام ہبہ کر کے پنجاب نیشنل بنک لاہور میں اس کے نام

نوٹ درج بالا خط علامہ اقبال نے دوسری گول میز کانفرنس (۱ اکتوبر ۱۹۳۱ء) کے لیے انگلستان روانگی سے قبل سردار بیگم کے نام تحریر کر کے میاں امیر الدین کے حوالے کیا یہ خط سردار بیگم کو اقبال کی ناگہانی موت کے موقع پر دیا جانا تھا۔ لیکن چونکہ ایسی صورت پیدا نہ ہوئی۔ اور یہ خط میاں امیر الدین کے پرانے ریکارڈ میں پڑا رہا اور کسی کا خیال اس کی طرف نہ گیا۔ حال ہی میں یہ خط میاں امیر الدین کے ریکارڈ سے ان کے پوتے اور منیرا بیگم کے فرزند یوسف صلاح الدین نے دریافت کیا ہے اور ان ہی کی تحویل میں ہے۔

(ڈاکٹر جاوید اقبال۔ زندہ رود، جلد تین)

جمع کرا دیا اور چند ماہ ہوئے اس میں ہبہ پانچ ہزار کا اضافہ کر دیا۔ یعنی پانچ ہزار روپیہ مزید ہبہ کرکے اس کے نام اسی بنک میں جمع کرا دیا۔ اس رقم کے علاوہ پانچ ہزار روپیہ میں نے میرا بیگم کے نام ہبہ کرکے پنجاب نیشنل بنک لاہور میں جمع کرا دیا۔ کل پندرہ ہزار روپیہ جاوید کے نام اور پانچ ہزار میرا بیگم کے نام بینک مذکور میں جمع ہے۔ جب تک میں زندہ ہوں میں ان کا گارڈین ہوں۔ میری زندگی کے بعد تم ان دونوں کی گارڈین ہو گی۔ بینک کی رسیدات تمہارے پاس ہیں۔

(۲) مندرجہ بالا رقوم کے علاوہ میں نے دس ہزار روپیہ تمہارے نام ہبہ کر دیا تھا۔ یہ روپیہ سینٹرل کوآپریٹو بنک لاہور میں میرے اور تمہارے نام سے جمع ہے۔ لیکن میرا نام محض اس لیے درج کیا گیا تھا کہ اگر تمہارے لیے کوئی جائداد خرید کرنے کی ضرورت پڑے تو بینک سے اس کے نکالنے میں آسانی ہو۔ حقیقت میں یہ روپیہ تمہارا ہے اور مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس دس ہزار کی رقم کے علاوہ مبلغ پندرہ سو روپیہ بھی اسی بنک میں میرے اور تمہارے نام سے جمع ہے۔ یہ روپیہ تمہارے بعض زیورات کی فروخت سے حاصل ہوا تھا۔ یہ بھی تمہاری ملکیت ہے اور مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں ہے میرا نام اس رقم کے سلسلہ میں محض مذکورہ بالا سہولت کی غرض سے درج کیا گیا تھا۔

(۳) مبلغ آٹھ ہزار روپیہ خالصتاً میرے نام سینٹرل کوآپریٹو بنک لاہور میں جمع ہے۔ اس روپیہ میں سے کچھ روپیہ میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔

(۴) مبلغ دو ہزار روپیہ کے قریب منشی طاہرالدین کے پاس ہے کچھ اور روپیہ آنے والا ہے جس کو وہی وصول کریں گے۔ اس روپیہ سے انکم ٹیکس ادا کرنا ہے اور بعض اور اخراجات جو میری عدم موجودگی میں لاحق ہوں۔ مثلاً کرایہ کوٹھی اور ملازمین کی تنخواہیں وغیرہ۔ اس کے علاوہ گھر کے اخراجات۔ گھر کے

اخراجات کے لیے کچھ روپیہ تمہارے پاس بھی موجود ہے۔

(۵) جاوید نامہ میں نے چھپنے کے لیے دے دیا ہے اور اس کے متعلق ضروری ہدایات منشی طاہرالدین اور چودھری محمد حسین صاحب کو دے دی ہیں۔ چونکہ یہ کتاب جاوید کے نام پر لکھی گئی ہے اس واسطے وہی اس کا مالک ہے اس کی تمام آمدنی، اخراجات اشاعت و طباعت نکال کر اسی کی ملکیت ہے۔

(۶) میں نے زبانی کہا تھا کہ تمہارا حق مہر میں نے پندرہ ہزار روپیہ باندھ دیا ہے وقت نکاح کوئی رقم مقرر نہ کی گئی تھی لیکن اب میں اپنی مرضی سے تمہارا حق مہر پندرہ ہزار روپیہ مقرر کرتا ہوں اور اس تحریر میں یہ بھی لکھ دیتا ہوں کہ تمہارا اطمینان ہو جائے۔ شرعاً یہ روپیہ مجھ پر قرض ہے اور تم اس رقم کو میری ہر قسم کی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ سے وصول کر سکتی ہو۔ شرع شریف کی رو سے تم کو میری ہر قسم کی جائداد پر قابض و متصرف رہنے کا حق ہے جب تک مذکورہ بالا رقم تم کو وصول نہ ہو جائے۔

(۷) باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ میں تم سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ میری عدم موجودگی میں تم بچوں کی تربیت سے غافل نہ ہو گی ان کی ماں ہونے کے جو فرائض تم پر عائد ہوتے ہیں ان کو ادا کرو گی۔

محمدؐ اقبال بیرسٹر لاہور

۲۶ ر اگست ۱۹۳۱ء

(زندہ رود ــــ جلد تین)

(غیر مدون)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔ السلامُ علیکم۔

میں ۳۱ ر اگست کی شام کو یہاں سے روانہ ہوں گا۔ یہ گاڑی صبح دہلی پہنچتی ہے۔

اُمید ہے کہ اسٹیشن پر آپ سے مُلاقات ہو گی۔ آپ کے والد ماجد کا خط آیا تھا افسوس ہے میں عدیم الفرصتی کی وجہ سے جواب نہ لکھ سکا۔ وہ قرآن کے حافظ ہیں۔ کثرتِ تلاوت سے انشاءاللہ سکون قلب حاصل ہو گا۔ یہ نسخہ مجرّب ہے والسلام۔

محمّد اقبال لاہور

۲۷ اگست ۳۱ء

(عکس) (مکتوبات اقبال)

سیّد نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔ السلامُ علیکم۔

میں نے ایک کارڈ آپ کو پرسوں لکھا تھا کہ ۳۱ اگست کو یہاں سے روانہ ہوں گا مگر افسوس ہے کہ اس تاریخ کو یہاں سے بعض وُجوہ سے مُمکن نہیں۔ لہٰذا اطلاعاً گزارش ہے کہ میں یکم ستمبر کو فرنٹیر میل سے شام کے بعد سوار ہُوں گا۔ ۲ ستمبر کی صُبح دہلی پہنچوں گا۔ والسلام۔

محمّد اقبال لاہور

۲۹ اگست ۳۱ء

(عکس) (مکتوباتِ اقبال)

سیدنذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب

۵ ستمبر کو نہ جا سکوں گا۔ یکم کو لاہور سے چلنے والا تھا مگر روانگی سے دو گھنٹے قبل بخار ہو گیا۔ اب ۸ ستمبر کی شام کو فرنٹیر میل سے انشاءاللہ لاہور سے روانگی ہے۔ والسلام۔

محمّد اقبال

(عکس) ۴ ستمبر ۳۱ء (مکتوبات اقبال)

ڈیر نیازی صاحب السلام علیکم

میں نے ایک خط آپ کو پرسوں لکھا تھا کہ ۳۱ اگست کو
یہاں سے روانہ ہو گا۔ مگر افسوس ہے کہ اب پانچ کو یہاں سے
بعض وجوہ سے ممکن نہیں لہذا اطلاعاً گزارش ہے کہ
میں یکم ستمبر کو فرنٹیر میل سے شام کو لاہور سے روانہ ہو گا ۲ ستمبر
کو صبح دہلی پہنچوں گا — باقی

محمد اقبال لاہور
۲۹ اگست ۱۹۳۱ء

ڈیر نیازی صاحب

۵ ستمبر کو نہ جا سکوں گا۔ بچے کو لاہور سے چلے جانا تھا

مگر روانگی سے دو گھنٹے قبل بیمار ہو گئی

اب ۹ ستمبر کی شام کو فرانٹیر میل سے ان شاء اللہ

لاہور سے روانگی ہے۔

محمد اقبال

۳۱ اگست ع

ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ حیدر آبادی کے نام

لاہور

۷، ستمبر ۱۹۳۱ء

مائی ڈیر ڈاکٹر عباس علی خاں صاحب

ڈاکٹر کلیفورڈ مانشرڈٹ کی کتاب کے تحفہ کے لیے دلی شکریہ قبول فرمائیے۔ مجھے اس کتاب: "عالمگیر انسانی برادری" کی بہت ضرورت تھی۔

نظم کے لیے بھی جو آپ نے ازراہ لطف و کرم بھیجی ہے اور جو میں نے بے حد پسند کی ہے شکریہ قبول کیجیے۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

(اقبال نامہ)

منشی طاہرالدین کے نام

بمبئی پہنچتے ہی سردار صلاح الدین سلجوقی قنصل افغانستان مقیم بمبئی نے دعوت دی۔ ان کے ہاں پُر لطف صحبت رہی۔ سردار موصوف فارسی اور عربی ادبیات پر پورا عبور رکھتے ہیں۔ عربی کی جدید شاعری سے بھی باخبر ہیں۔ فارسی میں خاقانی کے بڑے معترف ہیں۔ علوم دینی میں بھی کافی دسترس رکھتے ہیں۔ ہرات کے قاضی رہ چکے ہیں[۱] ان کے دولت کدہ پر

---

[۱] سردار صلاح الدین سلجوقی، ہندوستان میں افغانستان کے قونصل (سفیر) تھے۔ شعر و ادب کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ فارسی کے سینکڑوں دیوان انھیں ازبر تھے انھیں حضرت علامہ سے بڑی گہری عقیدت و محبت تھی بالعموم انھیں مرشد کہا کرتے۔ اقبال جب کبھی دہلی یا بمبئی جاتے تو بالعموم انھی کے ہاں افغان قونصل خانے میں قیام کرتے۔ سردار سلجوقی کی تجویز پر ہی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مرزا طلعت یزدی نے جو بمبئی میں دس سال سے مقیم ہیں ایرانی لہجے میں اپنے شعر سنائے جو آپ کی نظر سے گزر چکے ہوں گے۔ اسی شام عطیہ بیگم صاحب

بقیہ حاشیہ، حکومت افغانستان نے مزار اقبال کے تعویذ کا تحفہ ارسال کیا تھا۔

(رفیع الدین ہاشمی)

(نوٹ) حکومت برطانیہ نے ۱۹۳۱ء کے آخر میں لندن میں دوسری گول میز کانفرنس بلائی اس میں دوسرے مسلم زعماء کے ساتھ علامہ اقبال کو بھی مدعو کیا گیا۔ اسی زمانے میں علامہ موصوف کو بلادِ مغرب سے تین دعوت نامے موصول ہوئے۔

اوّل: اٹلی کی ... کے صدر نے آپ سے روم میں تقریر کی درخواست کی تھی۔

دوم: انگلستان کی انڈیا سوسائٹی کے صدر سر فرانسس ینگ ہز بینڈ نے آپ کو دعوت دی کہ سوسائٹی کی صدارت قبول کر لیں۔

سوم: فلسطین کے مفتی اعظم سید امین الحسینی نے اتحاد عالم اسلام اور فلسطین کے مسائل پر غور کرنے کے لیے دسمبر ۱۹۳۱ء میں بیت المقدس میں ایک موتمر بلائی اور علامہ اقبال کو بھی مدعو کیا ان وجوہ کی بنا پر آپ نے بلادِ مغرب کا رخت سفر باندھا

۸ ستمبر ۱۹۳۱ء کو لاہور سے روانہ ہوئے دہلی سے ہوتے ہوئے ۱۰ ستمبر کو بمبئی پہنچے۔ بمبئی میں دو روز کے قیام کے بعد ۱۲ ستمبر کو عازم انگلستان ہوئے اس مکتوب میں اس سفر کی روداد بیان کی گئی ہے۔ خط ساحل فرانس پہنچنے سے پہلے بحرِ روم سے گزرتے ہوئے لکھا گیا" انقلاب" کی روایت کے مطابق تاریخ تحریر ۲۱ ستمبر ۱۹۳۱ء ہے۔

اس خط کے متعلق روزنامہ "انقلاب" (۱۵ اکتوبر ۱۹۳۱ء) میں صرف اس قدر بتایا گیا ہے کہ یہ اقبال نے اپنے ایک دوست کے نام تحریر کیا تھا۔ مولانا غلام رسول مہر کی روایت کے مطابق اس کے مکتوب الیہ منشی طاہر الدین ہیں۔

"انقلاب" میں مطبوعہ خط کسی لقب کے بغیر شروع ہوتا ہے۔ (رفیع الدین ہاشمی)

کے ہاں سماع کی صحبت رہی[۱]، جہاں اہلِ ہوس بار نہیں پا سکتے:

برسماع راست ہر تن چیر نیست[۲]

طعمۂ ہر مرغکی انجیر نیست

۱۲ ستمبر کو ایک بجے کے قریب بمبئی سے روانہ ہوئے (ملوجا) جہاز کی وسعت کا حال علی بخش سے سنیے ۱۶ کی شام کو عدن پہنچے۔ عدن! یہ اسی سرزمین کا ٹکڑا ہے جس کی نسبت حالی مرحوم فرما گئے ہیں۔

عرب کچھ نہ تھا اک جزیرہ نما تھا

میرا مقصد ساحل پر جانے کا تھا مگر ہمارے شہر کے ایک نوجوان شیخ عبداللہ نامی[۳] یہاں وکالت کرتے ہیں۔ وہ جہاز پر آئے اور باصرار اپنے ساتھ لے گئے۔ کشتی پر سوار ہوکر ساحل پر اترے اور وہاں سے موٹر پر سوار ہوکر شیخ صاحب موصوف کے مکان پر پہنچے۔ وہاں مرغ پلاؤ، کباب، قورمہ، سب کچھ حاضر تھا۔ کھانے کے بعد یمن کی سیاہ

---

[۱] اشارہ اس استقبالیے کی طرف ہے جو ۱۰ ستمبر کی سہ پہر "ایوانِ رفعت" میں علامہ اقبال کے اعزاز میں دیا گیا۔ اس پُرلطف محفل میں متعدد نامور اہلِ علم و فن شریک ہوئے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "ایک بھولی ہوئی صحبت" از ضیاء الدین احمد برنی مشمولہ "اقبال" از عطیہ بیگم ص ۱۲۲، ۱۲۷۔ اس ضمن میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ برنی کے مطابق "گول میز کانفرنس سے لوٹتے وقت علامہ موصوف نے بمبئی میں چند روز قیام فرمایا تھا" (ماہِ نو اقبال نمبر ۱۹۷۷ء ص ۱۵) مگر یہ درست نہیں کیوں کہ برنی نے اسی مضمون میں مذکورہ صحبت کی تاریخ ۱۰ ستمبر ۱۹۳۱ء بتائی ہے اور اس تاریخ کو علامہ انگلستان (سے واپسی پر نہیں بلکہ وہاں) جاتے ہوئے رُکے تھے۔ واپسی اواخر دسمبر میں ہوئی اور اس مرتبہ علامہ موصوف صرف آدھ گھنٹے کے لیے "ایوانِ رفعت" تشریف لے گئے تھے (سرنامۂ اقبال، ص ۱۰۸) زیرِ نظر خط کا متن بھی برنی کی روایت کی تردید کرتا ہے۔

[۲] ترجمہ: سماع ہر شخص کے لیے نہیں ہے، ہر پرندہ کی غذا انجیر نہیں ہوتی۔

[۳] "گفتارِ اقبال" کے متن میں "نامی" درست نہیں۔

د تلخ و خوش گوار کافی کا دور چلا۔ آغا فکری ایرانی اور ایک اور ایرانی سوداگر سے ملاقات ہوئی۔ آغا فکری نہایت ہوشیار اور مستعد نوجوان ہیں۔ یمنی کافی کی تجارت کرتے ہیں۔ بے انتہا لسّان ہیں۔ رخصت کے وقت انھوں نے مجھے ایک دانہ عقیق یمنی کا بطور یادگار کے عنایت فرمایا۔ ۲۲ سال ہوئے جب میں نے عدن دیکھا تھا، اس وقت کچھ نہ تھا۔ اب ایک با رونق شہر ہے اور ترقی کر رہا ہے۔ حضر موت کے عرب یہاں سا ہو کار ہیں۔ پنجابی بھی بہت سے ہیں۔ خاص کر سندھ کے دوکاندار۔ مسلمانوں میں شمالی قوم نہایت ہوشیار اور محنتی ہے۔ شیخ عبداللہ سے معلوم ہوا کہ ان میں سے بعض آٹھ آٹھ دس دس زبانیں بلا تکلف بولتے ہیں۔ عدن میں عرب نوجوانوں کا ایک لٹریری کلب بھی ہے۔ مگر چونکہ رات کا وقت تھا کلب مذکور کے ممبروں سے ملاقات نہ ہو سکی۔ غرضیکہ رات کے ساڑھے دس بجے شیخ عبداللہ کے مکان سے رخصت ہو کر تقریباً گیارہ بجے اپنے جہاز پر پہنچے۔ جہاز ساڑھے گیارہ بجے رات روانہ ہوا۔

۲۰ ستمبر کو تقریباً ۳ بجے شب پورٹ سعید مقام ہوا۔ یہ جگہ بھی بے انتہا ترقی کر گئی ہے۔ میں تو سو چکا تھا مگر ایک مصری ڈاکٹر سلیمان نے آ جگایا۔ میں اٹھا اور اُن سے ملاقات کی اتنے میں اور مصری نوجوان جو وہاں کے "شبان المسلمین" کے ممبر تھے، ملاقات کو آئے۔ ان نوجوانوں سے مل کر طبیعت نہایت خوش ہوئی۔ ایک مصری کرنل کی لڑکی بھی ملنے کے لیے آئی۔ یہ ہمارے جہاز میں انگلستان جا رہی ہے تا کہ علم نباتات کے مطالعہ کی تکمیل کرے۔ پہلے چار برس وہاں رہ آئی ہے انگریزی خوب بولتی ہے عام طور پر اہلِ مصر فرانسیسی لہجے میں انگریزی بولتے ہیں۔ اس لڑکی کا لہجہ بالکل انگریزی تھا۔ لطفی بے نے جو قاہرہ کے نہایت مشہور بیرسٹر ہیں، ڈاکٹر سلیمان کی زبانی سلام بھیجا اور واپسی پر قاہرہ آنے کی دعوت دی، رنپورہ، جہاز پر جس میں میرا سفر پہلے قرار پایا تھا۔ لطفی بے تشریف لائے تھے۔ مگر افسوس کہ میں حالات کی وجہ سے سفر نہ کر سکا۔ آپ یہ سن کر تعجب کریں گے کہ مصر کے مسلمان عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانانِ ہند ہندوستان کی آزادی کی راہ میں روڑا اٹکا رہے ہیں۔ یہ پراپیگنڈہ دیگر ممالک میں بھی کیا گیا ہے پورٹ سعید پر قریباً ہر مسلمان

نوجوان نے مجھ سے یہ سوال کیا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اب ان کی آنکھوں سے رفتہ رفتہ حجاب اٹھ رہا ہے میں نے ان کو ایک طویل لیکچر دیا اور بتایا کہ ہندوستان کا پولیٹیکل پرابلم، کس طرح مسلمانِ ہند پر موثر ہوتا ہے۔ میری گفتگو سننے کے بعد ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی طبیعت سے ایک بہت بڑا بوجھ اُتر گیا ہے۔ تقریر کے بعض حصے انھوں نے نوٹ بھی کر لیے۔

"جالندھر کے ایک جوان نے (حکیم صدیق محمد) بحیثیت نمائندہ "رائٹر" ملاقات کی یہ یہاں کی "راول سوسائٹی" کے سیکریٹری ہیں۔ شادی بھی مصر ہی میں کر لی ہے عربی خوب بولتے ہیں اور بہت ہوشیار اور مستعد معلوم ہوتے ہیں۔ جہاز تقریباً ساڑھے چھ بجے صبح روانہ ہوا اور مصری جوان صبح تک میرے کیبن میں بیٹھے رہے۔ واپسی پر انھوں نے ساحل سے مصری سگرٹوں کے دو ڈبے ہدیۃً ارسال کیے۔

بمبئی سے لے کر اس وقت تک جہاز "ملوجا" بحرِ روم کی موجوں کو چیرتا ہوا چل رہا ہے۔ سمندر بالکل خاموش ہے۔ طوفان کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ موسم بھی نہایت خوشگوار رہا البتہ بحرِ احمر میں گرمی تھی۔ یہ سمندر عصائے کلیم کا ضرب خوردہ ہے۔ گرم مزاج کیوں نہ ہو۔ چاروں طرف جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے، سمندر ہی سمندر ہے۔ گویا قدرتِ الٰہی نے آسمان کے نیلگوں خیمے کو الٹ کر زمین پر بچھا دیا ہے۔

"سفر کی مختصر روئیداد تو میں نے لکھ دی ہے۔ سویز کینال کے متعلق لکھنا بھول گیا۔ شاید ۱۹ ستمبر کو ہم سویز کینال میں داخل ہوئے۔ فراعنۂ مصر، قدیم ایرانیوں، مسلمانوں اور اہلِ فرنگ نے اپنے عروج و قوت کے زمانے میں اس نہر کے مٹے ہوئے نقوش کو ابھار کر اس سے فائدہ اٹھایا۔ لیکن مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب اس حیرت انگیز کینال کی اہمیت یعنی تجارتی اہمیت کا خاتمہ قریب ہے۔ سیاسی اعتبار سے صلح و جنگ کے زمانے میں ہر قوم کے جہاز اس میں سے گزر کر سکتے ہیں سویز کینال کے بیشتر حصص انگریزی تصرف میں ہیں اور یہ غالباً اسماعیل پاشا خدیو مصر کی عیش پرستی کا نتیجہ ہے کیوں کہ اس نے اپنے تمام حصص انگریزوں کے ہاتھ بیچ دئے تھے۔ قریباً ڈھائی کروڑ پونڈ کی لاگت سے ایشیا اور یورپ کے سمندروں کو ملانے

والی یہ آبی سڑک تیار ہوئی تھی۔ لیکن اب جیسا کہ میں نے اوپر لکھا ہے۔ شاید اس کی وہ اہمیت نہ رہے جو اسے پہلے حاصل تھی۔ پرواز کی وسعت و ترقی اور وسط ایشیا اور وسطِ یورپ میں ریلوے کی تعمیر سے دنیا کے دو بڑے حصّوں میں جدید تجارتی رستوں کا کھل جانا، ایک نئی مگر خشک سویز کینال کو معرضِ وجود میں لانے والا ہے جس سے تجارتی اور غالباً سیاسی دنیا میں بھی ایک عظیم الشان انقلاب پیدا ہوگا۔ اگر آئندہ بیس پچیس سال میں ایسا ہو گیا تو طاقتور کمزور اور کمزور طاقت ور ہو جائیں گے۔ تلک الایام نداولہا بین الناس[1]

جہاز کی روزمرہ کی زندگی کی داستان نہایت مختصر ہے میں اپنی قدیم عادت کے مطابق آفتاب نکلنے سے پہلے ہی تلاوت سے فارغ ہو جاتا ہوں۔ اس کے بعد دیگر حوائج سے فراغت پاتے پاتے "برک فاسٹ" کا وقت آ جاتا ہے۔ "برک فاسٹ" کے بعد عرشۂ جہاز پر ہمسفروں سے گفتگو یا گول میز کانفرنس پر، جس کی خبریں لاسلکی کے ذریعے ہر روز جہاز پر پہنچ جاتی ہیں، بحث و مباحثہ یا گزشتہ سال کی رپورٹوں کا مطالعہ۔ ہاں کبھی کبھی شعر و شاعری بھی ہو جاتی ہے۔ سید علی امام کو عربی، فارسی اور اردو کے بے شمار اشعار یاد ہیں اور پڑھتے بھی خوب ہیں،، الولد سرٌ لابیہ[2] ان کے والد ماجد مولانا نواب امداد ادبیات اردو میں ایک خاص پایہ رکھتے تھے جہاز پر میں گوشت کھانا[3] بالکل ترک کر دیا ہے۔ وطن میں بھی بہت کم کھاتا تھا مگر یہاں تو صرف سبزی، ترکاری، مچھلی اور انڈے پہ گزران ہے۔ ایک تو گوشت کی طرف رغبت بہت کم ہے۔ دوسرے ذبیحہ بھی مشتبہ ہے البتہ غیر مشتبہ ذبیحہ بھی کبھی کبھی مل جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ سر علی امام کی بیگم صاحبہ کہ نیک نفسی اور شرافت کا مجسمہ ہیں اپنے شوہر کے ہمراہ ہیں ذبیحہ کے متعلق خاص طور پر محتاط ہیں۔ اپنا

---

[1] "گفتارِ اقبال" کے متن میں یہ آیت موجود نہیں اس کا ترجمہ ہے "یہ تو زمانے کے نشیب و فراز ہیں جنھیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں" (آلِ عمران ۱۴۰)

[2] عربی محاورہ ہے معنی ہے "بیٹے میں باپ کی خو بو ہوتی ہے"

[3] "میں گوشت کھانا" نقل مطابق اصل ہے۔

باورچی ساتھ لائی ہیں۔ ان کی عنایت سے غیر مشتبہ ذبیحہ اور مغلی کھانا قریباً ہر روز ہماری میز تک پہنچ جاتا ہے اگرچہ اس میں میرا حصہ بالعموم سبزی اور چاول تک محدود رہتا ہے۔ آپ کہیں گے کہ میں سب کچھ لکھ گیا مگر ہمسفروں کے متعلق اب تک خاموش ہوں ہمارے جہاز میں کچھ زیادہ مسافر نہیں گول میز کانفرنس کے ہندو اور مسلمان نمائندے شاید سات آٹھ ہیں۔ راجہ نرندر ناتھ صاحب بھی اسی جہاز میں ہیں۔ چار مسلمان نمائندے ہیں اور چاروں مغرب زدہ، "مغرب زدہ مسلمان" کی اصطلاح شاید "معارف" نے وضع کی تھی۔ نہایت پُرلطف ہے۔ لیکن مسلمانوں کے اس مغرب زدہ قافلہ کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں دو حافظِ قرآن ہیں، یعنی نواب صاحب چھتاری اور خان بہادر حافظ ہدایت حسین۔ مقدم الذکر ہر روز دوڑ کرتے ہیں اور سُنا ہے کہ ہر سال تراویح بھی پڑھاتے ہیں۔

"سید علی امام صاحب کی مغرب زدگی کی کیفیت یہ ہے کہ ایک روز صبح کے وقت عرشہ[1] جہاز پر کھڑے تھے میں بھی اُن کے ہمراہ تھا میل و فرسنگ[2] کا حساب کر کے کہنے لگے۔ دیکھو بھائی اقبال اس وقت ہمارا جہاز ساحلِ مدینہ کے سامنے سے گزر رہا ہے۔ یہ فقرہ ابھی پورے طور پر ان کے منہ سے نکلا بھی نہ تھا کہ آنسوؤں نے الفاظ پر سبقت کی ان کی آنکھ نمناک ہوگئی اور بے اختیار ہو کر بولے

بلغ سلامی روضۃ بہا النبیؐ المحترم[3]

ان کے قلب کی کیفیت نے مجھے بے انتہا متاثر کیا۔ باقی رہا میں مغرب زدہ بھی ہوں اور مشرق زدہ بھی البتہ مشرق ضرب میرے لیے زیادہ کاری ثابت ہوئی۔ باقی ہمسفروں میں مسٹر جسٹس سہروردی، شیخ مشیر حسین قدوائی اور اودھ کے دو نوجوان تعلقدار ہیں۔ قدوائی صاحب نہایت پُرجوش پین اسلامسٹ ہیں۔ تبلیغی فرائض سے کبھی غافل نہیں رہتے اور

---

[1] "گفتارِ اقبال کے متن میں، "ورد" غلط ہے۔

[2] "گفتارِ اقبال کے متن میں "فرنگ" غلط ہے۔

[3] ترجمہ میرا سلام اس روضے تک پہنچا دے جس میں نبی محترمؐ (آرام فرما) ہیں۔

اودھ کے دو تعلقداروں میں ایک عربی خوب بولتے ہیں۔ دوسرے سمجھ لیتے ہیں مگر بول نہیں سکتے۔ ان دو نوجوانوں کے والد مدتوں کربلائے معلیٰ میں مقیم رہے۔ یہی وجہ ہے کہ عربی بول اور سمجھ لیتے ہیں۔۔۔۔ اس مغرب زدہ قافلے کی مختصر کیفیت، باقی خدا کے فضل وکرم سے خیریت ہے یہ خط ارسائی[1] سے ڈاک میں ڈالا جائے گا۔ علی بخش کو میرا سلام ضرور کہیئے۔"

محمد اقبال

(خطوط اقبال)

ایڈیٹر "لندن ٹائمز" کے نام

آپ کے اخبار مورخہ ۳ اکتوبر میں ڈاکٹر تھامسن نے جو لکھا ہے، اس میں انھوں نے گزشتہ دسمبر کے اجلاس مسلم لیگ میں جو خطبہ صدارت میں نے پڑھا تھا، اس کا حسب ذیل فقرہ سیاق وسباق سے علیحدہ کرکے پیش کیا ہے۔

---

[1] ارسائی (MAR AS AI I)، اٹلی کے جزیرہ سسلی کی مغربی بندرگاہ ہے "گفتار اقبال" کے متن میں "اوسائی" درست نہیں۔

(رفیع الدین ہاشمی)

نوٹ (۱) پہلی بار روزنامہ "انقلاب" کے شمارہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا۔

(۲) دوسری بار "انقلاب" کے حوالے سے اسے "گفتار اقبال" (ص ۱۴۴۔۱۴۸) میں نقل کیا گیا مگر نقل نویسی میں احتیاط سے کام نہیں لیا گیا۔

(۳) تیسری بار یہ خط "سفرنامۂ اقبال (ص ۲۲۔۲۸)" میں "انقلاب" سے نقل کیا گیا۔ یہ متن "گفتار اقبال" کے متن سے زیادہ صحیح ہے۔

میں نے یہ خط "انقلاب" سے نقل کیا ہے اور "گفتار اقبال" کی بعض نمایاں غلطیوں کو حاشیے میں واضح کر دیا ہے۔ (رفیع الدین ہاشمی)

میری خواہش ہے کہ پنجاب، صوبہ شمال مغربی سرحد، سندھ اور بلوچستان کو یکجا کر کے ایک واحد ریاست بنا دی جائے۔ خود مختار حکومت برطانوی سلطنت کے اندر ملے یا برطانوی سلطنت کے باہر، مجھے تو یہی نظر آتا ہے کہ شمال مغربی ہند میں ایک مستحکم و متحدہ مسلم ریاست کی تشکیل، مسلمانوں، کم از کم شمال مغربی ہند کے مسلمانوں کے لیے بالآخر مقدر ہو چکی ہے۔

کیا میں ڈاکٹر تھامپسن سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے برطانوی سلطنت سے باہر ایک مسلم مملکت کا مطالبہ پیش نہیں کیا ہے بلکہ دھندلے مستقبل میں ان زبردست قوتوں کی امکانی کارفرمائی کے متعلق یہ ایک تخمینہ ہے، جو برصغیر ہند کے مقدر کی اس وقت صورت گری کر رہی ہیں۔ کوئی ہندوستانی مسلمان جو عقل کا ادنیٰ سا شائبہ رکھتا ہے، عملی سیاست کے ایک منصوبہ کی حیثیت سے برطانوی دولتِ عامہ سے باہر شمال مغربی ہند میں ایک مسلم مملکت یا مملکتوں کے سلسلہ کو قائم کرنے کا خیال نہیں کر رہا ہے۔

وسطِ پنجاب کے متعلق، ایک تجویز جو سیلے حضرات نے پیش کی ہے۔ یہ فرقہ وارانہ کشاکش کا ایک اکھاڑا ہوگا اور میں اگرچہ اس کے خلاف ہوں۔ تاہم میں ہندوستان کی ایسے صوبہ جات میں از سر نو تقسیم کا حامی ہوں، جس میں کسی ایک فرقہ کی موثر اکثریت ہو، جس کی وکالت نہرو رپورٹ اور سائمن رپورٹ نے بھی کی ہے واقعہ یہ ہے کہ مسلم صوبوں کے متعلق میری تجویز اسی تخیل کو آگے بڑھاتی ہے۔ ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر مطمئن اور منظم مسلم صوبوں کا ایک سلسلہ، سطح مرتفع ایشیائی کی

ماخذ۔

لیٹرز اینڈ رائٹنگس آف اقبال مرتبہ بی۔ اے۔ ڈار ناشر اقبال اکادمی کراچی مطبوعہ ۱۹۶۷ء ص ۱۱۹ و ۱۲۰۔

نسلوں کے خلاف ہندوستان کے لیے ایک برطانوی سلطنت کے لیے فصیل ثابت ہوگا۔

آپ کا وفادار

محمد اقبال

سینٹ جیمز پیلس ایس ڈبلیو

۱۰ / اکتوبر ۱۹۳۱ء

(انگریزی سے) (اقبال کا سیاسی کارنامہ)

حسن لطیفی کے نام

سینٹ جیمز کورٹ

بکنگھم گیٹ،

ایس۔ ڈبلو۔ ۱۔

۱۲ / اکتوبر ۱۹۳۱ء

ڈیر مسٹر لطیفی

آپ کسی اتوار کی صبح کو دس بجکر بیس منٹ کے قریب تشریف لائیں۔

ہمیشہ آپ کا

محمد اقبال

(انگریزی سے) (نقوش۔ دسمبر ۱۹۸۶ء)

(عکس)

(غیر مدون)

شیخ عطا محمد کے نام

۱۵ / اکتوبر ۱۹۳۱ء

برادر مکرم۔ السلام علیکم

خدا کے فضل و کرم سے ہر طرح خیریت ہے۔ امید ہے گھر میں بھی سب طرح خیریت

ہو گی ۔ ہندوستان سے اخبار آتے ہیں۔ عجیب خبریں اخبارات میں چھپتی ہیں۔ مثلاً پرتاب میں لکھا ہے کہ مہاتما گاندھی کو شاہی محل میں کمرہ مل گیا ہے۔ اور جب وہ بازار سے گزرتے ہیں تو ہزاروں لوگوں کا ہجوم ان کے گرد ہوتا ہے ۔ حالانکہ حال یہ ہے کہ ان کے آنے کا یہاں اُلٹا اثر ہوا ہے۔ میں نے اسی واسطے لکھا تھا کہ غیر مسلم ذرائع سے جو اخبار آئیں ان پر اعتبار نہ کیا جائے ۔ مسلمان ڈیپوٹیشن متحد ہے اور گفتگو مصالحت کے خاتمہ کا الزام ہندوؤں کے یا سکھوں کے سر پر ہے۔ اخبار ٹائمز میں مفصل حالات چھپ گئے ہیں ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہندو مسلمانوں کو بدنام کرنے کی ہر کوشش کر رہے ہیں مگر برٹش پبلک کو اب ان کے پروپوگنڈے کی اصل حقیقت معلوم ہو گئی ہے ۔ مسلمانوں کے ساتھ عام طور پر ہمدردی ہے نومبر میں مسلمانوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات یعنی عالم اسلام کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے کے متعلق انگریزوں کی طرف سے ایک بہت بڑی میٹنگ ہو گی جس کے پروپوگنڈے پر ایک ہزار پونڈ خرچ کیا جائے گا۔ فی الحال عام انتخابات پارلیمنٹ کی وجہ سے آفیشل میٹنگ کانفرنس کی نہیں ہو رہی ۳ رنومبر کو نئی پارلیمنٹ کا اجلاس ہو گا۔ اس کے بعد ہماری کانفرنس کی کارروائی کا آغاز ہو گا۔ اس سے پہلے میناریٹی کمیٹی کا اجلاس دو دفعہ ہوا اور دونوں دفعہ چند منٹ کے بعد اجلاس ملتوی ہو گیا ۔

یہاں بھی فرصت کم ہے تمام دن لوگ آتے جاتے ہیں گویا لنڈن بھی لاہور ہی ہے۔ جاوید اور منیرہ کو دعا ۔

والسلام

محمد اقبال لنڈن

(مظلوم اقبال)

ویگے ناسٹ کے نام

۱۱۳۔ اے، سینٹ جیمز کورٹ
بکنگھم گیٹ
ایس ڈبلیو ا[1]
۱۵ ر اکتوبر ۱۹۳۱ء

عزیزہ من فرائیلائین ویگے ناسٹ

یہ جناب میٹر وتھ [illegible][2] کی بڑی کرم فرمائی تھی کہ انھوں نے مجھے آپ کا حالیہ پتہ ارسال فرمایا جو مجھے آج صبح موصول ہوا۔ اور اس طرح مجھے آپ کو یہ خط لکھنے کا موقع حاصل ہوا۔ مجھے امید ہے کہ یہ خط آپ کو اُن پُرمسرت دنوں کی یاد دلائے گا، جو ہم نے ہائیڈل برگ اسکول یعنی، شیرر منزل (PEN [illegible]) میں ایک ساتھ بسر کیے تھے۔

براہ کرم مجھے خط لکھیے، اور ان سارے برسوں کے دوران اپنی مصروفیات اور حالات سے مطلع کیجئے۔ مجھے آپ کا جواب پاکر بہت مسرّت ہوگی۔ فی الحال ہمیں کافی عرصہ لندن میں ٹھہرنا پڑے گا۔ اور جب لندن کی گول میز کانفرنس ختم ہوجائے گی تو اس کے بعد میرا ارادہ برلن کے رستے روم جانے کا ہے، جہاں مجھے کچھ روز ٹھہرنے

---

[1] یعنی لندن، جنوب مغرب ۱،

[2] علامہ اقبال ان دنوں دوسری گول میز کانفرنس کے سلسلے میں لندن میں قیام پذیر تھے، جہاں وہ ۲۷ ر ستمبر کو پہنچے تھے۔

[3] غالباً انہی صاحب کا نام عطیہ بیگم کی کتاب "اقبال" (مترجمہ عبدالعزیز خالد ص ۱۹) میں ملتا ہے، جہاں اس کے ہجے METZTROTH ہیں۔

(سعید اختر دُرّانی)

اور پُرانے چند دوستوں سے ملاقات کرنے کا موقع ملے گا۔ سالہا سال کے بعد آپ سے مل کر مجھے بے اندازہ خوشی ہوگی۔ مجھے اطلاع دیجئے کہ کیا ابھی کچھ عرصہ آپ ہائیڈل برگ ہی میں قیام رکھیں گی!

آپ کے خط کا منتظر

محمد اقبال

(انگریزی سے) (اقبال یورپ میں)

ویگے ناسٹ کے نام

۱۴۳۔اے، سینٹ جیمز کورٹ
بکنگھم گیٹ، ایس ڈبلیو ۱۔
۲۰ راکتوبر ۱۹۳۱ء

عزیزہ من فرائیلا ئین ویگے ناسٹ

مجھے خط لکھ کر آپ نے بڑی کرم نوازی کی ہے۔ آپ کا خط آج صبح ہی موصول ہوا۔ جب میں ابھی بستر میں تھا۔ میں نے اسے ایک سے زائد بار پڑھا۔ کچھ اس لیے کہ میں اسے پوری طرح سمجھنا چاہتا تھا۔ مجھے یہ معلوم کرکے بڑی مسرت ہوئی کہ کئی مصائب کا سامنا کرنے کے باوجود آپ اپنی زندگی خوشی سے بسر کررہی ہیں۔ میں ہائیڈل برگ میں ان ایّام کو کبھی فراموش نہیں کرسکتا جب آپ نے مجھے گوئٹے کا فاوسٹ پڑھایا تھا۔ اور ہر طرح سے میری امداد کی تھی۔ وہ واقعی بڑے خوشگوار دن تھے۔ آپ کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے وقت پر اختیار حاصل نہیں۔ اس لیے میں پوری کوشش کروں گا کہ ہائیڈل برگ پہنچوں اور آپ سے ایک بار پھر اس جگہ ملوں۔

ملے 113-A-ST JAME'S COURT,
BUCKINGHAM GATE, SW1

مجھے دریائے نیکراب تک یاد ہے جس کے کنارے ہم دونوں اکثر ٹہلا کرتے تھے لیکن میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میرا خیال ہے میں کچھ مدت تک آپ کو بتا سکوں گا کہ روم جاتے ہوئے جرمنی آسکنا میرے لیے ممکن ہے یا نہیں۔ مجھے روم سے دعوت نامہ موصول ہوا ہے اور میں ہندوستان واپس جانے سے پیشتر وہاں پہنچنے کا خواہش مند ہوں۔ میرے لیے یہ بتا دینا ضروری نہیں کہ میرے دل میں آپ سے ملنے اور ان بیتے ہوئے خوشگوار ایام کی یاد تازہ کرنے کی کس قدر تمنا ہے جو افسوس ہے ہمیشہ کے لیے گزر گئے۔ اس عرصہ میں ازراہ کرم مجھے ضرور لکھیے گا۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

پس نوشت۔ اب میں پروفیسر نہیں رہا۔

(انگریزی سے)

مختار احمد کے نام

۲۲ اکتوبر ۱۹۳۱ء

عزیز من مختار۔ السلام علیکم

تمہارا خط ہوائی ڈاک کے ذریعہ سے مل گیا ہے۔ الحمدللہ کہ گھر میں سب طرح سے خیریت ہے۔ طاہر دین کا خط بھی آیا تھا اس سے بھی خیر خیریت معلوم ہوئی۔ طاہر دین نے لکھا تھا کہ کتاب کے ٹائیٹل پیج کے لیے کون سا کاغذ خریدا جائے اس نے چند نمونے بھی بھیجے تھے۔ تم اس سے کہہ دینا کہ چودھری محمد حسین اور سالک صاحب جو کاغذ پسند کریں وہ لگا دینا چاہیے۔ جاوید کا خط دیکھ کر میں بہت خوش ہوا۔ اس سے کہنا کہ وہ خوب محنت کرے یہاں کے میرے پرانے دوست مرد اور خواتین سب کہتی ہیں کہ جاوید

مآخذ اقبال یورپ میں ۲ زندہ رود۔ جلد سوم ۴۴۹ - ۴۵۰۔

کو کیوں ساتھ نہ لائے۔ ایک میری استانی نے جرمنی سے خط لکھا ہے اور اسے بھی جاوید کو دیکھنے کی خواہش کی ہے۔ اس نے بچوں کے متعلق پوچھ بھیجا تھا۔ منیرہ کو بہت بہت پیار کرنا امید ہے کہ میری واپسی تک وہ چلنا پھرنا سیکھ لے گی۔

چودھری محمد حسین صاحب کا صرف ایک ہی خط آج تک ملا ہے۔ ان سے کہہ دینا کہ مینارٹی کمیٹی کے تین اجلاس ہوئے اور تینوں دفعہ کمیٹی پرائیویٹ گفتگو کے لیے ملتوی ہوگئی۔ اس واسطے مجھے اپنے خیالات کے اظہار کا موقع نہیں ہوا۔ یہی بات بھائی صاحب کو سیالکوٹ بھی لکھ دینا۔ کیونکہ انھوں نے لکھا تھا کہ تمہاری تقریر کسی اخبار میں شائع نہیں ہوئی۔ ہندوؤں نے یہاں بھی میرے ایڈرس کے متعلق بعض انگریزوں سے پروپگنڈا کرایا میں نے اس کا دنداں شکن جواب اخبار ٹائمز میں شائع کرایا تھا۔ ۴ر نومبر کو انڈیا سوسائٹی میں میرا لکچر ہے جس کا مضمون فلسفہ اور شعر ہے۔ ۹ر نومبر کی بی سی ام کلب کی عورتوں نے دعوت دی ہے۔ وہاں میں ایک ظریفانہ تقریر کروں گا ۷ر نومبر کو یہاں کے مسلمان طلبا مجھے ایڈریس دینے والے ہیں۔ کانفرنس کا اجلاس شاید وسط نومبر میں ختم ہو جائے۔ ایسا ہوا تو میں پیرس، برلن، روم ہوتا پورٹ سعید پہنچوں گا وہاں سے ایک ہفتہ کے لیے مصر اور فلسطین جاؤں گا۔ غالباً وسط دسمبر تک لاہور پہنچ جاؤں گا۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے یہاں آکر میری صحت اچھی ہوگئی۔ البتہ

نوٹ ۲۹ر نومبر ۱۹۳۱ء کو اقبال غلام رسول مہر اور مولانا شفیع داؤدی وکٹوریہ نامی جہاز کے ذریعہ اسکندریہ (مصر) پہنچے۔ آرام کرنے کے بعد اقبال نے شہر کی سیر کی۔ شام کو قاہرہ پہنچے۔ ۶ر دسمبر ۱۹۳۱ء کو بیت المقدس پہنچے۔ ۷ر دسمبر سے ۱۴ر دسمبر ۱۹۳۱ء تک موتمر اسلامی کے اجلاسوں میں حصہ لیا۔ ۱۵ر دسمبر ۱۹۳۱ء کو بیت المقدس سے واپس روانہ ہوئے اور ۲۸ر دسمبر ۱۹۳۱ء کو بمبئی پہنچے۔ ۲۹ر دسمبر ۱۹۳۱ء کو دہلی اور ۳۰ر دسمبر ۱۹۳۱ء کو لاہور پہنچے۔

زندہ رود، جلد سوم ص ۔ ۷۱، ۷۲ ۔

گزشتہ رات سردی کی وجہ سے دانت کا درد ہوا مگر تکلیف جلد رفع ہوگئی باقی چودھری محمد حسین صاحب سے کہیے کہ کام خوب ہورہا ہے۔ افسوس کہ ہندو سبھا اور سکھ بہت روڑا اٹکاتے ہیں۔ برادر مکرم کا خط بھی تمہارے خط کے ساتھ ہی ملا تھا۔ ان کی طبیعت کی ناسازی کی خبر سن کر مجھے ایک گونہ فکر پیدا ہوا۔ یہ خط خود پڑھ کر اور سب کو سنا کر ان کو سیالکوٹ بھیج دینا چاہیے زندگی اور موت، رنج و راحت سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے اسی پہ بھروسہ کرنا چاہیے۔ انشاء اللہ ان سے ملاقات ہوگی اور میں ان کو تندرست پاؤں گا۔ طاہر دین نے بنکوں کے متعلق فکر کا اظہار کیا تھا اس سے کہہ دینا چاہیے کہ کوئی فکر کی بات نہیں۔ میرے تمام معاملات جان و مال اور روپیہ اللہ کے سپرد ہے جب سے میں نے ایسا کیا ہے مجھے کوئی تردّد نہیں ہوتا سب کچھ اسی کا ہے اس کی مرضی میری مرضی ہے۔

والسلام

محمد اقبال لنڈن

(مظلوم اقبال)

محمد عبداللہ چغتائی کے نام

۲ رنومبر ۳۱ء

۱۱۳۔ اے سینٹ جیمز کورٹ

لنڈن

ڈیر ماسٹر عبداللہ

السلام علیکم۔ آپ کا خط مل گیا ہے الحمد للہ کہ لاہور میں سب طرح خیریت ہے۔ آپ کا خط غلام رسول مہر صاحب کو دیدیا جائے گا یہ دن بہت مصروفیت کے گزرے میناریٹی کمیٹی کی میٹنگ تین دفعہ ہوئی اور تینوں دفعہ پرائیویٹ گفتگو نے مصالحت کے لیے ملتوی ہوگئی۔ پرائیویٹ گفتگوئیں بہت ہوئیں مگر اب تک کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ ہندو اور سکھ مسلمانوں کے مطالبات کی مخالفت پر اَڑے ہوئے ہیں۔ اب

مینارٹی کمیٹی کی میٹنگ جس کا میں ممبر ہوں شاید ۱۱ نومبر کو ہو۔ اس میں کل کچھ نہ ہو سکے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ مینارٹی کا کام محض مصالحت کی کوشش ہے۔ یہ کوشش کی گئی۔ جس کا نتیجہ اس وقت تک کچھ نہیں ہُوا۔

شاید ۲۰ نومبر تک ہم لوگ یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ روما جانے کا بھی قصد ہے۔ اس کے بعد وقت ہُوا تو مصر اور فلسطین بھی۔ والسلام

عبدالرحمٰن چغتائی صاحب اور تاثیر صاحب کو سلام کہیے۔ والسلام

محمد اقبال

(عکس) (اقبالنامہ)

سر آغا خاں کے نام

۔ سینٹ جیمز پیلیس

ایس، ڈبلیو، ا

۱۶ نومبر ۱۹۳۱ء

یور ہائی نس!

انتہائی دکھ کے ساتھ میں یہ خط آپ کو لکھ رہا ہوں ابتدا ہی سے مسلم وفد کی کارروائی کو بنظرِ غائر دیکھتا رہا ہوں۔ ان کی خفیہ رقابتوں اور بعض اراکین کی سازشوں، بلکہ بد دیانتی سے مجھے بے انتہا تکلیف پہنچی۔ اس طرزِ عمل سے بیزار ہو کر میں نہایت افسوس کے ساتھ آپ کو یہ اطلاع دے رہا ہوں کہ آج کی تاریخ سے مجھے اس سے جس کو مسلم وفد کی غلطی کا بینہ ۔۔۔۔۔۔ کہنا چاہیئے کوئی سروکار نہیں رہے گا۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے) (ماخذ اقبال کا سیاسی کارنامہ)

لیٹرز اینڈ رائٹنگس آف اقبال، مرتبہ بی، اے۔ ڈار، ناشر اقبال اکادمی کراچی مطبوعہ ۶۷ ۱۹ء ص ۹۹، ۹۸۔

ویگے ناسٹ کے نام

۱۱۳۔ اے، سینٹ جیمز کورٹ
بکنگھم گیٹ،
این ڈبلیو[1]

۱۹ نومبر ۱۹۳۱ء

مائی ڈیر مس ویگے ناسٹ

مجھے خط لکھ کر آپ نے بڑی کرم نوازی کی ہے۔ میں ہائیڈل برگ میں آپ سے ملنے کے لیے چشم براہ تھا لیکن نہایت افسوس سے بتانا چاہتا ہوں کہ میرے پروگرام میں اچانک ردو بدل کی مجبوری کے سبب اب میرے لیے جرمنی میں سے گزر کر جانا ممکن نہ ہو سکے گا[2] بلکہ سیدھا روم پہنچنا پڑے گا جہاں سائینور مارکونی نے مجھے مدعو کر رکھا ہے اور وہاں سے ۔ دسمبر کو بین الاقوامی مسلم کانفرنس میں شرکت کے لیے یروشلم جاؤں گا[3] مجھے زندگی میں آپ سے ایک بار پھر مل کر اور پرانی وابستگیوں کی یاد تازہ کر کے بے حد مسرت ہوتی۔ مگر بدقسمتی سے فی الحال ایسا ممکن

[1] ۔۔ یعنی شمال مغربی لندن۔ ۱، یہ سہو قلم ہے ۔ ہونا چاہیے تھا۔

[2] دوسری گول میز کانفرنس کے خاتمے سے چند روز پیشتر ہی علامہ ۲۱ نومبر ۱۹۳۱ء کو لندن سے ٹرین کے ذریعہ براہ راست روم روانہ ہو گئے جہاں وہ ایک ہفتہ ٹھہرے۔

[3]

[4] رستے میں علامہ قاہرہ میں رکتے ہوئے یروشلم پہنچے

(سید اختر درانی)

جبیں بہ حال امکان ہے کہ میں اگلے سال پھر یورپ آؤں۔ اگر ایسا ہو سکا تو میں
ہائیڈل برگ میں ضرور آپ سے ملنے کے لیے آؤں گا۔ ازراہ کرم میری دلی دعائیں
قبول کیجیے اور ان سہیلیوں کو بھی پہنچا دیجیے جنھیں آپ نے مجھ سے ہائیڈل برگ
کے قیام کے دوران متعارف کرایا تھا۔ مجھے کبھی کبھار لاہور کے پتے پہ خط لکھتی رہیے
کیونکہ فارسی محاورہ ہے "نامہ نصف ملاقات ہے"
امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گی۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال

(انگریزی سے)

ماخذ اقبال یورپ میں ۲۔ زندہ رود۔ جلد سوم ص ۵۴۔

مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی کے نام

میں آپ کے کلام کو ہمیشہ بنظر استفادہ دیکھتا ہوں۔

اپنے مرکز کی طرف مائل پرواز تھا حسن
بھولتا ہی نہیں عالم تری انگڑائی کا

سبحان اللہ! یہ بات ہر کسی کو نصیب نہیں۔ موجودہ ادبیات اردو کی نظرِ حقائق یہ ہے اور یہ مجموعۂ غزلیات اس نئی تحریک کا بہترین ثبوت ہے۔ میں نے اسے پنجاب یونیورسٹی کے امتحان آنرز کے نصاب میں داخل کرنے کی تجویز کی ہے۔ آپ کے کلام کی جدت حیرت انگیز

لہ محمد ہادی عزیز لکھنوی کا مجموعہ کلام "گلکدہ" پہلی بار ۱۹۱۸ء میں نولکشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوا تھا۔ دوسری بار ۱۹۳۱ء میں صدیق بک ڈپو لکھنؤ سے چھپا۔ دوسرے ایڈیشن کے مقدمے میں ان کے شاگرد جناب رحم علی الہاشمی (۱۸۹۰ ـ ۱۹۰ء) نے "اقتباس آراء" کے عنوان کے تحت متعدد اساتذہ کے علاوہ علامہ اقبال کی رائے کتاب کے صفحہ ۱۲ پر درج کی ہے۔ چونکہ اظہار رائے کا انداز بیان خط کا سا ہے اس لیے ہم نے اسے اس جلد میں شامل کیا ہے۔ اس سے قبل اسے محض تقریظ سمجھ کر اس کا حوالہ "کلیات مکاتیب اقبال" جلد دوم ص ۹۵۰-۹۵۱ پر دیا ہے۔

اغلب ہے کہ یہ خط ۱۹۳۱ء کے آخر میں یا ۱۹۳۲ء کے اوایل میں لکھا گیا ہوگا۔ (مولف)

ہے۔ کیوں نہ ہو، آخر خاکِ[1] پاک شیراز اور کشمیر سے آپ کی نسبت ہے۔

(اوراق گم گشتہ)

---

[1] مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی کے آبا و اجداد شیراز سے کشمیر اور پھر ہندوستان وارد ہوئے تھے۔ اس لیے ایک غزل کے مطلع میں اس کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں۔

قوتِ ابداع ہے ہر شعر میں میرے عزیز
فیض پہنچا ہے مجھے شیراز اور کشمیر سے

علامہ اقبال نے اپنی تحریر کے آخری جملہ میں اسی شعر کے پس منظر کو بیان کیا ہے
(رحیم بخش شاہین، اوراق گم گشتہ ص ۷۸ ۔ ۷۹)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور، ۷ر جنوری ۳۲ء

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا کارڈ ابھی ملا الحمدللہ کہ خیریت ہے۔

میں آج شام دہلی آ رہا ہوں۔ ۸ر جنوری کی صبح کو آٹھ بجے دہلی پہنچوں گا اور اسٹیشن پر ہی ٹھہروں گا۔ اسی شام یعنی ۸ر کی شام کو ہی واپس آنا ہوگا۔ آپ ۱۱ بجے دوپہر کے بعد یا اس خط کے ملنے کے بعد مجھ سے اسٹیشن پر ملیں۔ کتاب کے متعلق گفتگو ہو جائے گی۔ والسلام۔

محمد اقبال لاہور

(مکتوباتِ اقبال)

(عکس)

سیٹھ عبداللہ ہارون کے نام

لاہور

۱۶ر جنوری ۱۹۳۲ء

مائی ڈیر سیٹھ صاحب،

آپ کے خط کا شکریہ جو مجھے ابھی ملا ہے۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ انگلستان میں مسلمانوں کے مطالبات سے بے حد درجہ مایوس ہوا اور وہ کیفیت اب تک باقی ہے۔

تجربہ نے مجھے سکھایا ہے کہ بہت ہی کم لوگوں پر اعتبار کرنا چاہیے۔
جہاں تک آپ کے مجوزہ وفد کا تعلق ہے میں فی الحال اس کے بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے میں لاہور میں منعقد ہونے والی اگلی کانفرنس کی صدارت کروں گا۔ میرا خیال ہے کہ مجھے ابھی اپنے خیالات کو اس بارے میں محفوظ رکھنا چاہیے کہ مسلمانان ہند اب کیا راستہ اختیار کریں جب کہ انگلستان کے وزیراعظم نے عملی طور پر ان خیالات کو قطعاً لائق التفات نہیں سمجھا۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال
(لیٹرز آف اقبال)

(انگریزی سے)

نوٹ: اس خط کا پس منظر یہ ہے کہ ۳۱ رمئی ۱۹۳۱ء میں دوسری گول میز کانفرنس کے اختتام پر مسلمانوں کا مستقبل زیادہ امید افزا نہ تھا۔ سیٹھ عبداللہ ہارون مسلم کانفرنس کے سرگرم رکن تھے۔ انھوں نے سر آغا خاں سے مشورہ کے بعد اقبال کو خط لکھا کہ مسلمانوں کا ایک وفد وائسرائے سے ملے اور اس کے لیے مسلمانوں کے مطالبات پر ایک محضر نامہ تیار کیا جائے۔ علامہ کا مندرجہ بالا خط اس کے جواب میں لکھا گیا۔ وہ مسلم کانفرنس کے صدر تھے جو ۲۱ مارچ ۱۹۳۲ء کو لاہور میں منعقد ہونے والی تھی۔

(بشیر احمد ڈار)

خواجہ عبدالرحیم کے نام

لاہور، ۱ جنوری ۳۲ء

ڈیر مسٹر عبدالرحیم[1]

السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ ڈاک نکلنے کو کئی دن باقی ہیں مگر میں آپ کے خط کا آج ہی جواب لکھتا ہوں کہ آئندہ عدیم الفرصت ہو جانے کا احتمال ہے۔

بجواب آپ کے سوالات کے عرض ہے کہ آپ میرے SIX LECTURES غور سے پڑھیں۔ اس کتاب میں آپ کے تمام سوالوں کا جواب، سوائے مسئلہ سود، آجاتے ہیں اس سے آپ کو میرے خیالات کی جوان سوالات کے متعلق ہیں روشن معلوم ہو جائے گی۔ اس کے مطالعہ کے بعد آپ خود اجتہاد کر سکیں گے سود کے متعلق یہ عرض ہے کہ میرے خیال میں سود ہر صورت میں حرام ہے مگر یہ آئیڈیل صورت سوسائٹی کی ہے۔ شاہ عبدالعزیز کا فتویٰ ہے کہ بنک سے سود لے لینا جائز ہے۔ اسلام کے نزدیک زمین وغیرہ امانت ہے۔ ملکیت مطلقہ جس کو قدیم و جدید والوں دان تسلیم کرتے ہیں میری رائے ناقص میں اسلام میں نہیں ہے۔ فقہا میں بہت سا اختلاف ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ سود اور ملکیت کا مضمون بہت وسیع اور نازک ہے، میں انشاء اللہ کبھی نہ کبھی ان مباحث پر اپنے خیالات پیش کروں گا۔ زمین کے متعلق تھوڑی سی بحث اشارۃً جاوید نامہ میں بھی ہے جو زیر طبع ہے۔ سر محمد شفیع کی موت سے بڑا نقصان مسلمانوں کو ہوا، ہندوستان بھر میں ان کا ماتم کیا گیا۔ یہاں کے حالات تیزی سے بدل رہے ہیں۔ مسلمانوں کی اقتصادی کمزوری کی وجہ سے کوئی تحریک کامیاب نہیں ہوتی۔ خدا تعالیٰ فضل کرے۔ جس قسم کی قوت خدا تعالیٰ نے مجھے دی ہے میں اس

---

[1] خواجہ عبدالرحیم بار ایٹ لا اس وقت مجلس مرکزیہ اقبال لاہور کے روح رواں ہیں۔ (بشیر احمد ڈار)

قوت سے کام لے سکتا ہوں، لیکن تجربہ سے معلوم ہوا کہ اخلاص و دیانت کے لوگ بہت دشمن ہیں۔ ولایت کا تجربہ میرے لیے بڑا تلخ ثابت ہوا۔ زیادہ کیا عرض ہو سوائے اس کے کہ میری طرف سے خدمت میں کمی نہ ہوگی۔ والسلام

محمد اقبال

آپ کے والد مکرم سے ملاقات ہوئی تھی۔ کتاب جو آپ نے ارسال کی تھی مل گئی۔ بے حد شکریہ قبول ہو۔

(عکس) (انوار اقبال)

ویگے ناسٹ کے نام

ڈاکٹر سر محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لا[1]

لاہور[2]، ۱۷ جنوری ۱۹۳۲ء

عزیزہ مس فرائیلاین ویگے ناسٹ

مجھے آپ کا خط کل موصول ہوا، اور مجھے اس کو پڑھ کر بڑی مسرت ہوئی۔ مجھے بعد افسوس ہے کہ میں جرمنی نہ آسکا اور ان سہانے دنوں کی یادیں تازہ نہ کر سکا، جو میں نے آپ کی اور دیگر احباب کے ساتھ ہائیڈل برگ میں گزارے تھے۔ مجھے یہ کہنے کی شاید ضرورت نہیں ہے کہ ان تمام برسوں میں، میں نے آپ کو کبھی فراموش نہیں کیا، اور

---

[1] خط کی پیشانی پر علامہ کا نام اور پتہ تحریر ہے۔

[2] علامہ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۱ء کو بمبئی پہنچے تھے، جہاں بیگم عطیہ فیضی نے ان کے اعزاز میں اپنے یہاں ("ایوان رفعت" میں) ایک دعوت کا اہتمام کیا تھا۔ مختصر قیام کے بعد وہ اُسی شام ٹرین سے لاہور روانہ ہو گئے تھے، جہاں وہ ۳۰ دسمبر کی صبح کو پہنچے۔

(سعید اختر درانی)

میرے دل میں ہمیشہ یہ تمنا رہی کہ میں دوبارہ آپ سے ملوں، لیکن بختِ تیرہ کو جو منظور ہوا ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ ان دنوں کی یاد ہمیشہ ایک غم انگیز مسرت[1] کے ساتھ میرے دل میں آتی رہتی ہے، جب ہم گوئٹے کا "فاؤسٹ" ایک ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ آپ جانتی ہیں کہ میں آپ کو بتاؤں کہ ان تمام برسوں میں کیا کرتا اور سوچتا رہا ہوں، تو سنئے: میں نے بہت کچھ لکھا ہے اور اپنا تمام کلام اور فلسفیانہ نگارشات وہ سب میں نے شائع کر دیا ہے تاہم میں نے ہمیشہ ایک کمی سی محسوس کی ہے اور خود کو اپنے ہی ملک میں تنہا سا پایا ہے۔ جوں جوں میری عمر بڑھ رہی ہے، اس تنہائی کا احساس بھی بڑھتا جاتا ہے۔ لیکن سوائے تسلیم و رضا کے اور کوئی چارۂ کار نہیں، اور میں بھی پوری تسکین دل کے ساتھ اپنی قسمت پہ شاکر ہوں۔

افسوس کا مقام ہے کہ میں جرمن زبان کے ساتھ رابطہ قائم نہیں رکھ سکا۔ لیکن میں ہمیشہ آپ کے خطوط کو جرمن لغت کی مدد سے پڑھ لیتا ہوں اور سمجھ لیتا ہوں بجائے اس کے کہ کسی اور سے ان کا ترجمہ کراؤں۔ اپنے خطوط کسی اور کو دکھانا اچھا نہیں ہوتا۔ آپ کا خط ختم کرنے میں خواہ تین دن لگیں، پھر بھی میں خود انھیں لغت کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ کسی اور کو دکھاؤں۔ اور میں نے ہمیشہ یہی پیرایۂ عمل اختیار کیا ہے۔

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ آپ اپنی بہن کے ساتھ رہ رہی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ میں نے ایک مرتبہ اُن کی تصویر دیکھی تھی، جو آپ نے مجھے دکھائی تھی براہ کرم انھیں اور اپنے اُن دوسرے دوستوں کو میرا سلام کہیے، جن سے میں ضرور ملا ہوں گا۔ مجھے اُمید ہے کہ میں دوبارہ یورپ آؤں گا، اور اگر آیا تو بالالتزام آپ سے اور آپ کی بہن سے ہائیڈل برگ ملنے آؤں گا۔

جرمنی میرے لیے ایک طرح سے دوسرا روحانی وطن تھا۔ میں نے اس ملک

---

[1] PAINFUL HAPPINESS

میں بہت کچھ سیکھا، اور بہت کچھ سوچا تھا۔ گوئٹے کے وطن نے میری روح کے اندر گھر کر لیا ہے۔

امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گی۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال

(انگریزی سے)　　　　(اقبال یورپ میں)

غلام رسول مہر کے نام

۳۰ جنوری ۳۲ء

ڈیر مہر صاحب

السلام علیکم۔ میں تو دہلی کے لیے تیار تھا اور اب علی بخش بستر وغیرہ بھی باندھ چکا تھا۔ خیال تھا کہ گوٹ[1] کی تکلیف جو مجھے گزشتہ رات ہو گئی تھی آج شام تک رفع ہو جائے گی۔ میں نے اس کا علاج بھی کیا مگر اب گرگابی پہنی تو تکلیف بڑھ گئی۔ اس واسطے میں دہلی نہ جا سکوں گا۔ میری طرف سے ورکنگ کمیٹی کی خدمت میں اور نیز سیٹھ صاحب کی خدمت میں معذرت کہہ دیجیے[2]۔ والسلام

محمد اقبال

(عکس)

---

[1] Gout

[2] اس زمانے میں آل انڈیا مسلم کانفرنس اسلامی حقوق کے متعلق ضروری تحریکات کی سب سے بڑی کفیل تھی۔ اقبال پہلے اس کی مجلس عاملہ کے رکن تھے، پھر صدر بن گئے تھے۔ اس کے اجلاس میں شرکت کے لیے وقتاً فوقتاً دہلی جایا کرتے تھے۔ مہر صاحب بھی مجلس عاملہ کے رکن اور اقبال کے ہمراہ دہلی جانے والے تھے۔ سیٹھ صاحب سے مراد سیٹھ عبداللہ ہارون ہیں جنھوں نے اقبال کو اجلاس میں شریک ہونے کی تاکید کی تھی۔　　　　(بشیر احمد ڈار)

مولوی صالح محمد ادیب تونسوی کے نام

لاہور

۱۱ر فروری ۳۲ء

جناب مولوی صاحب! السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میرا یونیورسٹی سے اب تعلق نہیں ہے۔ تاہم آپ کا خط میں نے پروفیسر شفیع صاحب کو دے دیا ہے۔ اُمید ہے وہ آپ کی مدد کر سکیں گے۔ فی الحال آپ اپنے تعلیمی امتیازات (یعنی جو امتحان پاس کیے ہوں) اور موجودہ مشاغل وغیرہ مجھے لکھ بھیجیں۔ مدینۃ النبی کی زیارت کا قصد تھا مگر میرے دل میں یہ خیال جاگزیں ہو گیا کہ دُنیوی مقاصد کے لیے سفر کرنے کے ضمن میں حرمِ نبوی کی زیارت کی جراٗت کرنا سُوءِ ادب ہے۔ اس کے علاوہ بعض مقامی احباب سے وعدہ تھا کہ جب حرمِ نبوی کی زیارت کے لیے جاؤں گا تو وہ میرے ہم عناں ہوں گے ان دونوں خیالوں نے مجھے باز رکھا۔ ورنہ کچھ مشکل امر نہ تھا۔ یروشلم سے سفر کرنا آسان ہے۔ اس وقت ابن سعود کے بعض قبائل بعض دیگر قبائلِ عرب سے جو یروشلم اور مدینۃ النبی کے درمیان راہ میں ہیں، برسرِ پیکار تھے۔ مگر یہ کوئی مشکل نہ تھی جس کا تدارک نہ ہو سکے۔ 'جاوید نامہ' شائع ہو گیا ہے۔ میں نے اپنے کلارک سے کہہ دیا تھا کہ وہ خواجہ صاحب کی خدمت میں ایک کاپی ارسال کر دے۔ شاید وہ بھیج چکا ہے یا آج کل میں بھیج دے گا۔ میری طرف سے خواجہ صاحب کی خدمت میں سلام عرض کیجیے۔ والسّلام

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

مولوی صالح محمد ادیب تونسوی کے نام

لاہور

جناب مولوی صاحب!

میں نے پروفیسر شفیع صاحب سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ تمام یونیورسٹی کے امتحانوں کے ممتحن مقرر ہو چکے ہیں۔ ورنیکولر فائینل کا تعلق محکمۂ تعلیم سے ہے، یونیورسٹی سے نہیں ہے۔ بہرحال منسلکہ فارم پُر کرکے بھیج دیجئے۔ اگر کوئی اس اثنا میں ہوگی تو شاید آپ کو موقع مل جائے۔ والسلام

محمد اقبال

۱۲؍ فروری ۳۲ء

(اقبال نامہ)

سید مصطفےٰ احسن[1] کے نام

جناب من، تسلیم

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے جس کے لیے میں سراپا سپاس ہوں۔ افسوس کہ جگراؤں آنے کا مجھے کبھی اتفاق نہ ہوا، ورنہ آپ کے کتب خانے کے نوادر دیکھ کر مجھے دلی مسرت ہوتی۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

محمد اقبال

۱۷؍ فروری ۳۲ء

(انوارِ اقبال)

---

[1] سید مصطفےٰ احسن جو سید رحب علی میر منشی وائسرائے ہند دہلی کے نواسے ہیں۔
(بشیر احمد ڈار)

نظیر لدھیانوی کے نام

لاہور

۱۹ فروری ۱۹۳۲ء

جنابِ من۔ السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا۔ آپ کی علالت کا حال معلوم کر کے بہت افسوس ہوا۔ خدائے تعالیٰ اپنے حبیب پاکؐ کے صدقے میں آپ کو صحت عاجل فرمائے۔ آپ کے حسن ظن اور اپنی بے بضاعتی سے میرا دل بہت متاثر ہوا۔ میں کیا اور میری دعا کیا۔ تاہم آپ کے ارشاد کی تعمیل میں دریغ نہ ہوگا۔ والسلام

محمد اقبال

(غیر مدوّن[1])

غلام رسول مہر کے نام

ڈیر مہر صاحب

میں تو آج دہلی جانے کے لیے تیار ہو گیا تھا مگر جاوید کا بخار بدستور ہے۔ رات بھی اسے ایک سو پانچ ہو گیا تھا۔ آج ڈاکٹر صاحب نے دیکھا ہے۔ ان کو شبہ ہے کہ بخار میعادی ہے۔ پختہ پتہ کل صبح کے معائنے سے ہوگا۔ اس تشویش کی حالت میں میرے لیے سفر مشکل ہے ڈاکٹر صاحب نے بھی یہی مشورہ دیا ہے۔ آپ میری طرف سے ہز ہائی نس کی خدمت میں معذرت

مآخذ[1] (۱) یادوں کا دریا از "شام و سحر"۔ لاہور، ستمبر ۱۹۸۵ء

(۲) خالد کفایت اللہ کے اس قلمی مقالہ "غزلیات نظیر لدھیانوی کا تنقیدی جائزہ" (ص ۳۷)

(شکریہ پروفیسر ظہیر احمد صدیقی صاحب، شعبہ اردو، دلی یونیورسٹی۔ دہلی)

کریں کہ میں ان کے حکم کی تعمیل میں سفر کے لئے تیار تھا مگر مذکورہ بالا ناگہانی افتاد کی وجہ سے رک گیا۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ بہت مشوش ہوں[1] والسلام

محمد اقبال

۱۹ فروری ۳۲ء

(عکس) (انوار اقبال-)[2]

ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ حیدر آبادی کے نام

لاہور

۲۴ فروری ۱۹۳۲ء

مائی ڈیر ڈاکٹر عباس علی خاں

میں نہایت ممنون ہوں کہ آپ وقتاً فوقتاً اپنی نظمیں بھیجتے رہتے ہیں اگر میں آپ کی اس توجہ کا ہمیشہ بروقت شکریہ ادا کرنے سے قاصر رہوں تو اسے میری بے رُخی پر محمول نہ فرمائیے اور یہ نہ سمجھئے کہ میں اس جذبہ کی جس کے تحت ہیں آپ مجھے یہ تحفہ بھیجتے ہیں پُوری پُوری قدر کرنے میں کوتاہی کا مرتکب ہوں۔ کیونکہ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ کس حد تک اپنی نظموں کو آپ معنویت یا روحانیت کا حامل بنا سکے ہیں۔ آپ میں ایک معنوی میلان پایا جاتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کا برمحل استعمال کریں۔ میرے خیال میں اردو کو اپنے جذبات کے اظہار کا ذریعہ اختیار کرنے

---

[1] نواب بھوپال نے حضرت علامہ اور مہر صاحب کو دہلی بلوایا تھا۔ اقبال نے اپنی روانگی ملتوی ہونے پر مہر صاحب کو یہ مکتوب لکھا تھا۔ (بشیر احمد ڈار)

[2] انوار اقبال (مرتبہ بشیر احمد ڈار) میں اس خط کی تاریخ ۲۹ فروری ۱۹۳۲ء درج کی گئی ہے۔ عکس میں ۱۹ فروری ۱۹۳۲ء واضح طور پر نظر آتا ہے۔ اشاریہ مکاتب اقبال میں بھی اس خط کو صابر کلوروی نے ۱۹ فروری ۳۲ء کے ذیل میں درج کیا ہے۔ (مؤلف)

میں آپ نے بڑی دانائی سے کام لیا ہے۔ اپنی زبان غیر زبان سے بہرحالت میں بہتر ہوتی ہے امید ہے آپ کی صحت اب اچھی ہوگی۔ کیا آپ کو ہر وقت ایک گرتا دل؟ شعروسخن میں کم وقت صرف کیجئے تو آپ کی صحت کو فائدہ پہنچے گا۔

مخلص محمد اقبال

آپ کے امریکن دوست ڈاکٹر کلیفورڈ منیشر رڈٹ کی کتاب "عالمگیر انسانی برادری" میں نے نہایت شوق سے پڑھی ہے ایسے خیالات کا مطالعہ ہر شخص کے لیے سودمند ہوتا ہے۔

(اقبال نامہ)

(انگریزی سے)

چودھری محمد احسن کے نام

لاہور

۲۰ اپریل ۲۲ء

جناب من! السلام علیکم

میں آپ کے بھائی صاحب سے بخوبی واقف ہوں۔ وہ نہایت نیک نفس آدمی ہیں۔

ل اس کا تذکرہ لمعہ حیدر آبادی کے نام گزشتہ مکتوب محررہ ۷ ستمبر ۱۹۲۱ء میں بھی ہے (مولف)

ل مکتوب الیہ کے بڑے بھائی حافظ محمد حسن صاحب کا تعلق جماعت احمدیہ لاہور سے ہے۔ انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی کو بھی اس جماعت میں شمولیت کی دعوت دی اور سلسلہ کا تبلیغی لٹریچر بہم پہنچایا۔ جس کے مطالعہ کے بعد مکتوب الیہ نے ڈاکٹر اقبال مرحوم سے بعض مسائل دینی کا حل چاہا اور اس جماعت سے متعلق علامہ کی رائے دریافت فرمائی۔

(عطاء اللہ)

ہاں یہ ٹھیک ہے کہ آپ کو کسی عالم سے یہ سوالات کرنے چاہئیں جو آپ نے مجھ سے کیے ہیں۔ میں زیادہ سے زیادہ آپ کو صرف اپنا عقیدہ بتا سکتا ہوں اور بس۔ میرے نزدیک مہدی، مسیحیت اور مجددیت کے متعلق جو احادیث ہیں وہ ایرانی اور عجمی تخیلات کا نتیجہ ہیں۔ عربی تخیلات اور قرآن کی صحیح سپرٹ سے ان کو کوئی سروکار نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مسلمانوں نے بعض علماء یا دیگر قائدینِ امت کو مجدد یا مہدی کے الفاظ سے یاد کیا ہے مثلاً محمد ثانی فاتح قسطنطنیہ کو مورخین نے مہدی لکھا ہے۔ بعض علماء امت کو امام اور مجدد کے الفاظ سے یاد کیا ہے اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ زمانۂ حال میں میرے نزدیک اگر کوئی شخص مجدد کہلانے کا مستحق ہے تو وہ صرف جمال الدین افغانی رح ہے۔ مصر و ایران و ترکی و ہند کے مسلمانوں کی تاریخ جب کوئی لکھے گا تو اُسے سب سے پہلے عبدالوہاب نجدی اور بعد میں جمال الدین افغانی کا ذکر کرنا ہوگا۔ موخر الذکر ہی اصل میں موسس ہے۔ زمانہ حال کے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا۔ اگر قوم نے اُن کو عام طور پر مجدد نہیں کہا یا انھوں نے خود اس کا دعویٰ نہیں کیا تو اس سے ان کے کام کی اہمیت میں کوئی فرق اہلِ بصیرت کے نزدیک نہیں آتا۔

باقی رہی تحریکِ احمدیت۔ سو میرے نزدیک لاہور کی جماعت میں بہت سے ایسے افراد ہیں جن کو میں غیرت مند مسلمان جانتا ہوں اور ان کی اشاعت اسلام کی مساعی میں ان کا ہمدرد ہوں۔ کسی جماعت میں شریک ہونا یا نہ ہونا انسان کی ذاتی افتادِ طبیعت پر بہت کچھ انحصار رکھتا ہے۔ تحریک میں شامل ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ آپ کو خود کرنا چاہیئے۔

اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کے کئی طریق ہیں۔ جن طریقوں پر اس وقت تک عمل ہوا اُن کے علاوہ اور طریق بھی ہو سکتے ہیں۔ میرے عقیدۂ ناقص میں جو طریق مرزا صاحب نے اختیار کیا ہے وہ زمانۂ حال کی طبائع کے لیے موزوں نہیں ہے۔ ہاں اشاعتِ اسلام کا جوش جوان کی جماعت

کے اکثر افراد میں پایا جاتا ہے قابلِ قدر ہے والسلام
محمد اقبال
(اقبال نامہ)

پنڈت شیو نرائن شمیم کے نام

لاہور ۱۸ را پریل ۳۲ء

مخدومی جناب پنڈت صاحب

حجرِ اسود کے متعلق مجھے کوئی خاص حالات معلوم نہیں کتابوں میں سوائے روایات قدیم کے یا ان روایات کے جو اسلام سے پہلے کے عربوں میں یا یہودیوں میں مروّج تھیں اور کچھ نہیں۔ میرے پاس تو کوئی ایسی کتاب نہیں البتہ مولوی محمد علی امیر جماعت احمدیہ کے پاس ممکن ہے کوئی ایسی کتاب ہو جس میں یہ روایات قدیمہ ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی مغربی مستشرق نے اس پتھر کے متعلق کوئی خاص ریسرچ کی ہو اس کا پتہ آپ کو پروفیسر محمد شفیع اوری انٹل کالج لاہور سے مل سکے گا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے جہلائے عرب اس پتھر کو بت نہ سمجھتے تھے ہاں ابراہیمی یادگار سمجھ کر اس کا احترام ضرور کرتے تھے۔ حجرِ اسود کعبہ کے اندر نہ تھا بلکہ باہر تھا اور اب تک باہر ہے۔ ممکن ہے کہ قدیم عرب طواف وعمرہ کے وقت پھیروں کی تعداد اسی سے شمار کرتے ہوں۔ طواف وعمرہ کی رسم غالباً قدیم ہے اسلام کی ایجاد نہیں۔ اسلام نے ان رسوم کو بدلا ہے اور بس۔ طواف کے پھیروں کی تعداد

اس خط کا عکس ڈاکٹر وحید احمد ڈائرکٹر ایم اے جناح اکیڈمی کراچی کے توسط سے دستیاب ہوا۔ یہ خط جواہر لال نہرو میوزیم نئی دہلی میں محفوظ ہے۔

(مؤلف)

کا شمار اب بھی مسلمان اسی پتھر سے کرتے ہیں بعض اسے بوسہ دیتے ہیں بعض ہاتھ سے چھوتے ہیں بعض چھڑی سے چھوتے ہیں۔

مخلص محمد اقبال

(عکس)
(غیر مدون)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور ۶ مئی ۳۲ء

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم۔

اگر آپ کی ملازمت کا سلسلہ ہو جائے تو بہت بہتر ہے۔ بیمہ کے متعلق محمد عبدہ (مصر) کا فتویٰ موجود ہے کہ جائز ہے۔ شعیب تو اس وقت شاید بمبئی میں ہیں "ایڈیشن" کی دو دو کاپیاں ارسال کرنے کو علی بخش سے کہہ دیا ہے میں آج کل یونیورسٹی کے امتحانوں کے کاغذات دیکھنے میں مصروف ہوں۔ آپ کی تقریظ میں نے نہیں دیکھی نکلسن اور سر ڈینی سن داس نے بہت اچھے خطوط جاوید نامہ کے متعلق لکھے ہیں۔ پروفیسر ہیل اس کا جرمنی ترجمہ کریں گے۔ والسلام۔

محمد اقبال

(عکس) (مکتوبات اقبال)

ڈاکٹر ناموس شجاع منعمی کے نام

لاہور

۸ مئی ۱۹۳۲ء

جناب منعمی صاحب

السلام علیکم۔ اچار کے لیے بہت بہت شکریہ۔ واقعی مجھے اچار شلغم سے بہت

محبت ہے۔ خورشُبہ سے خود بھی ایک دفعہ منگوایا تھا مگر وہ کچھ ایسا اچھا نہ تھا جیسا سُنا تھا اس سے کم پایا۔ آپ کے خط میں میں نے خورجہ کو خواجہ پڑھا اور اس سے یہ سمجھا کہ "ساخت خواجہ" کا مطلب یہ ہے کہ یہ اچار آپ نے خود بنایا ہے۔ بہر حال شکریہ قبول کیجئے۔ والسلام

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

سید نصیر الدین ہاشمی کے نام

۶۲۲

لاہور ۹ رمئی

مخدوم من "یورپ میں دکنی مخطوطات" کا نسخہ جو آپ نے باکمال عنایت مجھے مرحمت فرمایا ہے اس کے لیے نہایت شکر گزار ہوں یہ کتاب اردو زبان اور لٹریچر کی تاریخ میں نہایت مفید ثابت ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ایسی مفید تالیفات کا سلسلہ جاری رکھ سکتے ہیں کامیاب ہوں گے ابھی بہت سے مواد کا جمع ہونا اور بہت سی کتب کے صحیح ایڈیشنوں کا چھپنا باقی ہے تاکہ اردو کے ارتقا کی ایک صحیح تاریخ مدوّن ہو سکے۔ آپ کا یہ کارنامہ قابلِ قدر ہے اور میں آپ کو اس کتاب کی اشاعت پر مبارک باد دیتا ہوں۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

(نقوش مکاتیب نمبر)

(عکس)

سلہ ضلع بلند شہر (قدیم نام برن) (اتر پردیش۔ ہند) کا ایک قصبہ (مولّف)

عبدالقوی فانی کے نام

لاہور ۲۱ مئی ۱۹۳۲ء

ڈیر سر!

چند روز پہلے آپ کے قصائد کا نسخہ موصول ہوا تھا۔ اس کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ اگرچہ مجھے اعتراف کرنا چاہیے کہ میں اس نوع کی شاعری کا اچھا پارکھ نہیں ہوں۔ تاہم ایک نظر دیکھنے کے بعد میں نے محسوس کیا ہے کہ آپ کے قصائد بہت شاندار ہیں۔ ایک ایسے زمانے میں، جب ہندوستان میں فارسی ادب کا مطالعہ انتہائی محدود ہو کر رہ گیا ہے، آپ کے قصیدے آپ کا بہت بڑا امتیاز ہیں۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے) (خطوطِ اقبال)

لہ محمد عبدالقوی فانی چشتی صابری لکھنؤ یونیورسٹی کے موریس کالج، ناگپور میں استاد تھے۔ انھوں نے اپنا مجموعہ قصائد "گلزارِ عثمانی" حضرت علامہ کی خدمت میں روانہ کیا جواباً انھیں یہ انگریزی خط روانہ کیا گیا۔ یہ خط مکتوب الیہ کی مثنوی "عدلِ جہانگیری" میں شائع ہوا۔ مجھے اس کا متن قاضی افضل حق قریشی نے مہیا کیا تھا۔

(رفیع الدین ہاشمی)

ا۔ مندرجہ بالا نوٹ ذرا گنجلک ہے چونکہ لکھنؤ یونیورسٹی کے تحت کوئی موریس کالج ناگپور نہیں ہے۔ البتہ یہ کالج ناگپور میں ہے۔ بشیر احمد ڈار نے واضح کیا ہے کہ یہ لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبہ فارسی میں پروفیسر تھے جب کہ محمد عبداللہ قریشی نے "روحِ مکاتیبِ اقبال" ص۔۴۴۲ لکھا ہے کہ یہ موریس کالج ناگپور میں پروفیسر تھے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

مس فارک ہرسن کے نام

۲۲ مئی ۱۹۳۲ء

مائی ڈیر مس فارک ہرسن

آپ کے عنایت نامے کے لیے بہت ممنون ہوں۔ فوری طور پر اس کا جواب دے رہا ہوں کیوں کہ آئندہ ہفتے کے دوران میں مصروفیت اتنی بڑھ جائے گی کہ شاید خط و کتابت کے لیے وقت نہ مل سکے۔ گزشتہ نومبر لندن ہی میں ہم میں سے بعض کو

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا)

۲۔ بشیر احمد ڈار (ص ۱۵) کے مطابق انھوں نے نظام حیدر آباد کی شان میں فارسی قصائد لکھے تھے۔ اس پر مشاہیر ملک کی رائیں ایک علیحدہ رسالے میں شائع کی گئیں تھیں۔ اس رسالے میں اقبال کا مندرجہ بالا خط درج ہے۔

۳ بشیر احمد ڈار نے یہ واضح نہیں کیا ہے کہ یہ خط انگریزی میں لکھا گیا تھا جیسا کہ رفیع الدین ہاشمی کے نوٹ سے ظاہر ہے۔

(۴) غالباً انگریزی سے ترجمہ کرنے میں بشیر احمد ڈار کے پیش کردہ متن میں اختلاف پایا جاتا ہے جو درج ذیل ہے۔

جناب والا۔ مجھے آپ کے کلام کے مجموعے کی ایک کاپی مل گئی جس کے لیے میں آپ کا بے حد ممنون ہوں۔ میں نے اس کا سرسری مطالعہ کیا ہے اور میں نے قصیدوں کو بے حد پسند کیا ہے حالانکہ مجھے اعتراف ہے کہ مجھے اس قسم کی شاعری پر پورا عبور حاصل نہیں ہے۔ ان دنوں میں جبکہ ہندوستان میں فارسی ادب پر زیادہ توجہ نہیں دی جاتی آپ کے قصیدے ایک زبردست کارنامہ اور قابل قدر کوشش ہے۔

آپ کا

محمد اقبال

شبہ تھا کہ کابینہ کے اندر اختلافات موجود ہیں ۔ تاہم ہمیں انتظار کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے[1] ۔ ذاتی طور پر میں ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں خاصا مایوس ہوں۔ بمبئی کے فسادات[2] ابھی جاری ہیں۔ اس صورت حال نے مجھے خاصا پریشان کیا ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ ہندوستان میں جمہوریت کا نتیجہ خونریزی کے علاوہ کچھ نہ ہوگا اور اس سے ایک طرح کی نئی بے اطمینانی کے لیے میدان ہموار ہوگا مگر کوئی شخص بھی نہیں چاہے گا کہ ملک کے اندر ایسی بے اطمینانی بڑھتی رہے ۔ کچھ لوگوں نے تو اب اس انداز میں سوچنا شروع کر دیا ہے کہ ہندوستان کو بھی سوویت طرز کی خونریزی سے گزرنا چاہیے[3] ۔ میرا یہ اعتقاد ہے کہ برطانیہ کا سب سے زیادہ باخبر شخص بھی قطعاً یہ اندازہ نہیں لگا سکتا کہ واقعات کی ظاہری سطح کے نیچے کیا کچھ ہو رہا ہے ۔ اعلیٰ عہدوں پر ترقی پانے والے ہندوستانی ، برطانوی پالیسی سے قریبی رابطہ رکھتے ہیں۔ ان میں سے اکثر تو محض روزگار کے متلاشی تھے۔ بعض اوقات ایسے لوگ ہوشیار بھی ہوتے ہیں مگر سیاسی دوراندیشی سے محروم ہوتے ہیں ۔

---

[1] دوسری گول میز کانفرنس کی طرف اشارہ ہے ۔ بعد میں جب ۱۹ اگست ۱۹۳۲ء کو کمونل ایوارڈ کا اعلان ہوا تو علامہ کے خدشات غلط ثابت ہوئے ۔

[2] بمبئی کے ہندوؤں کو شبہ تھا کہ مسلمان پٹھان ، ہندو بچوں کا اغوا کر کے لے جاتے ہیں ۔ انھوں نے پٹھانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے ہولناک فسادات کرائے ۔ اقبال نے ۸ رجون کو مولانا عرفان کے نام ایک خط میں بھی ان فسادات پر اظہار تاسف کیا : " افسوس ہے کہ بمبئی کے فسادات ختم ہونے میں نہیں آتے "
(انوار اقبال ص ۲۰۹)

[3] سوویت روس میں اکتوبر ۱۹۱۷ء کے انقلاب میں بڑے پیمانے پر قتل و خونریزی ہوئی ۔

بہرحال جہاں تک فلسطین[1] کا تعلق ہے، میں ایک اپیل شائع کرنے پر بخوشی آمادہ ہوں میں نے پہلے بھی آپ کو لکھا تھا کہ ہز ہائینس آغا خاں کی اعانت حاصل کریں۔ ایسی اپیل میں اُن کی شمولیت نہایت مؤثر ثابت ہوگی۔ کیا ہز ہائینس آغا خاں نجی طور پر اعلیٰ حضرت نظام کو نہیں لکھ سکتے؟ اپیل پر اُن کے دستخط لازمی ہیں اور اپیل مصر فلسطین

---

[1] (الف) پہلی بار اس خط کا اردو ترجمہ "اقبال نامہ؛ حصہ دوم (ص ۲۸۴-۲۸۵) میں شائع ہوا۔ اس میں دو نقائص ہیں۔ ایک تو ترجمے میں متعدد غلطیاں ہیں۔ دوسرے اس میں مسئلہ فلسطین سے متعلق ایک ایسے پیراگراف (جہاں تک فلسطین کا تعلق ہے ۔۔۔۔ ارسالِ خدمت کر چکا ہوں) کا اضافہ کیا گیا ہے جو انگریزی متن میں موجود نہیں۔ مزید برآں خط کے آخر میں "تحریر مابعد" کے تحت جو اردو عبارت ملتی ہے اس کا انگریزی متن بھی موجود نہیں۔

(ب) انگریزی متن "سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور کے شمارہ ۲۱ اپریل ۱۹۵۱ء (ص ۳) میں شائع ہوا مگر بشیر احمد ڈار کے الفاظ میں یہ متن مکمل نہ تھا۔

(ج) شیخ عطاء اللہ مرحوم نے خط کا - - ۷ - ۸ - چھپا کیا جس کی بنیاد پر بشیر احمد ڈار نے انگریزی متن "اقبال ریویو" اکتوبر ۱۹۶۹ء (ص ۸۷-۸۸) میں شائع کیا۔
"اقبال ریویو" میں مطبوعہ اسی متن کا اردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

(رفیع الدین ہاشمی)

(ح) رفیع الدین ہاشمی صاحب کا درج بالا نوٹ اس حد تک درست نہیں ہے کہ اصل خط میں مسئلہ فلسطین سے متعلق ایک پیراگراف اور تحریر مابعد موجود نہیں ہے جو عکس میں ہے۔

(خ) رفیع الدین ہاشمی صاحب اور اقبال نامہ کے ترجمہ سے اور عکس سے مقابلہ کرکے خط کا پورا متن پیش کیا جا رہا ہے۔ دونوں ترجموں میں ضروری ترمیمیں کی ہیں۔ مزید برآں ہمیں یہ عکس جناب ڈاکٹر وحید عشرت، معاون ناظم (ادبیات) اقبال اکادمی پاکستان لاہور کی کرم فرمائی سے حاصل ہوا ہے۔ (مؤلف)

کے زعمائے فکر و عمل کے مشورے سے مرتب ہونی چاہیئے۔ میں نے ایک مقامی اخبار کے ایڈیٹر سے اس تحریک کی تائید میں پراپیگنڈا شروع کرنے کو کہا ہے۔ امید ہے، اس کے اخبار کے چند پرچے آپ کی خدمت میں پہنچ چکے ہوں گے۔ میرے خطبہ کے نسخے آئندہ ڈاک سے مرسل خدمت ہوں گے۔ اور امید ہے اس خط کے ساتھ ہی مل جائیں گے مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک نسخہ پہلے بھی ارسال خدمت کر چکا ہوں۔

بوڑھے شوکت علی نے ایک انگریز لڑکی سے شادی کر لی ہے۔ اب وہ امریکہ جا رہے ہیں۔ یہ شادی ہندو پریس میں بڑے بحث و مباحثے کا موضوع بنی رہی ہے۔

اُمید ہے آپ بخیریت ہوں گی۔ مسلمانوں کے لیے آپ کی عملہ کوششوں پر سراپا سپاس گذار ہوں۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

تحریر مابعد:

میں نے آج ہوائی ڈاک سے برطانوی "فیلسوف میکٹیگرٹ" پر ایک مقالہ بھیجا ہے۔ وہ کیمبرج میں میرے ماسٹر تھے اور قریباً دو سال ہوئے رحلت کر گئے۔ ان سے متعلق یہ مقالہ میں نے سر فرانسس ینگ ہسبنڈ کی فرمائش پر لکھا ہے اور انڈین سوسائٹی جرنل میں شائع ہو گا۔ ممکن ہے شاید یہ آپ کی دلچسپی کا موجب ہو۔

محمد اقبال

(انگریزی سے)

(عکس)

ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ حیدر آبادی کے نام

لاہور

۱۳ر جون ۳۲ء

مکرم بندہ السلام علیکم

قرآن شریف کا تحفہ جو آپ نے بہ کمال عنایت ارسال فرمایا ہے ابھی موصول ہوا۔ اس مقدس تحفے کے لیے میں آپ کا نہایت شکر گزار ہوں۔ انشاء اللہ یہی نسخہ استعمال کیا کروں گا۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

محمد اقبال

(عکس) (اقبال نامہ)

محمد عرفان خاں کے نام[1]

۵ر جولائی ۳۲ء[2]

بصیغہ راز

جناب مولانا۔ السلام علیکم

---

[1] یہ خط مولانا محمد عرفان خاں کے نام ہے جو ایک مخلص اور بے لوث انسان تھے۔ مولانا نے ہندوستان کے مسلمانوں کی بہبودی کی خاطر ہر طرح کی تکالیف بڑے صبر و تحمل سے برداشت کیں۔ وہ تحریک خلافت اور خلافت ہاؤس سے وابستہ تھے ۱۹۳۹ء میں فوت ہوئے (بشیر احمد ڈار)

[2] عکس دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس خط کی تاریخ ۵ر جولائی ۱۹۳۲ء ہے "نقوش" "مکاتیب نمبر" میں یہی تاریخ درج ہے۔ اس خط کا اصل اقبال اکادمی پاکستان لاہور میں محفوظ ہے۔ (مولف)

DR. SIR MUHAMMAD IQBAL LAHORE

193

۱۳ جولائی ۳۴ء

مکرم بندہ السلام علیکم

قرآن شریف کا نسخہ جو آپ نے ملک صاحب ارسال فرمایا ہے
ابھی موصول ہوا۔ اس نفیس تحفے کے لیے میں آپ کا
بہت شکر گزار ہوں۔ انشاء اللہ یہی نسخہ تلاوت کے لیے رکھوں گا
امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

محمد اقبال

مولانا شوکت علی تو اس وقت مقدمہ کی تیاری میں مصروف ہوں گے۔[۱] آپ ان سے دریافت حالات کر کے اس خط کا جواب دیں۔ کچھ روز ہوئے میں نے ان کی خدمت میں لکھا تھا کہ ایک ہندو بزرگ مسٹر للت[۲] کا خط میرے پاس آیا تھا۔ اس کا مضمون

۱؎ یہ مقدمہ مولانا شوکت علی صاحب نے فرن پریس جرنل کے مالک اور اڈیٹر سدانند کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کے سلسلے میں دائر کیا تھا۔ سدانند نے الزام لگایا تھا کہ رضا کاران خلافت کی لاری سے خون آلود خنجر ے دستیاب ہوئے جن سے ہندوؤں کو قتل کیا گیا۔ اس مقدمے میں سدانند کو جرمانے کی سزا ہوئی تھی۔

۲؎ (الف) مسٹر للت کوئی وکیل تھے اور مولانا شوکت علی سے ملے تھے۔ اس ملاقات کے بعد مولانا نے روزنامہ "خلافت" میں اس تجویز کی حمایت میں اپنے خیالات ظاہر کیے تھے۔

(ب) درج بالا خط میں علامہ اقبال نے ہندو مہاسبھائی لیڈروں ڈاکٹر مونجے اور پنڈت مدن موہن مالویہ کے نمائندہ ایس۔ وی للت کے جس خط کا ذکر کیا ہے وہ قارئین کے ملاحظہ کے لیے ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

"میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے ہندوستان کے شمال مغربی بارڈر پر چار مسلم صوبوں کے ادغام کے متعلق آپ کے اسکیم کی حمایت کرنے کی اجازت ڈاکٹر مونجے سے انتہائی پرائیویٹ طور پر حاصل کر لی ہے۔ ہم آپ کی اصطلاح "مسلم سٹیٹ" سے اتفاق نہیں کرتے لیکن انہی معانی کا اظہار "مسلم پروانس" کے عنوان سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ . . .
مہربانی کر کے یہ نوٹ کر لیجیے کہ فی الحال ڈاکٹر مونجے اعلانیہ طور پر آپ کی تجویز کی حمایت نہیں کریں گے۔ یہ مرحلہ بعد میں آئے گا۔ فی الحال انھوں نے مجھے نجی طور پر آپ سے خفیہ بات چیت کرنے کا اختیار دیا ہے۔ اسی اختیار کے تحت میں چند اہم ہندو اور مسلم سیاسی جماعتوں کے قائدین کے آرا بھی معلوم کر کے انھیں اپنی کوششوں کی تفصیل پیش کروں گا اور اس کے بعد وہ کوئی مناسب قدم اٹھائیں گے۔ میں یہاں آپ کو اس

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

یہ تھا کہ مونجے تمہاری اسکیم کو جو تم نے لیگ کے صدارتی ایڈریس میں پیش کی تھی تسلیم کرتے ہیں۔ پنڈت مالوی سے بھی مشورہ کرنے کے لیے جا رہا ہوں۔ وہ بھی ہندو مسلمانوں کی صلح کے خاطر اس کو تسلیم کر لیں گے گو اس وقت علانیہ طور پر اس اسکیم کو تسلیم کرنا مصلحت نہیں ہے۔

یہ خط بصیغہ راز تھا اور اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ مولانا شوکت علی صاحب سے بھی گفتگو کی ہے وہ بھی صلح پر آمادہ ہیں۔ اسکیم جس کی طرف میں نے اشارا کیا ہے آپ سمجھ گئے ہوں گے یعنی شمالی ہندوستان کے مسلمان صوبوں کا ایک ہو جانا۔

اس خط کے موصول ہونے پر میں نے مولانا شوکت علی کو لکھا اور انھوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ مسٹر پنڈت للت ان سے ملے تھے میں نے مسٹر موصوف کو دو خط اس کے جواب میں لکھے تھے مگر یہ خط قریبًا ایک ماہ کے بعد ڈیڈ لیٹر آفس کے ذریعہ سے میرے پاس واپس آ گئے ہیں۔ پہلے مجھ کو شبہ تھا کہ اس میں کوئی چال اور عیاری

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا)

حقیقت سے آگاہ کر دوں کہ مولانا شوکت علی نے میری مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ آپ کا جواب آنے پر کہ موجودہ حالات میں آپ ایسے سمجھوتہ کو کیا اہمیت دیتے ہیں میں بھائی پرمانند ڈاکٹر جیت رام اور دیگر اکابرین سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کروں گا۔ کیونکہ ڈاکٹر مونجے کو کوئی مناسب قدم اٹھانے کے لیے کہنے سے پیشتر ان اصحاب کی اجازت لینا اشد ضروری ہے۔ ان باتوں کی رپورٹ مسٹر این۔ سی۔ کلکار کو فراہم کر دی گئی ہے لیکن ابھی تک پنڈت مالویہ کو نہیں۔ مگر آپ اطمینان رکھیے پنڈت جی ہر قیمت پر مفاہمت کرنا چاہتے ہیں"

(ڈاکٹر جاوید اقبال۔ زندہ رود (جلد سوم۔ ص-۴۱۸-)

لہ ڈاکٹر مونجے کا موقف یہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمان یا ہندو بن کر رہیں یا عرب چلے جائیں۔ (بشیر احمد ڈار)

نہ ہو مگر اب خطوں کے واپس آ جانے سے یہ شبہ رفع ہوا۔ مسٹر للت اب معلوم نہیں کہاں ہیں اور مذکورہ بالا خط کے لکھنے سے ان کا کیا مقصد تھا ممکن ہے مولانا شوکت علی اس پر کچھ روشنی ڈال سکیں۔ بعض لوگ مشورہ دے رہے ہیں کہ میرے خطوط کے واپس آ جانے کے بعد مسٹر للت کے خط کو شائع کرنا چاہیے اگر ممکن ہو تو حالات دریافت کرنے کے بعد مجھ کو مطلع فرمائیں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص محمد اقبال

افسوس ہے کہ بمبئی کے فسادات ختم ہونے میں نہیں آتے[1]

(انوار اقبال)

(عکس)

غلام رسول مہر کے نام

۱۷ اگست ۱۹۳۲ء

ڈیر مہر صاحب

السلام علیکم گزشتہ رات پنڈت موتی لال نہرو کا ایک تار میرے نام آیا تھا جس کا مقصود یہ تھا کہ میں اس بیان پر دستخط کروں جو دہلی سے شائع ہوا ہے اور جو آج کے انقلاب میں بھی شائع ہوا ہے اس کے جواب میں مندرجہ ذیل تار دیا گیا ہے[2]

محمد اقبال

(انوار اقبال)

---

[1] یہ بڑا ہولناک فساد تھا جو بمبئی کے پٹھانوں کے خلاف ہوا تھا۔ ہندوؤں کو شبہ ہو گیا تھا کہ پٹھان ہندو بچوں کو اغوا کر کے لے جاتے ہیں۔ اس خوں ریزی میں پٹھانوں کو نیست و نابود کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ (بشیر احمد ڈار)

(۲ حاشیہ اگلے صفحے پر)

ڈاکٹر ناموس شجاع منعمی کے نام

لاہور
۲۱ اگست ۱۹۳۲ء

ڈیر منعمی صاحب۔ السلام علیکم

میں آج صبح دہلی سے واپس آیا تو آپ کا خط ملا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ہندوستان سے باہر ہیں۔ بہرحال جس طرح آپ نے ایران میں رہ کر فارسی سیکھی اسی طرح اب عربی سیکھنے کا موقع ہے خوب سیکھئے۔ مگر مجھے اندیشہ ہے کہ عربی دانی سے آپ کی دل چسپی جو آپ کو فارسی لٹریچر سے ہے کم ہو جائے گی۔ کوئی

(حاشیہ پچھلے صفحہ کا)

لے ۱۶ اگست ۱۹۳۲ء کو حکومت برطانیہ نے فرقہ وارانہ فیصلہ کا اعلان کیا جو ہندوؤں کے لیے ناقابل قبول تھا چنانچہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو متحد کرنے کی کوششیں پھر سے شروع ہوئیں لیکن یہ کوششیں مسلمانوں کے متحدہ محاذ کو ختم کرنے میں کامیاب نہ ہوئیں۔ (بشیر احمد ڈار)

نوٹ: خط محررہ ۱۷ اگست ۱۹۳۲ء کا آخری پیراگراف مرتب نے صحیح طور پر نقل نہیں کیا۔ اصل انگریزی عبارت یوں تھی۔

مزید برآں عکس ہی میں اس خط کا سنہ تحریر خط کے نیچے نہیں بلکہ اوپر درج ہے۔

(صابر کلوروی۔ مکاتیب اقبال کے مآخذ۔ چند مزید حقائق)

صابر کلوروی صاحب کی تحقیق کی بنا پر صحیح متن پیش کیا جا رہا ہے (مؤلف)

" SIGN ANOTHER STATEMENT
ANOTHER UNITY CONFERENCE
ESSENTIAL "

آدمی عربی زبان کے "چٹارم" کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ میں نے طالب علمی کے زمانے میں عربی خاصی سیکھ لی تھی۔ مگر بعد میں اور مشاغل کی وجہ سے اس کا مطالعہ چھوٹ گیا۔ تاہم مجھے اس زبان کی عظمت کا صحیح اندازہ ہے آپ کے خط کے ساتھ ہی انگلستان کی [1] کا دعوت نامہ پہنچا کہ انگلستان آکر اس سوسائٹی کے سامنے لکچر دوں۔ ابھی جواب نہیں لکھ سکا۔ اگر عراق کی طرف سے بھی دعوت آگئی تو کیا عجب مزید کشش کا باعث ہو جائے اور میں ایک دفعہ پھر گھر سے باہر نکل سکوں۔ اگر اب کے نکلا تو سپین کی سیر کا بھی قصد ہے۔ انشاء اللہ عربوں کے قدیم شہر بھی دیکھوں گا اور اُن پر لکھوں گا بھی امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

(عکس) (اقبالنامہ)

سید نفیسی [2] کے نام

۲۹ اگست ۱۹۳۲ء

مخدوم دانش مند

آپ کا خط جو آپ نے پروفیسر اقبال صاحب کی وساطت سے بھیجا تھا موصول ہوگیا۔

---

[1] (مولف)

[2] ۱۹۳۲ء میں ایک شخص نے "زبور عجم" کا نسخہ جناب سعید نفیسی مرحوم کو ایران میں دیا۔ اس کو پڑھ کر پروفیسر نفیسی بہت متاثر ہوئے چنانچہ انھوں نے اقبال کو ایک خط لکھا جس کے جواب میں اقبال نے "پیام مشرق" کا ایک نسخہ انھیں بھیجا۔ اقبال کے دو خطوط پروفیسر نفیسی کے تعارف کے ساتھ مجلہ "دانش" طہران میں بطور ضمیمہ شائع ہوئے اور بعد میں ضمیمہ ایک رسالہ کی شکل میں "اقبال نامہ" کے عنوان سے مرداد ماہ ۱۳۲۳ میں شائع ہوا اصل خط

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

کئی سال سے ایران جانے کی تمنا اور آرزو دل میں ہے۔ اس کمترین وجود کا ماحصل اس فارسی کلام کو سمجھتا ہوں۔ میرے لیے یہ باعث فخر ہے کہ میرا فارسی کلام آپ جیسے فاضل دانشمند کی نگاہ میں قابل قبول ٹھہرا ہے جب کہ آپ ایرانی ادب کا صحیح ذوق رکھتے ہیں اور اس کی خوبیوں کے جانچنے کے اہل ہیں۔ مجھے خیال ہوا کہ شاید "زبور عجم" کے علاوہ آپ نے میری کوئی اور کتاب نہیں دیکھی چنانچہ اس ہفتہ میں "پیام مشرق" بھیج رہا ہوں۔ والسلام مع الف احترام۔

نیاز کیش

محمد اقبال

(فارسی سے) (انوار اقبال)

(بقیہ حاشیہ)

متن بزبان فارسی درج ذیل ہے

(بشیر احمد ڈار)

۲۶ اگست ۱۹۳۲ء

مخدوم دانشمند

خط دست آقائی بوسیلہ سرکار پروفیسر محمد اقبال صاحب راہی کردہ نوید حاصل شدہ سال ہائے دراز است کہ میل و آرزوی ایران شمار اور صمیم می پروردم و یگانہ محصول ذرہ سائی وجود را سخن پارسی می دانم۔ اینکہ سخن پارسیم مطلوب و مقبول ہم چوں آقائی دانش مدنلے کہ میزان ذوق ادب ایرانست باشد مایۂ فخر و دلداری ایں نیازمند است۔ گمان دارم کہ جز از "زبور عجم" مرا بخدمت شما ارا نبودہ است و "پیام مشرق" را ہمیں ہفتہ بخدمت فرستادہ میکنم۔ والسلام مع الف احترام

نیاز کیش

محمد اقبال

ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے نام

۲۲ ستمبر ۳۲ء

جناب من! السلام علیکم

مجھے معلوم ہے اس قسم کے دستاویز آپ کے پاس ہیں لیکن اگر وہ پوشیدہ رہیں تو ان کا کیا فائدہ ہے؟ مجھے آپ اُن کے اصل بھجوا دیجئے تو میں اُن سے فائدہ اٹھانے کی کوئی صورت نکالوں۔ بعد تصفیہ بعض امور کے جن کی تشریح اس خط میں ضروری نہیں، میں وہ تمام کاغذات[1] آپ کو واپس دے دوں گا۔

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور ۲۹ ستمبر ۳۲ء[2]

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم

میرے یورپ جانے کا ابھی تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہُوا۔ اگر گیا تو اسی اکتوبر میں ہی جاؤں گا۔ اور انشاء اللہ آیندہ سال۔

ڈاکٹر جرمانوس کا خط مجھے بھی آیا تھا۔ اگر میں یورپ گیا تو ان سے بھی ضرور ملوں گا۔

---

[1] یہ کاغذات قضیۂ کشمیر سے متعلق تھے۔ (عطاء اللہ)

[2] اقبال نامہ (دوم)، میں اس خط (نمبر ۲۳ ص ۳۰۸) کی تاریخ ۲۹ مئی ۱۹۳۲ء درج ہے حالانکہ یہ خط ۲۹ ستمبر ۱۹۳۲ء کو لکھا گیا تھا۔ ملاحظہ ہو عکس اور مکتوبات اقبال بنام نیازی۔

(مؤلف)

DR. SIR MUHAMMAD IQBAL — BARRISTER-AT-LAW

LAHORE

113

مجھے یہ سن کر افسوس ہوا کہ آپ کی صحت اچھی نہیں۔ آج کل کشمیر کا موسم بہت عمدہ ہے اور غالباً وسط نومبر تک اچھا رہے گا۔ بعد میں زیادہ سردی ہو جائے گی۔ لندن کی ... نے مجھ سے کسی فلسفیانہ مضمون پر لکچر دینے کی درخواست کی تھی جو آج ختم کیا ہے۔ اس کا عنوان ہے
اگر خود گیا تو یہ لکچر زبانی دیا جائے گا۔ ورنہ ڈاک میں بھیج دیا جائے گا۔ لکچر لکھنے میں قریباً ایک ماہ صرف ہوا ... لندن کی ایک مشہور اور پرانی سوسائٹی ہے اور بہت سے مغربی حکما کی آنکھیں دیکھ چکی ہے۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے خدا تعالیٰ آپ کو صحت دے۔ یورپ کے متعلق جب کوئی قطعی فیصلہ ہو گیا تو آپ کو مطلع کر دوں گا۔ والسلام

محمد اقبال

(عکس) (مکتوبات اقبال)

راغب احسن کے نام

لاہور ۱۴ اکتوبر ۳۲ء

ڈیر راغب احسن السلام علیکم

آپ کا خط مجھے ابھی ملا ہے۔ میں آج رات انور وفد کے سلسلہ میں شملہ جا رہا ہوں۔ داؤدی صاحب سے وہیں ملاقات ہو گی۔ آپ کا خط بھی ساتھ لے جاتا ہوں۔ غالباً ۔ کی صبح لاہور واپس آجاؤں گا۔ آپ کا اور عثمان صاحب کا معاملہ روح نبویؐ کے تصرف کا نتیجہ ہے۔ یہ تصرف ابھی اور عام ہو گا انشاء اللہ۔

دلوں میں کچھ حرارت سی مجھے معلوم ہوتی ہے
کوئی پھر نے کے شاید وعدۂ دیدار عام آیا

مجھے یقین ہے کہ آئندہ نسل بہت جلد اپنے فرائض کو سمجھ جائے گی۔ اگرچہ ہم لوگوں نے اس نئی پود کو اپنے فرائض سمجھنے کے لیے تیار نہیں کیا۔

جو مقالہ میں نے لکھا ہے وہ سوسائٹی کی روئداد کی کتاب میں شائع ہو گا میں ان سے کہوں گا کہ اس کے چند آف پرنٹ (OFF PRINTS) مہیا کریں۔ یوسف علی صاحب کے مقالے کا مجھے علم نہیں میں اس یقین میں آپ کا ہم نوا ہوں کہ اس وقت بنی نوع انسان کی سب سے بڑی خدمت ہی احیائے اسلام ہے اس لیے کہ اسلام کی نعمت سے خود مسلمان محروم ہے۔ جمہوریت اور سوشلزم کا کوئی نہ کوئی شکل اختیار کرنا ہندوازم کے لیے موت ہے۔ اسلام کے لیے یہی چیز اس کی حیات تانیہ کا سامان ہے۔ جدید دنیا کے حالات اور مقتضیات خود بخود اسلام کی حقیقی اساس کو نمایاں کرتے جائیں گے۔ اسلام کی خدمت خود فطرت کا کارنامہ ہو گی نہ مسلمانوں کا۔

سیاسیات سے علیحدگی تیسری گول میز کانفرنس کے بعد ہی ہو گی اس سے پہلے نہیں۔ اگر اس دفعہ گیا تو شاید بعض ممالک اسلامیہ کو بھی دیکھوں۔ یہ بات بعض حالات پر منحصر ہے۔ خدمت اسلام کی ایک تجویز اس وقت ذہن میں ہے۔ اس میں اور بھی دو چار حضرات شریک ہیں۔ اگر کچھ صورت اس کی نکل آئی تو آپ کو لکھوں گا۔ سب سے بڑی دقت فنڈ کی ہے۔ اگر یہ مرحلہ طے ہو گیا تو امید کامل ہے کہ کوئی اچھی صورت نکل سکے۔ حضرت زین العابدین فرماتے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کسی قوم سے ناراض ہوتا ہے تو اس قوم کا مال بخیلوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ عثمان صاحب سے سلام کہہ دیجیے۔

محمد اقبال

(اقبال: جہانِ دیگر)

ڈائریکٹر "ہمدم" لکھنؤ کے نام

ہمدم، نے مسلمانوں کو ہمیشہ بے لاگ مشورہ دیا ہے جس کے لیے تمام ملک آپ کا شکر گزار ہے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں مفاہمت کرانے کے لیے دوبارہ کوشش کرنے کی تجویز آپ ہی کی تھی، میں نے آپ کی خدمت میں

عرض بھی کیا تھا کہ شاید ایسی مفاہمت (کا)[1] موقع پونا کے سمجھوتے کے بعد آ جائے[2]۔ میرے ذہن میں اس وقت یہ بات تھی کہ شاید اکثریت کوئی تجاویز مسلمانوں کے سامنے پیش کرے۔ مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوا۔ پنڈت مدن موہن مالوی صاحب نے بھی وہی طریق اختیار کیا جو دہلی میں اس سے پہلے مہاتما گاندھی نے اختیار کیا تھا۔ بہر حال آپ نے مسٹر محمد علی جناح کا تار پڑھ لیا ہو گا۔ وہ بھی اس بات سے متفق ہیں کہ مفاہمت کی تجاویز ہندوؤں کی طرف سے پیش ہونی چاہئیں خواہ ان کا[3] اساس مخلوط انتخاب کا اصول ہی کیوں نہ ہو۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ لکھنؤ کانفرنس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اپنے

نوٹ: ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں بمبئی میں بعض ہندو اور مسلم رہنماؤں کے درمیان ہندو مسلم مفاہمت کے مسئلے پر گفتگو ہوئی۔ اسی اثنا میں مولانا شوکت علی اور شیخ عبدالمجید سندھی نے ۱۵ اکتوبر کو لکھنؤ میں ایک کانفرنس بلائی اور علامہ اقبال کو بھی اس میں شرکت کی دعوت دی۔ علامہ موصوف کانفرنس کو بے معنی سمجھتے تھے کیونکہ ان کے بقول ہندوؤں کی طرف سے قطعی تجاویز پیش ہوئے بغیر مسلمان رہنماؤں کی کانفرنس منعقد کرنا نقصان رساں ہے۔ متعدد رہنماؤں نے آپ کو کانفرنس میں شرکت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی مگر آپ اس وقت تک کانفرنس کے انعقاد ہی کے خلاف تھے جب تک کہ ہندو اکثریت کی طرف سے معقول اور واضح تجاویز نہ پیش کی جائیں۔

اسی اثنا میں تیسری گول میز کانفرنس کے لیے روانگی کا وقت آ پہنچا۔ لکھنؤ کے پرچے "ہمدم" نے ہندو مسلم مفاہمت کے مسئلے پر ایک نوٹ لکھا جس پر علامہ نے یورپ روانگی سے پہلے مندرجہ بالا مکتوب "ہمدم" کے نام روانہ کیا اور اس میں قدرے تفصیل کے ساتھ اپنے موقف کی وضاحت کی مکتوب بلا کسی القاب کے شروع ہوتا ہے۔

[1] اصل متن میں حرف "کا" موجود نہیں ہے۔

[2] کمیونل ایوارڈ کے ذریعے اچھوتوں کو جداگانہ انتخاب کا حق ملا تو گاندھی جی نے اس کے خلاف جیل میں مرن برت رکھ لیا۔ ہندوؤں نے ملا جلا کر اچھوت لیڈر ڈاکٹر امبیڈکر کو مخلوط انتخاب پر رضامند کر لیا۔ اسی رضامندی نے "پونا پیکٹ" کی شکل اختیار کی۔ علامہ اقبال اس کے بارے میں کچھ زیادہ پُر امید نہ تھے۔

[3] "کی" ہونا چاہیے تھا۔ (رفیع الدین ہاشمی)

مطالبات میں جن کا وہ اعادہ کئی بار کر چکے ہیں از خود ترمیم کر دیں اور بالخصوص اصول انتخاب میں موجودہ حالات میں ایسا کرنا انتہا درجے کی سیاسی کمزوری کی دلیل ہے۔ اس کے علاوہ ایسا کرنے سے مسلمانوں میں انتشار اور افتراق کا دروازہ کھل جائے گا۔ اور جو اتحادِ خیال انھوں نے بڑی مشکل سے حاصل کیا ہے ضائع ہو جائے گا۔

اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ حکومت کے تصفیے میں اور کچھ ہو نہ ہو پنجاب کے اندر مسلمانوں کی اکثریت پانچ یا سات کی زیادتی کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ صوبہ سرحد کو آئندہ نظام میں مساوات کا درجہ ملتا ہے۔ سندھ کی علیحدگی کے امکانات بھی قریب تر آگئے ہیں اور ساتھ ہی[1] اس کے جداگانہ انتخاب بھی قائم رہا ہے۔ جو میری رائے ناقص میں مسلمانوں کے تمام مطالبات کی اساس ہے[2]۔ جداگانہ انتخابات کو غیر مشروط طور پر قائم[3] رکھ کر حکومت نے مسلمانوں کو موقع دیا ہے کہ وہ اپنا مستقبل آپ منتقل کرلیں۔ چاہیں تو اکثریت میں جذب ہو جائیں اور چاہیں تو کم از کم بعض حصص ملک میں اپنی جداگانہ ملی ہستی[4] کو برقرار رکھ کر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں۔ اگر آج مسلمانوں نے قبل از وقت جداگانہ انتخاب سے دست برداری کرلی تو آئندہ مؤرخ ان کے ہندوستان میں سیاسی اعتبار سے مٹ جانے کے لیے حکومتِ برطانیہ کو ہرگز مطعون نہ کرے گا، بلکہ خود مسلمانوں کو اس بات کا مجرم قرار دے گا کہ جمہوری نظام میں بحیثیت اقلیت انھوں نے اپنی بربادی اپنے ہاتھوں مول لی۔

---

[1] "گفتارِ اقبال" کے متن میں "اس کے ساتھ ہی" درست نہیں ہے۔

[2] علامہ اقبال ہمیشہ سے جداگانہ انتخاب کے حامی تھے۔ ۱۹۲۷ء میں جب طریقِ انتخاب کے مسئلے پر مسلم لیگ میں اختلاف پیدا ہوا تو اقبال نے شفیع لیگ کا ساتھ دیا کیوں کہ وہ جداگانہ انتخاب کی حامی تھی۔ اس مسئلے پر انھوں نے مختلف مواقع پر بیانات وغیرہ کی صورت میں اپنے موقف کا اعادہ کیا۔ مثلاً ملاحظہ ہو: ۶ اکتوبر ۱۹۳۲ء کا مشترکہ بیان: مشمولہ "گفتارِ اقبال" ص ۱۵۸، ۱۵۹۔

[3] "گفتارِ اقبال" کے متن میں لفظ "قائم" موجود نہیں ہے۔

[4] "گفتارِ اقبال: جداگانہ ہستی۔

تاسف کا مقام ہے کہ ہمارے بعض لیڈر جن میں بعض علمائے دین بھی شامل ہیں مسئلہ انتخاب کو محض نمایندگی کا طریقہ کار تصور کرتے ہیں اور بس جہاں تک میں نے مسلمانانِ ہند کی گزشتہ تاریخ اور ایشیائی اقوام کے موجودہ امیال و عواطف اور مغربی اقوام کی ریشہ دوانیوں پر غور کیا ہے، جن کا اثر اس وقت مشرقی اقوام کے سیاسیات پر ہو رہا ہے[1] مجھے اس بات کا کامل یقین ہے کہ ابھی ایک عرصہ تک مسلمانانِ ہند کا مستقبل جداگانہ انتخاب سے وابستہ ہے۔ میرے نزدیک جداگانہ انتخاب قومیت کے مغربی تصور سے بھی (قومیت کا مغربی تخیل ایک روحانی بیماری ہے) متناقض نہیں اور اس کے باوجود ہندی اقوام میں اتحاد و یکجہتی پیدا ہو سکتی ہے خود یورپ میں بھی اس مقصد کا اب خاتمہ سمجھنا چاہیئے۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ مشرقی اقوام یورپ کا اترا ہوا لباس پہن لیں اور انھیں مصائب سے دوچار ہوں جس سے یورپ دوچار ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے۔ خاص اس امر کے متعلق میں اپنے خیالات کا اظہار ذرا تفصیل کے ساتھ عرض کرتا مگر کل شام یورپ جا رہا ہوں اور جانے سے پہلے ابھی بہت سے کام باقی ہیں۔ اس واسطے ان چند سطور پر کفایت کرتا ہوں۔ مختصراً یہ کہ مفاہمت کی تجاویز کا مسلمانوں کی طرف سے پیش کرانا خصوصاً جب کہ مسلمانوں کے مطالبات ایک مدت سے سب کو معلوم ہیں۔ خلوص اور حب الوطنی کے نیک جذبات کا ثبوت نہیں بلکہ ایک سیاسی حیلہ ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ مسلمان کسی طرح اپنی مستقل ملی ہستی سے دست بردار ہو جائیں۔ ہندی اقوام کی مفاہمت کا وقت آئے گا اور ضرور آئے گا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے[2] کہ اکثریت، جس کا

---

[1] "گفتارِ اقبال" کے متن میں یہ جملہ "جن کا اثر اس وقت ... پر ہو رہا ہے" غائب ہے۔

[2] "گفتارِ اقبال" کے متن میں عبارت "کہ مسلمان کسی طرح اپنی ... معلوم ہوتا ہے" موجود نہیں ہے۔

(الف) پہلی بار روزنامہ "انقلاب" ۲۹ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا

ممکن ہے اس سے پہلے یہ خط "ہمدم" میں بھی چھپا ہو اور "انقلاب" نے وہاں سے نقل کیا ہو مگر "انقلاب" نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

(بقیہ اگلے صفحے پر)

فرض ہے کہ اقلیتوں کا اعتماد حاصل کرے، بھی اس کے لیے تیار نہیں۔ موجودہ حالات میں فرقہ وار مسائل کی بحث کو از سر نو چھیڑنا نہ مسلمانوں کی خدمت ہے نہ ملک کی۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

مخلص

محمد اقبال

(خطوط اقبال)

سعید نفیسیؒ کے نام

۴ نومبر ۱۹۳۲ء

مخدوم و مکرم دانشمند

آپ کا دوسرا خط جو آپ نے اس نیاز مند کے نام لکھا تھا سات آٹھ روز ہوئے مل گیا۔ یہ پڑھ کر کہ "پیام مشرق" اور "زبور عجم" آپ کو پسند آئی ہیں اور ان کی فارسی

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا)

۱۔ دوسری بار "گفتار اقبال" میں نقل کیا گیا اس میں بھی متعدد غلطیاں ہیں میں نے بعض نمایاں غلطیوں کی نشان دہی کر دی ہے۔

میں نے یہ خط روزنامہ "انقلاب" سے لیا ہے۔

لہ نوٹ: اصل فارسی متن حسب ذیل ہے

۴ نومبر ۱۹۳۲ء

مخدوم و مکرم دانشمند

خط دست دیگر کہ بعز و شرف این نیاز مند رقم زدہ شدہ بود بہمین ہفت ہشت روز شرف وصول داد۔ از اینکہ "پیام مشرق" ہم چناں "زبور عجم" پسندیدہ خدمت مخدوم دانشوری آقائی بودہ است و سخن فارسی آنرا ہم پسندداشتہ (بقیہ اگلے صفحے پر)

بھی معیاری ہے مجھے فخر محسوس ہوا ہے جس طرح ایران کے دانشور نیاز مند کے دیدار کے خواہش مند ہیں اسی طرح مجھے بھی ان سے ملنے اور ایران پہنچنے کی آرزو ہے لیکن کمزوری اور پریشانی سدِّ راہ ہیں۔ تھوڑے عرصہ کے بعد افغانستان کا سفر درپیش ہے آرزو ہے کہ ایران کو بھی دیکھوں دوسری آرزو خدا سے یہ ہے کہ آپ کا دیدار بھی میسّر ہو۔ والسلام مع الاحترام۔

نیاز کیش

محمد اقبال

(فارسی سے)

ویگے ناسٹ کے نام ۔

۱۲ ر دسمبر ۳۲ ۱۹ ء

کوینز اینز مینشنز ۱

لندن، ایس ڈبلیو ۱

عزیزۂ من فرائیلائین ویگے ناسٹ

(بقیہ پچھلے صفحے کا)

ایدایں نیازمند اسر ملند میگر دانده دیم چنداں کہ دانشورانِ ایران میل وہوس دیدار ایں نیازمند دارند ایں نیازمند آرزوی ایشان دخاک ایران می کشد۔ ناتوانی وفسردگی خاطر نہ تواند کہ خار راہ گردد حیدی دیگری لیس سفری با فغانستان درپیش است و آرزوی آں دارد کہ ایران نیز بچشم ببینم۔ آرزوی دیگر دیدار آن مشفق مخدوم است کہ از اللہ سبحانہ وتعالیٰ خواہد والسلام مع الاحترام۔

نیاز کیش

محمد اقبال

میں ایک مختصر عرصے کے لیے دوبارہ انگلستان میں ہوں اور یہ خط یہ دریافت کرنے کے لیے لکھ رہا ہوں کہ کیا آپ تاحال بادن بادن سٹرنگ شاوبن سٹراسے نمبر ۱۳ ہی میں مقیم ہیں؟ اُمید ہے آپ بخیریت ہوں گی۔ از راہِ کرم جلد خط کا جواب دیجیے گا

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے)　　　　(اقبال یورپ میں)

مختار احمد[۲] کے نام

[۳]

۲۹ دسمبر ۳۲ء

برخوردار مختار و جاوید کو بعد دعا کے واضح ہو کہ اس سے پہلے میں نے جو خطوط

[۱] ۔

[۱] علامہ اقبال تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے آئے تھے وہ بمبئی سے جہاز پر وینس تک سفر کرنے کے بعد وینس سے ٹرین کے ذریعے پیرس روانہ ہوئے اور پھر وہاں رکنے کے بعد گاڑی سے اوائل نومبر ۱۹۳۲ء میں لندن پہنچے۔ یہ کانفرنس ۱۷ نومبر کو شروع ہوئی تھی (سعد اختر درانی)

[۲]

[۳] انوارِ اقبال میں یہ خط بنام غلام رسول مہر شائع ہوا ہے ص ( ) لیکن صابر کلوروی صاحب کے مطابق (مکاتیب اقبال کے مآخذ۔ چند مزید حقائق) یہ خط غلام رسول مہر کے نام نہیں علامہ کے برادر زادہ مختار احمد کے نام ہے

[۴] رفیع الدین ہاشمی نے (تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ ص ۲۴۳) لکھا ہے کہ اصل خط اقبال میوزیم لاہور میں محفوظ ہے۔ اس کی پیشانی پر لندن کی رہائش گاہ کا پتہ بھی تحریر ہے۔　　(مؤلف)

اپنے بمبئی پہنچنے کی تاریخ کے متعلق چودھری صاحب یا منشی طاہر دین یا کسی اور کو لکھے ہیں ان سب کو منسوخ تصور کیجیے۔ پہلے ارادہ یہی تھا مگر بعد میں دیکھا تو جہازوں کی روانگی کی موزوں تاریخیں نہ ملیں۔ اس واسطے اب میں ہسپانیہ، جرمنی اور آسٹریا ہوتا ہوا ۱۰ر فروری ۲۳ء کو وینس سے بمبئی کے لیے جہاز لوں گا۔ اس جہاز کا نام کانٹے وردی[1] ہے اور یہ بمبئی ۲۲ر فروری کو صبح کو پہنچے گا۔ باقی خطوط کے متعلق اور علی بخش کے متعلق چودھری صاحب کے خط میں ہدایات لکھ چکا ہوں۔ علی بخش[2] ایک آدھ روز پہلے بمبئی پہنچ جائے اور میرا بستر ہمراہ لائے۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے جاوید اور منیرہ کو دعا۔ سب کو سلام۔

والسلام۔

محمد اقبال

اس خط کے مضمون سے چودھری[3] صاحب اور منشی طاہر دین کو مطلع کر دینا

(انوار اقبال)

ویگے ناسٹ کے نام

۲۹ر دسمبر ۱۹۲۲ء
کوئین اینز مینشنز
سینٹ جیمز پارک
لندن ایس ڈبلیو ا

عزیزہ من فرائیلائین ویگے ناسٹ

---

[1] [illegible]

[2] علی بخش اقبال کا پرانا وفادار ملازم تھا

[3] چودھری صاحب سے مراد چودھری محمد حسین ہیں (نثیر احمد ڈار کے نوٹ ترمیم کے ساتھ)

آپ کے خط کے لیے شکریہ ۔ میں لندن سے ۲۰ دسمبر کو روانہ ہوں گا۔ میرے موجودہ پروگرام کے مطابق میں ہائیڈل برگ ۱۸ جنوری ۱۹۳۲ء کو رات کے دس بج کر تیس منٹ پر (۲۳۔۱۰ شب) پہنچوں گا[1]، اور بائرشر ہوف ہوٹل میں ٹھہروں گا۔

ہائیڈل برگ میں میرے قیام کا واحد مقصد آپ سے اتنے سال گزرنے کے بعد دوبارہ ملنا ہے۔

میں آپ سے ملاقات کا بڑے اشتیاق کے ساتھ منتظر ہوں۔

آپ کا مخلص

محمد[2] اقبال

(انگریزی سے) (اقبال یورپ میں)

---

[1] یعنی انگریزی کے مطابق BAVARIA JRT H A RITCHIE F IF

[2] لیکن اگلا خط (محررہ ۲۱ جنوری ۱۹۳۲ء) بھی دیکھیے

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

(سعید اختر درانی)

محمد عثمان کے نام

کئی سال قبل اسپنسر کا اردو ترجمہ ہوا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ لوگوں نے اس کتاب کو پڑھا یا اس سے استفادہ کیا۔ لیکن مجھے کوئی شبہ نہیں کہ آپ کی نصیات تعلیم ان حضرات کے تخیل کے لیے تازہ غذا بہم پہنچا سکے گی جنھیں تعلیم سے دلچسپی ہے۔

(غیر مدون) (اورنٹیل کالج میگزین لاہور اقبال نمبر ۱۹۹۹ء)

۱۔ کتاب "نصیات تعلیم" پر سن اشاعت موجود نہیں لیکن خیال ہے کہ مصنف کی انگلستان سے ۱۹۳۲ء میں واپسی کے بعد لکھی گئی ہوگی اس لحاظ سے اقبال سے مصنف کے نام یہ خط ۱۹۳۲ء کے بعد لکھا ہوگا

۲۔ معروف مفکر ہربرٹ اسپنسر (HERBERT SPENCER) اور تعلیم کے تعلق سے اس کی تصنیف EDUCATION INTELLECTUAL PHYSICAL AND MORAL ہے جس کا اردو ترجمہ شائع ہوا ہے۔ یہ ترجمہ خواجہ غلام الحسنین نے انجمن ترقی اردو کے لیے کیا تھا اور پہلی مرتبہ مطبع مفید عام آگرہ سے ۱۹۰۶ء میں شائع ہوا تھا۔ انجمن کی اولین مطبوعہ تصنیف تھی۔ اس کا تیسرا ایڈیشن اورنگ آباد سے ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا

(ڈاکٹر معین الدین عقیل، "دو نوادرات" مطبوعہ اورنٹیل کالج میگزین لاہور اقبال نمبر ۱۹۸۸ء ص ۱۸)

۳۔ اس سلسلہ میں اقبال کا خط بنام خواجہ غلام الحسنین۔ کلیات مکاتیب اقبال" جلد اول ۱۹۹۱ء ص۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲، شائع ہوچکا ہے خواجہ صاحب کی کتاب کا نام "فلسفۂ تعلیم" تھا۔ اور یہ رفاہ عام سٹیم پریس لاہور سے ۱۹۰۴ء میں شائع ہوئی تھی اور اس کے ناشر کا نام مولوی ممتاز علی تھا۔ خواجہ صاحب پر نوٹ مذکورہ جلد کے ص ۱۱۵ پر ملاحظہ ہو۔

(مؤلف)

سر ولیم روتھین اسٹائن کے نام

قرطبہ (اسپین)
۲۰ جنوری ۳۳ء

ڈیر سر ولیم!

میں ان دنوں جنوبی اسپین میں سیاحت کر رہا ہوں۔ یہاں عربوں کے بنائے ہوئے محل اور مسجدیں فن تعمیر کا نادر اور تمام و کمال نمونہ ہیں۔ امید ہے کہ چند ہی دنوں میں وینس (CCI TE VERDL) پہنچ جاؤں گا تاکہ ۱ فروری کو جہاز میں ہندوستان کے لیے روانہ ہو سکوں۔

لیڈی روتھین اسٹائن کی خدمت میں آداب و تسلیمات۔

مخلص
محمد اقبال

(انگریزی سے)
(عکس)

نوٹ مندرجہ بالا خط میں اور خطوط کے ساتھ (اسی مکتوب الیہ کے نام) ماہنامہ قومی زبان،، کراچی کے شمارہ نمبر ا جنوری ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا ہے۔ یہ شمارہ برادرم جمیل الدین عالی صاحب نے مجھے از راہ کرم ارسال فرمایا۔ ان کے دلی شکریہ کے ساتھ یہ مکاتیب شامل کلیات کیے جا رہے ہیں

(مؤلف)

ویگے ناسٹ کے نام

میڈرڈ

۳۱ جنوری ۱۹۳۳ء

میں جنوبی ہسپانیہ کے سفر کے بعد آج میڈرڈ واپس پہنچا ہوں۔ افسوس کہ میرے لیے اس مرتبہ ہائیڈل برگ آنا ناممکن ہوگا۔ مجھے وہ سارے ٹکٹ منسوخ کرنے پڑے جو میں نے لندن میں خریدے تھے۔ کیونکہ میرے لیے لازمی ہے کہ میں وینس سے دس فروری ۱۹۳۳ء کو روانہ ہونے والا جہاز کونتے وردی[1] پکڑوں۔ ہو سکتا ہے کہ میں اپریل میں پھر انگلستان آؤں۔

آپ کا

محمد اقبال

(انگریزی سے) (اقبال یورپ میں)

ایڈیٹر "انقلاب" کے نام

"مرنے سے پہلے قرطبہ ضرور دیکھو"[2]

(خطوط اقبال)

---

[1] CONTEVERDI

(سعید اختر درانی)

[2] علامہ اقبال تیسری گول میز کانفرنس (۱۹۳۲ء) میں شرکت کے بعد پیرس سے ہوتے ہوئے ہسپانیہ پہنچے اور تقریباً تین ہفتے وہاں گزارے۔ ہسپانیہ کے اس سفر میں حضرت علامہ مسجد قرطبہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ انھوں نے مسجد میں نوافل بھی ادا کیے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

غلام رسول مہر کے نام[1]

ڈیئر مہر صاحب

کل مع الخیر میڈرڈ پہنچے۔ یہاں سے قرطبہ غرناطہ وغیرہ جائیں گے۔ ۶ فروری تک وینس پہنچنا ہے۔

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا) علامہ کے بقول مسجد کی زیارت نے مجھے جذبات کی ایسی رفعت تک پہنچادیا جو مجھے پہلے کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ ایسے ہی جذبات کے تحت انھوں نے ایڈیٹر انقلاب کو مدرجہ بالا خط کے ذریعے قرطبہ دیکھنے کی تاکید کی۔

یہ خط صرف ایک مختصر سے جملے پر مشتمل ہے اور بغیر کسی لقب و آداب کے ہے۔ آخر میں علامہ نے اپنا نام بھی نہیں لکھا۔ اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں۔ تاہم قیاس ہے کہ جنوری ۱۹۳۳ء میں لکھا گیا ہوگا۔ (رفیع الدین ہاشمی)

ڈاکٹر جاوید اقبال کے مطابق علامہ ۵ یا ۶ جنوری ۱۹۳۳ء کو پیرس سے میڈرڈ پہنچے (زندہ رود جلد سوم ص ۶۹۷) (مولف)

(الف) یہ خط بھی پہلی بار "انقلاب" ۲ فروری ۱۹۳۳ء میں شائع ہوا۔

(ب) دوسری بار اسے "گفتار اقبال (ص ۱۶۵) میں نقل کیا گیا۔

مجھے "انقلاب" کا مذکورہ شمارہ دستیاب نہیں ہوا اس لیے "گفتار اقبال" کا متن اختیار کیا ہے (رفیع الدین ہاشمی)

[1] یہ خط ایک مصور کارڈ کی پشت پر لکھا گیا ہے۔ ڈاکخانہ کی مہر سے ثابت ہے کہ یہ خط ۷ فروری ۱۹۳۳ء کو لاہور میں موصول ہوا۔ علامہ ۲۶ جنوری ۱۹۳۳ء کو میڈرڈ و غرناطہ سے واپس پیرس آگئے تھے۔ (ملاحظہ ہو خط بنام منشی طاہر دین مورخہ ۲۶ جنوری ۱۹۳۳ء) قرطبہ و غرناطہ میں علامہ کا قیام دس بارہ دن کا تھا۔ لہٰذا یہ ۱۵ جنوری کے آس پاس کسی تاریخ میں لکھا گیا ہوگا۔ (صابر کلوروی — مکاتیب اقبال کے مآخذ — ایک تحقیقی جائزہ ص ۷۶)

آج یہاں کے وزیر تعلیم سے ملاقات ہوئی اور پروفیسر آسن سے جنھوں نے دانتے کی ڈوائن کامیڈی اور اسلام پر کتاب لکھی ہے صدر جمہوریہ سے غالباً ملاقات ہوگی۔ امید ہے سب طرح خیریت ہوگی۔ چودھری صاحب سے مضمون واحد۔

محمد اقبال

(انوار اقبال)

منشی طاہر دین کے نام

پیرس، ۲۶ جنوری ۳۳ء

ڈیر منشی طاہر دین السلام علیکم

میں آج شام ہسپانیہ سے مع الخیر واپس آ گیا۔ خدا کے فضل و کرم سے وہاں ہر طرح خیریت رہی اور اپنی خواہش کے مطابق مسجد قرطبہ میں نماز پڑھی۔ اب یہاں چند روز قیام کر کے وینس جاؤں گا۔ وہاں سے جہاز ۱ فروری کو چلتا ہے انشاء اللہ العزیز ۲۲ فروری کی صبح کو بمبئی پہنچ جاؤں گا۔ احباب سے دعا کی درخواست کریں ۲۴ جنوری کی شام کو میں نے میڈرڈ دارالسلطنت ہسپانیہ میں اسلام اور ہسپانیہ

نوٹ ۱۹۳۲ء کے آخر میں علامہ اقبال (تیسری گول میز کانفرنس (لندن) میں شرکت کے لیے انگلستان تشریف لے گئے۔ انگلستان سے واپسی پر جنوری ۱۹۳۳ء کے وسط میں ہسپانیہ تشریف لے گئے۔ ہسپانیہ کا دورہ کر کے پیرس پہنچے۔ منشی طاہر دین کے نام مندرجہ بالا خط قیام پیرس کے دوران میں لکھا گیا۔ اس خط کی اہمیت یہ ہے کہ اس کے ذریعے حیات اقبال کی بعض اہم تاریخوں کی تصحیح ہوتی ہے۔

[1] غلام رسول مہر کے نام اقبال کے بعض خطوں (انوار اقبال ص ۱۱۱۔۱۱۴) سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۶ جنوری سے یکم فروری تک تو اقبال (یقینی طور پر) پیرس میں مقیم رہے شاید اس کے بعد بھی ۴،۵ روز تک رہے ہوں کیونکہ ۷ فروری تک انھیں وینس پہنچنا تھا۔

پر وہاں کے وزیر تعلیم کی درخواست پر لکچر دیا۔ جس سے لوگ بہت متاثر ہوئے۔ چودھری صاحب کی خدمت میں سلام عرض کریں افسوس کہ وہ اس سفر میں ساتھ نہ تھے۔
مولوی غلام رسول مہر، سالک اور سید نذیر حیدر صاحب سے سلام کہیں علی بخش اور رحمان کو بھی سلام جاوید، منیرہ بیگم اور آپ کے بچوں کو دعا۔ والسلام

محمد اقبال

(خطوط اقبال)

جاوید اقبال کے نام[3]

میں خدا کا شکر گزار ہوں کہ میں اس مسجد کے دیکھنے کے لیے زندہ رہا۔ یہ مسجد

---

[1] اس اجلاس کی صدارت ... کے مصنف پروفیسر آسن پیدکوس ایف ... نے کی اور حاضرین سے اقبال کا تعارف بھی انھوں نے کرایا اقبال کے لکچر کا عنوان تھا ...
اس اجلاس کی مختصر رپورٹ ہسپانیہ کے روزنامہ ... میں شائع ہوئی۔
رپورٹ کے لیے ملاحظہ ہو ...
الف پورا نام ... (ص ۷۷) سے لیا گیا ہے یہ نام LETTERS WRITINGS OF IQBAL ... (ص ...) میں مذکور ہے۔ (مولف)

[2] مراد چودھری محمد حسین۔

[3] (الف) جاوید اقبال کے نام یہ خط حضرت علامہ نے جنوری ۱۹۳۳ء میں سفر ہسپانیہ کے دوران میں لکھا تھا۔ اس سے پہلے اسی طرح کا ایک خط انھوں نے مدیر انقلاب، کو بھی لکھا تھا۔ زیارت مسجد قرطبہ کے جو غیر معمولی اثرات ان کے دل و دماغ پر مرتب ہوئے تھے، حضرت علامہ چاہتے تھے کہ دوسرے بھی اس سے فیضان حاصل کریں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

تمام دنیا کی مساجد سے بہتر ہے۔ خدا کرے کہ تم جوان ہو کر اس عمارت کے انوار سے اپنی آنکھیں روشن کرو۔

(خطوطِ اقبال)

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا۔)

اپنے عزیز بیٹے کے بارے میں زیارت مسجدِ قرطبہ کی آرزو دعا کی صورت میں ڈھل گئی کہ خدا کرے کہ تم جواں ہو کر اس عمارت کے انوار سے اپنی آنکھیں روشن کرو۔ حضرت علامہ کی یہ دعا کوئی ۲۴ برس بعد جا کر اس وقت پوری ہوئی جب ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال کو اگست ۱۹۵۷ء میں سیاحتِ ہسپانیہ کا موقع ملا۔

یہ خط ہسپانیہ سے ایک تصویری کارڈ کی صورت میں روانہ کیا گیا تھا جس پر نہ تو کوئی تاریخ درج تھی اور نہ ہی القاب وغیرہ۔

(ب) یہ ایک سطری خط جو ایک تصویری کارڈ پر لکھا گیا تھا سب سے پہلے روزنامہ "انقلاب" ۹ فروری ۳۲ ۱۹ء میں شائع ہوا۔

(ج) "انقلاب" کے حوالے سے "گفتارِ اقبال" ص ۱۶۵ میں نقل کیا گیا۔ میں نے اسے "گفتارِ اقبال" سے نقل کیا کیونکہ "انقلاب" کا مذکورہ شمارہ نہیں مل سکا۔

(رفیع الدین ہاشمی)

لہ اس خط کا سنہ جنوری ۳۲ ۱۹ء نہیں جنوری ۳۳ ۱۹ء ہے جیسا کہ اس خط کے پس منظر میں مؤلف خطوطِ اقبال نے اشارہ کیا ہے۔ علامہ جنوری ۳۲ ۱۹ء میں نہیں ۳۳ ۱۹ء میں اسپین کے دورے پر گئے تھے (دوح مکاتیب اقبال کے مؤلف نے صحیح تاریخ لکھی ہے۔

(صابر کلوروی۔ مکاتیب اقبال کے مآخذ۔ ایک تحقیقی جائزہ۔ ص۔ ۹۷۔

غلام رسول مہر کے نام

یکم فروری ۳۳ء

ڈیر مہر صاحب السلام علیکم۔ کل انقلاب کے بہت سے نمبر اقبال شیدائی صاحب سے مل گئے جن کو پڑھ کر بہت مسرت ہوئی۔ ۲۶ جنوری کو ہسپانیہ کے سفر سے واپس آیا۔ اب ۱۰ فروری کو وینس سے اطالین جہاز کانٹے وردی' پر سوار ہو کر ۲۲ کی صبح کو انشاء اللہ العزیز بمبئی پہنچ جاؤں گا۔

ہسپانیہ میں جو کچھ دیکھا ایک خط کے ظرفِ تنگ میں کیوں کر سما سکتا ہے!

اُمید ہے آپ کا مزاج بخیر و عافیت ہوگا۔ چودھری محمد حسین صاحب کی خدمت میں سلام عرض کیجیے[1] اور گھر میں بھی خیر خیریت بھیج دیجیے۔

خان صاحب ذکاء الدین[2] کی وفات کی خبر پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ خدا تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت کرے۔ ان کے اعزا تک میری طرف سے تعزیت پہنچایئے۔ مجھے ان میں سے کسی کا ایڈریس معلوم نہیں۔ سالک صاحب کس رنگ میں ہیں؟

محمد اقبال

(انوارِ اقبال)

(عکس)

---

[1] "انوارِ اقبال" میں یہ نہ تھا جب کہ عکس میں درج ہے۔

[2] خان ذکاء الدین بستی دانش منداں جالندھر کے رہنے والے اقبال کے عزیز دوستوں میں سے تھے۔ (بشیر احمد ڈار)

ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ حیدرآبادی کے نام

عزیزم عباس علی خاں صاحب سلمہٗ

السلام علیکم۔ رجسٹر اور خط موصول ہوا۔ نظمیں ایک جگہ سب کی سب محفوظ ہیں۔ انتخاب آپ کی مرضی پر موقوف ہے۔ نظم ہو یا غزل مختلف مضامین کی حامل ہوتی ہیں اور ناظرین یا سامعین کی طبائع مختلف! اس لیے میرے خیال میں اشعار کا انتخاب مشکل کام ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ کلام مدارج کے لحاظ سے منتخب کیا جائے! آپ کا ایک خاص رنگ ہے اور آپ کے اکثر اشعار ایک وجدانی کیفیت رکھتے ہیں، اپنے مجموعۂ کلام کے لیے آپ نے جو نام تجویز فرمائے ہیں ان کی ایک طویل فہرست ہے۔ اور سب نام ایک سے ایک بہتر! بلطرا انتخاب کہیں جمتی نہیں۔ میری رائے میں آپ اپنے جملہ کلام کو ایک ہی نام سے معنون کریں اور جلد اول دوم سے موسوم کر دیں۔ "نقدیر امم" موزوں نام ہے۔

میری صحت بحمد اللہ اچھی ہے۔ اور موسم ناگوار نہیں ہے۔ خصوص صبح میں اچھی سردی رہتی ہے۔ آپ کا خیال درست ہے۔ چہل قدمی ضرور مفید ہوگی۔ انشاء اللہ آپ کی ہدایت پر ضرور عمل کروں گا۔ یہاں سب خیریت سے ہیں۔ امید ہے کہ آپ بھی بعافیت ہونگے۔ مکرر یاد آوری کا شکریہ!

آپ کا مخلص

محمد اقبال لاہور

۲ر فروری ۱۹۳۳ء

(اقبال نامہ)

مس فارک ہرسن کے نام

لاہور

۲۷ فروری ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر مس فارک ہرسن!

عنایت ناموں کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ میں ۲۵ فروری کو لاہور پہنچا اور اس وقت ان کاموں کو نپٹا رہا ہوں جو میری غیر حاضری میں جمع ہوگئے تھے۔ آپ کا عنایت نامہ جس میں ڈیلی ایکسپریس کے تراشے منسلک تھے کل شام ملا۔ تراشے میں نے اپنے نوٹ کے ساتھ فوراً اخبارات میں بھیج دیے۔ افسوس ہے خالد شیلڈرک نے انگلستان میں ایسے مرکز کے قیام کی مخالفت کی۔ مجھ تک یہی اطلاع پہنچی ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے نیشنل لیگ کے متعلق بھی نازیبا خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اگر یہی حقیقت ہے تو افسوس ہے۔ بہر حال جو کچھ بن پڑے، ہمیں تو کرنا ہی چاہیئے۔ میں جلد وائسرائے سے ملنے دہلی جاؤں گا۔ سر اکبر حیدری نے تجویز کی تھی کہ میں حیدر آباد پہنچوں۔ میں ضرور جاؤں گا۔ لیکن فی الحال سر اکبر حیدری علیل ہیں۔ دورانِ سفر میں ایک حادثے میں ان کا بازو ٹوٹ گیا۔ میں نے آج انھیں لکھا ہے۔ جواب موصول ہونے پر فیصلہ کروں گا۔

امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

(انگریزی سے)

سر ولیم روتھین اسٹائن کے نام

ڈاکٹر سر محمد اقبال ، نائٹ ،
ایم ۔ اے ۔ پی ۔ ایچ ڈی
بیرسٹر ۔ ایٹ ۔ لا ، لاہور
۲۸ فروری ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر سر ولیم !

چند دن قبل یورپ سے واپسی پر مجھے آپ کی وہ کتاب موصول ہوئی جو آپ نے از راہ نوازش مجھے ارسال کی تھی ۔ اس کرم فرمائی کے لیے میں تہ دل سے آپ کا ممنون ہوں ۔ اس کتاب میں مصوری کے کیا عجیب و غریب نمونے ہیں اور اس میں آپ نے کیسی دل چسپ یادیں محفوظ کر دی ہیں !

میں آپ کو اپنے " چھ خطبات " کا ایک نسخہ روانہ کر رہا ہوں اور گزارش کرتا ہوں کہ اس کتاب میں طباعت کی جو غلطیاں ہیں انھیں درگزر کر دیجئے گا ۔ ہم لوگوں کو اب تک پروف خواں میسر نہیں ہیں ۔

میں جب (اسپین میں) پرادو میوزیم (مجریط ، دیکھنے گیا تھا تو میں نے بار بار آپ کے مصورانہ کمالات کو مشعل راہ بنا کر یورپ کے عظیم مصوروں کو سمجھنے کی کوشش کی تھی ۔ ان اساتذۂ فن کی بنائی ہوئی تصویریں کیسی خوب صورتی کے ساتھ اس میوزیم میں سجی ہوئی ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ میوزیم مجھے لوور[۲] (پیرس) کے مقابلے میں کہیں زیادہ دل چسپ معلوم ہوا ۔

پیرس میں میری ملاقات برگساں سے ہوئی اور ان سے فلسفیانہ مباحث پر

PARADA

LOUVRE

نہایت پُرمغز گفتگو رہی۔ مثلاً انھوں نے کہا کہ "برکلے[1] کے فلسفے کا حاصل یہ ہے کہ ادراکِ حس میں مادہ، ماندگی کے بغیر یہ تمام وکمال منکشف ہو جاتا ہے مگر عقل کے ساتھ یہ صورت نہیں" برکلے کے فلسفے کی یہ تلخیص کیسی دل چسپ ہے برگساں سے میری گفتگو دو گھنٹے جاری رہی۔ برگساں ان دنوں بہت نحیف اور علیل ہیں اور لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر رکھا ہے۔ لیکن انھوں نے ازراہ عنایت مجھے اس قدغن سے مستثنیٰ رکھا۔

میری طرف سے لیڈی روتھین اشائن اور اپنے صاحب زادے اور صاحب زادی کو یاد کر لیجیے گا۔ امید ہے کہ آپ سب بخیر و عافیت ہوں گے۔

آپ کی اور لیڈی روتھین اشائن کی کرم نوازیوں کے تشکر کے ساتھ۔

مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے)

(عکس)

(غیر مدون)

خواجہ عبدالوحید کے نام

جناب خواجہ صاحب

ابھی تک جواب نہیں آیا[1]، مگر امید ہے کہ آج شام تک آجائے گا اور اگر

ماخذ: ماہ نامہ "قومی زبان"، کراچی، شمارہ نمبر ا۔ جنوری ۱۹۹۱ء

[1] لفظ "آیا" اصل خط میں موجود نہیں۔ (مولف)

نوٹ (الف)، خواجہ عبدالوحید کے تعلقات اقبال سے کافی گہرے تھے وہ اکثر اقبال کی صحبت سے مستفید ہوتے رہتے۔ ماری روف ے مرحوم مارچ ۱۹۳۳ء میں ہندوستان تشریف لائے تھے اور جامعہ ملیہ دہلی میں توسیعی لکچر دے رہے تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ (بقیہ اگلے صفحے پر)

انھوں نے تار کی جگہ خط لکھا تو کل صبح جواب ملے گا۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر انصاری کا تار بھی آیا ہے کہ دہلی آکر رؤف پاشا کے لیکچر کی صدارت کروں۔ یہ لیکچر ۴، ۶، ۸ مارچ کو ہوں گے۔ میں ان کے لیکچر کی صدارت کے لیے جاؤں گا مگر واپس آنے کی جواب آنے کے بعد تاریخ مقرر کر سکوں گا۔ آپ آج شام کو مجھ دریافت کریں تو شاید میں کوئی مستقل جواب دے سکوں۔

محمد اقبال

"انوار اقبال"

(عکس)

--

(بقیہ پہلے صفحے کا)

یہ خط اس ہی دنوں کا ہے۔

خواجہ عبدالوحید صاحب کی خواہش تھی کہ جب غازی رؤف بے جامعہ ملیہ دہلی سے فارغ ہوں تو لاہور بھی تشریف لا کر تقریر کریں۔ خط کے پہلے حصے میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

(بشیر احمد ڈار)

(ب) اس خط پر تاریخ درج نہیں۔ یہ خواجہ صاحب کے مکتوب محررہ ۲۷ فروری ۱۹۳۳ء (ماہ نو اپریل ۱۹۵۵ء) کے جواب میں ہے۔ چنانچہ یہ فروری ۱۹۳۳ء کے آخری ایام میں لکھا گیا ہوگا (رفیع الدین ہاشمی)

(تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ ص ۲۴۲)

لہ لفظ "آیا" اصل خط میں موجود نہیں سہواً چھوٹ گیا ہے

(مؤلف)

جناب مولوی صاحب

محمد اقبال

مس فارک برسن کے نام

لاہور

۲ مارچ ۲۲ء۱۹

مائی ڈیر مس فارک برسن !

مقامی مسلم انگریزی اخبار " ایسٹرن ٹائمز " کا ایک تراشہ ملفوف ہے۔ اردو اخبارات نے بھی اس کی اشاعت میں حصہ لیا ہے۔

امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے) (اقبال نامہ)

اکبر منیر کے نام

لاہور

مارچ ۲۲ء

ڈیر اکبر منیر !

آپ کا خط ابھی ملا۔ جس کے لیے شکر گزار ہوں۔

میں ۱۱ ر مارچ کی شام یہاں سے دہلی جاؤں گا۔ غالباً ۱۴ ر مارچ کی صبح

لہ اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں۔ نفس مضمون سے ظاہر ہے کہ ۱۱ ر مارچ ۲۲ء۱۹ سے چند ے قبل لکھا گیا۔ مکتوب الیہ غالباً اس وقت گورنمٹ کالج ملتان میں پروفیسر تھے۔ اقبال نامہ حصہ دوم ص ۱۸۷ پر نوٹ ملاحظہ ہو۔

(مؤلف)

واپس آؤں گا۔ ۱۱ مارچ کے دن کسی وقت آپ مجھ سے مل سکتے ہیں۔
امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا والسلام

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

ایڈورڈ تھامپسن کے نام

لاہور

۶ مارچ ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر مسٹر تھامپسن

آپ کے عنایت نامے کے لیے بہت بہت شکریہ جو میں نے آج صبح دہلی سے واپسی پر دیکھا۔

مجھے یہ جان کر مسرت ہوئی کہ لارڈ لوتھین کو میری کتاب پسند آئی وہ بڑے پیارے انسان ہیں جن سے میں زندگی میں ملا ہوں۔ میں اپنے خطبات کا ایک نسخہ آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ اسے میری جانب سے مسٹر ملفورڈ کو پیش فرما دیں۔ اگر ان کو آکسفورڈ یونیورسٹی شائع کرے تو یہ میرے لیے باعث افتخار ہوگا۔ اس صورت میں مجھے ان میں ایک دو ترمیمیں اور اضافے یا کچھ تبدیلی اِدھر اُدھر کرنا ہوگی۔ ایک اور نسخہ اس درخواست کے ساتھ آپ کو بھیجتا ہوں کہ اسے میرا ایک نذرانہ سمجھ کر قبول کریں۔ طباعت کی بے شمار غلطیوں کے لیے معذرت قبول فرمائیں۔ ہمارے ہاں ہنوز اچھے پروف ریڈر نہیں ملتے۔ میں نے انگلستان اور یورپ کے دوسرے ممالک میں دیکھا کہ

۵۶

۵۷

اسلام کے تہذیبی پہلو پر تعلیم یافتہ حضرات توجہ کر رہے ہیں۔ جرمنی کے چند اسکالر پہلے ہی اسلامی فقہ کے مطالعہ کے لیے اپنے آپ کو وقف کر چکے ہیں۔ جس کا مطالعہ ابھی تک نہ مشرق میں ہوا ہے نہ مغرب میں۔

آپ کی نوازشوں کے لیے اظہار تشکر کے ساتھ

آپ کا مخلص

محمدؐ اقبال

پس نوشت۔ اگر مجھے انگلستان آنے کا موقع ملا تو مجھے آپ سے مل کر یقیناً مسرت ہوگی۔

محمد اقبال

(انگریزی سے)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے اگر تبدیلی[1] ناممکن ہے تو بڑی مشکل ہوگی آپ کوشش کریں کہ آخری لکچر کا روز میری صدارت کے لیے ہو اور آخری لکچر ۱۸ کو ہو۔ اگر ناممکن ہو تو میں ۱۱ مارچ کی شام کو یہاں سے روانہ ہو کر ۱۲ کی صبح کو دہلی پہنچ جاؤں گا۔ مولوی شفیع داؤدی صاحب کو بھی فون کر دیں کہ میں ۱۲ کی صبح کو دہلی پہنچ جاؤں گا۔ لیکن اگر ڈاکٹر انصاری یہ مان جائیں کہ آخری لکچر ۱۸ کو

---

[1] غازی رؤف پاشا کے لیکچروں کے پروگرام میں تبدیلی مراد ہے۔

(نوٹ) مکتوبات اقبال بنام نذیر نیازی میں اس خط کا صحیح اور مکمل متن درج نہیں ہے۔ خط میں مذکور تاریخیں پڑھنے میں کچھ سہو ہوا ہے۔ یہاں خط کا پورا متن عکس کے مطابق پیش کیا جا رہا ہے۔ (مؤلف)

ہو تو مجھے تار دے دیجیے۔ باقی خیریت ہے۔ ۱۲ مارچ کی صبح ایا جیسی صورت ہو
آپ مجھے سٹیشن پر ملیں۔ والسلام۔

محمد اقبال لاہور

(عکس) ۹ مارچ ۳۳ء

مس فارکہرسن کے نام

لاہور

۱۲ مارچ ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر مس فارکہرسن!

امید ہے نیاز نامے شرف ملاحظہ حاصل کر چکے ہوں گے۔ میں آج صبح دہلی سے واپس پہنچا ہوں۔ وہاں ترکی کے پرنس تمی سے ملاقات ہوئی آپ کی سکیم سے مختلف ایک منصوبہ اُن کے ذہن میں بھی ہے جب وہ لندن پہنچیں تو بہتر ہوگا آپ اُن سے تبادلہ خیال فرمادیں وہ ہندوستان سے وسط مارچ میں روانہ ہو رہے ہیں انھوں نے بتایا ہے کہ حیدر آباد کو اس مسئلہ سے دلی وابستگی ہے اور ان کی ایسوسی ایشن کے لیے ریاست کی طرف سے معقول سالانہ امداد کی منظوری نہایت اغلب ہے۔ ذاتی طور پر ان کے منصوبے سے متعلق میرے ذہن میں کچھ اعتراضات تھے اور ہیں میں انھیں اس کی تفصیلات سے بعد میں مطلع کروں گا۔ اس وقت محض اطلاع مقصود ہے۔ کیونکہ ان کے پراپیگنڈے کا اثر لازماً آپ کی سکیم پر پڑے گا۔

اگر لنڈن آنے کا پھر اتفاق ہوا تو آپ سے مفصل گفتگو ہوگی۔ نہ آسکا تو آپ کو لکھوں گا۔ میرا آنا یقینی نہیں۔ کیونکہ جائنٹ سلیکٹ کمیٹی کے روبرو پیش ہونے والے ہندوستانی مندوبین کی تعداد غالباً کم کر دی جائے گی اور میں خواہ مخواہ دوسروں کے پیچھے بھاگے پھرنے کا عادی نہیں۔

آپ کا شکریہ

مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے) (اقبال نامہ)

لارڈ لوتھین[1] کے نام

۱۰ مارچ ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر لارڈ لوتھین،

آپ کے عنایت نامے کا بہت بہت شکریہ جو کل دہلی سے واپسی پر مجھے موصول ہوا۔ میں لندن سے ۳۰ دسمبر ۱۹۳۲ء کو روانہ ہوا اور پیرس میں رکنے کے بعد ہسپانیہ چلا گیا۔ جہاں میں نے تقریباً تین ہفتے گزارے۔ فروری کے آخر میں ہندوستان پہنچا۔ آپ کا خط مجھے اسی وجہ سے اتنی تاخیر سے ملا مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ

---

[1] لارڈ لوتھین حضرت علامہ کے بڑے مداح تھے۔ قیام ہندوستان کے زمانے میں علامہ اقبال سے ملاقاتیں بھی رہیں۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے اقبال کے انگریزی خطبات کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت (۱۹۳۴ء) میں ان کی کوششوں کو دخل تھا۔ لارڈ لوتھین کے ایما اور وساطت سے ہی علامہ کو آکسفورڈ یونیورسٹی میں روڈز لیکچر کی دعوت دی گئی تھی اقبال نے لیکچر کے لیے

کا موضوع بھی منتخب کرلیا تھا۔ پہلے طے ہوا تھا کہ علامہ اپریل ۱۹۳۴ء میں لیکچر دیں گے۔ پھر ان کی علالت کے سبب یہ پروگرام اگلے برس پر ملتوی کردیا گیا مگر بدقسمتی سے مسلسل علالت انگلستان کے سفر میں ایسی سدِ راہ بنی کہ یہ پروگرام ناتمام ہی رہ گیا۔

(رفیع الدین ہاشمی)

آپ نے میری کتاب خطبات کو پسند کیا ہے۔ آپ نے آکسفورڈ کے مسٹر ٹامیس لیڈ
کو خط لکھا تھا چنانچہ اس ضمن میں انھوں نے مجھے لکھا اور میں نے انھیں کتاب کے
دو نسخے روانہ کردیئے ہیں۔ اگر آکسفورڈ یونیورسٹی ان خطبات کی طباعت واشاعت
کا فیصلہ کرتی ہے تو میں خطبات میں کہیں کہیں تھوڑا بہت ردو بدل کروں گا اور
اپنے اس خطبے بعنوان "کیا مذہب کا امکان ہے؟" کا اضافہ بھی کروں گا جو میں
نے لندن کی ارسطا طالین سوسائٹی کے سامنے دیا تھا۔ ہسپانیہ اور فرانس میں
میرا وقت بہت دل چسپی سے گزرا۔ پیرس میں قیام کے دوران میں برگساں سے
ملاقات ہوئی۔ جدید فلسفے اور تمدن ، ہماری
گفتگو تقریباً دو گھنٹے تک جاری رہی۔ کچھ وقت ہم نے برکلے پر تبادلہ خیال کیا
جس کے فلسفے پر بعض فرانسیسی فلاسفروں نے بعض نہایت دل چسپ مقالات
پیش کیے ہیں۔ ہسپانیہ میں قیام کے دوران میں عربی کے بہت سے پروفیسروں
سے میرا رابطہ قائم ہوا جو اسلام کے کلچر کے بارے میں بہت پرجوش نظر آتے تھے
میڈرڈ یونیورسٹی نے
کے موضوع پر مجھ سے یونیورسٹی میں خطاب کرنے کی درخواست کی۔ میرے خطاب
کو بے حد سراہا گیا۔ صدارت پروفیسر آسن نے کی جو
کے معروف مصنف ہیں۔ ہسپانیہ کی نئی حکومت غرناطہ کو دنیائے
اسلام کے لیے ایک طرح کا تہذیبی مکہ بنانے کا ارادہ رکھتی ہے۔ میرے خیال میں
مناسب ترین وقت یہی ہے کہ انگلستان کو اسلام کے تہذیبی پہلو میں سنجیدگی
کے ساتھ دل چسپی لینی چاہیئے۔ درحقیقت ایک معاشی نظام کی حیثیت سے اسلام

لہ ایڈورڈ تھامیس
لہ برگساں سے ملاقات کا ذکر اقبال کے ایک اور خط بنام سر ولیم روتھنسٹین مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۳۲ء میں
بھی ملتا ہے (مؤلف)
لہ

کہیں زیادہ دلچسپ ہے اور ہماری موجودہ مشکلات کے کہیں زیادہ عمل حل تجویز کرتا ہے۔

قرطاسِ ابیض[1] آج منظرِ عام پر آرہا ہے ہندوستان کے مسلمان یہ معلوم کرنے کے لیے بہت بے چین ہیں کہ مرکز میں ان کی کیا حیثیت ہوگی"[2]

(خطوطِ اقبال)

(انگریزی سے)

ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ حیدر آبادی کے نام

مجی لمعہ صاحب

تسلیم۔ آپ کا عنایت نامہ ملا۔ یاد فرمائی کا شکریہ ا

خدا کا شکر ہے کہ آپ خیریت سے ہیں، یہاں گرمی شروع ہو چکی ہے لیکن رات نسبتاً تکلیف دہ نہیں ہے۔ اپریل اور مئی کے یہ دو مہینے یہاں سخت تکلیف دہ

---

[1] "قرطاس ابیض" تیسری گول میز کانفرنس کی سفارشات پر مشتمل تھا جو برطانوی حکومت کی طرف سے مارچ ۱۹۳۳ء میں جاری کیا گیا۔ مذکورہ قرطاس ابیض کے بارے میں علامہ اقبال نے ۲۰ مارچ ۱۹۳۳ء کو ایک بیان جاری کیا (بیان کا انگریزی متن ملاحظہ ہو اقبال ریویو اکتوبر ۱۹۶۹ء ص ۹۱۔ ۹۲ کے حواشی۔

[2] خط کا اختتام اچانک ہوتا ہے۔ آخر میں لکھنے والے کا نام وغیرہ کچھ درج نہیں۔

نوٹ: پہلی بار یہ خط بشیر احمد ڈار نے "اقبال ریویو" اکتوبر ۱۹۶۹ء (ص ۸۹۔ ۹۰) میں شائع کیا۔ انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ انھیں یہ خط کہاں سے اور کس ذریعے سے حاصل ہوا۔ اس خط کا اردو ترجمہ پہلی بار شائع کیا جا رہا ہے

(رفیع الدین ہاشمی)

ہوتے ہیں۔ دیہات میں تو عموماً موسم اچھا ہوتا ہے۔ یہاں مرض چیچک کی وجہ سے لوگ بہت پریشان ہیں۔ اب کے کسی سرد مقام پر جانے کی فکر میں ہوں مگر اب تک مقام تجویز نہیں ہوا۔ اگر جانا ہوا تو آپ کو اطلاع دوں گا۔ آپ کے خطوط اور خیالات کو پڑھ کر مجھے بے حد مسرت حاصل ہوتی ہے۔ اس اخلاق کا شکر گزار ہوں۔ ہاں آج کل کیا مشاغل ہیں۔ آپ بھی جوان! اور آپ کی شاعری بھی جوان! مجھے تو آپ کی نظموں میں ایک خاص جذبہ نظر آتا ہے اور زبان کی سلاست سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جو کچھ کہہ جاتے ہیں بلا قصد کہہ جاتے ہیں اسی کا نام آمد ہے۔ یہ کیفیت منجانب اللہ ہے۔ کوشش سے حاصل نہیں ہوتی۔ رند کہتا ہے۔ شعر

مشق کر مشق کہ تا لطفِ سخن پیدا ہو
خود بخود شعر میں بے ساختہ پن پیدا ہو

عید الفطر کی پیشگی مبارک باد بھیجتا ہوں۔ یا شاید وقت پر بھی پہنچ جائے خدا حافظ۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال لاہور
۱۹ مارچ ۱۹۳۲ء
(اقبال نامہ)

غلام رسول مہر کے نام

۲۱ مارچ ۳۲ء

ڈیر مہر صاحب

عطیہ بیگم صاحبہ کا خط بمبئی سے آیا ہے جس میں آپ کے نام بھی ایک پیغام ہے اور وہ یہ کہ انھوں نے جو تراشے آپ کو تعلیم نسواں اسلام کے متعلق ۲ سال

ہوئے دیئے تھے یا بھیجے تھے وہ واپس ارسال کر دئیے جائیں۔ وہ لکھتی ہیں کہ میں نے متعدد خطوط لکھے مگر آپ کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ ان کے تماشے ان کی خدمت میں واپس ارسال کر دیں گے۔ والسلام

محمد اقبال لاہور

(عکس)　　　　　　　　　　(انوار اقبال)

محمد اکرام کے نام

۲۷ مارچ ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر محمد اکرام!

آج صبح دہلی سے واپسی پر عنایت نامہ موصول ہوا۔ یاد آوری کے لیے ممنون ہوں۔ ہسپانیہ پر نظم یوں تو تمام تر پُرسوز ہے۔ لیکن طارق سے متعلق اشعار بالخصوص دل گداز ہیں۔ میں اسے محفوظ رکھوں گا اور کوشش کروں گا کہ یہ اشعار اُردو میں منتقل ہو سکیں۔ میں اپنی سیاحت اندلس سے بے حد لذت گیر ہوا۔ وہاں دوسری نظموں کے علاوہ ایک نظم مسجد قرطبہ پر لکھی جو کسی وقت شائع ہوگی۔ الحمرا کا تو مجھ پر کچھ زیادہ اثر نہ ہوا۔ لیکن مسجد کی زیارت نے مجھے جذبات کی ایسی رفعت تک پہنچا دیا جو مجھے پہلے کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ میڈرڈ یونیورسٹی کے ارباب اختیار نے مجھ سے درخواست کی کہ میں "ہسپانیہ اور عالم اسلام کا ذہنی ارتقا" کے زیر عنوان ایک لیکچر دوں۔ یہ لیکچر نہایت پسند کیا گیا۔ پروفیسر آسین[1] نے جو DIVIN- COMEDY and Islam کے مصنف ہیں بحیثیت صدر اپنی افتتاحی تقریر میں میری تعریف و توصیف میں خوب مبالغہ کیا۔ روڈز لیکچرز کے متعلق مجھے ابھی کوئی اطلاع نہیں پہنچی۔

---

[1] PROF. ASIN PALACIOS

(مؤلف)

آکسفورڈ یونیورسٹی غالباً میرے چھ خطبات شائع کرنا چاہتی ہے۔ میں نے مسٹر ملفورڈ کی خدمت میں ایک نسخہ بھیج دیا ہے۔ لارڈ لوتھین ان خطبات کے متعلق بڑی گرمجوشی کا اظہار فرما رہے ہیں اور انگلستان میں ان کی طباعت و اشاعت کے آرزومند ہیں۔ چودھری رحمت علی صاحب اور بیگ صاحب کی خدمت میں جب اُن سے ملاقات ہو میرا اسلام شوق پہنچا دیں۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

تحریر مابعد:

میں نہیں کہہ سکتا کہ مستقبل قریب میں انگلستان آسکوں گا یا نہیں۔

(انگریزی سے) (اقبال نامہ)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور، ۲۸ مارچ ۳۰ء

ڈیئر نیازی صاحب۔ السلام علیکم

ابھی علی بخش کو سلامت اللہ شاہ صاحب سے معلوم ہُوا کہ آپ کے والد ماجد نے داعی اجل کو لبیک کہا انّا للہ و انّا الیہ راجعُون۔ خدا تعالیٰ اُن کو غریق رحمت کرے اور آپ سب بھائیوں کو اور آپ کی والدہ ماجدہ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ گزشتہ موقع پر جب میں دہلی میں تھا تو ان سے رؤف بے کے لیکچر میں ملاقات ہوئی تھی۔ اس وقت وہ بالکل تندرست معلوم ہوتے تھے۔ مگر کیا معلوم تھا کہ میری ان سے یہ آخری ملاقات ہے۔ بہرحال ہر مصیبت پر اللہ کا شکر واجب ہے۔ مومن کی شان یہی ہے کہ راضی برضائے الٰہی ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

مخلص محمد اقبال

(عکس) (مکتوباتِ اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب. السلام علیکم

آپ کا پوسٹ کارڈ مل گیا تھا۔ مگر میں اس سے پہلے آپ کو خط لکھ چکا تھا. ان کی ناگہانی رحلت سے خصوصاً عید قرباں کا چاند دیکھ کر میں بہت متاثر ہوا۔ خداوند تعالیٰ غریق رحمت کرے۔ سید ذاکر حسین صاحب سے کہہ دیجیے کہ میں ۴ اپریل کی شب کو یہاں سے روانہ ہو کر ۵ اپریل کی صبح کو دہلی پہنچوں گا۔ ۶ اپریل کو مسئلہ ایجوکیشن پر وائسرائے کے ہاں کانفرنس ہے۔ اس کانفرنس میں مجھے بھی مدعو کیا گیا ہے کیونکہ لندن میں جو سب کمیٹی اس کے لیے بنی تھی اس کا میں بھی ممبر تھا۔ غالباً دو تین روز یا ممکن ہے ایک ہی روز یہ کانفرنس رہے۔ ڈاکٹر صاحب ۵ اپریل کی شام کو میرا لیکچر رکھ سکتے ہیں جس کا عنوان یہ ہو گا:

محمد اقبال لاہور

۳۰[1] مارچ ۱۹۳۲ء

(مکتوبات اقبال)

(عکس)

---

[1] مکتوبات اقبال بنام نذیر نیازی میں اس خط کو ۳۱ مارچ ۱۹۳۲ء کے تحت درج کیا گیا ہے۔ لیکن عکس میں ۳۰ مارچ ۱۹۳۲ء واضح طور پر تحریر ہے۔

(مولف)

Dr. Sir Muhd. Iqbal Kt.
M.A. Ph.D.
Barrister at Law
Lahore

ڈیئر راس مسعود - السلام علیکم

[illegible]

From London to Granada

محمد اقبال لاہور

ڈاکٹر صوفی غلام محی الدین کے نام

لاہور
۲۱ مارچ ۱۹۳۲ء

ڈیر صوفی صاحب السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ کرنیل[1] صاحب سے میں اس سے پہلے واقف نہیں ہوں۔ کیا انھوں نے اس سے پہلے کوئی منظوم ترجمہ کیا ہے؟ اگر کیا ہو تو اس کا نمونہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ باقی رہا یہ امر کہ کونسی نظموں کا ترجمہ کیا جائے۔ سو غرض یہ ہے کہ بانگِ درا کی بیشتر نظمیں میری طالب علمی کے زمانہ کی ہیں۔ زیادہ پختہ کلام افسوس کہ فارسی زبان میں ہوا۔ بہتر طریق یہ ہے کہ بانگِ درا سے بعض نظمیں انتخاب کر لی جائیں۔ باقی زبورِ عجم اور پیامِ مشرق سے انتخاب کی جائیں۔

اس سے زیادہ اہم کام یہ ہے کہ جاوید نامہ کا تمام و کمال ترجمہ کیا جائے۔ یہ نظم ایک قسم کی DIVINE COMEDY ہے مترجم کا اس سے یورپ میں شہرت حاصل کر لینا یقینی امر ہے۔ اگر وہ ترجمہ میں کامیاب ہو جائے۔ اور اگر اس ترجمہ کو کوئی عمدہ مصوّر ILLUSTRATE بھی کر دے تو یورپ اور ایشیا میں مقبول تر ہوگا۔ اس کتاب میں بعض بالکل نئے تخیلات ہیں اور مصوّر کے لیے بہت عمدہ مسالہ ہے۔ پیامِ مشرق کا ترجمہ جرمن زبان میں ہو رہا ہے۔ آرلانگن یونیورسٹی[2] کے

---

[1] غالباً ان کا نام ٹیوٹ تھا جن کا ذکر ۲۲ اپریل ۱۹۳۲ء کے مکتوب میں ہے۔

[2] ERLANGEN یونیورسٹی (جرمنی)، ملاحظہ ہو مکتوب محررہ ۱۱ دسمبر ۱۹۳۰ء۔ (مؤلف)

پروفیسر بل کر رہے ہیں۔ بہر حال جو بھی رائے ہو میں اس میں مدد دینے کو حاضر ہوں۔ ترجمہ کی اشاعت وغیرہ کے متعلق شرائط بعد میں طے ہو جائیں گی۔ فی الحال آپ مذکورہ بالا مشوروں پہ غور کیجیے اور کرنیل صاحب کی رائے دریافت کیجیے۔

مخلص محمد اقبال

(اقبال نامہ)

راغب احسن کے نام

۸/ اپریل ۳۳ء

ڈیر راغب احسن صاحب

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ جس میں محمد عثمان صاحب کا خط بھی ملفوف تھا سرٹیفکٹ مطلوبہ مرسل ہے۔ مگر محمد عثمان صاحب کے متعلق مجھے کچھ حالات معلوم نہیں۔ نہ اُن کی کوئی تحریر میری نظر سے گزری ہے۔ آپ ان سے کہیے کہ وہ خود کوئی سارٹیفکٹ لکھ کر بھیج دیں۔ میں اس پر دستخط کر کے بھیج دوں گا۔ یا آپ ان کے لیے لکھ دیں، میں آپ کے لکھے ہوئے پر دستخط کر دوں گا۔ کوائف ان کی تعلیم وغیرہ کے متعلق آپ جانتے ہیں والسلام

محمد اقبال

میں آج صبح دہلی سے واپس آیا۔ آپ کا خط مجھے نہیں ملا۔ یعنی وہ خط جو آپ نے دہلی کے پتہ پر لکھا تھا۔

(اقبال۔ جہانِ دیگر)

(عکس)

DR. SIR MUHAMMAD IQBAL LAHORE.

ـــــــــــ[1] کے نام

لاہور

۲۲ اپریل ۳۳ ۱۹ء[2]

جنابِ من

آپ کے گرامی نامہ کا شکریہ۔

امید ہے کہ یہ ادارہ اچھا کام کرے گا بشرطیکہ قوم پرست مسلمان حضرات اس کی سرگرمیوں میں ذرا دلچسپی لیں۔ میں نے اس ادارہ کے لیے اعلیٰ حضرت حضور نظام سے مالی امداد حاصل کرنے کی حتی الوسع کوشش کی۔ اب یہ مسلمان علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام کی تہذیبی تاریخ میں دلچسپی کی ٹمک پیدا کریں۔ یہ بہت بڑا کام ہے اور بے اندازہ صبر چاہتا ہے۔

مجھے کوئی اعتراض نہیں کہ آپ اپنی نظم میرے نام معنون کریں مگر اس کے شائع ہونے سے پہلے ایسا کرنا غیر ضروری ہے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے) (نقوش۔ دسمبر ۸۶ ۱۹ء)

صوفی غلام محی الدین کے نام

ڈیر صوفی صاحب السلام علیکم

---

[1] مکتوب الیہ کا نام درج نہیں۔ (مؤلف)

[2] اس خط پر علامہ نے کوئی تاریخ نہیں لکھی ہے۔ مگر لاہور کے ڈاکخانہ کی مہر ۲۲ اپریل ۳۳ ۱۹ء کی ہے۔ (عطاء اللہ)

آپ کا پوسٹ کارڈ مل گیا ہے جس کے لیے شکریہ قبول فرمایئے میں نے مسٹر ٹیوٹ کو سری نگر کے پتہ پر لکھا ہے آپ نے جو تجویز کی ہے مناسب ہے میں بھی آپ کے تراجم دیکھ لیا کروں گا گو یہ کام آسان نہیں ہے۔ پہلی رباعی کا ترجمہ انگریزی نمونتہً میں نے ان کو بھیجا ہے اس میں بڑی دقت ہوئی۔
افسوس ہے کہ نکلسن کا ترجمہ اسرار خودی میرے پاس موجود نہیں ہے اس سے آپ کو مدد بھی کچھ نہ ملے گی۔
باقی خیریت ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ فقط
محمد اقبال لاہور
(اقبال نامہ)

سر فضل حسین کے نام

لاہور
یکم مئی ۳۲ء ۱۹
مائی ڈیر فضل
آپ کے خط کا بہت بہت شکریہ جو چند لمحے قبل پہنچا۔ اس سے مجھے بڑا سکون ملا۔ میں نے آپ کو اس لیے تار دیا تھا کہ ایسوشیئیڈ پریس کی بھیجی ہوئی برقی رپورٹ پر بہت سے لوگوں نے ہر طرح کے استفسارات کیے۔ اس طرح اس کی شر انگیزی کا مقصد پورا ہو گیا۔ ایک سکھ لیڈر نے اعلان کیا ہے کہ اگر سکھ اس فارمولے[1] کو قبول کر لیں تو یہ ان کی سیاسی خودکشی کے مترادف ہوگا

---

[1] فارمولہ یہ تھا۔ مندرجہ ذیل امور پر اتفاق کیا جاتا ہے۔
۱۔ تینوں فرقوں۔ مسلم، ہندو اور سکھ کی حق رائے دہی کی اہلیت کی شرائط میں ایسی تبدیلی کی جائے کہ ان کی اس آبادی کے تناسب (بقیہ اگلے صفحے پر)

[illegible]

روز نامہ "ٹربیون" ( ) نے بھی اس کی اعلانیہ مخالفت کی ہے۔ میں آپ کے فوری جواب کے لیے ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال
(لیٹرز آف اقبال)

(انگریزی سے)

(بقیہ حاشیہ) کے مطابق ہو جو راسے دہی کے رجسٹر میں درج ہے۔

۲۔ مخلوط انتخابات ہوں۔

۳۔ جہاں تک مجلس پنجاب قانون ساز کا تعلق ہے۔ (سر طامیونی) وزیر اعظم کے ایوارڈز کے مطابق ۱۶۱ عام سیٹیں جو مسلمانوں کے لیے مخصوص ہیں ان میں ہندوؤں اور سکھوں بجز ان دس سیٹوں کے جو یورپین، اینگلو انڈین اور ہندوستانی عیسائی فرقوں کے لیے مختص کی گئی ہیں، ان ۱۶۱ یک رکنی حلقوں میں تقسیم کی جائیں جو پنجاب کے ریفارم کمشنر کی جانب سے تجویز ہوں۔

اس بات پر بھی اتفاق تھا کہ جو تحفظات اقلیتوں کو دوسرے صوبوں میں دیئے گئے ہیں وہ پنجاب میں بھی اقلیتی فرقوں کے لیے ہوں گے۔

اس پر بھی اتفاق تھا کہ مندرجہ بالا شقوں میں سے ہر شق معاہدہ کا لازمی حصہ ہوگی۔

(ڈاکٹر وحید احمد لیٹرز آف فضل حسین، ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان جون ۱۹۷۶ء ص ۲۵۹-۲۶۰۔)

صوفی غلام محی الدین کے نام

لاہور

۲ رمئی ۱۹۲۲ء

ڈیر صوفی صاحب السلام علیکم

والا نامہ مع رباعیات مل گیا۔ رباعیات پر نظر ثانی کر کے میں نے آج ہی ٹیوٹ صاحب کی خدمت میں بھیج دی ہیں۔ میری نظر ثانی میں محض تشریحی نوٹ تھے۔

آئندہ رباعیات کسی اچھے کاغذ پر ٹائپ کرا کر ارسال کیا کریں تو بہتر ہو۔

فقط

مخلص محمد اقبال

(اقبال نامہ)

صوفی غلام محی الدین کے نام

۲۴ رمئی ۱۹۲۲ء[1]

ڈیر صوفی صاحب السلام علیکم

اس ترجمے پر نظر ثانی فرمائیے۔ اس کے علاوہ ہر رباعی علیحدہ کاغذ پر لکھوائیے

---

[1] اقبال نامہ (اول) میں اس خط پر نمبر ۱۷۶ دیا گیا ہے اور تاریخ ۲۴ رمئی ۱۹۲۲ء درج ہے جب کہ صحیح تاریخ ۲۴ رمئی ۱۹۲۲ء ہے۔ یہ خط ۱۷۵ اور ۱۷۷ کے درمیان لکھا گیا ہے ان خطوط کو پڑھ کر صحیح رہنمائی ہو جاتی ہے۔ (صابر کلوروی۔ مکاتیب اقبال کے ماخذ — ایک تحقیقی جائزہ ص۔ ۵۰)

جس طرح آپ نے پہلے کیا ہے۔ ہر کاغذ میں تھوڑی سی جگہ صاف رہے تاکہ میں
اس پر مترجم کی راہنمائی کے لیے تشریحی نوٹ لکھ سکوں۔
امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ اسلامیہ کالج لاہور کے پروفیسر تاثیر نے بھی
چند رباعیات کا ترجمہ کیا ہے۔ اسے بھی کرنل صاحب کی خدمت میں بھیج دیا
جائے گا۔ فقط

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

غلام رسول مہر کے نام

ڈیر مہر صاحب
یہ اس خط کی نقل ہے جو مسٹر آصف علی بیرسٹر دہلی نے ان حضرات کے نام لکھا
تھا جن کے دستخط آل انڈیا مسلم لیگ والی سینی فیسٹو پر تھے۔ آپ کے ملاحظہ کے لیے

نوٹ ۱ روزنامہ "الامان" (دہلی) کے مولوی مظہر الدین نے ایک خط اقبال کے نام بھیجا تھا جس کے ساتھ مسٹر آصف علی بیرسٹر کے ایک انگریزی خط کی نقل منسلک تھی مسٹر آصف علی نے اپنے خط میں اپیل کی تھی کہ مسلم لیگ کو عوامی جماعت بنانے کی پوری پوری کوشش کرنی چاہیے یہ اس دور کا ذکر ہے جب لیگ کی حالت بالکل خراب ہو چکی تھی اور قائداعظم انگلستان میں مقیم تھے۔
اقبال نے آصف علی کے انگریزی خط کی نقل پر یہ رقعہ مہر صاحب کے نام لکھا تھا۔ (بشیر احمد ڈار)
۲ یہ خط ۲۰ رمئی اور ۲۵ رمئی کے درمیان لکھا گیا کیونکہ ایڈیٹر "الامان" کے خط پر ۱۹ رمئی ۱۹۳۳ء کی تاریخ درج ہے۔
(صابر کلوروی۔ مکاتیب اقبال کے مآخذ پر ایک نظر)
۳ آصف علی کا خط ۱۵ راپریل کا لکھا ہوا ہے۔
(بحوالہ صابر کلوروی۔ مکاتیب اقبال کے مآخذ۔ چند مزید حقائق)

ارسال کرتا ہوں۔ "ہمدم" کا لیڈر اور مفتیٔ اعظم کے متعلق جو نوٹ ہے وہ بھی پڑھ لیجیے۔
اس کے علاوہ اقبال شیدائی کا خط پیرس سے آیا ہے۔ وہ آپ سے متوقع ہے کہ ساہوکاروں اور سود کے متعلق چند مضامین لکھیں جو عام ہوں۔ ان میں پنجاب کے مسلمانوں کے قرضے کا بھی عام طور پر ذکر ہو۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید ایسے مضامین مسلمانوں کے متعلق ہمدردی پیدا کرنے میں ممد و معاون ہوں گے والسلام

محمد اقبال

(انوار اقبال)

سید ریاض الحسن[1] کے نام

۲۹ مئی ۱۹۳۳ء

ڈیر سر

مجھے بے حد افسوس ہے کہ میں آپ کا مضمون پڑھنے کے لیے وقت نہیں نکال سکتا۔ البتہ میں آپ کو یہ مشورہ ضرور دوں گا کہ آپ مسولینی کے نظریات کا بغور مطالعہ کریں۔ اسلامی معاشیات کی روح یہ ہے کہ سرمائے کی بڑی مقدار میں اضافے کو ناممکن بنا دیا جائے۔ مسولینی اور ہٹلر کا اندازِ فکر بھی یہی تھا۔ بالشوزم نے سرمایہ داری کا کلیتاً خاتمہ کر کے انتہا پسندی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اسلام زندگی کے تمام پہلوؤں میں ہمیشہ اعتدال

---

[1] ڈاکٹر سید ریاض الحسن ان دنوں الہ آباد یونیورسٹی میں ایم اے معاشیات کے طالب علم تھے انھوں نے ایم اے کا مقالہ [illegible] LAW کے موضوع پر لکھا۔ بعد میں انھیں خیال آیا کہ علامہ اقبال سے مشورے اور راہنمائی کے بعد مقالے کو مزید بہتر بنایا جائے چنانچہ انھوں نے اپنا مقالہ حضرت علامہ کی خدمت میں روانہ کیا اور ان سے راہنمائی کے طالب ہوئے۔ جواباً علامہ اقبال نے انھیں مندرجہ بالا خط تحریر کیا۔

(رفیع الدین ہاشمی)

محمد اقبال

کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ قرآن کتاب ہے۔

وکذالک جعلنا کم امۃ وسطا لتکونو شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا[1]

اسلام کی شریعتوں کا موضوع یورپ نے حال ہی میں دریافت کیا ہے اور یہ موضوع ایسا اہم ہے کہ غالباً یورپی علماء اس کی طرف متوجہ ہوں گے۔ بلاشبہ جرمن عالموں نے پہلے ہی اس پر کام کرنا شروع کر دیا ہے

اسلام کی عمرانیات نامی ایک کتاب کا مطالعہ بھی آپ کے لیے باعث افادیت ہوگا میں مصنف کا نام بھول گیا[2]

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(خطوط اقبال

(انگریزی سے)

---

[1] ترجمہ: "اور اس طرح ہم نے تمہیں ایک امت وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو" (البقرہ ۲: ۱۴۳)

[2] اس کے مصنف مشہور مستشرق ہیں جو اس زمانے میں لندن یونیورسٹی میں فارسی زبان اور ادب کے استاد تھے (ان کے مفصل حالات زندگی جلد دوم کے حواشی میں ملاحظہ ہوں۔ مولف) کتاب ۱۹۲۰ء کے لگ بھگ شائع ہوئی تھی بعد میں کسی اور مصنف نے نظر ثانی اور ترمیم کے بعد اسے ... کے نام سے دوبارہ شائع کیا

نوٹ (۱) پہلی بار یہ خط ڈاکٹر ریاض الحسن کے ایک مضمون ... AUN ... IF ... LETTER ... مطبوعہ "اقبال ریویو" اپریل ۱۹۷۸ء کے ذریعے منظر عام پر آیا۔

(۲) دوسری بار اسے بشیر احمد ڈار نے "اقبال ریویو" اکتوبر ۱۹۶۹ء (ص ۸۸-۸۹) میں نقل کیا۔ اس خط کا اردو ترجمہ پہلی بار شائع کیا جا رہا ہے۔

(رفیع الدین ہاشمی)

عطیہ بیگم کے نام

لاہور

۲۹ مئی ۱۹۳۲ء

مائی ڈیر عطیہ بیگم[1]

آپ کے میموریل کے بارے میں مجھے کوئی اطلاع نہیں۔ جہاں تک فلسطین[2] کے معاملات کا تعلق ہے آپ کو صحیح حالات معلوم نہیں۔ میں نے مفتی اعظم صاحب[3] سے درخواست کی ہے کہ وہ وسط اکتوبر تک ہندوستان تشریف نہ لائیں۔ میں نہیں جانتا کہ انھیں میرا مشورہ قابل قبول ہوگا یا نہیں جو کچھ مولانا شوکت علی بھی اس بارے میں کہتے ہیں وہاں کا حسن ظن ہے اور میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ میں ان کی طرح محض ایک مشت خاک ہوں اور بس اسپین میں میری پرائیویٹ سکریٹری جو ایک انگریز لڑکی تھی کے طور طریقوں میں یک لخت تبدیلی آ گئی اور وہ پرائیویٹ سکریٹری کی بجائے ایک مرید کی طرح میری خدمت کرنے لگی۔ میں نے اس کے رویہ میں اس اچانک نمایاں تغیر کی وجہ پوچھی تو اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا

---

[1] اس خط سے صاف ظاہر ہے کہ عطیہ بیگم کے ساتھ مراسلت کا سلسلہ برابر چلتا رہا۔

[2] مسئلہ فلسطین پر علامہ اقبال کے مختلف بیانات ایس اے۔ وحید کی کتاب "تھوٹس اینڈ ریفلیکشنز آف اقبال" THOUGHTS AND REFLECTIONS OF IQBAL ملاحظہ ہو۔

[3] مفتی امین الحسن سے مراد ہے جو اپنی وفات تک "رابطہ عالم اسلامی" کے صدر نشین رہے۔ انھوں نے برِ اعظم ہند و پاک کا متعدد بار سفر کیا تاکہ فلسطینی پناہ گزینوں کے لیے عوام و خواص کی حمایت حاصل کر سکیں۔ (بشیر احمد ڈار)

کہ اس پر منکشف ہوا ہے کہ میں کوئی ولی اللہ ہوں اب میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ مثبت انداز میں خود اپنی شناخت یا تعریف و توصیف کر سکوں۔ البتہ منفی طور ضرور کر سکتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میں احمق نہیں ہوں۔

اگر آپ کل ہند مسلم خواتین کانفرنس کے بارے میں واقعی سنجیدہ ہیں تو اسے کسی کانفرنس یا لیگ کے تحت قائم نہ کریں۔ یہ ایک آزاد تنظیم ہونا چاہیے۔ اس کی عام پالیسی کے بارے میں آپ شوق سے کانفرنس کے ممبران سے مشورہ کیجیے۔

جولائی[1] کے آخر میں میرے یورپ جانے کا امکان ہے۔ اگر کچھ طے ہوا تو آپ کو مطلع کروں گا۔

مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے) 'لیٹرز آف اقبال'

راغب احسن کے نام

۳۰ رمئی ۳۳ء

ڈیر راغب صاحب

السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے، ستارہ کی حالت پہلے سے بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہے، مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ وہاں چلے گئے، جہاں بھی ہو خلوص و محبت کو ہاتھ سے نہ دو اور

[1] علامہ کا ارادہ تھا کہ اسلامی فکر میں تصور زماں و مکاں پر رہوڈز لیکچر (RHODES LECTURES) دیں۔ خرابی صحت کی بنا پر وہ اس سفر کے متحمل نہ ہو سکے۔

(بشیر احمد ڈار)

اپنی تمام قوتوں کو اسلام کی خدمت و حفاظت کے لیے وقف کر دو۔ اس وقت سبھی سب سے بڑی نیکی ہے کیونکہ اکا برامت یعنی علما و صوفیہ جو ہیں۔ اب وہ نہیں جو اُن کے اسلاف کا تھا نئے تعلیم یافتہ گروہ کے نزدیک منافقت سب سے بڑا اصول زندگی کا ہے اور وہ اپنے تمام معاملات میں اسی پر عمل پیرا ہیں لیکن یہ سب لوگ ذلیل ہوں گے اور حق آخر کار غالب آئے گا اگر میری زندگی میں نہیں تو آپ کی زندگی میں غالب آئے گا۔ میں ایک تجویز پر مدت سے غور کر رہا ہوں ممکن ہے اب وہ تجویز کوئی عملی صورت اختیار کرلے اگر ایسا ہوا تو آپ کو بھی اطلاع ہو جائے گی۔

میمورنڈم تیار کر کے بھیج دیا گیا ہے۔ میرے انگلستان نہ جا سکنے کے متعلق آپ کا خیال صحیح نہیں، یہ بات زبانی کہوں گا۔ خط میں لکھنے کی نہیں۔ ممکن ہے میں جولائی کے آخر میں یورپ کا سفر کروں کیا عجب کہ آپ بھی ساتھ ہوں۔ اگر امسال نہ گیا تو آئندہ سال انشاء اللہ العزیز۔ زیادہ کیا لکھوں سوائے اس کے کہ

مرے کدو کو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب
نہ میکدے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے

محمد اقبال

(اقبال: جہانِ دیگر)

صوفی غلام محی الدین کے نام

لاہور

۵ رجون ۱۹۳۳ء

جناب صُوفی صاحب۔ السلام علیکم

مہربانی کر کے ایک ہی دفعہ بہت سی رباعیات ہی نہ بھیج دیا کریں تھوڑی تھوڑی بھیجا کریں۔ ان کو رباعیات کہنا غلط نہیں باباطاہر عریاں کی رباعیات جو

اس بحر میں ہیں رباعیات ہی کہلاتی ہیں ۔ ان میں قطعات بھی داخل ہیں ۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ یہ رباعیات رباعی کے مقررہ اوزان میں نہیں ہیں ۔ مگر اس کا کچھ مضائقہ نہیں ۔

ذوالفقار علی خاں مرحوم کے بیٹے ڈیرہ دون میں ہیں مجھے ان کا ایڈریس معلوم نہیں ۔ میں اُن کے جنازے کے لیے مالیر کوٹلہ گیا تھا فقط ۔

محمدؐ اقبال

(اقبال نامہ)

پروفیسر علم الدین سالک کے نام[1]

۸ رجون ۳۳ء

جناب پروفیسر صاحب

وہ مسودہ[2] ابھی تک نہیں آیا میں اس کا منتظر ہوں تاکہ ڈیپوٹیشن جانے سے پہلے اس کی اشاعت ہو جائے

محمدؐ اقبال

(انوارِ اقبال)

(عکس)

---

[1] ان کو دو بیتی بھی کہتے ہیں ۔ (مولف)

[1] یہ خط کشمیر کے معاملات سے متعلق ہے (بشیر احمد ڈار)

[2] اقبال کشمیر کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے کشمیر کے معاملات کے متعلق ایک بیان جاری کرنا چاہتے تھے جس کا مسودہ تیار کرنے کے لیے پروفیسر سالک سے کہا گیا تھا ۔ (روحِ مکاتیبِ اقبال)

ایڈورڈ تھامپسن کے نام

لاہور

۲۰ جون ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر مسٹر تھامپسن

آپ کے گرامی نامہ کا بے حد شکریہ جو مجھے آخری ڈاک سے وصول ہوا مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ نے میرے خطبات پڑھنے کے لیے وقت نکالا اور میں آپ کے توصیفی کلمات کے لیے بے حد شکر گزار ہوں۔ آپ خاطر جمع رکھیے مجھے سیاست سے فی نفسہ کوئی دلچسپی نہیں۔ مجھے اسلام کے اخلاقی نظامِ حکومت میں جو دلچسپی ہے اس نے مجھے سیاست کی طرف مائل کیا ہے۔ میں نے سوچا کہ ہندو قوم پرستی آخر کار الحاد کی طرف لے جائے گی میں نے یہ بھی دیکھا کہ اسلامی نصب العین سے سراسر ناواقفیت کے باعث مسلمان اس قوم پرستی کے طوفان میں بہے چلے جا رہے ہیں۔ ان حالات میں میرا فرض تھا کہ آگے بڑھوں اور نوجوان نسل کے سامنے اسلامی نصب العین کا صحیح اور واضح مطلب پیش کروں۔ مجھے خوشی ہے کہ انھوں نے میری صداقت اور تحریروں نے کس حد تک اندازہ لگا لیا کہ مسلمانانِ ہند ایک جداگانہ قوم ہیں اور ان کے افکار و اطوار کے مطابق ان کو اپنی نشوونما کے لیے مواقع فراہم ہونا چاہییں اس کا مجھے یہ انعام ملا ہے گو اس کے حصول میں مجھے زبردست نقصان اٹھانا پڑا ہے اور جو تھوڑی بہت وکالت تھی وہ ہندوستان سے میری دو سال کی مسلسل عدم موجودگی نے تقریباً برباد کر دی۔ سوچتا ہوں کہ میں نے اپنی اولاد کے ساتھ ناانصافی کی ہے لیکن ایک مسلمان کا اسلام کی خدمت کا فریضہ اپنی اولاد کی خدمت سے افضل ہے۔ مستقبل میں اسلام اور انگلستان کو دشواریاں پیش آنے والی ہیں افسوس کی بات ہے کہ اسلام کا کوئی رہنما نہیں اور برطانوی سیاستداں معاملات فہمی

میں سست رو ہیں۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ سیاست میں میری دلچسپی اس حد کو عبور نہ کرے گی جو میں نے اپنے لیے متعین کی ہے۔ نئے دستور کے تحت کسی کونسل یا اسمبلی کی ممبری کے لیے میرا الیکشن لڑنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

رہوڈز لیکچرز دینے کی دعوت میرے لیے صد افتخار ہے۔ میں اپنے آپ کو بے حد خوش نصیب سمجھوں گا اگر مجھے مدعو کیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ میرے لیے کوشاں ہیں۔ اس کے لیے میں آپ کا ممنون ہوں۔

میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آیا آکسفورڈ یونیورسٹی نے میرے خطبات کو شائع کرنے کا کوئی حتمی فیصلہ کر لیا ہے۔ اس صورت میں ان خطبات میں چند ترمیمات کرنا چاہوں گا۔ براہ کرم یہ معلوم کر کے مجھے مطلع کیجیے گا۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(اقبال۔ ان کے سیاسی نظریات پورا ہے پر)

(انگریزی سے)

ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ حیدر آبادی کے نام

لاہور

۲۰ جون ۳۳ء

جناب من تسلیم

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے۔ میرا دوستانہ مشورہ یہ ہے کہ آپ شعر و سخن میں اپنا وقت عزیز ضرور صرف کریں۔

مخلص محمد اقبال لاہور

(اقبال نامہ)

(عکس)

قیام کے اپنا علم بڑھا سکتے ہیں اور اصل بات علم نہیں بلکہ بصیرت ہے جو عطائے ربانی ہے۔ اس سے خدا تعالیٰ نے آپ کو حصہ وافر دیا ہے اور ابھی یہ بصیرت عمر کے ساتھ اور بڑھے گی۔ فقط

محمد اقبال لاہور
۴ جولائی ۳۳ء
(اقبال۔ جہان دیگر)

ڈاکٹر عباس علی خاں معہ حیدر آبادی کے نام

جناب من تسلیم

آپ کا خط مل گیا ہے۔ اس سے پہلے بھی میں آپ کو لکھ چکا ہوں مگر ممکن ہے مراسلہ آپ تک نہ پہنچا ہو اس واسطے کہ میں آپ کا نام صحیح طور پر پڑھ نہ سکا تھا۔ بہرحال میں نے آپ کو یہ مخلصانہ مشورہ دیا تھا کہ آپ شعر و شاعری کا مشغلہ ترک نہ کر دیں۔

اسرار خودی کا ترجمہ ' نے شائع کیا تھا۔ اس کے ترجمے کے مصنف ' کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں۔ انھوں نے بعض نظمیں پیام مشرق کی بھی ترجمہ کی تھیں۔ جو جرمنی کے رسالہ ' " میں شائع ہوئی تھیں۔ سر نظامت کا خط واپس ارسال خدمت ہے۔

(عکس)

مخلص محمد اقبال ۷ جولائی ۳۳ء

(اقبال نامہ)

لہ عکس سے پتہ چلتا ہے کہ اقبال سے نقطہ ' ' ' چھوٹ گیا تھا۔ اقبال نامہ میں اس کا اضافہ کر دیا گیا اس لیے اس کو قوسین میں لکھا جا رہا ہے۔ (مولف)

لیک ـ منا سب اور حد ـ

مائی ڈیر مسٹر گاربیٹ

آپ کے نیم سرکاری خط کا بہت بہت شکریہ جو مجھے کل موصول ہوا۔ ذاتی ذرائع سے حاصل کردہ معلومات نیز پنجاب پریس میں شائع شدہ خبروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کشمیر میں حالات ہرگز اطمینان بخش نہیں ہیں۔ ہجرت کی تحریک پہلے سے چل رہی ہے اور سول نافرمانی کی مہم شروع کرنے کا ارادہ ہے۔ یہ کافی وحشت ناک صورت حال ہے اور مجھے ممکن ہے کہ یہ بقیہ ہندوستان کے مسلمانوں میں نقص امن کا باعث ہو۔

میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ہز ایکسیلنسی گورنر کو یہ یقین دہانی کرادیں کہ کشمیر کمیٹی کو محض یہ تردد ہے کہ کسی طرح کشمیر میں حالات معمول پر رہیں اس وقت نہ میں اور نہ ہی کمیٹی کا کوئی اور رکن کشمیر جانے کا ارادہ کر رہے ہیں بہ کیف اگر حالات اس حد تک خراب ہوئے جن سے کشمیر کے باہر رہنے والے مسلمانوں میں نقص امن ہو جائے تو میں پیش بینی نہیں کر سکتا کہ کشمیر کمیٹی کیا اقدام کرے گی دریں اثنا کمیٹی امید کرتی ہے کہ مسلمانوں کی جائز شکایتوں کے فوری تدارک کی ضرورت کو گورنمنٹ براہ کرم کشمیر گورنمنٹ کے ذہن نشین کرلے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(غیر مطبوعہ)

(انگریزی سے)

نوٹ بعد شکریہ جناب سلیم الدین قریشی صاحب، لائبریرین، انڈیا آفس لائبریری اینڈ ریکارڈز، لندن۔ تفصیل کے لیے مؤلف کا مضمون بعنوان "علامہ اقبال کا ایک غیر مطبوعہ خط نام سی سی گاربٹ" جریدہ "اقبالیات" اقبال اکیڈمی، پاکستان لاہور شمارہ ... ملاحظہ ہو۔

(مؤلف)

ق ب ۵۰ ب ، ا ول ص ۳

عبدالماجد دریا بادی کے نام

لاہور

۲۰ جولائی ۱۹۳۲ء

جناب مکرم السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے شکریہ قبول فرمائیے میں بڑی خوشی سے ایڈریس لکھوں گا لیکن اسی دسمبر میں نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو شاید میں ہندوستان میں نہ ہوں گا اور اگر ہوا تو ایک اور ایڈریس لکھنے کا وعدہ کر چکا ہوں۔ ہاں آئندہ سال اگر سید راس مسعود چاہیں تو میں حاضر ہوں۔

آپ نے اپنے اخبار میں میرے مضمون کا ذکر کیا ہے جو انگریزی اخباروں میں چھپا ہے۔ عرض یہ ہے کہ یہ اصل میں ایک انٹرویو تھا جو ہنگری کے اخباری نامہ نگار کو دیا گیا تھا۔ اُس نے بعض خاص سوالات کیے تھے جن کے جواب دیئے گئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں اس نے اس انٹرویو کو ایک مستقل مضمون کی صورت دے کر انگریزی اخبارات میں بھیج دیا اور بہت سی ضروری باتیں چھوڑ گیا۔ شاید اس وجہ سے کہ اس کے مضمون کا ربط قائم رہے تعجب ہے کہ لکھنؤ کے اخبار ہمدم میں کسی صاحب نے اس پر اعتراضات کیے ہیں جنھوں نے مضمون مذکور کے مقاصد کو ٹھیک طور پر نہیں سمجھا۔

آپ نے اپنے پہلے خط میں، وطنیت، کے اصول پر اسلام کے اصول اجتماعی کو ترجیح دینے میں مجھے امام العصر کہا ہے۔ جس کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ ایک نیشنلسٹ اخبار جس کے چار ایڈیٹر ہیں اور چاروں مسلمان ہیں۔ اور جس کا پہلا نمبر لاہور سے آج ہی نکلا ہے لکھتا ہے کہ اقبال نے، وطنیت" کا عذر لنگ تراشا ہے، دیکھا مغربی کالجوں کے پڑھے ہوئے مسلمان نوجوان روحانی اعتبار سے

اعتراف کیا کہ خودان کا اما فلسفہ بھی اس رُخ پر جارہا ہے۔
مجھے مسرت ہوئی کہ آپ کو "دیوان شمس تبریز" پسند آیا۔ یہ رومی کی غزلیات کا مجموعہ ہے۔ ان کی مشہور مثنوی کو کیمبرج کے پروفیسر نکلس ایڈٹ کررہے ہیں۔ اس مثنوی کے بارے میں یہ معروف ہے تمام دنیائے اسلام میں زباں زد خاص و عام ہے ع

ہست قرآں در زبان پہلوی

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(اقبال ان کے سیاسی نظریات جورا ہے یہ)

(انگریزی سے)

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور
۹ اگست ۱۹۳۳ء

مخدومی۔ السلام علیکم
چند ضروری امور دریافت طلب ہیں جن کے لیے زحمت دے رہا ہوں ازراہ عنایت معاف فرمائیے۔
۱۔ حضرت محی الدین ابن عربیؒ کے 'فتوحات' یا کسی اور کتاب میں حقیقت زمان کی بحث کس کس جگہ ہے؟ حوالے مطلوب ہیں۔
۲۔ حضرات صوفیہ میں اگر کسی اور بزرگ نے بھی اس مضمون پر بحث

لہ وہ پیغمبر نو نہیں مگر آسمانی کتاب رکھتا ہے۔

کی ہو تو اس کے حوالے سے بھی آگاہ فرمایئے۔

۳ متکلمین کے نقطۂ خیال سے حقیقت زمان یا آن سیال پر مختصر اور مدلل بحث کونسی کتاب میں ملے گی؟

امام رازی کی مباحث مشرقیہ میں آج کل دیکھ رہا ہوں۔

۴۔ ہندوستان میں بڑے بڑے اشاعرہ کون کون سے ہیں۔ اور ملا محمود جونپوری کو چھوڑ کر کیا اور فلاسفر بھی ہندوستانی مسلمانوں میں پیدا ہوئے؟ ان کے اسمائے سے مطلع فرمایئے اگر ممکن ہو تو ان کی بڑی بڑی تصنیفات سے بھی۔

امید کہ مزاج بخیر و عافیت ہوگا والسلام

مخلص محمد اقبال

(عکس) (اقبال نامہ)

پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی کے نام

لاہور

۸ راگست ۱۹۲۳ء

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ السلام علیکم

اگرچہ زیارت اور استفادہ کا شوق ایک مدت سے ہے تاہم اس سے پہلے شرف نیاز حاصل نہیں ہوا۔ اب اس محرومی کی تلافی اس عریضہ سے کرتا ہوں۔ گو مجھے اندیشہ ہے کہ اس خط کا جواب لکھنے یا لکھوانے میں جناب کو زحمت ہوگی۔ بہر حال جناب کی وسعتِ اخلاق پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ چند سطور لکھنے کی جرات کرتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیش نظر مقصد کے لیے کھٹکھٹایا جائے۔

میں نے گزشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانی پر ایک تقریر

کی تھی جو وہاں کے اداشناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی۔ اب پھر ادھر جانے کا قصد ہے۔ اور اس سفر میں حضرت محی الدین ابن عربی پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے نظر بایں حال چند امور دریافت طلب ہیں۔ جناب کے اخلاق کریمانہ سے بعید نہ ہوگا اگر ان سوالات کا جواب شافی مرحمت فرمایا جائے۔

(۱) اول یہ کہ حضرت شیخ اکبرؒ نے تعلیم حقیقتِ زمان کے متعلق کیا کہا ہے اور ائمۂ متکلمین سے کہاں تک مختلف ہے۔

(۲) یہ تعلیم شیخ اکبرؒ کی کون کون سی کتب میں پائی جاتی ہے اور کہاں کہاں، اس سوال کا مقصود یہ ہے کہ سوال اول کے جواب کی روشنی میں خود بھی ان مقامات کا مطالعہ کر سکوں۔

(۳) حضرات صوفیا میں سے اگر کسی اور بزرگ نے بھی حقیقتِ زمان پر بحث کی ہو تو اُن بزرگ کے ارشادات کے نشان بھی مطلوب ہیں۔ مولوی سید انور شاہ مرحوم و مغفور نے مجھے عراق کا ایک رسالہ مرحمت فرمایا تھا۔ اس کا نام تھا فی درایۃ الزمان۔ جناب کو ضرور اس کا علم ہوگا۔ میں نے یہ رسالہ دیکھا ہے۔ مگر چونکہ یہ رسالہ بہت مختصر ہے اس واسطے مزید روشنی کی ضرورت ہے۔

میں نے سنا ہے کہ جناب نے درس و تدریس کا سلسلہ ترک فرمادیا ہے۔ اس واسطے مجھے یہ عریضہ لکھنے میں تامل تھا۔ لیکن چونکہ مقصود خدمتِ اسلام ہے، مجھے یقین ہے کہ اس تصدیعہ کے لیے جناب مجھے معاف فرمائیں گے اور جواب باصواب سے ممنون فرمائیں گے باقی التماسِ دعا۔

مخلص

محمد اقبال۔ بیرسٹر ایٹ لا لاہور

(اقبال نامہ)

غلام رسول مہر کے نام

ڈیر مہر صاحب

مضمون سے مطلع ہوا۔ یہ خط واپس ارسال ہے کہ آپ کو اطمینان ہوجائے کہ اور کوئی اسے نہ دیکھے گا۔ کل صبح یہیں آجائیے گا، اکٹھے چلیں گے۔ والسلام۔

محمد اقبال

اگر آپ نہیں آسکتے تو بتائیے کونسی گاڑی میں آرہے ہیں؟ فرانٹیر میل یا بمبئی میل یا کوئی اور گاڑی؟ [1]

محمد اقبال

(عکس) (انوارِ اقبال)

---

[1] مہر صاحب نے اپنے خط مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۳۳ء میں اقبال کو لکھا تھا کہ بھوپال سے شعیب صاحب کا خط آیا تھا جس میں انھوں نے مطلع کیا ہے کہ وہ اور نواب صاحب بھوپال کشمیر جاتے ہوئے ۱۵ اگست ساڑھے سات بجے صبح لاہور سے گزریں گے اور نواب صاحب کی خواہش ہے کہ وہ لاہور اسٹیشن پر علامہ اقبال سے ملاقات کریں۔ نیز یہ تاکید کی ہے کہ ان کے آنے کی اطلاع مخفی رکھی جائے۔ چنانچہ اقبال اور مہر صاحب نے نواب صاحب سے ملاقات کی۔ مہر صاحب کا بیان ہے کہ یہ ملاقات سیاسی نوعیت کی نہ تھی بلکہ محض نواب صاحب اقبال سے ملنے کے خواہش مند تھے۔

اقبال نے اپنا یہ خط مہر صاحب کے اسی خط پر تحریر کرکے مہر صاحب کو واپس بھیج دیا تھا۔ (بشیر احمد ڈار)

یہ خط غلام رسول مہر کے خط محررہ ۱۴ اگست ۱۹۳۳ء کے جواب میں ہے جس پر MOST CONFIDENTIAL درج تھا علامہ نے اس خط کی پشت پر جواب لکھا۔ خط کو بصیغۂ راز رکھنے کا اس سے زیادہ مناسب طریقہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

Telegrams INQILAB Telephone No. [illegible]

The Daily "Inqilab", Lahore

A FIRST CLASS URDU DAILY IN NORTHERN INDIA

MOST POPULAR AND WIDELY CIRCULATED

No. ____ Dated ____ 193

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور

۲۲ راگست ۲۳ء

مخدومی جناب مولانا، السلام علیکم

نوازش نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے بہت شکر گزار ہوں، جتنی آگاہی آپ نے دے دی ہے وہ اگر زمانہ فرصت دے تو باقی عمر کے لیے کافی ہے۔

مولانا حکیم برکات احمد صاحب بہاری ثم ٹونکی کا رسالہ تحقیق زمان مطبوعہ ہے یا قلمی؟ اگر قلمی ہے تو کہاں سے عاریتہً ملے گا؟ علیٰ ہذا القیاس۔ مولانا شاہ اسمٰعیل شہید کی، عبقات، قاضی محب اللہ کی جوہرالفرد، اور حافظ امان اللہ بنارسی کی تمام تصانیف کہاں سے دستیاب ہوں گی؟

زمان و مکان و حرکت کی بحث اس وقت فلسفہ اور سائنس کے مباحث میں سب سے زیادہ اہم ہے۔ میری ایک مدت سے خواہش ہے کہ اسلامی حکماء و صوفیہ کے نقطۂ نگاہ سے یورپ کو روشناس کرایا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کا بہت اچھا اثر ہوگا۔

میرے لکچر آکسفورڈ یونیورسٹی چھاپ رہی ہے، اردو ترجمہ نیازی صاحب نے ختم کر لیا ہے۔ اس کی طباعت بھی عنقریب شروع ہوگی۔

جن کتابوں کا آپ نے اپنے والا نامے میں ذکر فرمایا ہے کیا آپ کے کتب خانۂ دارالمصنفین میں موجود ہیں؟ اگر ہوں تو میں چند روز کے لیے وہیں

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا) تاہم علامہ نے جوابی خط پر کوئی تاریخ درج نہیں کی۔ ڈار صاحب کی تحریر کردہ تاریخ ۱۴ راگست ۱۹۳۳ء قیاسی ہے جس کی صراحت انھوں نے نہیں کی۔

(صابر کلوروی۔ مکاتیب اقبال کے مآخذ۔ چند مزید حقائق)

حاضر ہو جاؤں اور آپ کی مدد سے اُن میں سے بعض کو دیکھ سکوں۔
پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ان میں سے بعض موجود ہیں مگر سب نہیں۔ اس کے علاوہ یہاں علمی شغف رکھنے والے طلبا بھی موجود نہیں ہیں جن سے وقتاً فوقتاً استفادہ کیا جائے۔ فی الحال میں مولوی نورالحق صاحب[1] کی مدد سے مباحث مشرقیہ[2] دیکھ رہا ہوں، اس کے بعد شرح مواقف[3] دیکھنے کا قصد ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا جو زحمت میں کبھی آپ کو دیتا ہوں اُس کے لیے معاف فرمادیا کریں۔ حضرت ابن عربی کے بحث زمان کا ملخص اگر عطا ہو جائے تو بہت عنایت ہو گی۔ آپ کے ملخص کی روشنی میں کتاب میں خود پڑھوں گا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

(اقبال نامہ)

---

[1] مولوی نورالحق اورینٹل کالج لاہور میں مولوی عبدالعزیز میمنی کی جگہ دسمبر ۱۹۲۵ء میں ایڈیشنل مولوی مقرر ہوئے اور ۱۹۴۲ء میں سبکدوش ہوئے۔ مباحث مشرقیہ کا استفادہ اسی دوران میں کیا ہو گا۔ دوسرے اقبال نے ۱۹۲۹ء میں مدراس اور علی گڑھ میں جو لیکچر دیئے ان کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۰ء میں چھپا۔ دوسرا ایڈیشن آکسفورڈ یونیورسٹی نے ۱۹۳۴ء میں شائع کیا۔ ۱۹۳۳ء میں یہ طباعت شروع تھی اور اقبال اس کے پروف دیکھ رہے تھے۔ ان حوالاجات سے مذکورہ بالا خط کی تاریخ قطعی طور پر ۱۴ اگست متعین ہو جاتی ہے۔
ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ اقبال ایک مطالعہ۔ ص ۲۵۷۔

[2] طبیعیات و الٰہیات میں امام رازی کی اہم تصنیف۔

[3] فلسفہ و علم کلام کی مشہور کتاب۔

(شیخ عطاء اللہ)

نامعلوم مکتوبؒ الیہ کے نام

جناب مولوی صاحب السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے بہت شکر گزار ہوں مسٹر نعیم الحق صاحب کے خط سے جو انھوں نے شیخ عبدالحمید کو لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ

لہ ۔ اقبال نامہ (حصہ اول) میں تین خط ایسے بھی درج ہیں جن کا مکتوب الیہ گمنام ہے۔ مرتب اقبال نامہ نے لکھا ہے کہ یہ خطوط سید نعیم الحق صاحب کا عطیہ ہیں اور ان کا خیال ہے کہ یہ شیخ عبداللہ کے نام لکھے گئے تھے۔ شیخ صاحب نے مزید لکھا ہے کہ ان کے خیال میں یہ کسی اور بزرگ کے نام لکھے گئے ہیں یوں ان خطوط کا مکتوب الیہ گمنام ہوگیا ہے۔

ان تین مکتوبات میں ایک خط یکم ستمبر ۱۹۳۲ء کا ہے دوسرے مکتوب پر اگرچہ تاریخ ۲ ستمبر ۱۹۲۲ء لکھی ہے لیکن یہ غلط ہے یہ خط بھی ۱۹۳۲ء ہی میں لکھا گیا تھا۔ تیسرے خط پر تاریخ درج نہیں جیسا کہ راقم الحروف پہلے ذکر کر چکا ہے کہ یہ خط اگست ۱۹۳۲ء میں لکھا گیا تھا۔

صابر کلوروی کی یہ رائے محل نظر ہے۔ اندرونی شواہد کی روشنی میں یہ مکتوب ستمبر ۱۹۳۲ء کا اور مذکورہ دونوں مکاتیب محررہ یکم ستمبر ۱۹۳۲ء اور ۲ ستمبر ۱۹۳۲ء کے بعد کا قرار دیا جا سکتا ہے۔ تینوں خطوط کا تعلق ایک ہی موضوع سے ہے۔ انجمن کشمیریان کے مقدمہ کی پیروی کے لیے سید نعیم الحق بیرسٹر پٹنہ کو مکتوب الیہ کے توسط سے آمادہ کیا جا رہا ہے۔ یہ خط اس سلسلہ کی آخری کڑی ہے۔

مکتوب الیہ کی جستجو کے ضمن میں ستمبر اور اکتوبر ۱۹۳۲ء میں لکھے جانے والے علامہ کے تمام خطوط کو بنظر غائر دیکھ کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مولوی صاحب سے مراد کون سی شخصیت ہو سکتی ہے۔ ستمبر ۱۹۳۲ء میں لکھے جانے والے علامہ اقبال کے خطوط شائع شدہ کی تعداد تو اور اکتوبر ۱۹۳۲ء کے خطوط کی تعداد گیارہ بنتی ہے۔ (بقیہ اگلے صفحے پر)

اُن کے خیال میں کشمیر اور سری نگر دو مختلف جگہیں ہیں۔ اُن کی خدمت میں عرض کریں کہ کشمیر ملک کا نام ہے اور سری نگر دارالسلطنت ہے۔ مقدمات جو بھی ہوں سری نگر میں ہوں گے اور جہاں تک میں خیال کرتا ہوں اُن کو زیادہ مدت وہاں ٹھہرنا نہ پڑے گا۔ شیخ عبدالحمید صاحب کا خط مجھے آج آیا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ

(بقیہ پچھلے صفحے کا) ان خطوط میں سے ایک خط سے مکتوب الیہ کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ (اس سے مراد مرزا یعقوب بیگ کے نام خط سے ہے جو ۲ ستمبر ۳۲ ۱۹ء کو لکھا گیا۔ اس خط میں جو ایک دستی خط کے جواب میں تھا علامہ نے لکھا تھا کہ "آل انڈیا کشمیر کیٹی کا اجلاس ۱۳ ستمبر تک ممکن نہیں کیونکہ بہت سے ممبران لاہور سے باہر گئے ہوئے ہیں دونوں سکرٹری بھی باہر گئے ہیں ..."

دونوں سکرٹریوں سے مراد سید شمس الحسن، سکرٹری مسلم لیگ اور مولوی سر محمد یعقوب، سکرٹری مسلم لیگ ہیں۔ مولوی سر محمد یعقوب کے نام علامہ کا ایک اور خط محررہ ۴ ر اگست ۱۹۳۰ء شائع ہوا ہے۔ جس میں القاب "ڈیر مولوی صاحب" ہے مولوی سر محمد یعقوب ۱۹۲۷ء میں مسلم لیگ کے صدر تھے لیکن بعد میں ۳۲ ۱۹ - ۳۴ ۱۹ء میں وہ مسلم لیگ کے آنریری سکرٹری بنا دیئے گئے۔ مولوی سر محمد یعقوب کے نام علامہ کے پانچ مزید خطوط جو اردو میں لکھے گئے تھے شائع ہو چکے ہیں۔ ان پانچوں خطوط کا القاب بھی "جناب من" ہے جس طرح علامہ کے یکم ستمبر ۳۲ ۱۹ء والے زیر بحث خط میں ہے۔ انہی خطوط کے ساتھ سید شمس الحسن اسسٹنٹ سکرٹری مسلم لیگ کے نام بھی چار خطوط شامل ہیں۔

ان معروضات کی روشنی میں زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ یہ تینوں خطوط بھی مسلم لیگ کے آنریری سکرٹری مولوی سر محمد یعقوب کے نام لکھے گئے تھے۔

(صابر کلوروی۔ مکاتیب اقبال کے مآخذ۔ ایک تحقیقی جائزہ ص۔ ۵۶۔ ۵۷)

سر محمد یعقوب وائسرائے کی کونسل کے ممبر تھے۔ ان کا وطن مراد آباد تھا وہ مراد آباد میں رہتے تھے یا پھر دہلی میں۔ ان خطوط سے صاف ظاہر ہے کہ مکتوب الیہ کا تعلق (بقیہ اگلے صفحے پر)

سید نعیم الحق صاحب کا سفر خرچ کشمیر کمیٹی کی طرف سے ادا ہونا چاہیے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ سید صاحب موصوف اس حقیر رقم کو جو سفر خرچ کی صورت میں اُن کی خدمت میں پیش کی جائے قبول نہ کریں گے۔ اور یہ کام للہ مسلمانوں کے لیے کریں گے۔ کشمیر کمیٹی کے پاس زیادہ فنڈ نہیں ہے۔ ورنہ میں خود سید صاحب کی خدمت میں پیش کرتا اس واسطے مہربانی کر کے ان کی خدمت میں عرض کریں کہ اگر آپ بلا کسی قسم کے معاوضہ اور سفر خرچ کے یہ خدمت کریں تو اللہ کے نزدیک اجر جزیل کے مستحق ہوں گے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی اور صورت میں اس کا اجر مل جائے گا۔

سید صاحب موصوف سے یہ بات طے کر کے مجھے بذریعہ تار مطلع فرمائیں تاکہ ان کی خدمت میں کاغذات ضروری بھجواؤں اور یہ بھی اطلاع دوں کہ کس تاریخ پر ان کو سری نگر پہنچنا چاہیے۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ سید صاحب موصوف کی خدمت میں میری طرف سے بہت بہت شکریہ ادا کریں

مخلص محمد اقبال

(اقبال نامہ)

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا)

پٹنہ سے ہے اس لیے صابر کلوروی صاحب کی تحقیق محلِ نظر ہے۔

(نوٹ)

اس خط پر تاریخ درج نہیں۔

راغب احسن کے نام

لاہور۔ ۳۱ اگست ۳۴ء

ڈیر راغب صاحب

السلام علیکم

میں دو چار روز سے علیل ہوں اور مضمحل۔ وجہ شاید درد دنداں۔ فلاح دنداں اخراج دنداں۔ مگر اخراج سے گھبراتا ہوں اگرچہ اس کا تجربہ بھی پہلے کر چکا ہوں۔ آپ نے جو کچھ لکھا ہے اس کا ایک ایک حرف درست ہے۔ مجھ کو ایک مدت سے اس کا احساس ہے اور اب تو گزشتہ پانچ چار سال کے تجربہ نے مجھ کو اپنے تمام لیڈروں سے مایوس کر دیا ہے۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں اس وقت زمام کار ہے ان سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ ان کے تخیلات مریض اور تاریک ہیں۔ میں نے بہت سوچا ہے اور اکثر احباب نے مشورہ دیا ہے کہ آپ سلسلہ بیعت شروع کریں۔ کم از کم پنجاب کے ..... کو اپنے تخیلات کی روشنی میں تربیت کیجیے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ سلسلہ امارت سے جس کی بنا بیعت پر ہو گھبراتا ہوں اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ کہیں ہماری پوری جماعت ہی ایک فرقہ بن کر نہ رہ جائے۔ اس کے علاوہ اس لیڈر گردی میں جماعت کا تیار کرنا بھی مشکل ہے اور دیگر حضرات اس کی راہ میں مخل ہوں گے۔ غرض کہ فی الحال کوئی راہ اس تاریکی میں نظر نہیں آتی اور ملت پست اور مضمحل ہو رہی ہے۔ خدائے تعالیٰ فضل کرے کوئی مناسب فضا پیدا کرے۔ اور کچھ نہیں تو میری پریشانی ہی رفع کر دے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ فقط

مخلص محمد اقبال

(اقبال: جہان دیگر)

نامعلوم مکتوب الیہ کے نام

لاہور

یکم ستمبر ۳۲ء

جناب من السلام علیکم

آپ کا تار کل مل گیا تھا۔ جس کے لیے بہت شکریہ ہے مہربانی کر کے میری طرف سے اور جملہ ممبران کشمیر کمیٹی کی طرف سے مسٹر نعیم الحق صاحب کی خدمت میں بہت بہت شکریہ ادا کریں مجھے یقین ہے کہ مسلمانان پنجاب و کشمیران کی خدمت کی بہت قدر کریں گے۔ کل مجھے کشمیر سے تار آیا تھا کہ ضروری کاغذات مسٹر نعیم الحق صاحب کی خدمت میں ارسال کر دیئے گئے ہیں۔ تاریخ مقدمہ ۲۲ ستمبر ہے اور مقدمہ سری نگر میں ہو گا۔ شیخ عبدالحمید صدر کشمیر کانفرنس ان کو مفصل ہدایات لکھ دیں گے کہ ان کو کون سے رستے سری نگر پہنچنا چاہیے، یعنی جموں کے راستے یا راولپنڈی کے راستے۔ دونوں رستے اچھے ہیں۔ جموں یا راولپنڈی سے موٹر پر جاتے ہیں اور راہ نہایت پُر فضا ہے مجھے یقین ہے کہ مسلمانانِ کشمیران کا مناسب استقبال کریں گے۔ میرا یہ عریضہ مسٹر نعیم الحق کو دکھا دیجئے۔

میں براہ راست ان کی خدمت میں لکھتا مگر معلوم نہ تھا کہ وہ اس وقت پٹنہ میں ہیں یا اپنے کام کے سلسلہ میں کہیں باہر تشریف لے گئے ہیں۔ میں نے کل رات شیخ عبدالحمید صاحب کو مسٹر موصوف کے متعلق ایک مفصل خط لکھ دیا ہے۔

والسلام

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

سر محمد یعقوب کے نام

جناب مولوی صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے نعیم الحق صاحب کو آمادہ کر لیا۔ کل شیخ عبدالحمید صاحب کا تار آیا کہ نعیم صاحب کو کاغذات بھیج دیئے گئے ہیں۔ باقی جو آپ نے کسی اور صاحب کے متعلق لکھا ہے اس کے لیے بھی آپ کا بہت ممنون ہوں۔ ان کو بھی آمادہ رکھیے جب ان کو مدد کی ضرورت ہو گی تو میں آپ کو بذریعہ تار یا خط مطلع کروں گا۔ اس سے پہلے بھی ایک خط آپ کی خدمت میں لکھ چکا ہوں۔ نعیم الحق صاحب کی خدمت میں مزید شکریہ۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ ۴ ستمبر کو میں شملہ جا رہا ہوں۔ مولوی شفیع داؤدی صاحب سے بھی ملاقات ہو گی۔

محمد اقبال۔ ۲ ستمبر ۳۲ء

لاہور

(اقبال نامہ)

اقبال نامہ اول ص۔ ۳۴۹ میں اس خط کی تاریخ ۲ ستمبر ۱۹۲۲ء درج ہے۔ خط کے آخر میں یہ فقرہ "کل شیخ عبدالحمید صاحب کا تار آیا کہ نعیم صاحب کو کاغذات بھیج دیے گئے ہیں" یہ کاغذات مسلمانانِ کشمیر کے مقدمات کے سلسلے میں ہیں جو سید نعیم الحق بیرسٹر پٹنہ کو بھیجے گئے۔ سید نعیم الحق کے نام انگریزی خطوط "لیٹرز اینڈ رائٹنگس آف اقبال" ص ۲۰ - ۲۳ پر ہیں۔ یہ خطوط ۱۳ جنوری ۱۹۳۴ء تا ۹ فروری ۱۹۳۴ء کشمیری مسلمانوں کے مقدمات کے متعلق ہیں اور ان میں شیخ عبدالحمید کے مرسلہ کاغذات کا حوالہ بھی ملتا ہے۔ لہٰذا مذکورہ بالا خط کی تاریخ ۱۹۲۲ء درست نہیں۔ غالباً یہ سنہ ۱۹۳۳ء کا ہے جب کہ اقبال نامہ (اول) میں اس سے اگلے خط پر کوئی تاریخ درج نہیں لیکن مذکورہ بالا خط سے اس کی تاریخ بھی متعین ہو جاتی ہے۔

(ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ اقبال ایک مطالعہ ص۔ ۲۶۱)

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور

۴ ستمبر ۲۲ء

مخدومی، السلام علیکم

والانامہ ابھی ملا ہے، جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

رسالہ اِتقان فی ماہیۃِ الزمان آج مل گیا، میں نے اس کے لیے ایک دوست کو ٹونک لکھا تھا۔ آج مولوی برکات احمدؒ کے ایک اور رسالہ کے لیے جو اردو میں ہے لکھا ہے۔ ہندی فلسفی ساکن پھلواری مصنف تسویات فلسفہ کا نام کیا ہے؟ اور کتاب مذکور طبع ہوئی یا نہ، اگر نہیں طبع ہوئی تو قلمی نسخہ اس کا کہاں سے دستیاب ہوگا، مہربانی کرکے جلد مطلع فرمائیں۔

شرح مواقف دیکھ رہا ہوں، فتوحات کا مطالعہ آپ کا ملخص آنے کے بعد دیکھوں گا[1]، خدا کرے آپ کی صحت اچھی رہے اور آپ اس طرف جلد توجہ کرسکیں

نورالاسلام کا عربی رسالہ بابت مکان جو رامپور میں ہے کس زبان میں ہے، قلمی ہے یا مطبوعہ، نورالاسلام کا زمانہ کون سا ہے؟

اس تصدیع کے لیے معافی کا خواستگار ہوں۔

علوم اسلام کی جوئے شیر کا فرہاد آج ہندوستان میں سوائے سید سلیمان ندوی کے اور کون ہے؟

دارالمصنفین کی طرف سے ہندوستان کے حکمائے اسلام پر ایک کتاب نکلنی چاہیئے اس کی سخت ضرورت ہے۔ عام طور پر یورپ میں

---

[1] کروں گا سہو قلم ہے۔

(عطاءاللہ)

سمجھا جاتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی کوئی فلسفیانہ روایات نہیں ہیں۔ والسلام۔

مخلص محمدؐ اقبال

(عکس) (اقبال نامہ)

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

مخدومی جناب مولینا، السلام علیکم

ایک عریضہ پہلے ارسال کر چکا ہوں، اس کے جواب کا انتظار ہے۔ اس عریضہ میں یہ دریافت کرنا بھول گیا کہ ملا محب اللہ بہاریؒ کی کتاب جواہر الفرد کہاں سے ملے گی؟

شاہِ افغانستان آپ سے تعلیمِ مذہبی کے بارہ میں مشورہ چاہتے ہیں۔ شاید اسی ماہِ ستمبر میں آپ کو کابل سے دعوت آئے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ جانے کے لیے تیار ہوں گے۔ ممکن ہے کہ سید راس مسعود اور اقبال بھی آپ کے ہمراہ ہوں۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

جواب کا انتظار ہے۔

محمدؐ اقبال، لاہور
۱۰ر ستمبر ۳۳ء
(اقبال نامہ)

(عکس)

مرزا یعقوب بیگ کے نام

۱۲ ستمبر ۳۲ء

جناب مرزا صاحب

آپ کا دستی خط ابھی ملا ہے۔ اس وقت تک مجھے کوئی اطلاع نہ تھی۔ ہاں اخباروں میں ضرور دیکھا تھا کہ آپ کا کوئی جلسہ لورینگ ہوٹل میں ہوا ہے۔ آپ کے خط کے ساتھ مہر صاحب کا ایک خط ملا جس میں وہ لکھتے ہیں کہ ۲۱ ستمبر سے پہلے جواب دیا جائے۔ افسوس ہے کہ میں ان کے خط کا جواب آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے اجلاس میں ان کا خط پیش کرنے کے بغیر عرض نہیں کر سکتا آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا اجلاس ۲۱ ستمبر تک ممکن نہیں کیونکہ بہت سے ممبران لاہور سے باہر گئے ہیں۔ دونوں سکریٹری بھی باہر گئے ہیں۔ رحیم بخش صاحب بھی یہاں نہیں ہیں۔ میں اپنی ذمہ داری پر کوئی جواب لکھنا نہیں چاہتا۔ ہاں ذاتی رائے رکھتا ہوں جس کے بیان کرنے کا موقع ابھی نہیں آیا۔ والسلام

محمد اقبال

اس خط کے مکتوب الیہ مرزا یعقوب بیگ لاہور کے مشہور ڈاکٹر اور لاہوری جماعت احمدیہ کے سرگرم کارکن تھے۔

۱۹۳۱ء کے آخری مہینوں میں کشمیر میں فسادات کا ایک بے ساختہ سلسلہ شروع ہوا۔ مجلس احرار نے عملی مظاہرے شروع کیے۔ دوسری طرف ایک علیحدہ کشمیر کمیٹی کا قیام عمل میں آیا جس کا مقصد آئینی ذرائع سے مسلمانانِ کشمیر کی مدافعت تھی اس سلسلے میں اس کمیٹی کے صدر مرزا بشیرالدین محمود تھے۔

کشمیر کمیٹی کے اکثر اجلاس لورینگ ہوٹل میں ہوتے تھے جو مال روڈ پر واقع تھا جہاں آج کل پی آئی اے کا دفتر ہے۔

رحیم بخش مرحوم ریٹائرڈ سیشن جج تھے جو کشمیر کے معاملات میں بہت دلچسپی رکھتے تھے۔

(دلشہرا ۲ مڈار)

مہربانی کر کے یہ خط مہر صاحب تک پہونچا دیں کہ ان کے خط کا جواب بھی یہی ہے جو ادھر مذکور ہوا۔

محمد اقبال

(انوارِ اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب السلام علیکم

آپ کا خط آج سلامت اللہ شاہ صاحب سے ملا۔ کتاب کی طباعت آکسفورڈ یونیورسٹی نے شروع کر دی ہے اور میں نصف کے قریب پروف دیکھ چکا ہوں۔ یہ پہلا پروف ہے۔ مسٹر ملفورڈ[1] مہتمم یونیورسٹی پریس نے مجھے اطلاع دی ہے کہ کتاب فروری میں چھپ کر تیار ہو جائے گی۔ پروف دیکھتے وقت بعض جزوی تبدیلیاں ہو گئی ہیں جن میں سے کچھ ضروری ہیں۔ اس واسطے ضروری ہے کہ آپ ترجمہ کی اشاعت میں ان تبدیلیوں کا لحاظ رکھیے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ کے ترجمے کی طباعت فروری میں شروع ہو۔ کتابت فی الحال شروع ہو سکتی ہے۔ والسلام۔

محمد اقبال لاہور

۱۱ ستمبر ۳۳ء

(مکتوباتِ اقبال)

(عکس)

---

1. MILFORD

شیخ اعجاز احمد کے نام

لاہور، ۱۳ ستمبر ۳۳ء

عزیزم اعجاز سلمہ

تمہارا خط ابھی ملا ہے۔ لڑکی کا نام قدسیہ رکھنا چاہیے۔ خالد کے ہاں جو لڑکا ہوا ہے اس کا نام میں نے راشد تجویز کیا ہے۔

باقی رہا بیدی صاحب کا معاملہ سو تم نے ان کو ٹھیک لکھا ہے کہ مسلمانوں کے ہاں کوئی منظم جماعت ایسی نہیں کہ نومسلموں کے لیے کوئی انتظام معاش کر سکے۔ ابھی چند روز ہوئے مجھے پنجاب کے ایک مقام سے خبر آئی کہ کئی ہزار مذہبی سکھ مسلمان ہونے کے لیے تیار ہیں بشرطیکہ ان کے لیے زمین کا انتظام کر دیا جائے۔ علیٰ ہذا القیاس تین چار سو سکھ اور ہندو میرے پاس آئے کہ اگر ان کے لیے ملازمت کا انتظام ہو سکے تو وہ مسلمان ہونے کے لیے تیار ہیں۔ غرض یہ کہ بالعموم اس قسم کے حالات میں دنیوی محرکات عمل کرتے ہیں۔ بہرحال اگر بیدی صاحب کی توقعات کا حال معلوم ہو تو میں یہاں کی کسی انجمن سے گفتگو کر سکوں۔ ان کے خط میں صداقت کا جوہر نظر آتا ہے۔ عام طور پر مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ تبدیل مذہب سے اس کا مقصود محض منفعت مادی ہے تو وہ اسے نہایت مکروہ جانتے ہیں۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ان کے سیاسی زوال کے اوقات میں ہوا ہے۔ حکومت کے عروج کے زمانے میں اسلام نہیں پھیلا مگر اس بات کا کیا علاج کیا جائے کہ اس ملک میں مسلمان نہایت افلاس زدہ ہیں۔ خود موجودہ مسلمان قوموں کی تعلیم و تربیت کا انتظام ان کے لیے مشکل ہو رہا ہے۔ تاہم جوش تبلیغ کسی حد تک مسلمانوں میں موجود ہے۔ یہی حال میں نے یورپ میں دیکھا ہے۔ اسلام کے متعلق ان کی راز جوئی روز بروز ترقی کر رہی ہے مگر مسلمانوں میں استطاعت اس قدر نہیں ہے کہ وہ

یورپ میں کلچرل اور مذہبی مشن بھیج سکیں۔ جو مشن وہاں موجود ہیں ان میں کوئی آدمی اس قابل نہیں کہ وہ یورپ کی موجودہ مشکلات کو سمجھ سکے اور ان مشکلات کی روشنی میں اسلام کی مذہبی اور کلچرل حیثیت ان کے سامنے پیش کر سکے۔

والسلام
محمد اقبال
(مظلوم اقبال)

نواب بہادر یار جنگ کے نام

لاہور ۱۴ ستمبر ۳۳ء

مخدومی جناب نواب صاحب السلام علیکم

مظلومین کشمیر کی امداد کے لیے آپ سے درخواست کرنے کے لیے یہ عریضہ لکھتا ہوں۔ اس وقت حکومت کی طرف سے ان پر متعدد مقدمات چل رہے ہیں جن کے اخراجات کی وجہ سے فنڈ کی نہایت ضرورت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی تھوڑی سی توجہ سے یہ مشکل حل ہو جائے گی۔ اس سے پہلے ایک خط مجھے ایک بزرگ محمد اعظم نامی نصیر والا عثمان آباد کی طرف سے آیا تھا۔ انھوں نے خود بھی چندہ کرکے بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا اور مجھے یہ بھی لکھا تھا کہ آپ کی توجہ اس طرف منعطف کرا دوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ، مسلمانان کشمیر کو امداد کا مستحق تصور کرتے ہیں۔ یہ طباع اور ذہین قوم ایک مدت سے استبداد و ظلم کا شکار ہے۔ اس وقت مسلمانان ہند کا فرض ہے کہ ان کی موجودہ مشکلات میں ان کی مدد کی جائے۔

زیادہ کیا عرض کروں امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ یہ خط خلیفہ عبدالحکیم صاحب پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی کی معرفت آپ تک پہونچاتا ہوں۔ مجھے آپ

۱؎ بشیر احمد ڈار نے سہواً عثمان آباد کو عمان آباد پڑھ لیا۔ (مؤلف)

کا ایڈیس معلوم نہ تھا اور اس بات کا اندیشہ تھا کہ میرا خط کسی اور طرف نہ چلا جائے۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

(عکس) (انوار اقبال)

راغب احسن کے نام

لاہور ۱۵ ستمبر ۳۳ء

ڈیر راغب صاحب

السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے۔ میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ کانفرنس کی صدارت سے مجھے سبکدوشی ہوئی۔ اس کے اندرونی حالات افسوسناک ہیں اور مجھے ان کا پہلے علم ہوتا تو میں اس کی صدارت قبول نہ کرتا۔ بہر حال خدا کا شکر ہے کہ یہ زمانۂ صدارت ختم ہوا۔ جمعیت العلما، کا بھی حال ایسا ہی ہے انھوں نے مجھ سے سالانہ جلسے کی صدارت کے لیے کہا لیکن میں نے انکار کر دیا۔ اصرار پر بھی انکار ہی رہا۔ رہا علما کے اختلاف کی وجہ سے محکمہ قضا اور علما، کی اسمبلی کا خیال مجھے اندیشہ ہے کہ محض خیال ہی رہے گا۔ ایک وقت تھا سارڈا ایکٹ کے ایجی ٹیشن کے زمانے میں کہ گورنمنٹ ہند خود اس تجویز کے لیے تیار تھی۔ میں نے مولوی کفایت اللہ صاحب کو لکھا بھی مگر انھوں نے توجہ نہ فرمائی جو کچھ میرے خیال میں ہے وہ تو فی الحال صرف اسی قدر ہے کہ مسلمانوں کے پرسنل لا کے لیے علما کی ایک اسمبلی بنائی جائے جس کا فرض یہ ہو کہ کوئی قانون جس کا تعلق مسلمانوں کے پرسنل لا سے ہو، مرکزی اسمبلی میں وضع نہ کیا جائے جب تک علما کی اسمبلی اس پر غور نہ کرے۔ دوسری بات یہ ہے کہ چونکہ بعض باتو

(موتف) SARDA ACT

شرعیہ ایسے ہیں کہ ان کا فیصلہ صرف مسلمان قاضی ہی کر سکتا ہے۔ اس واسطے مسلمان سب جج خاص اس مطلب کے لیے مقرر کیے جائیں اور باقی کورٹوں میں سابق کی طرح صدر الصدور ہوا کریں۔ میرے خیال میں موجودہ حالات میں صرف اس قدر ممکن ہے اگر مسلمان جدوجہد کریں جو کچھ آپ کے خیال میں ہے اس کا پورا ہونا بہت سے نئے حالات واسباب پر منحصر ہے جن میں سب سے بڑا ضروری امر یہ ہے کہ شمال مغربی ہندوستان میں ایک اصلاحی ریاست پیدا کی جائے۔ یا پاکستان کی سکیم بروئے کار آئے۔ ان سکیموں کے ہوتے ہوئے بھی کامل تر مذہبی آزادی حاصل کرنے کے لیے مزید جدوجہد کی ضرورت ہوگی۔ بہت حد تک ان تمام باتوں کا دارومدار علما کے اتحاد پر ہے مگر ان کا اختلاف عامۃ المسلمین سے بھی زیادہ ہے اور ان کا وجود اس وقت دو خاص کر ان کا جو پالیٹیشین ہو گئے ہیں، منصب پرست مسلمانوں سے زیادہ مضر ہے۔ بہرحال میں نے تنقیح داودی اور سید ذاکر علی صاحب کو لکھا ہے کہ وہ علما کی ایک عالمگیر کانفرنس کے لیے کوشش کریں۔ ابھی وقت ہے۔ اس کانفرنس کا کام ہوگا کہ اوروں کے مشورہ سے ایک خاص سکیم تیار کرے۔ ابھی تک خاص سکیم کسی کے ذہن میں نہیں ہے اکثر علما کو بھی معلوم نہیں کیونکہ یہ کام ہر عالم کا نہیں ہے۔ میں نے کوئی میمورنڈم نہیں لکھا ہاں جس امر میں مشورہ طلب کیا گیا اس میں میں نے مشورہ ضرور دیا۔ فقط

محمد اقبال

(اقبال: جہانِ دیگر)

راغب احسن کے نام

لاہور ۱۷ ستمبر ۳۳ء

ڈیر راغب صاحب

السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے میں اس سے پہلے آپ کو خط لکھ چکا تھا معلوم نہیں وہ خط آپ تک پہونچا یا نہیں۔ مجھے آپ کی دردمندی کا حال معلوم ہے مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ گزشتہ چند سال کے تجربے نے مجھ کو آپ سے بہت زیادہ دردمند کر دیا ہے۔ مسلمانوں کے انتشار اور ان کے معززین کی خود غرضیوں کا مظاہرہ بہت دل شکن ہے اور میں نے تو اب قصد مصمم کر لیا ہے کہ اپنے گزشتہ دستور العمل پر پھر قائم ہو جاؤں اور اپنے مخصوص طریق پر خدمت مسلمانوں کی کرتا رہوں جس کو چھوڑ کر میں نے عملی سیاست کا کام اختیار کیا تھا۔ جن حالات نے مجھ کو اس بات پر مجبور کیا ہے اس کا علم آپ کو نہیں مگر ممکن ہے کہ نوجوان طائع پر ان واقعات کا اثر کچھ اور ہو۔ مولوی مقتدری صاحب سے میرے کانفرنس میں جانے یا نہ جانے کا کوئی ذکر نہیں ہوا البتہ ان کے سامنے مجھ سے ممبران جمعیۃ العلماء (کانپور) نے کہا تھا کہ تم جمعیۃ العلماء کے سالانہ جلسہ کی جو پٹنہ میں ہونے والا ہے صدارت کرو۔ میں نے اس خدمت سے معذوری ظاہر کی۔ مقتدری صاحب نے اس سے خود بہ خود نتیجہ نکال لیا ہو۔ اگر انھوں نے ایسا نتیجہ نکالا ہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ یہ نتیجہ درست ہے۔ میرا ارادہ کانفرنس میں جانے کا نہیں ہے کچھ تو مذکورہ بالا وجوہ سے کچھ اور اسباب سے۔ شاید کانفرنس کے اجلاس سے پہلے مجھے آپ کو لاہور کی دعوت دینا پڑے اور آپ بھی میرے ہمراہ چند روز کے لیے ہندوستان سے باہر جائیں۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ آپ نے مجھ سے پوچھے بغیر اعلان کر دیا یہ اچھا نہیں کیا

اس واسطے آپ کا ٹائپ شدہ اعلان میں اخباروں میں بھیجنے سے قاصر ہوں۔ آپ کو فوراً اپنے پہلے اعلان کی تردید کر دینی چاہیے۔ یہاں پنجاب میں اکثر اوقات لوگ مجھ سے پوچھے بغیر اپنے جلسوں میں میری آمد یا شمولیت کا اعلان کر دیتے ہیں جن کا مقصد محض لوگوں کو جلسوں میں کھینچنا ہوتا ہے۔ اس کا علاج کیا کیا جائے۔ اگر تردید کر دی تو جلسے والے ناراض ہوتے ہیں۔ نہ تردید کروں تو خود وعدہ شکنی کا ملزم سمجھا جاتا ہوں۔ بعیر اس کے کہ میں نے کبھی کوئی وعدہ کیا ہو۔ بہر حال یہ غنیمت ہے کہ ادھر کے لوگوں کو اب اس کا علم ہوگیا ہے کہ لوگ بغیر پوچھے میرا نام شائع کر دیتے ہیں۔ اگرچہ میں نے آپ پر حالات کا انکشاف نہیں کیا۔ تاہم مجھے امید ہے کہ مجھ پر اعتماد رکھتے ہوئے میرے ارادوں کی تکمیل میں حائل نہ ہوں گے۔ میرا دل بہت دکھا ہوا ہے اور اپنے دکھوں کی نمائش کرنے کی مجھ میں عادت نہیں ہے خلیفہ شجاع الدین صاحب ابھی ہندوستان نہیں پہونچے فقط

مخلص محمد اقبال

(اقبال۔ جہان دیگر)

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور

۱۷ ستمبر ۳۳ء

مخدومی، السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے۔ جو میں نے قونصل جنرل صاحب کی خدمت میں بھیج دیا ہے، سید راس مسعود صاحب کی طرف سے ابھی تک جواب موصول نہیں ہوا۔

حضرت ابن عربی کے خیالات و افکار کا ملخص بھیجنے کا جو وعدہ آپ نے فرمایا اس کے لیے بے حد شکر گزار ہوں۔ مولوی سید برکات احمد صاحب کا رسالہ

میں نے دیکھا ہے۔ انشاء اللہ اُسے سبقاً سبقاً پڑھوں گا۔ مسئلہ آن کے متعلق ابھی تک مشکلات باقی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فلاسفہ پر جو اعتراض ہمارے متکلین نے کیے ہیں وہ مسئلہ زمان کے متعلق خود اُن کے افکار پر بھی عائد ہوتے ہیں۔ مولوی سید برکات احمد مرحوم نے دہر اور زمان میں امتیاز کر کے کسی قدر مشکلات کو کم کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن حق یہ ہے کہ مسئلہ نہایت مشکل ہے۔ ممکن ہے حضرت ابن عربی اس پر روشنی ڈال سکیں۔

جمعیتہ العلماء کی صدارت کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے بالکل صحیح ہے مولوی مظہر الدین صاحب نے میرا حوالہ دینے پر اصرار کیا، اس واسطے میں نے ان کو اجازت دیدی کہ آپ کو صدارت کے لیے خط لکھیں تو میرا حوالہ دے دیں، میں خود مسلمانوں کے انتشار سے بے حد دردمند ہوں، اور گزشتہ پانچ چار سال کے تجربہ نے مجھے سخت افسردہ خاطر کر دیا ہے۔ آپ کا طرز عمل اختیار کیے بغیر چارہ نہیں۔

مسلمانوں کا مغرب زدہ طبقہ نہایت پست فطرت ہے میں نے آغاخاں کو باوجود اُن کی تمام کمزوریوں کے ان سب سے بہتر مسلمان پایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدت سے اُن کے مذہبی خیالات میں ایک انقلاب عظیم آرہا ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں سوائے التماس دعا کے۔

مخلص محمد اقبال

(اقبال نامہ)

(عکس)

لہ جدید جمیعتہ العلماء کانپور (عطاء اللہ)

عبدالماجد دریا بادی کے نام

مخدومی، آپ کا پوسٹ کارڈ ابھی ملا ہے۔ "سچ" کے دو نمبر بھی مل گئے تھے جن کے لیے شکر گزار ہوں۔ گزشتہ پانچ چار سال کے تجربے نے مجھے بہت دردمند کر دیا ہے۔ اس لیے جلسوں میں میرے واسطے کوئی کشش باقی نہیں رہی۔ میں کہیں نہیں جا رہا نہ پٹنہ نہ کانپور۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا والسلام

محمد اقبال۔ لاہور

۲۴ ستمبر ۱۹۲۲ء

(اقبال نامہ)

خواجہ غلام السیدین کے نام

لاہور

۲۴ ستمبر ۱۹۲۲ء

مائی ڈیر سیدین

آپ کے خط کا شکریہ۔ مجھے افسوس ہے کہ میں کانپور نہیں جا رہا ہوں۔ بہ حال کسی اور موقع پر آپ سے مل کر اور آپ کے ہاں قیام کر کے مجھے خوشی ہوگی۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے)

(غیر مطبوعہ)

(عکس)

نوٹ پٹنہ اور کانپور میں اس سال بہت اہم قومی اجتماعات ہو رہے تھے۔ (عطاء اللہ)

راغب احسن کے نام

۲۸ر ستمبر ۳۲ء

ڈیر راغب صاحب

السلام علیکم۔ آپ کا خط مل گیا۔ کانفرنس کا اجلاس پٹنہ ملتوی ہو گیا ہے۔ میرا کوئی ارادہ اجلاس مذکور کے یا یوتھ لیگ کے اجلاس کے لیے پٹنہ جانے کا نہ تھا۔

علیٰ ہذا القیاس کوئی پیام بھیجنے کا قصد بھی نہ تھا۔ میں جلد ہر چیز سے علیحدہ ہو جانا چاہتا ہوں۔ کانفرنس کی صدارت تو اب ختم ہے۔ ممکن ہے قواعد کی رو سے مجھے سالانہ جلسے تک اور یہ کام نبھانا پڑے۔ کشمیر کمیٹی کی صدارت ابھی میرے ذمہ ہے جب یہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جائے تو اس سے بھی علیحدہ ہو جانے کا قصد رکھتا ہوں۔ آپ کو کم از کم یوتھ لیگ سے علیحدہ نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس لیگ کا مقصد عملی سیاست نہیں یا نہیں ہونا چاہیے میرے خیال میں ایسی لیگ کا مقصد صرف تربیت ہونا چاہیے اور اس کے ساتھ ڈسپلن — تربیت سے مراد وہ طریق ہے جس سے مسلمان نوجوان میں دینی حرارت پیدا ہو۔

محمد اقبال

(اقبال: جہانِ دیگر)

سر راس مسعود کے نام

ڈیر مسعود

افغان قنصل سے جو دعوت نامہ ابھی ابھی ملا ہے وہ روانہ کر رہا ہوں۔ میں نے ایم سلیمان ندوی کو تاریخ وغیرہ کی بابت لکھا ہے۔ میں جانا چاہتا

ہوں کہ آپ کے لیے کونسی تاریخ مناسب رہے گی۔ لیکن پاسپورٹ مل جانے کے بعد ہی تاریخ کا تعین کیا جائے گا۔ قنصل کو پاسپورٹ کے بارے میں تحقیقات کے لیے لکھ رہا ہوں۔

میرا خیال ہے کہ ہمیں پاسپورٹ کے لیے برٹش حکام کو (ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ) درخواست دینا ہوگی۔ قنصل کا ایک نمائندہ ہمارے ہمراہ ہوگا اس سلسلے میں پھر لکھوں گا۔

آپ کا
محمد اقبال

(انگریزی سے) (مجلہ شاعر، اقبال نمبر، ۱۹۸۸ء)
(عکس)
(غیر مدون)

نوٹ: ۳ ستمبر ۱۹۳۳ء میں نادر شاہ امیر افغانستان نے تعلیمی امور کے بارے میں مشورہ کے لیے اقبال، سر راس مسعود اور سید سلیمان ندوی کو افغانستان آنے کی دعوت دی۔ افغان قونصل جنرل کی خواہش تھی کہ تینوں ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو جشن استقلال کے موقع پر کابل پہنچیں مگر اس قدر جلد پاسپورٹ ملنے کا امکان نہ تھا ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو اقبال اور سید راس مسعود کے تو پاسپورٹ مل گئے اور ان دونوں نے ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو لاہور سے پشاور روانگی کا پروگرام بنایا۔ اقبال اور سید راس مسعود ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو کابل پہنچے ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو سید سلیمان ندوی ان سے آملے۔ ۲ نومبر ۱۹۳۳ء کو واپسی کے لیے روانہ ہوئے اور ۳ نومبر ۱۹۳۳ء کو کوئٹہ سے ریل میں سوار ہوئے اور ۴ نومبر ۱۹۳۳ء کی شب میں لاہور پہنچے

چنانچہ یہ خط ستمبر ۱۹۳۳ء میں لکھا گیا ہوگا۔

(زندہ رود - ۳ ص ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۲۷، ۵۲۸)

غلام رسول مہر کے نام

ڈیر مہر صاحب

یہ خط مفتی اعظم صاحب کا ہے شاید آپ کو بھی آیا ہوگا۔ اگر ملک فیروز خاں یہاں ہوں تو ان کے مشورہ سے کوئی تقریر مفتی صاحب کی زیر اہتمام انجمن حمایت الاسلام لاہور ہو جائے تو بہتر ہے۔ اس بارہ میں مولوی غلام محی الدین صاحب سے بھی مشورہ کر لیجئے میں بھی ان کو فون کرتا ہوں[۲]

محمد اقبال
۲ اکتوبر ۱۹۳۲ء
(انوار اقبال)

(عکس)

---

[۱] اقبال کی یہ تحریر خط کے ایک لفافے پر ہے جو مفتی فلسطین امین الحسینی نے اقبال کو بھیجا تھا۔ اقبال نے یہ خط عبد مہر صاحب کو بھیج دیا۔ مفتی صاحب ان دنوں تاج کمپنی لاہور کے دفتر میں آکر مقیم ہوئے تھے وہ چندہ جمع کرنے ہندوستان آئے تھے تاکہ اس سرمائے سے ان یہودی سرمایہ داروں کا مقابلہ کیا جا سکے جو فلسطین میں عربوں کی زمینیں خرید رہے تھے۔

[۲] مولوی غلام محی الدین قصوری جو بعد میں انجمن حمایت الاسلام کے صدر ہوئے۔

(بشیر احمد ڈار)

Dr. Sir Mohammad Iqbal

Bar-at-Law

Lahore

شیخ عبداللہ کے نام

لاہور ۲ اکتوبر ۳۲ء[1]

ڈیر شیخ عبداللہ صاحب السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے۔ مسلم کانفرنس کشمیر کے اخبار پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ مجھے یقین ہے کہ ...کان کشمیر بہت جلد اپنے معاملات سلجھا سکیں گے اس بات کے لیے میں ...لحظہ دست بدعا ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آپ کی مساعی کو ...آور کرے گا۔ یہاں جو مختلف جماعتیں سی ہے کہ بن گئی ہیں اور ان کا ...باہمی اختلاف آپ کے مقاصد کی تکمیل میں بڑی رکاوٹ ہوگا۔ ہم آہنگی ہی یہ ایسی چیز ہے جو تمام سیاسی اور تمدنی مشکلات کا علاج ہے ہندی مسلمانوں کے کام اب ...محض اس وجہ سے بگڑتے رہے کہ یہ قوم ہم آہنگ نہ ہو سکی اور اس کے افراد اور بالخصوص علماء اوروں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنے رہے بلکہ اس وقت بھی ہیں۔ آپ کے ملک کو یہ تلخ تجربہ نہ ہو۔ افسوس کہ میں اور مشاغل کی وجہ سے کانفرنس میں شریک نہ ہو سکوں گا۔

امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

محمد اقبال لاہور

(عکس۔[2]

(اقبال نامہ)

---

[1] اقبال نامہ (اول) میں اس خط کی تاریخ ۱۲ اکتوبر ۳۲ء درج ہے جبکہ عکس میں واضح طور پر ۲ اکتوبر ۳۲ء لکھا ہوا ہے

[2] اس خط کا عکس جناب مسعود مظلوم سیکرٹری پبلک لائبریری خان مارکیٹ، مری بگلہ کا عطیہ ہے۔

(مولف)

مس فارک ہرسن کے نام

۳۔اکتوبر ۱۹۳۲ء

مائی ڈیر مس فارک ہرسن۔

یہ میجر سید نذیر علی صاحب کی معرفت سے لکھ رہا ہوں جو اعلیٰ حضرت فرمانروائے بہاولپور کے اے۔ ڈی۔ سی ہیں اعلیٰ حضرت یورپ تشریف لے جا رہے ہیں اور انگلستان کا چکر بھی لگائیں گے۔ میری خواہش ہے کہ نیشنل لیگ انھیں ایک شایانِ شان استقبالیہ دے اور انھیں انگریز اشرافی طبقے اور انگلستان میں دوسرے بااثر حلقوں، کے وزرا سے بھی متعارف کرائے اعلیٰ حضرت ہندوستان کی ایک بہت بڑی ریاست کے حکمران ہیں۔ وہ بغداد کے عباسی خلفا کی اولاد ہیں۔ اس لیے ہندوستان کے مسلمان ان کا بے حد احترام کرتے ہیں

— —

یہ خط نواب بہاولپور کے بارے میں لکھا گیا الحاج سر صادق محمد خان خامس عباسی تین سال کی عمر میں ۱۹ء میں بہاول پور کے امیر بنے ۱۹۲۴ء میں لارڈ ریڈنگ بہاول پور آئے اور انھیں تخت پر بٹھایا۔ انھوں نے انجمن حمایت اسلام کے ۴۴ ویں اجلاس ۲۰ دسمبر ۱۹۳۰ء کی پہلی نشست کی صدارت کی اس اجلاس میں انجمن کی طرف سے علامہ اقبال نے سپاس نامہ پڑھا (تفصیل ملاحظہ ہو سہ ماہی "اردو" شمارہ ۳۔۲، ۱۹۶۹ء ص ۵۔۵۳) قاضی محمد حسین کے نام ایک خط (ص ۲۰۲) میں علامہ نے نواب صاحب کے بارے میں اچھے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

اس خط کا عکس بریگیڈیر سید نذیر علی شاہ کی کتاب "صادق نامہ" (تاریخ ریاست بہاول پور) میں شائع ہوا مجھے اس خط کا عکس قاضی افضل حق قریشی نے مہیا کیا — اسی کا اردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

(رفیع الدین ہاشمی)

امید ہے آپ بخیر ہوں گی۔

اخلاص کے ساتھ

محمد اقبال

(انگریزی سے) (خطوط اقبال)

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

مخدومی جناب مولانا السلام علیکم

دعوت نامہ جو قنصل جنرل صاحب کی طرف سے مجھے موصول ہوا ہے ارسال خدمت ہے۔ تاریخ روانگی کے متعلق بعد میں عرض کروں گا کیونکہ پاسپورٹ لینے کے لیے بھی کچھ دن لگیں گے۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

آج قونصل صاحب کو مزید تفصیلات کے لیے خط لکھ رہا ہوں ان کا جواب آنے پر پھر خط لکھوں گا۔ آپ پاسپورٹ کے لیے درخواست کر دیں۔ اس میں اگر یہ لکھ دیا جائے کہ آپ کو شاہ افغان نے تعلیمی امور میں مشورہ کرنے کے لیے طلب فرمایا ہے تو پاسپورٹ حاصل ہونے میں سہولت ہو اور جلد مل جائے۔

والسلام

مخلص محمد اقبال۔ لاہور

۵ اکتوبر ۳۳ء

(اقبال نامہ)

(عکس)

نوٹ: اقبال نامہ حصہ اوّل میں یہ خط ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۳ء کے تحت درج ہے جب کہ عکس میں ۵ اکتوبر تحریر ہے (مؤلف)

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور

۹ اکتوبر ۳۳ء

جناب مولانا، السلام علیکم

میں نے آپ کی خدمت میں دعوت نامہ افغانستان ارسال کیا تھا، مگر آپ کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ امید ہے آپ نے پاسپورٹ کے لیے اپنے ضلع میں درخواست کر دی ہوگی۔ اگر کوئی ملازم آپ کے ہمراہ جائے گا تو اس کے لیے علیحدہ درخواست پاسپورٹ کے لیے دینی ہوگی۔ جب آپ کو پاسپورٹ مل جائے تو مہربانی کر کے مجھے بذریعہ تار مطلع فرمائیے۔ پاسپورٹ کی درخواست ایک خاص فارم پر دی جاتی ہے ساتھ فوٹو بھی دینا پڑتا ہے۔ اگر کوئی اور امر دریافت طلب ہو تو قونصل جنرل افغانستان ۲ ہیلی روڈ۔ نیو دلی سے دریافت کریں۔ آپ کے مصارف افغان گورنمنٹ ادا کرے گی۔ پشاور سے آپ شاہی مہمان ہوں گے، جواب جلد دیں۔ والسلام

مخلص محمد اقبال، لاہور

(اقبال نامہ)

ؔ اقبال نامہ اول میں اس خط کی تاریخ ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۳ء درج ہے جب کہ صحیح تاریخ ۹ اکتوبر ۱۹۳۳ء ہے۔ صحیح تاریخ کے متعلق رہنمائی خط بنام سید سلیمان ندوی محررہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۳ء (خط نمبر ۸۵ ص ۱۷۲ اقبال نامہ حصہ اول) سے ہو جاتی ہے۔

صابر کلوروی۔ مکاتیب اقبال کے مآخذ۔ ایک تحقیقی جائزہ ص۔ ۵

سر راس مسعود کے نام

لاہور

۹ اکتوبر ۱۹۳۳ء

ڈیر مسعود

مجھے خوف ہے کہ آپ کی پاسپورٹ کی درخواست حکومت ہند کو بھیجی جائے گی۔ اس سے تاخیر ہو گی۔ تاہم جوں ہی آپ کو پاسپورٹ مل جائے براہ کرم مجھے تار دیں تاکہ ہم روانگی کی تاریخ طے کر سکیں۔ آپ کے تمام اخراجات افغان سرکار برداشت کرے گی اور پشاور سے آپ شاہی مہمان ہوں گے۔

اگر آپ اس سلسلے میں کوئی اور تفصیلات جاننا چاہتے ہیں تو براہ کرم قنصل جنرل ۲، ہیلی روڈ، نئی دہلی سے رابطہ قائم کریں۔

آپ کا

محمد اقبال

لاہور

(انگریزی سے) (مجلہ شاعر۔ اقبال نمبر ۱۹۸۸ء)

(عکس)

(غیر مدون)

سر راس مسعود کے نام

لاہور

۱۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء

ڈیر مسعود

آپ کے خط کا شکریہ جو مجھے ابھی ملا۔ اگر میں ۱۹ سے قبل پاسپورٹ حاصل

کروں تو مجھے بڑی خوشی ہوگی کہ آپ میرے ہمراہ چلیں گے مجھے امید ہے کہ یہ ممکن ہوگا۔ ہمیں اپنے ملازمیں کے لیے بھی پاسپورٹ حاصل کرنا ہوں گے۔ میں ضرور پاسپورٹ کے معاملہ کو جلد از جلد حل کرنے کی کوشش کروں گا۔ ابھی تک سید سلیمان ندوی (صاحب) کا کوئی خط نہیں ملا ہے جو ہمارے ساتھ جا رہے ہیں بہتر یہ ہوگا کہ ہم پشاور سے روانگی کی تاریخ اس وقت طے کریں جب ہمیں پاسپورٹ مل جائے۔ براہ کرم پاسپورٹ ملنے پر تار دیں۔ میں نے مولانا سلیمان ندوی (صاحب) کو بھی یہی لکھا ہے۔

امید ہے کہ آپ بصحت ہوں گے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے)　　　　　　(مجلہ تما ۲۔ اقبال نمبر ۱۹۹۸ء)

(عکس)

(غیر مدون)

(ایڈورڈ) تھامپسن کے نام

لاہور

۱۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر پروفیسر تھامپسن

یہ عریضہ میں آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے لکھ رہا ہوں کہ آپ نے میرے خطبات کی آکسفورڈ یونیورسٹی سے طباعت میں اس قدر دلچسپی لی کلیرنڈن پریس نے طباعت کا کام بڑی تیزی سے کیا اور اب یہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔مسٹر

[illegible]

ملفورڈ نے مجھے اطلاع دی ہے کہ جنوری ۱۹۳۴ء میں اس کتاب کے تیار ہوجانے کی توقع ہے۔

آپ نے مجھے یہ بھی لکھا تھا کہ اس کا امکان ہے کہ آکسفورڈ یونیورسٹی، مجھے رہوڈز لیکچر کے لیے دعوت دے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا یہ معاملہ ابھی تک یونیورسٹی کے زیر غور ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو یہ دعوت نامہ کب تک آئے گا۔ اس سے میرے مستقبل کے کام کے بارے میں پروگرام کی تیاری میں بڑی مدد ملے گی۔ شاہ افغانستان نے مجھے کابل مدعو کیا ہے کہ وزیر تعلیم کو کابل میں ایک یونیورسٹی کے قیام کی تجویز کے متعلق مشورہ دوں۔ میں اس مہینے میں کابل جاؤں گا اور نومبر کے دوسرے ہفتے میں واپس آؤں گا اگر آپ مجھے مذکورہ بالا امر کے بارہ میں مطلع کر سکیں تو یہ میرے لیے بڑا سودمند ہوگا۔

اُمید ہے کہ مع الخیر ہوں گے۔

شکریہ کے ساتھ آپ کا مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے) (اقبال — ان کے سیاسی نظریات جو راہے پر)

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۱۱ اکتوبر ۳۳ء

جناب مولانا، السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے، میں نے آپ کو دعوت نامہ ۹ اکتوبر سے بہت پہلے بھیج دیا تھا۔ تعجب ہے کہ آپ نے اتنے دنوں بعد پاسپورٹ کے لیے درخواست دی۔ بہرحال قونصل صاحب نے گورنمنٹ آف انڈیا کو لکھ دیا ہے کہ آپ کا پاسپورٹ جلد مل جائے، مجھے امید ہے کہ جلد مل جائے گا۔ اس سے پہلے میں ایک پوسٹ کارڈ لکھ چکا ہوں کہ جب آپ کو پاسپورٹ مل جائے تو

فوراً مجھے تار دیں تاکہ تاریخ روانگی مقرر کی جائے۔ سید راس مسعود کا خط مجھے کل
ملا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ ۱۹ اکتوبر کو پشاور سے چلنا چاہیئے۔ میں نے ان کو جواب
میں لکھا ہے کہ تاریخ روانگی (پشاور سے) کی تعیین پاسپورٹ ملنے پر ہونی چاہیے
یہ بھی خیال رہے کہ اگر ملازم ساتھ لے جانا چاہیں تو اس کے لیے پاسپورٹ علیحدہ
لینا ہوگا۔ اکتوبر میں موسم خوشگوار ہوتا ہے، راتیں عام طور پر ایسی ہوتی ہیں
جیسے شملہ میں۔ البتہ نومبر میں سردی کسی قدر بڑھ جاتی ہے۔ میرے خیال میں
سردی کے موسم کے لیے موزوں بستر اور پہننے کے لیے کپڑے لے جانا چاہیے۔
قونصل صاحب نے بھی یہی لکھا ہے۔ قونصل خانے کا ایک آدمی ہمارے
ہمراہ جائے گا۔ پشاور سے آپ شاہی مہمان ہوں گے۔ وہاں آٹھ دس روز
سے زیادہ ٹھہرنے کی شاید ضرورت نہ ہوگی۔ زیادہ کیا عرض کروں۔
امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

محمد اقبال، لاہور

(اقبال نامہ) (عکس)

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

مخدومی مولانا، السلام علیکم

سید راس مسعود اصرار کرتے ہیں کہ لاہور سے ۲۰ اکتوبر کی صبح کو پشاور کی طرف روانہ ہوں۔
شام کو پشاور پہنچ جائیں گے۔ رات بھر وہاں ٹھہر کر ۲۱ کی صبح کو روانۂ کابل ہوں گے۔ آپ ایسا
انتظام کریں کہ یا تو ۲۰ کی صبح کو لاہور پہنچیں یا ۱۹ کی شام کو لاہور پہنچ جائیں امید کہ آپ کو پاسپورٹ
اس سے پہلے مل جائے گا۔ میرا پاسپورٹ کل مل جانے کی توقع ہے۔ البتہ ملازم کا دو تین
روز بعد ملے گا۔ زیادہ کیا عرض کروں، امید کہ مزاج والا بخیر و عافیت ہوگا۔
یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ہم ۲۱ کی صبح کو پشاور میں مل جائیں اگر ہم پہلے
پہنچیں گے تو آپ کے لیے آدمی سٹیشن پر بھجوا دیا جائے گا۔ اس کارڈ کے

جواب میں فوراً خط لکھیے تاکہ آپ کے انتظامات کا حال معلوم ہو جائے۔

مخلص محمد اقبال ۱۳ اکتوبر ۳۳ء

(عکس) اقبال نامہ

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

۱۴ اکتوبر ۳۳ء

جناب مولانا، السلام علیکم

اس سے پہلے ایک کارڈ آپ کی خدمت میں لکھ چکا ہوں اور ایک ملفوف خط بھی لکھ چکا ہوں یا سپورٹ ۱۹ اکتوبر سے پہلے ہم سب کو مل جائیں گے۔ اب فیصلہ یہ ہے کہ ہم ۲۰ اکتوبر کو لاہور سے صبح کی ٹرین میں پشاور کو روانہ ہوں اور ۲۱ کی صبح کو کابل روانہ ہوں، جلدی اس واسطے ہے کہ نومبر میں وہاں سردی ہو جاتی ہے۔ سید راس مسعود ۱۹ کی شام کو لاہور پہنچ جائیں گے۔ آپ بھی مہربانی کر کے ۱۹ کی شام کو لاہور پہنچ جائیے یا ۲۰ کی صبح کو ایسے وقت پہنچیے کہ آپ ہمارے ساتھ ۲۰ کی صبح کے میل ٹرین میں سوار ہو سکیں۔ قونصل خانہ سے جو آدمی ہمارے ہمراہ جائے گا، وہ بھی لاہور ہی سے ساتھ ہو گا، زیادہ کیا عرض کروں جب ملاقات ہو گی تو مفصل عرض کروں گا۔ اس انتظام کے لیے قونصل جنرل صاحب کو اطلاع دے دی ہے، والسلام

مخلص محمد اقبال

(عکس) (اقبال نامہ)

سید سلیمان ندوی کے نام

مخدومی، آپ کا پوسٹ کارڈ ابھی ملا ہے۔ میں اس سے پہلے ایک ملفوف خط ارسالِ خدمت کر چکا ہوں، آپ ۱۹ اکتوبر کی شام کو لاہور پہنچ جائیے، یہاں

سے ۲۰ اکتوبر کی صبح پشاور روانہ ہو جائیں گے۔ سید راس مسعود بھی ۱۹ کی شام کو لاہور پہنچیں گے۔ قونصل جنرل صاحب کو بھی آپ تار دے دیں کہ آپ ۱۹ کی شام کو لاہور پہنچ جائیں گے۔

محمد اقبال ۱۴ اکتوبر ۳۳ء

اگر آپ کو پاسپورٹ ۱۷ کو مل جائے تو مجھے تار دینے کی ضرورت نہیں۔ قونصل جنرل کو بذریعہ تار مطلع کر دیں۔ اور لاہور ۱۹ کی شام کو پہنچ جایئے والسلام

محمد اقبال

(عکس) (اقبال نامہ)

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

جنابِ مکرم، السلام علیکم

آپ کا تار کل ملا جس سے معلوم ہوا کہ ۱۷ اکتوبر تک آپ کو پاسپورٹ نہیں مل سکا۔ ممکن ہے ۱۸ یا ۱۹ تک مل جائے۔ ہم یعنی سید راس مسعود اور میں ۲۰ کی صبح کو لاہور سے روانہ ہو نگے۔ رات پشاور میں قیام ہوگا اور وہاں سے ۲۱ کی صبح کو کابل روانہ ہوں گے۔ تمام انتظامات مکمل ہو چکے ہیں اگر آپ ۲۱ کی صبح تک بھی پشاور پہنچ سکیں تو خوب ہے۔ ڈین ہوٹل میں رات بسر ہوگی، یہ ہوٹل پشاور چھاونی کے سٹیشن سے بالکل قریب ہے۔ آپ وہیں کے پتے پر ہم کو تار دیدیں ہم آپ کی گاڑی کا انتظار کریں گے۔ اور سٹیشن پر آپ کے لیے آدمی بھیج دیا جائے گا اگر آپ کل شام یا ۲۰ کی صبح لاہور پہنچ سکیں تو ٹکٹ صرف لاہور تک کا خرید کریں، جیسا کہ میں پہلے تار دے چکا ہوں اگر یہ ممکن نہ

لہ اقبال نامہ اوّل کے متن میں اس خط کی تاریخ ۸ اکتوبر ۱۹۳۳ء درج ہے جبکہ عکس میں ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۳ء تحریر ہے۔ علاوہ ازیں اقبال نامہ اول کے متن میں ایک جملہ محذوف ہے جسے عکس کے مطابق پیش کیا جا رہا ہے۔ (مولف)

ہو تو ٹکٹ پشاور چھاؤنی سٹیشن تک کا خرید کریں آپ کے تمام مصارف ادا کیے جائیں گے۔ امید کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ اور آپ کی صحبت سے ہم سب مستفیض ہوں گے۔ والسلام۔

محمد اقبال، لاہور
۸ اکتوبر ۳۳ء

(اقبال نامہ)

(عکس)

پروفیسر محمود شیرانی کے نام

ڈیر شیرانی صاحب

میں کل کابل جا رہا ہوں اس واسطے وقت نہیں ہے آپ ولایتی ہرس اس خط کا جواب راقم کو دیدیں اور ان کو یہ بھی لکھ دیں کہ میں کابل جا رہا ہوں اس واسطے خود جواب نہ لکھ سکا

متعلقہ اشعار خاقانی

محمد اقبال

(انوار اقبال)

نوٹ (الف) یہ خط ایک لفافے کی پشت پر پروفیسر محمود خان شیرانی مرحوم کے نام لکھا گیا ہے اقبال نامہ جلد دوم میں اس کو اختر شیرانی سے منسوب کیا گیا ہے جو غلط ہے لفافے کی مہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط ۱۹ اکتوبر ۳۳ ۱۹ء کو لکھا گیا

(بشیر احمد ڈار)

ب۔ (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ ریویوز ایلیچوز کا موضوع زمان و مکان فلسفہ اسلام کی تاریخ میں ہو گا۔ میں نے دعوت قبول کر لی ہے۔ مگر ابھی یقیناً نہیں کہہ سکتا کہ ۲۴ میں جاؤں گا یا ۲۵ میں۔ مضمون مشکل اور دقیق ہے۔ وقت لکھنے کے لیے بہت کم ہے۔ بہرحال جو کچھ ہو گا کیا جائے گا۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔

محمد اقبال ۸ نومبر ۳۳ء

(عکس)

(مکتوبات اقبال)

(متن پہلے شائع ہوا)

(ا) اس خط پر تاریخ درج نہیں مگر متن حسب ذیل جملے (میں کل کابل جا رہا ہوں) سے اس کی تاریخ تحریر متعین کرنا مشکل نہیں۔ اقبال ۲۰ اکتوبر کی صبح لاہور سے روانہ ہوئے (خط بنام سلیمان ندوی محررہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۳ء)۔ یہ خط اس سے ایک روز پہلے کا ہے اس لیے یقیناً ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو لکھا گیا۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کے بیان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے (اقبال کی صحبت میں ص ۳۰۶)

(ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی: تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ، ص ۲۳۱۔۲۳)

سند

قرسنامہ آپ خیال ص۔ ۳

راغب احسن کے نام

۱۲ نومبر ۳۳ء

ڈیر راغب صاحب

السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے جس کے لیے شکریہ قبول کیجئے۔ میں گزشتہ اتوار کابل سے براہ غزنی وقندھار واپس آیا۔ سوموار سے بخار میں مبتلا ہوں۔ امیر نادر شاہ کی شہادت کی خبر ایک ناقابل برداشت صدمہ میرے لیے ہے اور یقیناً ساری دنیائے اسلام کے لیے۔ یہ بڑا بیدار اور خدا پرست بادشاہ تھا۔ کابل میں اس کے متعلق ایسی حکایات مشہور ہیں کہ ان کو سن کر صدیق اور فاروق یاد آتے ہیں۔ جمعہ کی نماز میں نے ان کے ساتھ کابل کی جامع مسجد میں ادا کی۔ ان کے محل میں ایک روز عصر کی نماز ان کی امامت میں ادا کی۔ خدا ان کی مغفرت کرے۔

مجھے امید ہے کہ افغانستان دوبارہ کسی انقلاب میں مبتلا نہ ہو گا۔ جہاں تک میں اندازہ کر سکا ہوں بادشاہ کی شہادت پرائیویٹ عداوت و رقابت کا نتیجہ ہے اور غالباً جنرل غلام نبی خاں کے قتل سے اس کا تعلق ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ لوگ امان اللہ خان کی واپسی چاہتے ہیں غلط ہے۔ واللہ اعلم۔ دوران قیام افغانستان میں وہاں کے نوجوانوں میں اسلامی خیالات اور افکار کی اچھی تخم ریزی ہوئی۔ زیادہ گفتگو اس امر کے متعلق پھر کبھی ہو گی فقط

محمد اقبال

(اقبال: جہان دیگر)

ایڈورڈ تھامپسن کے نام

لاہور

۱۸ نومبر ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر مسٹر تھامپسن

آپ کے عنایت نامے کے لیے بے حد سپاس گزار ہوں۔ آپ نے از راہ نوازش وعدہ کیا ہے کہ جونہی آپ کو رہوڈز لیکچرز کے بارے میں کسی فیصلہ کا علم ہوا آپ مجھے مطلع فرمادیں گے۔ کابل میں میرا قیام بے حد خوشگوار رہا لیکن میری لاہور کو واپسی کے چار روز بعد اور کابل سے روانگی کے نو روز بعد ہی میں نے شاہ کے قتل کی دردناک خبر سنی۔ وہ عوام میں حد درجہ مقبول تھے۔ افغانستان میں احمد شاہ ابدالی کے بعد ایسا بادشاہ کوئی نہیں گزرا ہے۔ شاہ کی خدمت میں میری حاضری دو بار ہوئی اور ان سے تعلیمی انتظام، صنعت و حرفت اور افغانستان کے معاشی وسائل کی استواری کے متعلق گفتگو ہوئی۔ وہ ملک کے تمام مسائل سے واقف اور عوام کی بہبودی و بہتری کا تہیہ کیے ہوئے تھے۔ انگلستان کی جانب بھی ان کی نگاہ دوستانہ تھی۔ نئے شاہ شاہزادہ ظاہر شاہ۔ جن کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں نوجوان ہیں اور اپنے والد بزرگوار کے خیالات اور طرز زندگی سے گہرا لگاؤ رکھتے ہیں۔ شاید یونیورسٹی کے سلسلے میں مجھے پھر ایک بار جانا پڑے۔ میڈیکل فیکلٹی وہاں قائم ہے۔ اب دوسری فیکلٹی جس کا آغاز کرنا ہے سول انجینئرنگ کی ہوگی۔ گزشتہ چار سال میں جو ترقی ہوئی ہے وہ ایک ایسا ہی معجزہ ہے جیسے نادر شاہ کی فتح کابل۔ میرا خیال ہے کہ افغانستان میں امان اللہ کی حمایت میں کوئی پارٹی نہیں ہے۔ شاہ کا قتل ایک نجی قضیہ میں محض انتقام کے طور پر کیا گیا ہے۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔

[illegible]

آپ کا مخلص

محمد اقبال

پس نوشت: پیرس کے پروفیسر میسنوں نے منصور حلاج کا دیوان حاصل و طابع کیا ہے۔ انھوں نے منصور کے اشعار اور اس کی تصنیف کتاب الطواسین بھی ایک نہایت عمدہ کتاب منصور کی روحانی تعلیمات پر نہایت عمدگی سے ساتھ فرانسیسی زبان میں ترجمہ کرکے شائع کیا ہے

محمد اقبال

اقبال نامہ، ص ... اقبال کے سیاسی نظریات ... ،

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

۸ نومبر ۱۹۳۳ء

مخدومی جناب قبلہ مولانا السلام علیکم

معارف سے معلوم ہوا کہ آپ مع الخیر وطن پہنچ گئے۔

یہ عریضہ حضرت تقی الدین ابن تیمیہ کی کے مسئلہ زمان و مکان کی تلخیص کی یاد دہانی کے لیے لکھتا ہوں۔ مجھے چند روز تک اس کی ضرورت پڑے گی، اس واسطے التماس ہے کہ ادھر جلد توجہ فرما کر مجھے ممنون فرمایئے۔

شاہ نادر کی شہادت کا قلق ہوا۔ خدا تعالیٰ ان کو جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ انشاء اللہ افغانستان میں امن و امان رہے گا۔ میں نے شاہ ظاہر کو تار دے دیا تھا۔ جس کا جواب پرسوں موصول ہوا۔ صدر اعظم صاحب کا تار بھی آیا تھا۔ امید کہ آپ نے بھی ان کو تعزیت کا تار دیا ہوگا، زیادہ کیا عرض کروں۔

امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا والسلام

محمد اقبال

(عکس) (اقبال نامہ)

مس فارکہرسن کے نام

لاہور

۲۲ نومبر ۱۹۳۷ء

مائی ڈیر مس فارکہرسن

عنایت ناموں کے لیے سراپا سپاس ہوں مسلم ہند کی جانب سے نیشنل لیگ کی بروقت سعی کے لیے آپ کا شکریہ۔ امید ہے کہ آپ حکومت کی احمقانہ فلسطینی حکمت عملی کے خلاف برطانوی رائے عامہ کو بیدار کرنے میں کامیاب ہونگی۔ "نجات دہندہ گاندھی" ایک کتاب ارسال خدمت ہے۔ آپ کو یاد ہوگا۔ آپ نے مجھے اے این فیلڈ کی ایک کتاب دی تھی جس میں یہودی بین الاقوامی زرداروں کے ناپسندیدہ مشاغل کا تذکرہ تھا۔ جو کتاب آپ کو بھیج رہا ہوں اس سے آپ کو فیلڈ کی کتاب کے مطالعہ سے حاشیاتی ایک ہندوستانی طالبعلم کے ردعمل کا اندازہ ہو سکے گا۔ اس کا خیال ہے گاندھی بین الاقوامی یہودی زرداروں کی سازش میں شامل اور ان کا ایجنٹ ہے۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے)[1] (اقبال نامہ)

---

[1] اقبال نامہ (دوم) ص ۲۹ پر درج نہ تھا

(مولف)

راغب احسن کے نام

ڈیر راغب صاحب

السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے جس کے لیے شکریہ قبول کیجیے۔ میں اب خدا کے فضل و کرم سے اچھا ہوں۔ آپ معلوم ہوتے ہیں کہ آپ کو انتظار ہے وہ جو کر رہے ہیں کام اللہ بہتر ہے۔ ہر روز سے بدتر اس دنیا میں نئے ہوں گا۔ آپ انشاءاللہ دیکھیں گے۔

افغانستان میں امن و امان ہے۔ افغان پارلیمنٹ نے قرآن کی عدالت میں امان اللہ خان کے خلاف ریزولیوشن پاس کیا ہے۔ ہندوستان کے اخبار محض اس وجہ سے امان اللہ خان کے حق میں پراپیگنڈا کر رہے ہیں کہ موجودہ افغان حکومت نے ان کی ان تمام درخواستوں کو رد کر دیا جو انھوں نے روپے کے واسطے کی تھیں۔ مجھے اس کا ذاتی علم ہے اور میں نے وہ درخواستیں خود پڑھی ہیں۔ فلسطین کا معاملہ نہایت خطرناک ہے۔ خدا تعالیٰ فضل کرے۔ کل لندن میں پارلیمنٹ کے ممبروں کی کانفرنس تھی جو نیشنل لیگ کی طرف سے مدعو کی گئی تھی۔ میں نے بھی ایک بیان ان کو دیا تھا۔

آج جو "اصلاح" کابل سے آیا ہے اس میں سردار محمد ہاشم کی ایک تقریر ہے جو نہایت دردناک ہے۔ مجھے اس تقریر نے بہت رلایا۔

زیادہ کیا لکھوں۔ فقط

محمد اقبال

۲۴ نومبر ۳۲ء

(اقبال جہان دیگر)

اسامی کے لیے درخواست دے رہے ہیں۔ اُن سے کئی بار ملاقات ہوئی اور مجھے ان کی علمی کارگزاریاں جانچنے کا موقع ملا۔ میں فائز کمیٹی کو ان کے تقرر کا مشورہ دوں گا۔ اس وقت وہ حکومت کے شعبۂ حسابات میں ملازم ہیں جہاں تک میں نے دیکھا، انھیں ادب اور فلسفے سے بہت شغف ہے۔ بلاشبہ وہ انگریزی ادب اور فلسفے کے بہت اچھے اور کامیاب لیکچرر ثابت ہوں گے۔ علاوہ ازیں آج کل کے اکثر مسلم نوجوانوں کے برعکس وہ اسلام کی ثقافتی دلچسپی، تاریخ کے بارے میں بہت پُرجوش ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ مسلم نوجوانوں کے ساتھ ان کا رابطہ ان نوجوانوں کے لیے بہت سود مند ثابت ہوگا۔

میں زیادہ سے زیادہ مسلم اساتذہ کو ان صفوں میں دیکھنا چاہتا ہوں۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے) (خطوط اقبال)

بقیہ پچھلے صفحہ :

نوٹ

(۱) یہ خط ...

پہلی بار انگریزی مکتوب ... میں شائع ہوا

(۲) دوسری بار ... سے انگریزی متن ... اسلامک ... ۱۹۷۵ء ص ... میں شائع ہوا

(۳) اردو ترجمہ پہلی بار "اوراقِ گم گشتہ" ص ۱۵۹-۱۶۰ میں شائع ہوا۔ اس ترجمے میں ... تھے

کا ترجمہ درست نہیں ہے اور دو "عالمانہ اطوار کے مالک ہیں" تو بالکل زائد ہے (... رفیع الدین ہاشمی)

راغب احسن کے نام

۲ دسمبر ۱۹۳۲ء

عزیزمن راغب احسن!

آپ کے رسالہ اور تراشہ کے لیے شکرگزار ہوں۔ میں نے تھوڑی دیر پہلے ایک بیان تحریر کیا ہے جو توقع کے مطابق جلد ہی آپ تک پہنچ جائے گا۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے) (اقبال: جہان دیگر)

(عکس)

(ایڈورڈ) تھامپسن کے نام

لاہور

۵ دسمبر ۱۹۳۲ء

مائی ڈیر مسٹر تھامپسن

لارڈ لوتھین کا خط موصول ہوا جس میں انھوں نے مجھے آکسفورڈ یونیورسٹی میں رہوڈز لیکچر دینے کے لیے مدعو کیا ہے۔ درحقیقت یہ ایک بڑا اعزاز ہے جس کے لیے میں یونیورسٹی اور ان تمام دوستوں کا ممنون ہوں جنھوں نے اس دعوت نامہ کو بھجوانے میں دل چسپی لی۔ میں لارڈ لوتھین کو جلد ہی اس پیش کش کو قبول کرنے کی اطلاع دوں گا نیز چانسلر کو بھی شکریہ کا خط لکھوں گا۔

جس موضوع پر میں لکھنا چاہتا ہوں وہ "مسلم فکر میں تصور مکاں و زماں" ہے۔ یہ بڑا ادق مضمون ہے اور ابھی تک مسلم فلسفہ کے کسی طالب علم نے اس پر کام نہیں کیا ہے۔ ان تین لیکچروں کے لکھنے کے لیے میرے پاس محض تین ماہ

کا وقت ہے۔ اپریل کے آخر تک مجھے آکسفورڈ پہنچنا ہے کہ موسم گرما کی میقات اس وقت شروع ہوتی ہے جب مجھے وہاں قیام کرنا ہے۔ اب میں نہیں سمجھتا کہ ایسے موضوع پر تین لیکچر لکھنا میرے لیے ممکن ہو گا۔ جس کے ہر عنوان پر تین ماہ کی قلیل مدت میں بہت زیادہ ریسرچ کرنا ہو گی۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آیا پھر یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد ۱۹۳۴ء کے بجائے ۱۹۳۵ء یا ۱۹۳۶ء کے اختتام پر موسم سرما کی میقات میں مجھے یہ لیکچر دینے کی اجازت دیں گے۔ اس بارہ میں آپ کے مشورہ کا طالب ہوں۔

میں ایک اور سلسلہ میں آپ کی امداد کا خواستگار ہوں۔ براہ کرم آکسفورڈ کے کسی کتب فروش کو ہدایت کر دیجئے کہ مجھے رہوڈز لیکچروں کی ایک کاپی بھیج دے جو مجھ سے قبل کسی نے دیے ہوں۔ ان کا موضوع کوئی بھی ہو۔ تاہم میں ان لیکچروں کو ترجیح دوں گا جن کا مضمون اس موضوع سے ملتا جلتا ہو جو میں نے اپنے لیکچروں کے لیے منتخب کیا ہے۔ جونہی یہ کاپی موصول ہو گی میں اس کے دام بھیج دوں گا۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔ آپ سے ملاقات کا خواہش مند ہوں

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(اقبال - ان کے سیاسی نظریات چوراہے پر)

(انگریزی سے)

راغب احسن کے نام

ڈیر راغب صاحب

السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ بیان مفصل سول ملٹری سے کاٹ کر اُسی روز

آپ کی خدمت میں بھیج دیا تھا جس روز وہ بیان شائع ہوا۔

زمان ومکان فلسفۂ کا مضمون ہو گا ۔

اسلام کی روشنی میں ۔ میں نے دعوت قبول کر لی ہے مگر ابھی یقین کے ساتھ نہیں کر سکتا کہ ۱۹۳۴ء میں جاؤں گا یا ۳۵ء میں مضمون مشکل ہے اور لیکچر لکھنے کے لیے وقت تھوڑا ہے۔ بہر حال جس قدر بھی ہو سکے گا کیا جائے گا۔ انشاء اللہ اب کی دفعہ اردو مجموعہ شائع ہو گا مگر اس کی اشاعت میں ابھی کچھ مدت باقی ہے۔ لیکچر لکھنے کا کام سامنے ہے فقط

محمد اقبال

لاہور

۸ دسمبر ۳۳ء

(اقبال۔ جہاں دیگر)

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

۹ دسمبر ۳۳ء

مخدومی، السلام علیکم

عمر خیام پر آپ نے جو کچھ لکھ دیا ہے اُس پر اب کوئی مشرقی یا مغربی عالم اضافہ نہ کر سکے گا۔ الحمد للہ کہ اس بحث کا خاتمہ آپ کی تصنیف پر ہوا۔

مولوی نور الاسلام کا رسالہ فی تحقیق المکان کی نقل رامپور کتب خانہ سے آگئی ہے، اب آپ کے ایفائے وعدہ کا انتظار ہے، امید ہے کہ آپ اِدھر جلد توجہ فرما کر مجھے شکر گزاری کا موقع دیں گے زیادہ کیا عرض کروں، امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہو گا

والسلام

مخلص محمد اقبال

(عکس)   (اقبال نامہ)

ضیاءالدین برنی کے نام

لاہور

۱۰ دسمبر ۳۳ ۱۹ء

ڈیر مسٹر برنی

آپ کے عنایت نامہ کا بہت بہت شکریہ۔ میں اس کے جواب میں کیا لکھوں؟

میں مسلم فکر کی تاریخ میں تصور زمان و مکان، یہ مقالہ[1] لکھوں گا۔ تاریخ ابھی تک طے نہیں ہوئی ہے۔ انھوں نے مجھے یہ خطبات ۱۹۳۴ء میں دینے کو کہا ہے۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال

(انگریزی سے۔ لٹرز آف اقبال،)

راغب احسن کے نام

۱۲ دسمبر ۳۳ ۱۹ء

ڈیر راغب احسن

مجھے توقع ہے کہ میرے بیان کا مکمل متن موصول ہو چکا ہو گا۔ میں نے یہ بیان اشاعت کے روز ہی روانہ کر دیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ پنڈت جواہر لعل نہرو نے میرے بیان کے جواب میں اپنا بیان جاری کیا ہے۔ اگر یہ بات درست

---

[1] رہوڈز لیکچروں سے مراد ہے۔ تھامپسن کے نام خطوط ملاحظہ ہوں۔
(مولف)

ہے تو پھر براہ کرم اس بیان کا مکمل متن جلد از جلد روانہ فرما دیں۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے ، ۔ "اقبال۔ جہان دیگر ، (متن ،

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

۱۵ دسمبر ۱۹۳۳ء

مخدومی جناب مولانا۔ السلام علیکم۔

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے۔ تلخیص کے لیے نہایت شکر گزار ہوں۔ مگر اسے پڑھ کر میرے دل میں ایک خیال یا سوال پیدا ہوا ہے جس کا پوچھنا ضروری ہے۔

اگر دہر ممتد اور مستمر ہے اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے تو پھر مکان کیا چیز ہے؟ جس طرح زمان دہر کا ایک طرح سے عکس ہے اُسی طرح مکان بھی دہر ہی کا عکس ہونا چاہیے۔ یا یوں کہیے کہ زمان و مکان دونوں کی حقیقت اصلیہ دہر ہی ہے۔ کیا یہ خیال محی الدین ابن عربی کے نقطۂ خیال سے صحیح ہے، اس کا جواب شاید فتوحات ہی میں ملے۔ مہربانی کرکے تھوڑی سی تکلیف اور گوارا فرمائیے اور دیکھیے کہ کیا انھوں نے مکان پر بھی کچھ بحث کی ہے اور اگر کی ہے تو مکان اور دہر کا تعلق ان کے نزدیک کیا ہے۔ اس زحمت کے لیے معافی چاہتا ہوں۔ اور جواب جہاں تک ہو جلد مانگتا ہوں۔

میں نے زمان و مکان کے متعلق تھوڑا سا مطالعہ کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے بڑے بڑے مسائل پر غور و فکر کیا ہے اور اس غور و فکر کی تاریخ لکھی جا سکتی ہے۔ یہ کام صرف آپ ہی کر سکتے

ہیں میرے خیال میں آپ کو چاہئے کہ اس کام کو اپنی زندگی کے اہم مقاصد میں شمار کریں۔

والسلام

مخلص محمد اقبال

جواب کا انتظار رہے گا

(عکس) (اقبال نامہ)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب

یہ خط جامعہ کی طرف سے ہے[1]۔ چونکہ آپ لاہور آنے والے ہیں اور جیسا کہ مجھے گزشتہ رات سلامت اللہ شاہ صاحب سے معلوم ہوا جامعہ سے کچھ دل برداشتہ بھی ہیں۔ اس واسطے اس خط کا جواب آپ کے لاہور آنے پر جامعہ کو دیا جائے گا۔ آپ اس خط کو ساتھ لیتے آئیے اور اسے حفاظت سے رکھیے۔ والسلام۔

محمد اقبال ۱۵ دسمبر ۳۳ء

لاہور

(عکس) (مکتوبات اقبال)

---

[1] یہ خط ڈاکٹر عبد العلیم (ایم اے پی ایچ ڈی) اس وقت جامعہ پھر لکھنؤ اور اب علی گڑھ یونیورسٹی سے منسلک ہے، اردو اکادمی جامعہ ملیہ دہلی کی طرف سے لکھا تھا۔ مضمون یہ تھا کہ خطبات کی طباعت کے بارے میں آپ ہماری درخواست قبول فرما چکے ہیں۔ لہذا اجازت دیجئے کہ ہم اس کی طباعت اور اشاعت کا اہتمام کریں مزید یہ کہ حضرت علامہ مجھے ہدایت فرمائیں کہ ترجمے کا مسودہ میں ان کے حوالے کردوں (سید نذیر نیازی)

محمد اکرام کے نام

لاہور

۱۰ دسمبر ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر محمد اکرام!

عنایت نامہ موصول ہوا یاد آوری کا شکریہ۔ میں نے لارڈ لوتھین[1] کی دعوت قبول کر لی ہے۔ میرا موضوع "فکر اسلامی میں تصور زمان و مکاں" ہوگا یہ ایک ادق موضوع ہے۔ اور ایسے مخطوطات کی مدد سے جن میں کم از کم بعض ابھی تک عدم پتہ ہیں کافی تفتیش و تحقیق کا طالب ہے۔ اس موضوع پر ابھی تک کسی نے خامہ فرسائی بھی نہیں کی ہے۔ بنا بریں مجھے شک ہے کہ میں اُن خطبات کو تین چار ماہ تک جو مجھے ملے ہیں مکمل بھی کر سکوں گا یا نہیں لہذا میں نے لارڈ لوتھین[2] سے دریافت کیا ہے کہ آیا روڈز خطبات کے ٹرسٹیان ۱۹۳۴ء کے موسم سرما کے بجائے ۱۹۳۵ء کے موسم سرما میں ان خطبات کے دینے کی اجازت دے سکیں گے؟ مجھے ۱۹۳۴ء کی جنوری کے اواخر یا اوائل فروری میں لکھیے۔ اس وقت میں آپ کو زیادہ قطعی اطلاع دے سکوں گا۔ میں ان خطبات کے علاوہ جن کا میں نے ذمہ لے لیا ہے آکسفورڈ میں اور کوئی لیکچر نہیں دینا چاہتا۔ لیکن اسلامی موضوعات سے متعلق میں نجی اور غیر رسمی مذاکرات کے لیے ضرور آمادہ ہوں گا۔

مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے) (اقبال نامہ)

---

[1] اور [2] اقبال نامہ حصہ دوم (ص ۳۲۳) میں "لارڈ لودین" تحریر کیا گیا ہے ہم نے کو ہر جگہ لارڈ لوتھین لکھا ہے۔ (مولف)

راغب احسن کے نام

۱۸ دسمبر ۳۳ء

جناب راغب ۔ آپ کا ۱۴ دسمبر کا لکھا ہوا خط مجھے آج صبح ملا جس میں آپ نے پنڈت جواہر لال نہرو کا بیان مع اور کاغذات کے ملفوف کیا ہے۔ آپ کا اخبار "ستارہ" کئی دن سے مجھے نہیں ملا۔ نہ میں نے وہ پیپر دیکھا ہے جو آپ نے میرے بیان پر لکھا ہے۔ یہاں کے اخباروں نے میرے بیان پر بہت کچھ لکھا ہے۔ اخبار ٹریبون نے پنڈت صاحب کے طریق انتخاب کی مخالفت کی ہے اور میرا خیال ہے کہ اور ہندو اخبار بھی ان کی مخالفت کریں گے جب پنڈت صاحب کے بیان کے اشتراکی مضمرات ان پر واضح ہوں گے
مشکل یہ ہے کہ مجھے لکھنے کی تیاری کرنا ہے
اور ایک دو روز تک ان کا لکھنا بھی شروع کردوں گا۔ یہ اخبارات کا فرض ہے کہ ہر بات کا جواب دیں۔ اگر میں ہر بات کا جواب لکھوں تو تمام دن اسی کام میں مصروف رہوں آپ نے پنڈت نہرو کے بیان پر جو نشانات دیے ہیں ان کا فرداً فرداً جواب آپ کو خود لکھنا چاہیے مجھ کو بھی موقع ملا تو لکھوں گا۔ یہ بہت سی باتیں جو ان کے بیان میں ہیں وہ غیر اسلامی ہیں جن کے مضمرات سے وہ خود واقف نہیں معلوم ہوتے۔ زیادہ کیا لکھوں فقط

محمد اقبال

میرے خط پر اقبال منزل نہ لکھا کریں کہ اقبال منزل
سر محمد شفیع مرحوم کے مکان کا نام ہے ۔ اسی
وجہ سے آپ کا خط مجھے دیر میں ملا فقط

(اقبال. جہانِ دیگر)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔ آپ کا خط مل گیا ہے۔

بہتر ہے آپ تشریف لائیں گے تو یہ امر طے ہو جائے گا۔ قطعات کے لیے اجازت ہے مگر زیادہ اشعار نہ ہوں اور قطعات بیچے نہ جائیں کہیں یہ اجازت مصنف بھی لکھ دیا جاتے اکسی گوشے میں، یہ اردو لوگوں کے خلاف ہے جو فورا چھا باشہ درج کر دیتے ہیں حال میں اس کا تلخ تجربہ مجھے ریکارڈوں کے متعلق ہوا۔ والسلام۔

محمد اقبال لاہور

۲۱ دسمبر ۳۳ء

عکس، (مکتوبات اقبال)

سید محفوظ علی بدایونی کے نام

لاہور

۲۱ دسمبر ۱۹۲۲ء

مخدومی جناب سید صاحب۔ السلام علیکم

کیا مسلمان ریاضی دانوں میں کوئی اس بات کا بھی قائل ہوا ہے کہ مکان کے ابعاد تین سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں؟ یا نہیں۔

شاید نصیر الدین طوسی نے ایسے امکان کا کہیں ذکر کیا ہے۔ مگر حوالہ یاد نہیں۔

آپ کے بدایوں میں ایک بزرگ ہیں جنھوں نے کچھ مدت ہوئی ایک رسالہ علم ہیئت پر شائع کیا تھا۔ غالباً کسی یونانی رسالے کا عربی ترجمہ تھا مہربانی کر کے اُن سے دریافت فرما کر مجھے مطلع فرمایئے اس وقت ان کا نام

میرے ذہن سے اُتر گیا۔ ورنہ براہ راست انھیں کی خدمت میں یہ عریضہ لکھتا اور آپ کو زحمت نہ دیتا۔ امید کہ آپ اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر مندرجہ بالا سوال اُن سے پوچھیں گے اور اُن کے جواب سے مجھے جہاں تک ممکن ہو جلد مطلع فرمائیں گے والسلام

مخلص محمد اقبال

(اقبال نامہ)

مس فارکہرسن کے نام

لاہور

۲۵ دسمبر ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر مس فارکہرسن!

عنایت نامہ کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ ہم سب آپ کے اور لارڈ لنگٹن کے فلسطینی عربوں کی نہایت ہی گراں قدر خدمات بجا لانے کے بے دلی احسان مند ہیں۔ لندن میں آپ سے اپریل ۱۹۳۴ء یا ۱۹۳۵ء میں دوبارہ ملاقات میرے لیے بے حد مسرت کا موجب ہو گی۔ آکسفورڈ یونیورسٹی نے مجھے روڈز خطبات کے لیے دعوت دی ہے۔ میں نے یہ دعوت قبول کر لی ہے۔ میں جس موضوع پر یہ خطبات دینا چاہتا ہوں وہ مشکل اور خاص تحقیق و تفتیش علمی کا طالب ہے اس لیے ممکن ہے آئندہ تین ماہ میں یہ کام انجام نہ پا سکے۔ بہرحال اپنے پروگرام سے آپ کو آگاہ کروں گا۔ یہاں کے حالات بدستور ہیں۔ گاندھی، سیاسیات سے کنارہ کش ہو گئے ہیں اور اب بقولِ خود، ہریجن سدھار میں مصروف ہیں۔

پنڈت جواہر لعل اب کشتی کے ناخدا ہیں۔ اغلب ہے کہ ہندوستان کی سیاست اپنا رخ بدل لے اور شاید کمیونزم کے راستے پر پڑ لے۔

اس سلسلہ میں مزید گفتگو ملاقات پر ہوگی ۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا

مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے)   (اقبال نامہ)

سیّد نعیم الحق کے نام

لاہور

۲۵ دسمبر ۱۹۳۳ء

مائی ڈیر مسٹر نعیم الحق

نوازش نامہ موصول ہوا ۔ جس کے لیے سراپا سپاس ہوں ۔ اگر میں کانفرنس میں شمولیت کے لیے پٹنہ آسکا تو یقیناً آپ سے ملاقات میرے لیے باعثِ مسرت ہوگی ۔ لیکن پٹنہ میں میرا آنا غیر یقینی ہے کیونکہ مجھے ممکن ہے اواخرِ مارچ ۱۹۳۴ء میں آکسفورڈ میں لیکچروں کے ایک سلسلے کے لیے انگلستان جانا پڑے ۔ اور یہ ضروری ہے کہ یہ لیکچر میری روانگی سے پیشتر مرتب کر لیے جائیں ۔ اگر میرا ارادہ پٹنہ آنے کا ہوا تو آپ کو مطلع کروں گا کشمیر کے مسلمانوں کی امداد و اعانت آپ کا بڑا ہی کرم ہے ۔ مقدمات کی تاریخیں فروری ۱۹۳۴ء میں حسب ذیل ہیں ۔

۵ سے ۱۰ فروری تک مقدمہ سکھ چین پور ۔ ۴ سے ۱۷ فروری تک مقدمہ علی بیگ ۔ دونوں مقدمات کی سماعت جموں میں ہوگی کیا آپ دونوں مقدمات کی پیروی کے لیے تیار ہیں ۔ ملک برکت علی فروری میں اپنے انتخاب میں مصروف ہوں گے ۔ ہم سب آپ کی مکرر اعانت کے لیے نہایت احسان مند ہوں گے ۔ اگر آپ تکلیف گوارا فرمائیں تو مجھے فوراً بذریعہ تار اپنی آمادگی سے مطلع فرمائیں تاکہ ضروری کاغذات بھیج سکوں ۔ کوشش

کروں گا کہ آپ کے لیے ایک مددگار مہیا کیا جائے۔ عبدالمجید صاحب نے مجھے اطلاع دی ہے کہ آپ نے ذکر کیا تھا کہ پٹنہ کے عبدالعزیز صاحب مسلمانوں کی امداد کو ہر وقت تیار ہوں گے۔ آپ میری طرف سے ان کی خدمت میں کشمیر کے بے بس مسلمانوں کی امداد کی درخواست کیجیے۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے گا۔ آپ کے تار کا انتظار رہے گا۔

مخلص

محمد اقبال

(اقبال نامہ)　　　　　　　　　　　　انگریزی سے۔

سید نعیم الحق کے نام

۱۳ جنوری ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر نعیم الحق

نوازش نامہ اور تار کے لیے جو کل رات موصول ہوا اور جس کا جواب آج صبح بھیجا گیا نہایت ممنون ہوں۔ آپ کی اس عنایت کا کیونکر شکریہ ادا کیا جائے کہ آپ دونوں مقدمات کی پیروی کے لیے آمادہ ہیں۔ میں اس مقدمہ کا فیصلہ اور دوسرے کاغذات آپ کو بھیج رہا ہوں جس کی تاریخ پیشی جموں میں ۱۲ فروری مقرر ہوئی ہے۔

یہ بہتر ہوگا کہ آپ ۱۲ فروری کو جموں پہنچ جائیں۔

دوسرے مقدمے سے متعلق کاغذات ابھی مجھے موصول نہیں ہوئے۔ اگر کوئی دوسرا انتظام ممکن نہ ہوا تو میں کاغذات موصول ہوتے ہی آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔ دوسرا مقدمہ ۵ فروری کو شروع ہوتا ہے جس مقدمہ کے کاغذات میں بھیج رہا ہوں وہ پانچ چھ دن سے زیادہ نہ لے گا امید ہے آپ کے پاس فرصت میں اس مقدمہ کی تیاری کے لیے کافی وقت ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

تحریر مابعد:

کاغذات کے موصول ہونے کی اطلاع ضرور دیجئے اور جموں میں پہنچنے کی اطلاع شیخ عبدالحمید صاحب ایڈوکیٹ (صدر کشمیر کانفرنس) کو دیجئے۔

اور دوسرے معاملات میں بھی انہی سے براہ راست خط وکتابت مفید ہوگی۔

م ا

(انگریزی سے) (اقبال نامہ)

سر راس مسعود کے نام

۱۴ جنوری ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر مسعود

معلوم ہوا ہے کہ علی گڑھ یونیورسٹی میں شعبہ دینیات کے ڈین کی اسامی خالی ہوئی ہے اور آپ اس اسامی کو پُر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مجھے دینیات سے بہت دل چسپی ہے اس لیے اس سلسلے میں ایک تجویز پیش کر رہا ہوں امید ہے

ؔ اقبال نے جس اسامی پر سید سلیمان کے تقرر کی سفارش کی تھی، وہ مولوی سید یوسف حسین کی کے انتقال (۱۶ دسمبر ۱۹۳۳ء) پہ خالی ہوئی تھی۔ یونیورسٹی کے ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اسامی پر شیعہ ڈین اور لیکچرر (اگریڈ نمبرا) کے طور پر سید سلیمان کا تقرر ہوگیا تھا

اقبال نامہ، جلد اول (مرتبہ شیخ عطاء اللہ) میں ان کے نام علامہ اقبال کے ۲۴ خطوط شامل ہیں (جن میں سے ۶ انگریزی خطوط کے متن بشیر احمد ڈار کی مرتبہ LETTERS & WRITINGS OF IQBAL میں دیے گئے ہیں)، ایک مکتوب "خطوطِ اقبال" میں شامل ہے۔ مندرجہ بالا خط جو تعداد کے اعتبار سے سر راس مسعود کے نام علامہ کا ۲۶ واں مکتوب ہے۔ اس سلسلے میں تازہ ترین اضافے کی حیثیت رکھتا ہے۔ سر راس مسعود کے نام علامہ اقبال کے دستیاب اور معلوم وموجود خطوں میں، زیرِ نظر مکتوب (تاحال) سب سے پہلا اور قدیم ترین خط ہے۔

اس دخل اندازی پر آپ میری معذرت قبول کریں گے۔ میں تو ایم۔ اے
ایم سید سبط نبی کا نام تجویز کرنا چاہتا ہوں جنھوں نے نجف میں چودہ برس
تک شیعہ دینیات کا مطالعہ کیا ہے۔ میرے علم کی حد تک ہمارے ہاں
دورِ حاضر کے دینیاتی علماء میں وہ قابل ترین لوگوں میں سے ہیں اپنے
زبردست علم و فضل کے علاوہ اپنی ذاتی زندگی میں بھی وہ ایک بڑے
مسلمان کے سے شریفانہ اطوار کے مالک ہیں وہ ایک وسیع النظر انسان ہیں
اور ایک جدید جامعہ اسلامیہ کے لیے ہر اعتبار سے موزوں ہیں متذکرہ اسامی
کے لیے بلاشبہ آپ کو ان سے بہتر شخص نہیں ملے گا۔ مہربانی کرکے انھیں اپنے
بہترین غور و فکر کا مستحق سمجھیں۔

جہاں تک دیگر معاملات کا تعلق ہے، حالات قدرے پرامید ہیں۔
نہیں معلوم کہ اس معاملے میں وائسرائے سے ملاقات کو آپ مناسب
سمجھتے ہیں یا نہیں۔

اخلاص کے ساتھ
محمد اقبال
(صحیفہ اقبال)

(انگریزی سے)

ل علامہ اقبال بڑے مرنجاں مرنج انسان تھے انھوں نے بعض لوگوں کے پاس
خاطر کے لیے مختلف اوقات میں متعدد سفارشی خطوط لکھے جن میں جوش ملیح آبادی
کے لیے کشن پرشاد شاد اور پروفیسر حمید احمد خاں کے لیے مرزا محمد سعید اور خلیفہ
شجاع الدین کے نام خطوط شامل ہیں یہ خط بھی سید سبط نبی کے لیے ایک سفارشی
چٹھی کی حیثیت رکھتا ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

۱۵ر جنوری ۳۴ء

مخدومی، السلام علیکم

دُنیا اس وقت عجیب کشمکش میں ہے، جمہوریت فنا ہو رہی ہے اور اس کی جگہ ڈکٹیٹر شپ قائم ہو رہی ہے۔ جرمنی میں مادّی قوت کی پرستش کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ سرمایہ داری کے خلاف بھی ایک جہادِ عظیم ہو رہا ہے، تہذیب و تمدن (بالخصوص یورپ میں) بھی حالت نزاع میں ہے، غرض کہ نظامِ عالم ایک نئی تشکیل کا محتاج ہے۔ ان حالات میں آپ کے خیال میں اسلام اس جدید تشکیل کا کہاں تک مُمد ہو سکتا ہے۔ اس مبحث پر اپنے خیالات سے مستفیض فرمائیں۔ اور اگر کوئی کتابیں ایسی ہوں جن کا مطالعہ اس ضمن میں مفید ہو تو ان کے ناموں سے آگاہ فرمائیے۔ والسلام

محمد اقبال

(اقبال نامہ) (عکس)

راغب احسن کے نام

۱۵ر جنوری ۳۴ء

ڈیر راغب صاحب

دنیا اس وقت ایک نئی تشکیل کی محتاج ہے۔ جمہوریت فنا ہو رہی ہے۔ سرمایہ داری کے خلاف ایک جہادِ عظیم ہو رہا ہے۔ تہذیب و تمدن بھی ایک کشمکش میں مبتلا ہے۔ ان حالات میں آپ کے خیال میں دنیا کی جدید تشکیل میں اسلام کیا مدد کر سکتا ہے۔ اس مبحث پر اپنے خیالات مفصل لکھیں اور اگر بعض کتب ایسی ہوں جو آپ کے مطالعہ سے گزری ہوں اور

جو اس بحث میں مفید ہو سکتی ہوں تو اُن کے نام ببلشر وغیرہ لکھ دیجیے فقط
محمدؐ اقبال

(اقبال: جہانِ دیگر)

محمد دین فوق کے نام

ڈیر فوق صاحب!

مجھے معلوم نہیں لفظ بٹرو کے معانی کشمیری زبان میں کیا ہیں ممکن ہے اس کے معنی وہی ہوں جو آپ نے تحریر فرمائے ہیں یعنی وہ لڑکا جو چھوٹی عمر میں بڑوں کی سی ذہانت دکھائے۔ البتہ کشمیری برہمنوں کی جو گوت سپرو ہے اس کے اصل کے متعلق جو کچھ میں نے اپنے والد مرحوم سے سنا تھا وہ عرض کرتا ہوں۔

جب مسلمانوں کا کشمیر میں دور دورہ ہوا تو براہمہ کشمیر مسلمانوں کے علوم و زبان کی طرف بوجہ قدامت پرستی یا اور وجوہ کے توجہ نہ کرتے تھے اس قوم میں سے پہلے جس گروہ نے فارسی زبان وغیرہ کی طرف توجہ کی اور اس میں امتیاز حاصل کر کے حکومت اسلامی کا اعتماد حاصل کیا وہ سپرو کہلایا۔ اس لفظ کے معنی ہیں وہ شخص جو سب سے پہلے پڑھنا شروع کرے یا جس نے سب سے پہلے پڑھنا شروع کیا، "س" تقدم کے لیے کئی زبانوں میں آتا ہے اور پرو کا روٹ وہی ہے جو ہمارے مصدر پڑھنا کا ہے۔

والد مرحوم کہتے تھے کہ یہ نام کشمیر کے برہمنوں نے اپنے ان بھائی بندوں کو از راہ تعریض و تحقیر دیا تھا جنھوں نے قدیم رسوم و تعلقات قومی و مذہبی کو چھوڑ کر سب سے پہلے اسلامی زبان و علوم کو سیکھنا شروع کیا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ نام ایک مستقل گوت ہو کر مشہور ہو گیا ہے۔

دیوان ٹیک چند (ایم اے) جو پنجاب میں کمشنر تھے، ان کو تحقیق لسان

کا بڑا شوق تھا۔ ایک دفعہ انبالہ میں انھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ لفظ سپرو کا تعلق ایران کے قدیم بادشاہ شاپور سے ہے اور سپرو حقیقت میں ایرانی ہیں جو اسلام سے بہت پہلے ایران کو چھوڑ کر کشمیر میں آباد ہوئے اور اپنی ذہانت و فطانت کی وجہ سے برہمنوں میں داخل ہو گئے۔ واللہ اعلم۔

پنجاب میں جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی گھر مسلمان سپرو خاندان کا نہیں ہے۔ اعجازؔ[1] کی شادی کے وقت اس امر کی جستجو کی گئی تھی مگر ناکامی ہوئی۔

محمد اقبال

۱۶ جنوری ۱۹۳۴ء

(انوار اقبال)

سید نعیم الحق کے نام

لاہور

۲۲ر جنوری ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر مسٹر نعیم الحق

نوازش نامہ کے لیے جو ابھی ابھی موصول ہوا سراپا سپاس ہوں مجھے پٹنہ میں دوستوں کے متعلق حد درجہ تشویش تھی اور میں تار دینے ہی والا تھا کہ آپ کا نوازش نامہ موصول ہو گیا۔ زلزلہ کی ہولناکی سے طبیعت پر غم و یاس کی فراوانی اور پریشان خاطری کے باوجود مقدمہ کی پیروی کی ذمہ داریوں کو نبھانے کے لیے آپ کی ہمت و مستعدی لائق صد ہزار داد و ستائش ہے۔ مجھے میرپور کے دوسرے مقدمہ کی نقل فیصلہ تو موصول ہو گئی ہے۔ لیکن ابھی دوسرے کاغذات کا انتظار ہے۔

---

[1] اقبال کے بھتیجے شیخ اعجاز احمد صاحب۔

میں سمجھتا ہوں اس مقدمہ کی پیروی کا بار بھی آپ پر ہی ڈال دیا آپ کو حد درجہ زحمت میں مبتلا کرنا ہو گا جہاں تک آپ کے مددگار کا تعلق ہے میں لاہور ہی میں کسی کو آمادہ کروں گا تاکہ وہ لاہور سے ہی آپ کے ساتھ ہو جائے یا پھر جموں ہی میں آپ سے آن ملے۔

جموں کانفرنس آپ کی میزبان ہوگی آپ شیخ عبدالحمید صاحب کو تحریر کر دیں۔ میں نے شیخ عبداللہ صاحب صدر کانفرنس سے بھی تذکرہ کر دیا ہے وہ اس وقت لاہور میں ہیں۔ لیکن جموں میں آپ کی تشریف آوری تک پہنچ جائیں گے۔ تکلیف کے لیے دوبارہ شکریہ عرض کرتا ہوں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے)　　　　　　(اقبال نامہ)

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور ۲۴ر جنوری ۳۴ء

مخدوم و مکرم، کچھ روز ہوئے ایک عریضہ لکھا تھا، غالباً آپ کی عدیم الفرصتی جواب سے مانع رہی۔ اس خط کے جواب کا انتظار ہے۔

کل میں آپ کے پرانے خطوط پڑھ رہا تھا، جو میرے پاس محفوظ ہیں ان میں سے ایک خط میں آپ نے یہ لکھا ہے کہ اسلامی ریاست کے امیر کو اختیار ہے کہ جب اسے معلوم ہو کہ بعض شرعی اجازتوں میں فساد کا امکان ہے تو ان اجازتوں کو منسوخ کر دے عارضی طور پر، یا مستقل طور پر، بلکہ بعض فرائض کو بھی منسوخ کر سکتا ہے، اس وقت آپ کا خط میرے سامنے نہیں ہے

لہ ڈاکٹر صاحب کے حافظہ نے غلطی کی ہے، ملتوی کی جگہ منسوخ لکھ گئے ہیں۔ (عطاء اللہ)

حافظے سے لکھ رہا ہوں کیا یہ بات صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو اس کا حوالہ کہاں سے ملے گا؟ مہربانی کرکے اس کتاب کا پتہ دیجئے جس میں یہ مسئلہ درج ہے۔

۲ کیا یہ صحیح ہے کہ متعہ (نکاحِ موقت) حضرت عمرؓ سے پہلے مسلمانوں میں مروج تھا، اور حضرت عمرؓ نے اُسے منسوخ کر دیا نیز زمانہ حال کا کوئی امیر بھی کسی امر کی نسبت ایسا فیصلہ کرنے کا مجاز ہے؟

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہے

سفرنامہ کابل بہت دلچسپ ہے۔ ممکن ہے آپ کو وہاں ایک دفعہ پھر جانا پڑے۔

والسلام

مخلص محمد اقبال

(عکس) (اقبال نامہ)

راغب احسن کے نام

لاہور۔ ۲۰ جنوری ۳۴ء

ڈیر راغب صاحب

السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ آپ الہ آباد میں ہیں اور اپنے ایک خط کے جواب کا جو میں نے آپ کے نام الہ آباد کے پتے پر لکھا تھا، منتظر تھا۔ آج آپ کے خط سے آپ کے مصائب کا حال معلوم کرکے بہت صدمہ ہوا۔ اس سے پہلے اخباروں میں بھی حالات دیکھے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قہر الٰہی کی مفصل داستان ابھی تک کسی معلوم نہیں خدا تعالیٰ فضل کرے اور آپ کو اور باقی تمام مصیبت زدوں کو اطمینان عطا فرمائے۔

لاہور میں بھی ۱۵ جنوری کو زلزلہ آیا تھا مگر اس قدر خفیف تھا کہ بہت

لوگوں کو اس کا احساس بھی نہیں ہوا۔

اے فلک چشم تو بے باک و بلاخوف ہنوز[1]
می شناسم کہ تماشائے دگری خواہی

جس کتاب کا اشتہار آپ نے انقلاب میں دیکھا ہے اس کا حال مجھے معلوم نہیں۔ ایک صاحب یہاں اکبر علی وکیل ہیں انھوں نے ایک کتاب انگریزی میں لکھی ہے جس میں کوئی خاص بات نہیں۔ مگر مجھے معلوم نہیں کہ اس کتاب کا نام کیا ہے۔ بہرحال اگر آپ کو اکبر علی صاحب کی کتاب مطلوب ہو تو میں بھیج دوں گا۔ غالباً اس کی ایک کاپی مصنف نے مجھے بھیجی تھی۔

میں آپ کی مدد کے لیے حاضر ہوں۔ سورۂ الرحمن کا ورد ہر روز کرنا چاہیے۔ گھر کے سب لوگ پڑھا کریں تو اور بھی بہتر۔

محمد اقبال

(اقبال: جہان دیگر)

سید نعیم الحق کے نام

لاہور

۲۸ جنوری ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر نعیم الحق۔

نوازش نامہ موصول ہوا جس کے لیے ممنون ہوں۔ میں عبدالحمید صاحب کو لکھ رہا ہوں کہ مقدمہ میں درخواست التوا دے دیں۔ لیکن چونکہ اب آپ مقدمہ میں وکیل ہیں بہتر یہ ہوگا کہ آپ براہِ راست کشمیر ہائی کورٹ میں درخواست

---

[1] اے فلک تیری آنکھیں بے باک اور بے خوف (کھلی ہیں)، میں جانتا ہوں کہ تو کوئی اور تماشا دیکھنا چاہتا ہے۔

التوا دے دیں اور وجوہ وہی تحریر کریں جو آپ نے اپنے نوازش نامہ میں تحریر فرمائی ہیں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

تحریر مابعد

جس وقت آپ کشمیر پہنچیں گے امید ہے کشمیر میں زبردست ایجیٹیشن دوبارہ شروع ہو چکی ہوگی۔

محمد اقبال

(انگریزی سے) (اقبالنامہ)

سر ولیم روتھین اسٹائن کے نام

ڈاکٹر سر محمد اقبال (ناسٹ)
ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی
بیرسٹر۔ ایٹ۔ لا، لاہور
۲۹ جنوری ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر سر ولیم!

کل مجھے آپ کا کرم نامہ موصول ہوا۔ میں اس کے لیے آپ کا حد درجہ ممنون ہوں معلوم ہوتا ہے کہ اپنی ہندوستان واپسی کے چند ہی دنوں بعد میں نے جو عریضہ آپ کو روانہ کیا تھا وہ آپ کو نہیں ملا۔ میں نے اس میں برگساں سے پیرس میں اپنی ملاقات کا احوال بیان کیا تھا۔ میری اور ان کی گفتگو نہایت

نوٹ: مندرجہ بالا خط ماہ نامہ "قومی زبان" کراچی کے شمارہ نمبر ۱۔ جنوری ۱۹۹۱ء ص ۱۸۔ ۱۷ پر شائع ہوا ہے۔

(مؤلف)

دل چسپ رہی. موضوع شایستہ پسند برطانوی فلسفی برکلے تھے. میرا ارادہ تھا کہ برگساں سے اپنی بات چیت کو شائع کردوں لیکن بدقسمتی سے جو صاحب میرے ہمراہ تھے اور گفتگو کو قلم بند کر رہے تھے بعد میں خود اپنا ہی لکھا ہوا نہ پڑھ سکے!

مجھے یہ جان کر مسرت ہوئی کہ ہندوستان سے آپ کا رابطہ مسلسل قائم ہے. اس وقت ایشیا کی ایک اہم ضرورت یہ ہے کہ انگلستان کے بہترین مفکرین اس کو سمجھیں اور ان مسائل کی فہم پیدا کریں جو اس خطۂ ارض کے بسنے والوں کی تازہ بیداری سے رونما ہو رہے ہیں. یہ وہ مسائل اور معاملات ہیں جن پر برطانوی قوم بلکہ پوری جدید تہذیب کا مستقبل کلی طور پر منحصر ہے.

جیسا کہ آپ جانتے ہیں ادب ہندوستان میں نہ اس وقت کوئی پیشہ ہے اور نہ کبھی پیشہ رہا ہے. کسی حد تک مصوری اور موسیقی تو پیشے ہیں لیکن ادب بہر حال کسی کا ذریعہ معاش نہیں. یہ بات مجھے ذاتی تجربے سے معلوم ہے ادب کے نام پر تھوڑا بہت میں نے بھی لکھا ہے لیکن روزی مجھے وکالت سے کمانی پڑتی ہے. اگرچہ میرے مخالفین اور مفاد پرست حلقوں نے ہمیشہ میرے خلاف ایک پروپیگنڈا جاری رکھا ہے اور طرح طرح کے حربوں سے حکام کو بھڑکانے کی کوشش کی ہے تاکہ میری پیشہ ورانہ زندگی برباد ہو جائے. یہ کوششیں اب تک کامیاب رہی ہیں معاف فرمائیے گا! میں اپنا ذاتی معاملہ لے بیٹھا. لیکن آپ کو مجھ سے اس درجہ ہمدردی نہ ہوتی تو میں ہرگز یہ تذکرہ نہ چھیڑتا. مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ جدید آرٹ کے ایک قائد کی حیثیت سے ہندوستان کے وائسرائے سے آپ رابطہ رکھتے ہیں. اور مجھے یقین ہے کہ وائسرائے کبھی کبھار آپ کے ان مشوروں کو سراہتے ضرور ہوں گے جو آپ وقتاً فوقتاً انھیں دیتے رہتے ہیں.

میں امید کر رہا ہوں کہ ۱۹۲۵ء میں آپ سے دوبارہ ملاقات ہو سکے گی.

 نے ازراہ عنایت لارڈ لوتھین کی وساطت سے

مجھے ... لیکچر شپ کی پیش کش کی ہے۔ مجھے آکسفورڈ یونیورسٹی میں تین لیکچر دینے کے لیے مدعو کیا گیا ہے۔ مجھ سے کہا گیا تھا کہ میں اپریل ۱۹۳۴ء میں یہ لیکچر دوں لیکن بعض وجوہات کی بنا پر جس کا ذکر تحریری طور پر میں نے لارڈ لوتھین سے کیا ہے۔ میں اس تاریخ کو یہ سفر نہیں کر سکوں گا۔

لیڈی روتھس اسٹائن کو میری طرف سے یاد کریجیے گا اور ساتھ ہی اپنے صاحبزادے کو بھی جن سے لندن میں میری دلچسپ بات چیت ہوئی تھی۔

امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔ ہم لوگوں میں آپ کو جو دلچسپی ہے اس کے لیے شکریے کے ساتھ۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے)

(عکس)

سر فضل حسین کے نام

لاہور

۳۱ جنوری ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر سر فضل حسین

آپ کے عنایت نامے کے لیے سراپا سپاس ہوں جو مجھے چند لمحے قبل موصول ہوا۔ مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ میں آپ سے اور ہز ہائی نس آغا خاں سے شرف ملاقات حاصل نہ کر سکوں گا۔ میرے موجودہ حالات اور ماضی کے تجربے نے میرے زاویہ نگاہ کو سخت متاثر کیا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ دہلی میں ہونے والی مشاورت میں میری غیر حاضری کو معاف فرمائیں گے۔ اس مضمون کا خط میں نے مولوی شفیع داؤدی کو لکھا ہے جن کا خط آپ کے خط کے ساتھ ہی ملا تھا۔

شعار (۲۲:۲۲۰) بہت شاندار ہے مگر اردو ترجمہ میں وہ (اصلی کی سی) جامعیت پیدا کرنا تقریباً محال ہے۔ میں ایسا ہی ایک خیال فارسی میں تحریر کرتا ہوں۔

رشتہ در گردنم افگندہ دوست[1]
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

آپ کا مخلص
محمد اقبال

(انگریزی سے، لیٹرز آف اقبال)

سید سلیمان ندوی کے نام

جناب مولانا، السلام علیکم

۱۔ آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے بہت شکر گزار ہوں، میں نے آپ کا پہلا خط پھر دیکھا ہے۔ آپ نے جو کچھ لکھا ہے درست ہے۔ مگر میں ان معاملات کی ایک فہرست چاہتا ہوں جن کے متعلق رائے قائم کرنا 'امام' کے سپرد ہے۔ جرائم میں ایسے جرم ہیں جن کی تعزیر غالباً قرآن شریف میں مقرر ہے، اُن کے متعلق امام کیونکر رائے دے سکتا ہے؟

۲۔ آپ فرماتے ہیں کہ تواتر عمل کی ایک مثال نماز ہے۔ مالکیوں اور حنفیوں اور شیعوں میں جو اختلاف صورت نماز میں ہے وہ کیونکر ہوا؟

۳۔ ایک اور سوال پوچھنے کی جرأت کرتا ہوں۔ (۱) احکام منصوصہ میں توسیع اختیارات امام کے اصول کیا ہیں؟ اگر امام توسیع کر سکتا ہے تو کیا ان

---

[1] ترجمہ: دوست نے میری گردن کو (محبت کے دھاگے میں) باندھ لیا ہے اور جہاں چاہتا ہے مجھے لے جاتا ہے۔

کے عمل کو محدود بھی کر سکتا ہے، اس کی کوئی تاریخی مثال ہو تو واضح فرمایئے۔
(ii) زمین کا مالک قرآن کے نزدیک کون ہے؟ اسلامی فقہا کا مذہب اس بارے میں کیا ہے؟ قاضی مبارک میں شاید اس کے متعلق کوئی فتویٰ ہے، وہ فتویٰ کیا ہے؟ (iii) اگر کوئی اسلامی ملک (روس کی طرح) زمین کو حکومت کی ملکیت قرار دے تو کیا یہ بات شرع اسلامی کے موافق ہوگی یا مخالف؟ اس مسئلہ کا سیاست اور اجتماع معاشرت سے گہرا تعلق ہے۔ کیا یہ بات بھی رائے امام کے سپرد ہوگی؟ (iv) صدقات کی کتنی قسمیں اسلام میں ہیں؟ صدقہ اور خیرات میں کیا فرق ہے؟ تکلیف تو آپ کو ان سوالات کے جواب میں ہوگی مگر مجھے امید ہے کہ آپ اس زحمت کے لیے مجھے معاف فرمائیں گے

تعلیمی مشورت کے لیے جو جلسے آپ کے آنے سے پہلے ہوئے ان کے متعلق کچھ نوٹ سید راس مسعود نے لیے تھے ان کی خدمت میں ان جلسوں میں ہم دونوں کے علاوہ سردار فیض محمد خاں وزیر خارجہ اور افغانی تعلیمی بورڈ کے ممبر اور غالباً ترکی تعلیمی مشیر شامل تھے، سردار خان کے خطوط بھی آئے تھے۔ والسلام

محمد اقبال یکم فروری ۳۴ء

لاہور

(عکس) (اقبال نامہ)

(ایڈورڈ) تھامسن کے نام

لاہور

۵ فروری ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر تھامپسن

آپ کے گرامی نامے کے لیے سراپا سپاس ہوں جو مجھے کل موصول ہوا۔ میرے لیے یہ بڑا اعزاز ہوگا اگر آپ "آبزرور" (OBSERVER) کے لیے

میرے "چھ خطبات" پر تبصرہ لکھیں۔ جنرل اسمٹس (   ) کے اعلیٰ پایہ کے خطبات جو یونیورسٹی نے مجھے تحفتہً بھیجے ہیں ان کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ میں نے لارڈ لوتھین کو تار دیدیا ہے کہ اس سال میرا انگلستان آنا ممکن نہیں۔ میرا خود بھی یہی خیال ہے کہ میرا منتخب کردہ موضوع بہت زیادہ عالمانہ ہے۔ بہرکیف اب میں آپ کے اس عنایت نامے کی روشنی میں جو آپ نے ازراہِ کرم چند روز قبل بھیجا تھا اور جس میں کچھ تجاویز تھیں کوئی اور موضوع منتخب کروں گا۔

کل ایک نہایت دلچسپ شخصیت سے ملاقات ہوئی۔ یہ چینی ترکستان میں نئی مسلم ریپبلک کے نمائندہ کی حیثیت سے یہاں آئے ہیں جو اُن کے دعوی کے مطابق آزاد ہو چکی ہے۔ یہ غالباً برطانوی عوام کے سامنے اپنا معاملہ پیش کرنے انگلستان بھی جائیں گے۔ یہ فرانسیسی، عربی اور فارسی خوب بولتے ہیں اور سیاسی نظریات کے جدید میلانات سے واقف نظر آتے ہیں۔ ہماری گفتگو کے دوران انھوں نے ترکی میں ریاست اور مذہب کی علیحدگی کا نہایت دلچسپ حال سنایا اور بتایا کہ عثمانی ترک کس طرح قرآن کی بنیاد پر اس اقدام کا جواز پیش کرتے ہیں۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(اقبال۔ ان کے سیاسی نظریات جو راہے پر)

(انگریزی سے)

سید غلام شبیر بخاری کے نام

از دفتر ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب
بیرسٹرایٹ لا۔ لاہور
مکرمی، السلام علیکم

آپ کا کارڈ مورخہ ۵۔۲۔۳۴ جناب ڈاکٹر صاحب پہنچ کر کاشف امور مندرجہ خود(کا)
ہوا۔ جواباً فرمایا ہے کہ میں آپ کی خدمت میں عرض کروں کہ اگر جناب کو تحقیق منظور ہے
اگر جناب راہ راست کے خواہاں ہیں تو یہ معاملہ خط وکتابت سے طے نہیں ہوا کرتا۔
تشریف لایے اور اپنے شکوک رفع کرلیجیے۔ اطمینان قلبی حاصل کیجیے پھر جون سا فرقہ پسند ہو
اختیار فرمایئں یا جس فرقے میں چاہیں منسلک ہو جائیں۔ قرار پائیں۔ اسلام نام ہے علما نے
عاملین کی صحبت کا۔ مطالعے سے بھی آپ پر اصلیت ظاہر ہو جائیگی۔ دیگر یہ بہتر ہوگا

علامہ سید غلام شبیر بخاری صاحب ایک طویل عرصے سے محکمۂ تعلیم پنجاب سے وابستہ ہیں
سرگودھا اور ملتان میں ناظم تعلیمات رہے۔
یہ مکتوب ایک پوسٹ کارڈ پر لکھا گیا تھا۔ خط پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے مگر ڈاکخانہ
کی مہر ۹ فروری ۱۹۳۴ء کی ہے۔

(رفیع الدین ہاشمی)

لہ اصل متن میں "کا" موجود نہیں ہے۔
کہ اس خط کا عکس اور متن محمد صنیف شاہد نے اپنے مضمون "علامہ اقبال کی پانچ غیر
مدّون تحریریں" مطبوعہ "صحیفہ" اقبال نمبر، حصہ اول (ص ۲۴۰ - ۲۴۱) میں شائع کیا۔ یہ
مکتوب ایک پوسٹ کارڈ پر لکھا گیا تھا۔
(۲) صحیفہ کے حوالے سے دوسری بار خط کو "اوراقِ گم گشتہ" (ص ۱۰۷) میں نقل کیا
گیا۔ (رفیع الدین ہاشمی)

کہ اگر جناب نے تشریف لانا ہو تو اس ماہ کے آخر میں تشریف لائیں کیونکہ آج کل ڈاکٹر صاحب کی طبیعت ناساز ہے، بیمار ہیں۔ انشاء اللہ جلد ازالہ ہو جائے گا۔

نیازمند

طاہر الدین

(خطوط اقبال)

سید نعیم الحق کے نام

لاہور

۹ فروری ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر مسٹر نعیم الحق

نوازش نامہ موصول ہوا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ جس مقدمہ کی پیروی کے لیے میں نے آپ سے درخواست کی تھی اس کی پیروی چودھری ظفر اللہ خاں کریں گے عبدالحمید صاحب نے مجھے یہ اطلاع دی ہے اور میں نے ضروری سمجھا کہ آپ کو ہر قسم کی زحمت سے بچانے کے لیے مجھے فی الفور آپ کو مطلع کرنا چاہیے۔

چودھری ظفر اللہ خاں کیونکر اور کس کی دعوت پر وہاں جا رہے ہیں مجھے معلوم نہیں۔ شاید کشمیر کانفرنس کے بعض لوگ ابھی تک قادیانیوں سے خفیہ تعلقات رکھتے ہیں۔ میں اس تمام زحمت کے لیے جو آپ برداشت کر رہے ہیں اور

اس خط کے سوا سید نعیم الحق (پٹنہ) کے نام علامہ اقبال کے جتنے خطوط ملے ہیں سب انگریزی میں ہیں۔ مرتب اقبال نامہ لازمی طور پر یہ اظہار نہیں کرتے کہ خط اردو میں لکھا گیا ہے یا ترجمہ کیا ہوا ہے، اس لیے شبہ ہوتا ہے کہ ممکن ہے یہ خط بھی انگریزی سے ترجمہ ہوا ہو۔

(مولف)

اس تمام ایثار کے لیے جو آپ گوارا فرما رہے ہیں بے حد ممنون ہوں۔ امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

(انگریزی سے) (اقبال نامہ)

محمد اکرام کے نام

لاہور

۱۸ فروری ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر محمد اکرام:

عنایت نامہ ابھی ابھی موصول ہوا۔ جس کے لیے ممنون ہوں میں گوالیار نہیں جا رہا اور نہ ہی اس قسم کے اجتماعات میں شمولیت پسند کرتا ہوں۔ روڈز خطبات امید ہے آئندہ سال (۱۹۳۵ء) اپریل یا مئی میں دے سکوں گا۔ اپریل ۱۹۳۵ء تک ہندوستان سے روانگی کا کوئی ارادہ نہیں۔

مخلص

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

(انگریزی سے)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور ۱۲ فروری ۱۹۳۴ء

مکرمی! السلام علیکم۔

آپ کا خط ملا۔ میری طبیعت کئی دنوں سے علیل ہے اس لیے دہلی ڈاکٹر وہبی صاحب کے لکچر کی صدارت کے لیے نہیں جا سکوں گا۔ ڈاکٹر انصاری کا تار بھی آیا تھا مگر میں نے ان کو جواب لکھ دیا کہ میں بوجہ علالت دہلی آنے سے معذور ہوں۔ ڈاکٹر ذاکر صاحب کا خط بھی اسی مطلب کا آیا ہے۔ میں علیحدہ ان کو نہیں لکھ سکا۔ آپ ہی انھیں اطلاع دے دیجیے گا۔ نیز آپ کا لاہور آنے کا ارادہ ہو تو زیادہ اچھا یہی ہے کہ اس وقت تشریف لائیں جب میں اچھا ہو چکوں گا۔ امید کہ آپ کے مزاج اچھے ہوں گے۔ فقط۔

مس رقم
محمد اقبال
(مکتوبات اقبال)

رعکس؛

لہ ڈاکٹر بہجت وہبی وسط فروری جب پیرس سے دہلی آ رہے تھے۔ ڈاکٹر انصاری نے انھیں جامعہ ملیہ اسلامیہ میں توسیعی خطبات کے لیے مدعو کیا تھا۔ ڈاکٹر وہبی ترکی کی "انجمن اتحاد و ترقی" کے رکن تھے۔ مصطفیٰ کمال کا دور آیا تو بسبب اختلاف رائے پیرس میں مقیم ہو گئے۔ بڑے پرجوش اور غیور مسلمان تھے۔ ڈاکٹر انصاری کے رفیق درس رہ چکے تھے۔

(سید نذیر نیازی بترمیم)

راغب احسن کے نام

ڈیر راغب صاحب
آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میں نے سر آغا خان کو بمبئی کے پتہ پر خط لکھ دیا ہے۔
وہ آج کل کلکتہ میں ہیں۔
بہر حال اُن کو میرا خط مل جائے گا۔ معہ کے اخراجات کا مجھے اندازہ نہیں ہے
لیکن میرا خیال ہے کہ کچھ ایسے زیادہ نہیں ہیں۔ خدا کرے آپ کامیاب ہوں۔
مسلم کانفرنس کی حالت میرے خیال میں مخدوش ہے۔ میں شاید وائس
پریذیڈنٹی سے استعفیٰ دے دوں گا۔ بیزاری کے وجوہ پھر کبھی لکھوں گا۔
سرمایہ داری اور جمہوریت وغیرہ کے متعلق ضرور لکھیے۔ والسلام
محمد اقبال
۲۵ر فروری ۳۴ء

میں انفلوائنزا کی وجہ سے بیمار رہا اور اب تک صاحب فراش ہوں اسی وجہ
سے دہلی نہ جا سکا اور ڈاکٹر انصاری سے مل نہ سکا۔

(اقبال: جہان دیگر)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور ۲۷ر فروری ۳۴ء
ڈیر نیازی صاحب۔ آپ کا خط مل گیا ہے۔ ڈاکٹر بہجت وہبی صاحب
سے نہ مل سکنے کا بہت افسوس ہے۔ میں کئی دنوں سے علیل ہوں انفلوائنزا ہو گیا
تھا۔ اب صرف گلے کی شکایت باقی ہے جو ابھی تک صاف نہیں ہوا۔ بہر حال آپ
تشریف لے آئیں تاکہ کتاب کی نظر ثانی ہو جائے۔ اس کے علاوہ میرا خیال ہے ایک
ادارہ قائم کیا جائے جس کا مقصد مفید کتابوں کی اشاعت ہو اچھے لٹریچر کی اشاعت

نہایت ضروری ہے۔ آپ بھی اس میں شریک ہو جائیے اور کام کیجئے جو تجویز میرے ذہن میں ہے اس کا ذکر مفصل بر وقت ملاقات ہو گا۔ والسلام

محمد اقبال

(عکس، مکتوباتِ اقبال)

ایڈورڈ تھامپسن کے نام

لاہور

۴ مارچ ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر مسٹر تھامپسن

میری کتاب پر آپ کا تبصرہ ابھی ابھی موصول ہوا ہے۔ یہ نہایت اعلیٰ پایہ کا ہے اور میں ان تمام کلمات خیر کے لیے آپ کا شکر گزار ہوں جو آپ نے میرے متعلق کہے ہیں۔ لیکن آپ سے ایک غلطی سرزد ہوئی ہے جس کی طرف آپ کی توجہ فوراً مبذول کرانا چاہتا ہوں کیونکہ میرے خیال میں یہ ایک سنجیدہ غلطی ہے۔ آپ مجھے "نظریہ پاکستان" کا حامی قرار دیتے ہیں مگر اب پاکستان میرا منصوبہ نہیں ہے۔ میں نے اپنے خطبہ صدارت میں جو تجویز پیش کی تھی وہ صرف ایک مسلم صوبہ کی تشکیل ہے۔ یعنی ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک ایسا صوبہ جس میں مسلمانوں کی غالب اکثریت ہو یہ نیا صوبہ میرے منصوبے کی مطابق مجوزہ ہندوستانی وفاق (فیڈریشن) کا ایک حصہ ہوگا۔ جب کہ نظریہ پاکستان میں مسلمانوں کے ایک جداگانہ وفاق کی تجویز رکھی گئی ہے جو براہ راست انگلستان سے مربوط ایک علیحدہ ریاست ہو۔ یہ منصوبہ کیمبرج میں پیدا ہوا اور اس کے خالق یہ سمجھتے ہیں کہ گول میز میں شریک ہونے والے ہم مسلمانوں نے مسلم قوم کو ہندوؤں کی یا نام نہاد ہندوستانی قومیت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا ہے۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال

(انگریزی سے، اقبال۔ ان کے سیاسی نظریات حجور لسبے پر،

راغب احسن کے نام

۶ مارچ ۱۹۳۴ء

عزیزم راغب!

میرا خیال ہے یہ بات زیادہ مناسب ہوگی کہ میں فاضل رحمت اللہ سے سلسلہ جنبانی کروں اور یہی کروں گا۔ لیکن آپ شفیع داؤدی صاحب سے فرمائیں کہ وہ اپنا خط تحریر فرما کر مجھے ارسال کردیں اس خط پر ہم دونوں کے دستخط ہوں گے۔

مجھے توقع ہے کہ آپ مجھے، جمہوریت اور آئین کے بارے میں اپنے خیالات سے جلد از جلد آگاہ کریں گے۔

میں اس خط کے ساتھ اپنی کتاب کے بارے میں ایڈورڈ تھامپسن کا تبصرہ ارسال کررہا ہوں۔ ایڈورڈ تھامسن انگلستان کی مشہور ادبی شخصیت ہیں۔ یہ تبصرہ مختلف وجوہ کی بنا پر، دلچسپ ہے اور شاید یہ تبصرہ آپ کے جریدہ میں اشاعت کے لیے مناسب ہی رہے دوسری کاپی "اسٹار آف انڈیا" (کلکتہ) کو روانہ کردیجئے۔

براہ کرم نوٹ فرمالیں کہ اس تبصرہ کا مصنف اس مغالطہ کا شکار ہے کہ جیسے میری تجویز "پاکستان کی اسکیم" سے تعلق رکھتی ہے۔

جہاں تک میری تجویز[1] کا تعلق ہے، وہ یہ ہے کہ انڈین وفاق کے اندر ایک

---

[1] علامہ اقبال کی مراد خطبہ الہ آباد (۱۹۳۰ء) میں پیش کردہ اسکیم سے ہے۔

حیثیت مکاتیب اقبال حصہ ۲

مسلم صوبہ تخلیق کیا جائے جب کہ پاکستان اسکیم کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے شمال و مغرب کے مسلم صوبوں کا ایک ایسا وفاق تشکیل دیا جائے جو انڈین فیڈریشن سے علیحدہ ہو اور انگلستان سے براہِ راست وابستہ ہو۔

آپ اپنے تعارفی کلمات میں اس نکتہ کی وضاحت کے ساتھ ساتھ ٹائمز آف انڈیا کے مدیر کی توجہ بھی اس نکتہ کی جانب مبذول کروا دیجئے گا۔

خدا کرے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے)

(عکس، اقبال جہانِ دیگر)

سید یامین ہاشمی کے نام

لاہور ۹ مارچ ۳۴ء

جناب ڈاکٹر صاحب السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے جس کے لیے شکریہ قبول کیجیے۔ لیکن میں آپ کے خط کا مفہوم پورے طور پر نہیں سمجھ سکا۔ کیا آپ ادھر پنجاب یا لاہور میں کوئی ملازمت

اقبال کا یہ خط جناب ڈاکٹر سید یامین ہاشمی کے نام ہے۔ انھوں نے دوسرے خط کے ہمراہ ایک نظم بہ عنوان "قلزمِ ہستی" برائے اصلاح بھیجی تھی۔ اس نظم کے پہلے شعر پر اقبال نے اصلاح کر دی اور باقی اشعار اسی طرح چھوڑ دیے۔ اصلاح شدہ شعر درج ذیل ہے

کہتے ہیں مرگ جس کو عرفانِ زندگی ہے
یعنی کہ موت پر بھی احسانِ زندگی ہے

(بشیر احمد ڈار)

چاہتے ہیں؟ اگر آپ کا مقصود یہ ہے تو افسوس ہے کہ فی الحال کوئی امکان اس بات کا نظر نہیں آتا۔ البتہ میرا ارادہ ہے کہ ایک پبلشنگ فرم یہاں بنایا جائے خواہ شراکت کے اصول پہ خواہ کمپنی کی صورت میں۔ اگر یہ تجویز کوئی صورت پکڑ گئی تو آپ اس فرم میں شریک ہو سکتے ہیں یا اس کی ملازمت کر سکتے ہیں آپ مفصل لکھیں کہ آپ کا اصل مقصود کیا ہے۔ صحافت کا حال بھی اس وقت پنجاب میں خراب ہے۔ والسلام

محمد اقبال

(عکس) (انوارِ اقبال)

ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ حیدر آبادی کے نام

مخدومی بندہ

تسلیم۔ آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے۔ بحمد اللہ میری صحت اب بہتر ہے آپ کے مشورے کا شکریہ۔ انشاء اللہ آپ کے حسبِ خواہش ضرور بھوپال جا کر بجلی کے ذریعہ علاج کراؤں گا۔

آپ کے افسانوں اور مثنوی سے میں نے استفادہ حاصل کیا ہے۔ افسانے نہایت دلکش اور موثر ہیں، زبان شستہ ہے مثنوی کا آغاز بہت اچھا ہے خدا کرے اس کا اختتام بھی اچھا ہو۔ آپ کے خطوط کے ورود سے مجھے بے حد خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اور میں آپ کے خیالات کو بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھتا ہوں۔

لندن کا سفر ملتوی کرنے کا ارادہ ہے۔ آپ کے ایما پہ ٹیگور میری مزاج پرسی کے لیے لاہور آئے تھے۔ مگر میں لاہور میں موجود نہ تھا اس لیے ملاقات نہ ہو سکی

آپ انھیں مطلع کر دیں والسلام۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ نیازمند

محمد اقبال لاہور ۱۱ مارچ ۳۴ء[1]

(عکس) (اقبال نامہ)

راغب احسن کے نام

لاہور

۱۵ مارچ ۱۹۳۴ء

عزیز من راغب!

آپ کے مراسلہ کے لیے شکرگزار ہوں مجھے افسوس ہے کہ دوران قیام یورپ کی تقاریر کی نقلیں محفوظ نہیں ہیں۔ جملہ تقاریر فی البدیہہ تھیں اور میں ان تقاریر کے کلیدی نکات کے پرچے بھی محفوظ نہ رکھ سکا۔ روم، قاہرہ اور میڈرڈ کی تقاریر سیاسی نوعیت کی نہ تھیں۔ ہاں آپ چاہیں تو میری تقاریر کی تدوین کا کام سرانجام دے سکتے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ مجھے دنیا کی تشکیل نو میں اسلام کے کردار کی بابت آپ کے خیالات سے آگہی حاصل ہو جائے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے) (اقبال: جہان دیگر)

(عکس)

[1] اقبال نامہ حصہ اول میں اس خط کی تاریخ ۱۱ مئی ۱۹۳۵ء درج ہے۔ صابر کلوروی صاحب نے اپنے مضمون مکاتیب اقبال کے مآخذ — ایک تحقیقی جائزہ شائع شدہ اقبال ریویو (ص ۵۰) میں لکھا ہے کہ "اس خط کی صحیح تاریخ ۱۱ مئی ۱۹۳۴ء ہے" جب کہ عکس میں واضح طور پر ۱۱ مارچ ۱۹۳۴ء پڑھا جاتا ہے۔ عکس کے مطابق مارچ ۱۹۳۴ء کے تحت اس خط کو ترتیب دیا جا رہا ہے۔ مزید برآں خط کی تاریخ خط کی پیشانی پر نہیں بلکہ خط کے آخر میں تحریر ہے — (مولف)

راغب احسن کے نام

۲۱ مارچ ۳۴ء

ڈیر راغب صاحب

السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میں آپ کی وجہ سے اور نیز نیازی صاحب (پروفیسر جامعہ ملیہ دہلی) کی وجہ سے ایک مدت سے پریشان ہوں کوئی تجویز ذہن میں نہیں آتی۔ آپ نے جب آغا خان اسکالرشپ کے متعلق لکھا تو ایک گونہ مجھے تسکین ہوئی۔ اگر انھوں نے آپ کو اسکالرشپ دیدیا تو ظاہر ہے کہ آپ کو ہندوستان کے باہر جانا پڑے گا۔ اس صورت میں یہاں کی ملازمت تلاش کرنا بے سود ہے۔ اس کے علاوہ ملازمت کا ملنا بھی مشکل ہے۔ بہرحال اگر کسی جگہ کوئی کام جو آپ کے لائق ملنے کا امکان ہو تو میں اس کے حصول میں ہر طرح آپ کی مدد کو حاضر ہوں۔ باقی رہا اُن بزرگ کا مشورہ تو آپ اس کی فکر نہ کریں عام لوگ دنیا میں اسی قسم کے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی طرف توجہ نہ کرنی چاہیئے۔ البتہ اس بات کو فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ فکر معاش خود خدمتِ اسلام ہے۔

الاعمال بالنیات۔

مولوی شفیع داؤدی نے مسودہ ابھی تک ارسال نہیں کیا ان کو لکھنا چاہیئے کہ وہ جلد مسودہ ارسال کریں۔ نیز بھائی کا پتہ بھی لکھ دیں، مجھے معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔ بمبئی میں بھی ان کا پتہ مجھے معلوم نہیں ہے۔

ایک تجویز میرے ذہن میں ہے اور وہ یہ کہ ایک پبلشنگ فرم بنائی جائے جس میں آپ اور نیازی صاحب دونوں شریک یا ملازمت کی حیثیت سے تصنیف و تالیف کا کام کریں۔ میں خود بھی اس میں شریک ہوں گا مگر اس کے لیے سرمایہ کی ضرورت ہے۔ بہرحال میں اس پر غور کر رہا ہوں کہ یہ تجویز کسی

طرح عمل صورت اختیار کرے۔ زیادہ کیا عرض کروں فقط
محمد اقبال

مولوی تنقیح داؤدی صاحب سے کہیے کہ میں علالت کی وجہ سے لاہور سے
باہر نہیں جا سکا۔ وہ جس روز فرصت ہو لاہور آ سکتے ہیں۔
محمد اقبال

(اقبال: جہانِ دیگر)

ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ حیدر آبادی کے نام

ڈیر مسٹر عباس علی خاں
السلام علیکم۔ آپ کا خط جاوید کے نام ابھی ملا ہے۔ خدا کے فضل و کرم
سے اور تو خیریت ہے البتہ مجھے قریباً دو ڈھائی ماہ سے LARYNGITIS
کی شکایت ہے جس کی وجہ سے بولنے یا عام طور پر کلام کرنے
میں تکلیف ہوتی ہے۔ بہت علاج کیا مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ لندن انشاء اللہ
اگلے سال جاؤں گا۔
مخلص محمد اقبال لاہور: ۲ اپریل ۳۰ء
(اقبال نامہ)

(عکس)

ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ حیدر آبادی کے نام

مکرمی لمعہ صاحب
السلام علیکم۔ آپ کے دو خط ایک کارڈ اور ناول بذریعہ رجسٹری موصول
ہوئے۔ یہاں گرمی کی رفتار ترقی پر ہے اور یہی وجہ ہے کہ مزاج ٹھیک نہیں
رہتا۔ اور جواب لکھنے میں تاخیر ہوئی معاف فرمائیے گا۔

آپ نے بہت اچھا کیا۔ ختم گرما کے بعد ہی لاہور تشریف لائے۔ دیہات میں عموماً گرمی کم رہتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ خیریت سے ہیں اور میری صحت بھی اچھی ہے۔ آپ کے جواہر پارے گنج سخن میں محفوظ ہیں اور میں دیکھ دیکھ کر محظوظ ہو رہا ہوں۔ خدا کرے آپ کو شاعری کے لیے کافی مہلت مل جائے۔

سنیے غزل اور رباعی کے لیے قافیہ کی شرط تو لازمی ہے۔ اگر ردیف بھی بڑھا دی جائے تو سخن میں اور بھی لطف بڑھ جاتا ہے۔ البتہ نظم ردیف کی محتاج نہیں۔ قافیہ تو ہونا چاہیئے۔

اب کچھ عرصے سے بدردیف و قافیہ نظمیں لکھی جاتی ہیں اور یہ انگریزی نظموں کی تقلید ہے جس کا نام انگریزی میں "بلینک ورس" ہے جس کو شعر منثور کہنا چاہیے۔ اگرچہ پبلک مذاق کچھ ایسا ہو چلا ہے مگر میرے خیال میں یہ روش آئندہ مقبول نہ ہوگی۔ نظموں کے لیے اولاً سبجکٹ اور مضامین تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ نیچرل مضامین تو سبجکٹ ہی کے اعلیٰ انتخاب سے کچھ لطف دیتے ہیں۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ حتی الامکان آپ کی نظمیں اس خصوصیت سے مالا مال ہوتی ہیں۔ کلام کی پختگی تو اب بھی آپ کے خیالات میں موجود ہے اور مشق سے ہوتے ہوتے حاصل ہو گی۔ قدیم شاعری اور جدید شاعری کا سوال بھی سرمایۂ ادب کا ایک سبجکٹ ہو گیا ہے۔

میں فقط فرسودہ مضامین کی حد تک جدید و قدیم کی بحث کو مانتا ہوں۔ شاعری کی جان تو شاعر کے جذبات میں جذبات انسانی اور کیفیاتِ قلبی اللہ کی دین ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ طبع موزوں اس کے ادا کرنے کے لیے پُراثر الفاظ کی تلاش کرے۔ نظم کے اصناف کی تقسیم جو قدیم سے ہے ہمیشہ رہے گی اور انسانی جذبات ماحول کے تابع رہیں گے۔ بس یہ سمجھ لیا جائے کہ جس شاعر کے جذبات ماحول سے اثر پذیر ہیں وہ شاعر جدید رنگ کا حامل متصور ہو سکتا ہے

نہ کہ نفسِ شعر ہی! اگر ہم نے پابندیٔ عروض کی خلاف ورزی کی تو شاعری کا محل ہی منہدم ہو جائے گا۔ اور اس نقطۂ خیال سے یہ کہنا پڑے گا اور یہ کہنا درست ہے کہ موجودہ شعرا کا کام تعمیری ہونا چاہیے نہ کہ تخریبی! زیادہ والسلام

مخلص محمد اقبال لاہور

۱۰ اپریل ۱۹۳۴ء

(اقبال نامہ)

ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ حیدرآبادی کے نام

مکرم بندہ ڈاکٹر لمعہ تسلیم

نوازش نامہ کا شکریہ

خدا کا شکر ہے میری صحتِ عامہ اب اچھی ہے۔ مگر حلق کی تکلیف ہنوز باقی ہے۔ آپ کے افسانے اور کلام بعد مطالعہ واپس کر رہا ہوں ما شاء اللہ خوب ہیں۔

رموزِ فطرت کا اک مبصّر ترے خیالوں میں گا رہا ہے
تو خود شناسی سے اپنی دنیا کو رازِ انساں بتا رہا ہے

امید ہے کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال لاہور

۱۲ اپریل ۳۴ء

(اقبال نامہ)

(عکس)

راغب احسن کے نام

لاہور-۸ر مئی ۳۴ء

ڈیر راغب صاحب۔

السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میں ابھی تک گلے کی تکلیف میں مبتلا ہوں۔ میں آپ کے لیے دعا کروں گا۔ میرا خیال ہے کہ ہم دونوں خدا کے قریب ہیں۔ اپنی اپنی مصیبتوں کی وجہ سے۔ اس واسطے امید ہے کہ دونوں کی دعا قبول ہوگی۔ یہاں کے احباب ایک اُردو روزانہ نکالنے کی فکر میں ہیں کیا آپ اس اخبار کی ادارت کی ذمہ داری لے سکیں گے۔ اگر ایسا ہو تو جلد مطلع کیجیے نیز یہ بھی لکھیے کہ کم سے کم کس قدر تنخواہ آپ کو قبول ہوگی۔ جو لوگ اخبار کے لیے روپیہ دیں گے ان کا مقصد تجارتی نہیں ہے بلکہ اگر اخبار میں نفع ہوا تو وہ سب کا سب اخبار ہی کے لیے ہوگا اور اس سے اسی کو تقویت دی جائے گی۔ نفع کی صورت میں ایڈیٹوریل سٹاف کی تنخواہ میں بھی اضافہ ہوتا رہے گا۔ بہر حال آپ کا جو خیال ہو اس سے جلد آگاہ کیجیے۔ ایران نہ جا سکوں گا۔ ستمبر و اکتوبر کے مہینوں میں رہوڈز لیکچر لکھنے میں مصروفیت ہوگی۔ RHODES LECTURES

فقط

محمد اقبال

(اقبال: جہانِ دیگر)

سید نذیر نیازی کے نام

۲۲ مئی ۳۴ء[1]

ڈیر نیازی صاحب

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ گلے کی شکایت تو ابھی باقی ہے مگر اب رفتہ رفتہ صحت کی طرف ترقی ہے اور یہ ترقی نمایاں طور پر کل سے ہی شروع ہے۔ علاج ڈاکٹر یار محمد خاں صاحب کا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ ہندوستانی دوا خانہ دہلی میں کوئی شربت ہے جو گلے کی سب بیماریوں کے لیے بہت مفید ہے۔ اگر یہ بات درست ہو تو آپ وہاں سے ایک بوتل شربت بذریعہ وی پی میرے نام بھجوا دیں۔ میرے خیال میں فی الحال آپ صرف مجموعۂ نظم اردو و مجموعۂ پیگوز کے لیے ہی شرائط طے کریں۔ جب ہم اپنا کام بطور ایک فرم کے شروع کریں گے اس وقت دیگر شرائط ہوں گے۔ فی الحال جو کام درپیش ہے اس تک محدود رہنا چاہیے آپ معلوم کریں کہ ان دو کتب کے متعلق ان کی کیا شرائط ہیں۔ مجموعۂ نظم میری رائے میں پانچ ہزار چھپنا چاہیے۔ آپ ان کی رائے بھی معلوم کر لیں۔ اس کے صفحات شاید دو سو سے زیادہ ہوں گے۔ سائز وہی ہوگا جو میری کتابوں کا عام طور پر ہوتا ہے یعنی ۲۰ x ۲۷ قیمت میرے خیال میں ۱۲ ہونی چاہیے اور اگر صفحات زیادہ ہوں تو زیادہ۔ بہ ہر حال آپ پہلے ان کے شرائط معلوم کریں۔ اگر کتابت و کاغذ و طباعت اچھی ہو تو کیا مضائقہ ہے۔ کتاب دہلی میں ہی چھپ سکتی ہے۔ آپ خود نگرانی کریں گے تو اور بھی اچھا ہے۔ والسلام

محمد اقبال

(مکتوبات اقبال) (عکس)

---

[1] مکتوبات اقبال بنام نذیر نیازی میں اس خط کی تاریخ ۲۴ مئی ۳۴ ۱۹ء درج ہے جبکہ عکس میں واضح طور پر ۲۲ مئی ۳۴ء پڑھا جاتا ہے۔

(مؤلف)

سید نذیر نیازی کے نام

۲۹ مئی ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب. السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے. کتابیں بھی ولایت سے آ گئی ہیں۔[1] میں نے علی بخش سے کہہ دیا ہے کہ وہ ایک کاپی آپ کے نام ارسال کر دے۔ قربت کی بوتل بھی مل گئی ہے۔ آپ حکیم نابینا صاحب کی خدمت میں پھر میری طرف سے حاضر ہوں اور بیماری کے حالات عرض کر دیں۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ گلے کے نیچے جو آلۂ صوت ہے (LARYNX) اس کا تار ڈھیلا ہو گیا ہے۔ اس وجہ سے آواز بیٹھ گئی ہے۔ چار ماہ تک علاج ہوا مگر کچھ خاص فائدہ اس سے نہیں ہوا۔ جسم کی کمزوری بڑھ رہی ہے۔ دردِ گردہ اور نقرس کا حال تو حکیم صاحب کو خود ہی معلوم ہے۔ درد گردہ کا پھر دورہ نہیں ہوا۔ جب سے ان کا علاج کیا ہے آج چھ سال ہو گئے۔ اس درد نے پھر تکلیف نہیں دی۔ البتہ نقرس کی شکایت کبھی کبھی ہو جاتی ہے بعض ڈاکٹر یہ کہتے ہیں کہ نقرس کا اثر بھی گلے پر پڑ سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

غرض کہ تمام حالات ان کی خدمت میں عرض کریں۔ میں خود بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا مگر صحت کمزور ہے اور گرمی سے ڈرتا ہوں باقی خیریت ہے۔ والسلام

محمد اقبال

(مکتوباتِ اقبال)

(عکس)

---

[1] یعنی خطبات کا نسخہ، آکسفورڈ جس کی ایک جلد اگلے روز مجھے مل گئی۔

(نیازی)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔

اس سے پہلے ایک خط لکھ چکا ہوں۔ اُمید کہ آپ حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہوں گے۔ اگر اب تک آپ ان کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکے تو جلد جائیں۔ ڈاکٹروں نے مد بد معائنہ کیا ہے اور چھاتی وغیرہ کی ایکس ریز فوٹو لیے گئے۔ معلوم ہوا ہے کہ دل کی اوپر کی طرف ایک نئی ہو رہی ہے جس کے دباؤ سے ووکل کارڈ متاثر ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک اس بیماری کا علاج الیکٹرک ہے اور بہترین الیکٹرک علاج یورپ میں ہی ہو سکتا ہے۔ یہ بھی اندیشہ ہے کہ اس کا اثر پھیپھڑوں پر نہ پڑے۔ اس وقت تک پھیپھڑے اور دل اور دیگر اعضاء اندرونی بالکل صحیح اور تندرست حالت میں ہیں۔ ان اُمور کو مدنظر رکھتے ہوئے ظاہر ہے کہ معاملہ پیچیدہ ہے لیکن میں اس سے پہلے مغربی اطبا کا امتحان کر چکا ہوں حکیم صاحب سے مشورہ کیے بغیر یورپ نہ جاؤں گا۔ اور یورپ کے علاج پر روپیہ خرچ بھی نہیں کر سکتا پہلے حکیم صاحب کی عنایت سے ہی میں اچھا ہو گیا تھا۔ اب پھر میرا بھروسہ انہی پر ہے اگر ضروری ہوا تو میں خود بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر سب حال عرض کروں گا۔ والسلام

جواب جلد۔

محمد اقبال

۲ جون ۳۴ء

(مکتوبات اقبال) (عکس)

بڑھاو GROWTH اور آلۂ صوت VOCAL CHORD

سر راس مسعود کے نام

لاہور

۲ جون ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر مسعود

ازراہ کرم مجھے فوراً اپنے موجودہ پتے اور آئندہ پروگرام سے مطلع فرمائیے
میں آپ سے اپنے متعلق ایک نہایت اہم مسئلہ میں ملنا چاہتا ہوں یا آپ کو
تحریر کرنا چاہتا ہوں میں امید کرتا ہوں کہ آپ کو اس خط کا جواب بواپسی
ڈاک دینے میں کوئی مضائقہ نہ ہوگا۔ ہمیشہ کے لیے آپ کا

محمد اقبال

جس مسئلہ میں آپ سے مشورہ چاہتا ہوں اُس کا تعلق آپ کے استعفا[2] سے ہے۔

اقبال

(انگریزی سے) (اقبال نامہ)

---

[1] اقبال نامہ اول (ص۔ ۳۵۱) میں اس کا ترجمہ نامکمل تھا رفیع الدین ہاشمی صاحب کی کتاب "تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ ص۔ ۲۱۔ ۲۲" کے پیش نظر ترجمہ میں ضروری تصحیح کردی گئی ہے۔ انگریزی خط مشمولہ " " میں اصل عبارت اس طرح ہے۔

[illegible] WON'T MIND [illegible]
[illegible] BY RETURN [illegible]

علاوہ ازیں YOURS [illegible] کا ترجمہ مرتب اقبال نامہ نے سرے سے چھوڑ ہی دیا تھا۔ (مؤلف)

[2] مسلم یونیورسٹی کی وائس چانسلرشپ سے استعفا (عطاءاللہ)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب السلام علیکم

آپ کا پوسٹ کارڈ ابھی ملا ہے۔ اس سے پہلے میں ایک خط آپ کی خدمت میں لکھ چکا ہوں۔ وہ خط بھی حکیم صاحب قبلہ کو سنا دیجئے اس کے علاوہ یہ بھی بتا دیجئے کہ دو دفعہ ڈاکٹروں نے خون کا معائنہ کیا ہے۔ پہلی دفعہ خون بازو سے لیا گیا تھا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ خون میں زہریلے جراثیم ہیں۔ اور دوسری دفعہ پھر انگلی سے خون لیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ خون کی حالت بالکل نارمل ہے۔

ڈی اس رے سے جو تصویر لی گئی ہے اس کا حال میں آپ کو لکھ چکا ہوں یعنی یہ کہ تصویر کی رو سے دل کی اوپر کی طرف ایک [illegible] دکھائی دیتا ہے جس نے اس [illegible] پر دباؤ ڈالا ہے جو دل کی طرف اور حلق کی طرف جاتی ہے۔ اس دباؤ کی وجہ سے ووکل کارڈ کے [illegible] میں خلل آ گیا ہے۔ اب آج شام کو معلوم ہو گا کہ علاج کلی طور پر الیکٹرک ہو گا، یا انجکشن یا دونوں بہر حال سب کچھ حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کر دیجئے ان سب حالات کے معلوم ہونے کے بعد دوا تیار ہو تو بہت خوب ہے۔ یا اگر حکیم صاحب فرمائیں کہ میرا دہلی آنا ضروری ہے تو میں خود حاضر ہو کر تمام حالات زبانی عرض کر دوں اس خط میں ایک اور خط ملفوف ہے جو آپ کے ترجمے کی پانچ کاپیاں مانگتا ہے۔

محمد اقبال

۳ جون ۳۴ء

(عکس) (مکتوباتِ اقبال)

ڈ VOCAL CHORD

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔

ابھی ایک خط ڈاک میں ڈال چکا ہوں۔ بعض باتیں فراموش کر گیا تھا اب لکھتا ہوں۔ حکیم صاحب سے دریافت کر کے فوراً مطلع کر دیں۔ میرا معمول کھانا حسب ذیل ہے:

(۱) صبح مکھن توس اور ایک انڈا نیم برشت یا نیم ابلا مع چاء۔

(۲) گیارہ بجے دوپہر کھانا گوشت سبزی اور کبھی کبھی پلاؤ یا پلاؤ کبھی اس کے بعد آم بھی کھاتا ہوں۔

(۳) چار بجے کے قریب بادام مقشر کی کھیر۔

(۴) شام کو صرف نمکین چائے یا کھیر دلیا مع دودھ۔

مکھن آم اور لیموں کے متعلق تو مجھے ہدایت مل گئی ہے ان کے مطابق آئندہ عمل کروں گا۔ یہ بھی معلوم کیجئے کہ کون کون سا پھل میں کھا سکتا ہوں۔ چائے اور انڈے کے استعمال کے متعلق ان کی ہدایت کیا ہے۔ کوئی مزید چیز کھانے کے متعلق فرمائیں تو مطلع فرمائیں۔

شربت صدر جو آپ نے ارسال کیا تھا میں نے ابھی تک استعمال نہیں کیا۔ یہ بھی تحریر فرمائیں کہ آیا استعمال کیا جائے یا نہ۔ نیز حکیم صاحب اور اپنے امریکی دوست سے دریافت کریں کہ وہ اس ... کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ جس کا ذکر میں نے پہلے خطوں میں کیا ہے اور جس کو ڈک صاحب بیماری کی اصل علت قرار دیتے ہیں۔ بلغم کے متعلق لکھ چکا ہوں زیادہ تر کچی بلغم نکلتی ہے کبھی کبھی منجمد بھی آتی ہے مگر کم۔ شام کے قریب بالعموم بہت بھاری ہو جاتی ہے۔ بات آہستہ کر سکتا ہوں اونچی آواز بالکل نہیں نکل سکتی نہ صبح نہ شام کہتے ہیں ایکس رے ایکسپوزر سے یہ گردھ یا تو تحلیل ہو جائے گی یا اس کا

نشوونما رک جائے گا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ حکیم صاحب کی دوا کے استعمال کے ساتھ ساتھ یہ علاج بھی جیسا کہ لاہور میں موجود ہے کیا جائے؟

پیاس ہو تو کیا پیا جائے کوئی شربت یا کچھ اور۔ برف کے استعمال کے متعلق کیا ہدایت ہے۔ فی الحال میں یہ دوائیں جو مکہ شریف سے ایک شخص تحفۃً لایا تھا پانی سرد کر لیا کرتا ہوں۔ والسلام

محمد اقبال ۵ جون ۳۴ء

(عکس)

(مکتوبات اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور ۵ جون ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے الحمد للہ کہ خیریت ہے۔ میرے تمام احباب کو تشویش ہے اور میرے معالجوں کو بھی مگر میں خود حکیم صاحب قبلہ پر کامل اعتماد رکھتا ہوں۔ اور موت و حیات کو اللہ کے ہاتھ میں سمجھتا ہوں۔ آپ کے خط سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ آیا آپ نے میرا دوسرا خط بھی حکیم صاحب کی خدمت میں پیش کیا یا نہیں۔ اس خط میں میں نے لکھا تھا کہ کرنل ڈک صاحب کے نزدیک دل کے اوپر کی طرف ایک نئی پیدا ہو گئی ہے جس نے نرو پر دباؤ ڈال رکھا ہے اور اس دباؤ کی وجہ سے آلہ صوت کا بایاں تار بیکار ہو گیا ہے اس کا علاج ان کے نزدیک یا تو ریڈیم سے ہوگا یا ایکس ریز سے اور یہ دونوں علاج یورپ میں ہی بہتر ہو سکتے ہیں۔ بہر حال ڈک صاحب اور دوسرے ڈاکٹر یہی کہتے ہیں کہ یا تو فوراً ویانا (آسٹریا) یا لندن جانا چاہیے تاکہ علاج مذکورہ سے اس کا مزید نشوونما رک جائے یا کل ایکس ریز یا ریڈیم سے تحلیل ہو جائے۔ ان کے نزدیک اگر اس کی طرف توجہ نہ کی گئی تو زندگی خطرے میں ہے۔

کیونکہ ممکن ہے یہ ... نیز وہ گو پھیپھڑوں پر بھی اپنا دباؤ ڈالے
یا کسی اور طریق ان کے عمل پر موثر ہو۔ گروتھ جس کا میں نے اوپر ذکر کیا
ہے ایکس رینگی تصویر لینے سے معلوم ہوئی۔ اس سے پہلے معلوم نہ تھی اور ڈاکٹر
صاحبان ووکل کارڈ کے ضعف کے اس سبب کے متعلق اندھیرے میں تھے
ممکن ہے اب تک وہ اندھیرے ہی میں ہوں اور اس ... کا بھی اس
سے کوئی تعلق نہ ہو لیکن چونکہ تصویر سے ایسا ہی معلوم ہوا ہے اور یہ لوگ
تصویر پر ایمان رکھتے ہیں اس واسطے ان کے نزدیک اصل علت بیماری کی
ہے۔ معلوم نہیں آپ نے حکیم صاحب سے اور اپنے اس کرم دوست سے
اس ... کا ذکر کیا ہے یا نہیں۔ حکیم صاحب اس کے متعلق کیا فرماتے
ہیں؟ بلغم بھی نکلتی ہے مگر کبھی کبھی سرخ بلغم بھی نکلتی ہے مگر بہت کم۔ باقی
میری عام صحت بالکل اچھی ہے اور کسی قسم کی شکایت نہیں۔ والسلام۔ دل اور
پھیپھڑے دونوں اب تک بالکل تندرست ہیں۔ ان کا بار بار معائنہ کیا گیا
ہے۔

محمد اقبال

حکیم صاحب کو تمام حالات معلوم ہونے چاہئیں۔ میں خود بھی چند روز
دوا استعمال کرنے کے بعد حاضر ہوں گا۔ والسلام
کل شام ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اگر حکیم صاحب کامیاب ہو گئے تو یہ ان کا
دوسرا معجزہ ہو گا۔

(عکس) (مکتوبات اقبال)

لے ڈاکٹر برج موہن شرما ایم۔ ایس۔ ایم ڈی جو امریکہ اور برلن سے فارغ التحصیل ہو کر
آئے تھے۔ حضرت علامہ انھیں میرے امریکی دوست ہی کہا کرتے تھے۔

(نیازی)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور ۹۔ جون ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا۔ تشویش صرف اس بات کی تھی کہ دل کے اوپر کی طرف جو خالی ۔۔۔۔ ہوتا ہے وہاں ڈاکٹر ایکس ریز کی تصویر کو دیکھ کر ایک ۔۔ بتاتے ہیں جس کا بہتر علاج ان کے نزدیک ایکس ریز اکسپوژر یا ریڈیم ہے جو یورپ میں پیش آئے گا۔ آج معلوم ہوا کہ بعد بحث مباحثہ خود ان میں بھی اختلاف رائے ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ خود حاضر ہو کر حکیم صاحب کی خدمت میں چند حالات عرض کروں۔ اس واسطے دو چار روز حکیم صاحب قبلہ کی دوا استعمال کر کے خود حاضر ہوں گا۔ میرا ارادہ صرف ایک روز آنے کا ہے۔ صبح وہاں پہنچوں گا اور اسی وقت حکیم صاحب سے مل لوں گا۔ شام کی گاڑی یا اس سے پہلے کسی گاڑی میں واپس آ جاؤں گا۔ وہاں قیام کا ارادہ نہیں ہے۔ ہاں اگر حکیم صاحب فرمائیں کہ علاج کے لیے قیام ضروری ہے تو قیام کا بندوبست کر لوں گا۔ مجھے صرف تشویش اس ۔ کی وجہ سے ہے باقی میری تمام صحت اس وقت تک خدا کے فضل سے اچھی ہے صرف آواز اونچی نہیں نکل سکتی۔ اگر دہلی میں قیام ضروری نہ ہوا تو اسٹیشن پر ہی چند گھنٹے قیام کروں گا۔ والسلام۔ چلنے سے پہلے آپ کو خط لکھوں گا یا تار دے دوں گا۔

محمد اقبال

(مکتوبات اقبال)

(عکس)

سید نذیر نیازی کے نام

۱۲ر جون ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب۔

میں مع الخیر لاہور پہنچ گیا سفر میں تو آواز کی حالت کچھ ایسی ہی رہی مگر لاہور پہنچ کر تمام دن، سوائے شام، آواز کی حالت بہ نسبت سابق بہتر رہی۔ حکیم صاحب سے مندرجہ ذیل امور دریافت کرکے مطلع فرمائیے:

(۱) تربوز کھاؤں یا نہ کھاؤں؟

(۲) دہی اور اس کے آرائتہ اور لسی کے متعلق کیا ہدایت ہے!

(۳) کسی سرد مقام مثلاً مری۔ شملہ وغیرہ جانا اور وہاں قیام کرنے کے متعلق کیا ہدایت ہے؟

(۴) انھوں نے فرمایا تھا کہ شربت بنفشہ اور عناب صبح پیا جائے مگر صبح دوائی نہار کھانی پڑتی ہے۔ اس کے تھوڑے عرصے بعد کچھ ناشتہ کے ساتھ دوسری دوائی۔ شربت کے پینے کے لیے کوئی وقت نہیں ہوتا۔ پھر شربت کس وقت پیا جائے؟ تیسرے پہر اگر بنفشہ یا عناب یا دیگر شربت جو آپ نے خریدے تھے پیے جائیں تو کیا ہرج ہے؟

(۵)، صبح جو دوائی کھائی جاتی ہے وہ پاخانہ کی فراغت کے بعد کھائی جائے یا پہلے بھی کھا سکتے ہیں؟ یہ سوال اس واسطے کیا ہے کہ بعض دفعہ پاخانہ دیر سے آتا ہے۔

(۶) خشکہ چاول کھانے کے متعلق کیا ہدایت ہے؟

(۷) دالوں میں کونسی دال کھائی جائے اور کس سے پرہیز کیا جائے؟

(۸) کشمیر کے مشہور گلاس کے متعلق کیا ہدایت ہے۔ اس میں کس قدر ترشی

ہوتی ہے۔ علیٰ ہٰذالقیاس آلو چہ کے متعلق کیا حکم ہے؟
باقی خدا کے فضل وکرم سے خیریت ہے۔ پبلشرز کے ساتھ جو گفتگو ہو
اس سے جلد مطلع کریں۔ والسلام

محمد اقبال

(مکتوبات اقبال)

(عکس)

سید نذیر نیازی کے نام

۱۲ر جون ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب السلام علیکم

کل ایک خط لکھ چکا ہوں۔ دریافت طلب امور کا جواب حکیم صاحب سے معلوم کرکے لکھیے۔

آج دوائی کا چوتھا روز ہے۔ آواز میں کچھ فرق ضرور ہے مگر گلا تعابیۃً خشک ہے اور بلغم کسی قدر دقت سے نکلتی ہے منجمد بلغم کم نکلتی ہے۔ کچی بلغم زیادہ نکلتی ہے۔ میرا یہ خیال ہے کہ شاید اندر منجمد بلغم ہے اگر وہ آسانی سے نکل جائے تو آواز میں نمایاں فرق آئے گا۔ اس کے علاوہ ریح کا اخراج تو ہوتا ہے مگر کسی قدر قبض ضرور ہے پاخانہ کھل کر نہیں آتا زیادہ خیریت ہے والسلام

محمد اقبال

(مکتوبات اقبال)

(عکس)

سید نذیر نیازی کے نام

۱۹ر جون ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم۔

آپ کا خط سلامت اللہ شاہ صاحب کی وساطت سے مل گیا ہے۔
آج ساتواں روز ہے۔ گویا آج شام کو سات روز ہو جائیں گے میں صبح کی نماز کے بعد آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔

(۱) پہلے میں لکھ چکا ہوں کہ بلغم کچی نکلتی ہے۔ اب تو ناک کی راہ سے بھی کچھ کچھ نکلتی ہے۔ مجھے ایسے احساس ہے کہ اندر بلغم ہے اگر آسانی کے ساتھ اندر سنجمد ہو کر نکل جائے تو یقیناً فائدہ ہوگا۔

(۲) ان دنوں میں آواز میں فرق ضرور آیا ہے مگر ایسا نہیں جس کو سب لوگ نوٹ کر سکیں۔

(۳) گلے کے اندر خارش سی خصوصاً دائیں طرف معلوم ہوتی ہے۔ اس سے پہلے یہ کبھی نہیں ہوا۔ کہتے ہیں خارش صحت کی علامت ہے۔ واللہ اعلم۔

(۴) قبض کی کسی قدر شکایت ہے پہلے بھی لکھ چکا ہوں۔

(۵) گلابی رنگ کی گولی حکیم صاحب نے ریح کے لیے دی تھی جو کھانے کے بعد کھائی جاتی تھی۔ اس وقت میں نے شکایت کی تھی ریح جمع ہو کر تکلیف دیتی ہے۔ دو چار روز کے بعد استعمال سے ریح کی شکایت جو اس وقت تھی دور ہو گئی تھی اب وہ شکایت باقی نہیں۔ پھر وہ گلابی رنگ کی گولی کھانے کے بعد کھائی جائے یا اس کا استعمال اب چھوڑ دیا جائے؟

یہ تمام امور حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں عرض کر دیجیے اور نیز یہ بھی عرض کیجیے کہ اگر کوئی اور دوا اس سے زیادہ طاقتور ہو تو عطا فرمائیں کیونکہ یہاں کے تمام احباب منتظر ہیں کہ کب ڈاکٹروں کو شکست ہوتی ہے

یہ عجیب معاملہ ہے۔ بہر حال اگر موجودہ نسخے میں کوئی ترمیم ضروری ہو تو حکیم صاحب جو مناسب سمجھیں کریں اب پانچ روز کی دوا باقی ہے آپ خود اندازہ کر کے دوا بھجوا دیں۔ والسلام۔

محمد اقبال لاہور

بسنتر (؟) کے متعلق جلد طے کریں کیونکہ یہاں کے لوگ بھی اصرار کر رہے ہیں میں نے عبدالمجید کاتب کو فی الحال دو چار دن کے لیے ٹال دیا ہے۔

محمد اقبال

(عکس، مکتوبات اقبال،

سید نذیر نیازی کے نام

۱۵ جون ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا خط آج مل گیا جس کے لیے بہت متشکر گزار ہوں۔

سرنا کی انجبار بہت تلاش سے ایک پنساری کی دوکان سے ملی ہے جو دیکھنے میں نہایت مکروہ ہے اور پچھلے سال کی ہے حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کریں کہ یہ ممکن نہیں کہ کاسرالریاح (گلابی رنگ کی گولی) کی جگہ کوئی قبض کشا رکھ دی جائے کیونکہ ریاح کی تکلیف اب جاتی رہی ہے۔ کاسرالریاح کے متعلق میں اپنے پہلے خط میں بھی لکھ چکا ہوں۔

آواز میں جیسے کہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں فرق آ گیا ہے عجب معاملہ ہے جس سے انسانی ضمیر کے اندر جو کچھ گزر رہا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ لوگ میری بیماری میں محض اس واسطے دلچسپی لے رہے ہیں کہ دیکھیں ڈاکٹروں کو کب شکست ہوتی ہے۔ بہر حال جو کچھ میں گزشتہ خط میں لکھ چکا ہوں حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں عرض کر دیں کہ اب کی دفعہ کوئی اس سے زیادہ طاقتور دوا ہو تو اور بھی اچھا ہے۔

تاکہ معجزہ کا ظہور جلد ہو۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ حکیم صاحب اوقات خاص میں مجھے بھی یاد رکھیں۔ والسلام

محمد اقبال

(عکس) (مکتوبات اقبال)

عبدالماجد دریابادی کے نام

مکرمی۔ السلام علیکم

جہاں تک مجھے معلوم ہے لفظ برزخ کا کوئی ترجمہ انگریزی زبان میں نہیں ہے۔ بعض مترجمین قرآن نے لفظ ...... لکھا ہے مگر یہ بھی درست معلوم نہیں ہوتا۔ غالباً وہ یہ سمجھتے ہیں کہ لفظ برزخ ایرانی لفظ "پردک" کا معرب ہے۔ مگر مجھے نہیں معلوم کہ قدیم ایرانیوں کے نزدیک "پردک" کا کیا مفہوم تھا۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں۔ موت۔ برزخ۔ حشر و نشر وغیرہ ... اصطلاحات ہیں اور ان کی حقیقت کچھ معلوم نہیں سوائے اس کے جو صوفیائے کرام نے اپنے مکاشفات کی بنا پر لکھی ہے۔ میری رائے میں تو برزخی زندگی کا ترجمہ "......" ہی کریں۔ لیکن حقیقت برزخ پر ایک مفصل نوٹ دینا ضروری ہے اس نوٹ میں موت۔ حشر وغیرہ کی حقیقت بھی اسلامی نقطہ خیال سے واضح کرنی چاہیے۔ والسلام

محمد اقبال

۱۹ جون ۲۴ء

(اقبال نامہ)

مکتوب الیہ نے اپنے انگریزی ترجمۃ القرآن کے سلسلہ میں دریافت فرمایا تھا کہ لفظ برزخ کو انگریزی میں کیونکر منتقل کیا جائے۔ (عطاء اللہ)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب. السلام علیکم

دوا کا پارسل ابھی ملا ہے جس کے لیے حکیم صاحب کی خدمت میں بہت بہت شکریہ عرض کیجے۔ ان سے کہیے کہ آپ انصار ہیں میں مہاجرین سے ہوں کیونکہ میں نے زمانۂ حال سے خیر القرون کی طرف ہجرت کی ہے۔ روحانی نہیں تو دماغی اعتبار سے ہی سہی۔ اس واسطے میرا ان پر حق ہے اور میں ان سے اسی سلوک کا متوقع ہوں جو انصار نے مہاجرین سے کیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی میں ان کی کرامت کا مستحق ہوں۔ کہ مستحق کرامت گنہگارانند۔ میری مجموعی صحت بہت اچھی ہے۔ دن میں تین چار دفعہ چھینک بھی آتی ہے۔ بعض دفعہ ناک سے بھی بلغم نکلتی ہے۔ گلے میں خارش بھی ہے جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں نیند بھی رات کو خوب آتی ہے۔ البتہ آواز کے کھلنے کی رفتار کسی قدر سست ہے۔ آج چلغوزہ کھایا ہے تازہ انجیر کی تلاش جاری ہے۔ سردہ کا موسم ابھی شروع نہیں ہوا۔ لیکن ترشی کے لیے ترس گیا ہوں۔ لیموں کو تو میں ہاتھ لگاتا نہیں کیونکہ حکیم صاحب نے منع فرما دیا ہے مگر کیا اور کسی قسم کا اچار بھی منع ہے؟ دہی کی اجازت حکیم صاحب نے دی تھی لیکن اس میں بھی ترشی ہے۔ اس واسطے ڈرتا ہوں۔ ایک روز دہی کا آمانیہ کھایا تھا مگر وہ دہی اس قدر میٹھا تھا کہ ذائقہ میں کوئی لطف نہ تھا۔ پودینہ اور انار دانہ کی چٹنی کے لیے کیا حکم ہے؟ بیری کی مارکیٹ میں نہیں ملتے۔ چوزہ کا گوشت کھایا ہے مگر گرمی اس قدر ہے کہ بھوک نہیں لگتی۔ والسلام۔

محمد اقبال ۲۰ جون ۳۴ء

(مکتوبات اقبال)

(عکس)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور ۱۲ جون ۳۶ء

ڈیر نیازی صاحب السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ خیریت ہے۔

حکیم صاحب فرماتے تھے کہ اول خوراک کا ½ حصہ دیا جاتا ہے میں خود اسے محسوس کرتا تھا۔ اسی واسطے میں نے لکھا تھا کہ دوائی کی طاقت ذرا زیادہ کر دی جائے تو شاید فائدہ زیادہ ہو مگر وہ بہتر سمجھتے ہیں ان کا ارشاد مقدم ہے جیسا کہ انھوں نے فرمایا تھا دوائی کا استعمال تو دیر تک رہے گا۔ آواز جلد بہتر ہو جائے گی میں بھی چاہتا ہوں کہ آواز میں جلد تبدیلی ہو تاکہ آئندہ پروگرام وضع کر سکوں۔ کل جنوبی افریقہ سے دعوت آئی ہے اور وہاں کے مسلمان مصر ہیں کہ یہاں کا دورہ ضروری ہے۔ گزشتہ ہفتہ ایک خط جرمنی سے آیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکی کی طرف سے بھی تم کو دعوت دی جانے والی ہے بہرحال میری خواہش ہے کہ اس جہان سے رخصت ہونے سے پہلے:

برآور ہرچہ اندر سینہ داری
سرودے، نالۂ، آہے، فغانے![1]

فالودہ پینے کو کبھی کبھی دل چاہتا ہے مگر حکیم صاحب سے پوچھنا بھول گیا آپ دریافت کر کے مطلع فرمائیں۔

سردہ ابھی لاہور میں نہیں آیا۔ کابل میں سردہ کا موسم تو اگست میں شروع ہوگا۔ البتہ کوئٹہ (مستونگ) کا سردہ شاید مل جائے میں نے وہاں لکھوایا ہے انجیر تازہ تلاش کرواؤں گا۔ حکیم صاحب کے نسخہ کی ایک مطبوعہ کاپی ارسال

---

[1] ترجمہ: جو کچھ بھی سینے میں رکھتے ہو نکالو، کوئی نغمہ، کوئی نالہ، کوئی آہ، کوئی فریاد!

فرمائیں یعنی مطبوعہ کاغذ جس پر بڑی ترکاری وغیرہ کے استعمال کے متعلق ہدایات درج ہیں۔

آپ نے پبلشرز کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ ان سے گفتگو کریں۔ پھر جلد مطلع کریں تاکہ اگر ان سے یہ معاملہ طے نہ ہو تو کتابت اور طباعت کا انتظام یہاں شروع کر دیا جائے۔ لوگ اصرار کر رہے ہیں کہ کتاب جلد شائع کی جائے اگر اور نہیں تو آپ کے اپنے ترجمے کے متعلق جلد فیصلہ ان سے کر لیں۔ والسلام

محمد اقبال

(عکس) (مکتوباتِ اقبال)

ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ حیدرآبادی کے نام

مجی لمعہ صاحب سلمہٗ

تسلیم۔ ابھی محبت نامہ صبح صبح ملا۔ حالانکہ میرے لب تبسم آشنا نہیں ہیں تاہم آپ کے خط سے متحرک ہو جاتے ہیں۔ آپ کی نثر بھی نظم سے کم نہیں ہوتی۔

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ!

آپ کی نظم و نثر کی بیاض محفوظ ہے۔ کہیں کہیں درست کرنے کی ضرورت پڑی۔ واپس کرنے میں خوف ہو رہا ہے۔ کیا واپس ہی کر دوں؟ لیکن پہنچنے نہ پہنچنے کا میں ذمہ دار نہیں۔ یا رہنے دیجئے۔ جب آپ سے ملاقات ہوگی دست بدست لے لیجئے۔ بہرحال جو مناسب ہو مطلع فرمایئے۔

آپ کے مشاغل کیا ہیں! کیا شاعری جاری ہے؟ کبھی کبھی جب طبیعت لگے ضرور شعر کہیئے، آپ کی طبیعت شاعری کے مناسب ہے اور آپ کی نظموں میں مجھ کو لطف آتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی کہانیاں بھی نثر میں لکھئے۔ آپ کی نثر بھی دل چسپ ہوتی ہے۔

خدا نے آپ کو ادب کی خدمت مخلوق کی خدمت (ڈاکٹری) کے ساتھ ساتھ کرنے کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور جوانوں کو کچھ نہ کچھ کہتے رہنا چاہیے خدا حافظ۔

مخلص محمد اقبال لاہور
۲۱ جون ۳۴ء۱۹ [1]
(خطوط اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم
کل ایک خط لکھ چکا ہوں۔

(۱) آج صبح دوائی کھائی تو معلوم ہوا کہ صبح کی دوا اور شام کی دونوں معجونیں نہیں رہیں۔ ۱۶ روز کی خوراک سے کم ہیں۔ اس سے پہلے بھی یہ دوائیں سولہ روز کے لیے بھیجی گئی ہیں۔ مگر ان کی تعداد دگنی ہونی چاہیے تھی یا ممکن ہے آپ کی عبارت کا مفہوم کچھ اور ہو۔ حکیم صاحب کی خدمت میں یہ عرض پھر کیجیے کہ بالعموم طلوع و غروب آفتاب کے وقت آواز کی حالت اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ باقی اوقات اچھی خاصی معلوم ہوتی ہے۔

(۲) خون کے زہریلے مادوں کا ذکر میں نے حکیم صاحب کی خدمت میں خاص طور پر کیا تھا اور ان سے استدعا کی تھی کہ وہ دوا تجویز کرنے میں اس امر کا خاص خیال رکھیں۔ مہربانی کر کے ان سے دریافت کر کے مجھے مطلع کریں کہ

---

[1] اس خط پر تاریخ ۲۱ جون ۴ء۔ ۱۹ء درج ہے جو غلط ہے۔ یہ خط غالباً ۱۹۳۴ء میں لکھا گیا ہوگا۔

(صابر کلوروی۔ مکاتیب اقبال کے مآخذ۔ چند مزید حقائق)

اس کے لیے خاص طور پر کونسی دوا ان چار دواؤں میں سے ہے۔[1]

(۲) اس مواد کی تحلیل کے لیے جن کو ڈاکٹر بتاتے ہیں کس قدر عرصہ درکار ہوگا۔ حکیم صاحب نے فرمایا تھا کہ وہ تحلیل ہوجائیگا تخمیناً کتنے عرصے میں! تاکہ اگر دوبارہ اکس ریز کرلیا جائے تو وہ کس وقت اور کتنی مدت کے بعد لینا چاہیے۔

پبلشرز سے گفتگو کا جو نتیجہ ہوا اس سے جلد مطلع کرنا چاہیے۔ پہلے بھی لکھ چکا ہوں۔ والسلام

محمد اقبال ۲۲ جون ۳۴ء

(عکس) (مکتوباتِ اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور ۲۳ جون ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم۔

آج آپ کے خط کی توقع تھی مگر نہیں ملا۔

اس سے پہلے خط لکھ چکا ہوں۔ ان میں جو باتیں حکیم صاحب سے پوچھ کر لکھنی ہیں ان کا جواب لکھیے۔ آج دو ہفتے ہوگئے جب میں دہلی گیا تھا دوا تھوڑی ہی بیں شروع کر دی تھی۔ کل پورے پندرہ سولہ روز ہو جائیں گے۔ پچھلے ہفتے میں جو کسی قدر ترقی آواز میں ہوئی تھی دوسرے ہفتے میں اس پر کوئی اضافہ معلوم نہیں ہوا۔ حالت وہی ہے جو پچھلے ہفتے کے آخر میں تھی۔ حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کر دیں نیز یہ بھی معلوم کیجیے کہ بالعموم دن اور رات میں آواز کی حالت بہتر

---

[1] مکتوباتِ اقبال بنام نذیر نیازی میں FRESH GROWTH لکھا ہے جب کہ عکس میں صاف NEW GROWTH پڑھا جاتا ہے۔ (مولف)

ہوتی ہے۔ طلوعِ آفتاب و غروب آفتاب کے وقت حالت کچھ بہتر نہیں ہوتی۔ معلوم نہیں اس کا کیا سبب ہے۔
بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ گلے کے دونوں اطراف جونک لگوانی چاہیے۔ حکیم صاحب اس بارے میں کیا فرماتے ہیں۔
تجربے سے معلوم ہوا کہ دہی یا دستی کا اچھا اثر نہیں ہوتا۔ علیٰ ہٰذالقیاس فالودہ پی کے بھی میں نے دیکھا ہے اس کا اثر بھی اچھا نہیں ہوا۔ باقی خیریت ہے۔ بیلٹرز کے متعلق آپ نے ابھی تک کچھ نہیں لکھا۔

محمد اقبال

(مکتوبات اقبال) (عکس)

بی بی آمنہ کے نام

لاہور ۲۳ جون ۳۴ء

محترمہ

اگر ان مواقع کی روشنی میں دیکھا جائے جو بقول آپ کے انگریزی زبان سیکھنے کے لیے آپ کو میسر آئے تو آپ کی ترقی یقیناً حیرت انگیز ہے۔
تاہم میرا اندیشہ یہ ہے کہ رومی کا منظوم انگریزی ترجمہ کرنا ایک غلطی ہے۔ میں بہت معذرت کے ساتھ کہتا ہوں کہ میں آپ کے ترجمہ کی تصحیح کرنے کا کام اپنے ذمہ نہیں لے سکتا۔ کچھ تو اس لیے کہ میں انگریزی نظم کی تیکنیک سے اچھی طرح واقف نہیں

نوٹ: علامہ اقبال کا یہ خط اور دوسرا خط محررہ ۲ جولائی ۳۴ء بنام بی بی آمنہ کی نقول پروفیسر منظورالامین (صدر شعبہ ماس کمیونیکیشن، کشمیر یونیورسٹی) نے دھارواڑ

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہوں اور کچھ اس وجہ سے کہ میری صحت خراب رہتی ہے اور خود مجھے اپنا بہت سا ادبی کام کرنا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اردو کو جس طرز میں نے لکھا ہے وہ اس کے شارحین سے بہت مختلف ہے

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے)

(غیر مدون)

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا)

(ریاست کرناٹک بھارت) میں ان کے صاحبزادے سے حاصل کیں پروفیسر منظور الامین اس وقت وہاں ریڈیو سٹیشن کے ڈائرکٹر تھے یہ دونوں خط بیبی آمنہ کے نام جمال الدین صاحب ریٹائرڈ سب انسپکٹر پولیس بیجاپور کی معرفت بھیجے گئے تھے۔ یہ خاتون بیجاپور کی رہنے والی تھیں

(مولف)

ماخذ: "اقبالیات" شمارہ نمبر ۳ - ۱۹۸۶ء اقبال انسٹیٹیوٹ، کشمیر یونیورسٹی، سری نگر۔

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور۔ ۲۴ جون ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا کوئی خط نہیں ملا۔ خدا کرے آپ تندرست ہوں۔ میں اس سے پہلے لکھ چکا ہوں کہ دوسرے ہفتے کی دوا نے پہلے ہفتے سے ترقی میں جو آواز میں ہوئی تھی کوئی اضافہ نہیں کیا بلکہ ترقی معکوس میں ہوئی اُن کے وجوہ جہاں تک سوچ سکتا ہوں تین ہو سکتے ہیں:

(۱) میں نے دہی کھایا اور لسی بھی پی۔

(۲) فالودہ پیا (برف ڈال کر)

(۳) آپ نے پچھلے خط میں لکھا تھا کہ دوا کی مقدار دگنی کر دی گئی ہے شاید ڈوسس[1] کے بڑھ جانے کی وجہ سے آواز نے ترقی معکوس کی۔

اس تیسری وجہ کے متعلق حکیم صاحب سے دریافت کریں اور مجھے فوراً اطلاع دیں۔ یہ خط آپ کو کل ملے گا۔ کل ہی حکیم صاحب سے دریافت کریں۔ مجھے فوراً جواب دیں تاکہ مجھے بدھ کے روز جواب مل جائے۔ پہلے جو خطوط میں نے آپ کو لکھے تھے ان کا جواب بھی دیں ممکن ہے آج آپ کا کوئی خط مل جائے۔ بہرحال آج کا خط نہایت ضروری ہے اس کا جواب جلد آنا چاہیے

والسلام

محمد اقبال

(مکتوبات اقبال)

(عکس)

---

[1] خوراک۔

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور ۲۷ جون ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم

میں نے آپ کو پانچ سات خط لکھے۔ کسی کا جواب نہیں آیا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ شاید آپ بیمار ہو گئے ہوں۔ کل سلامت اللہ شاہ صاحب سے معلوم ہوا کہ آپ نے میری خیر خیریت اُن سے معلوم کی ہے۔ تعجب ہے! معلوم ہوتا ہے آپ کو میرا کوئی خط نہیں ملا۔ ان خطوط میں کئی باتیں حکیم صاحب سے کرنے کی تھیں۔ اب تو میں بھول بھی گیا کہ کیا کیا باتیں دریافت طلب تھیں۔ ضروری بات جو ان سے دریافت کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ پہلے ہفتہ میں آواز میں کچھ ترقی ہوئی مگر دوسرے اور اب تیسرے ہفتے میں اُس ہفتہ کی ترقی پر کوئی اضافہ نہیں ہوا جس سے میں متفکر ہوں کہ دوا کیوں موثر نہیں ہوئی۔ حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کیجیے کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ دوسری بات یہ تھی کہ خون کے زہریلے مواد کے ازالہ کے لیے جس کا میں نے خاص طور پر حکیم صاحب سے ذکر کیا تھا انھوں نے موجودہ دوائی میں کوئی خاص اہتمام کیا ہے یا نہیں؟ تیسری بات یہ ہے کہ دوا کا استعمال کب تک جاری رہے گا اور دوا ہمیشہ یہی رہے گی یا اس میں وقتاً فوقتاً تبدیلی ہوگی۔ موجودہ دوا نے پہلے ہفتہ میں فایدہ کسی قدر کیا۔ مگر دوسرے ہفتے اور تیسرے ہفتے میں اس فایدہ میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ یہ بھی دریافت کیجیے کہ شہد کھانے کی ممانعت تو نہیں ہے۔ دہی کھانے کی اجازت حکیم صاحب نے دی تھی مگر میں نے کھا کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کا اثر اچھا نہیں ہوتا علیٰ ہٰذا القیاس فالودہ بھی کھایا۔ اس کا اثر بھی گلے پر اچھا نہیں پڑا۔ بھنڈی توری[1] کے متعلق

---

[1] توری یعنی ترئی۔

حکیم صاحب کا کیا حکم ہے ؟
قبض کی بھی کسی قدر شکایت رہتی ہے ۔ اس دوا میں اس کا بھی اہتمام ہو جائے تو خوب ہو ۔ تازہ انجیر نہیں مل سکی ۔ کابل و قندھار کی خشک انجیر مل سکے گی ۔ اس کے متعلق بھی دریافت کیجیے ۔ سردہ ابھی آنا شروع نہیں ہوا ۔ بہ حال سب سے زیادہ ضروری بات جو دریافت طلب ہے یہ ہے کہ دوسرے ہفتے اور تیسرے ہفتے دوا نے وہ فائدہ کیوں نہیں کیا ۔ جو پہلے ہفتہ میں ہوا تھا پہلے ہفتے کے فائدہ سے تو مجھے بہت اُمید بندھ گئی تھی اور میں سمجھتا تھا کہ شاید ایک ماہ کے عرصے میں آواز اپنی اصلی حالت میں عود کر آئے گی ۔ والسلام ۔
مسٹر محمد اسد [1] کو ایک خط لکھا تھا اس کا جواب نہیں آیا ان سے بھی دریافت کریں کہ میرا خط ان کو ملا ہے یا نہیں ۔ ڈاک خانہ سے دریافت کرنا چاہیے کہ یہ خطوط جو میں نے لکھے ہیں وہ آپ تک کیوں نہیں پہنچے ۔ والسلام

محمد اقبال

(عکس) (مکتوبات اقبال)

---

[1] محمد اسد — لیوپولڈ وائس ۔ ۱۹۳۲ء میں جب وہ (غیر منقسم) ہندوستان آئے تو اوّل کشمیر میں ان سے ملاقات ہوئی پھر دہلی میں اتفاق سے انھیں مکان بھی ملا تو قرول باغ میں اور ایک طرح سے میرے دیوار بر دیوار یعنی اتنا قریب کہ روز ملاقات ہو جاتی ۔ چند دنوں میں دوستانہ مراسم قائم ہو گئے ۔ حضرت علامہ نے ان کی تصنیف ... کو پسند فرمایا تھا ۔ اسد صاحب ان دنوں اگرچہ صحیح بخاری کا ترجمہ کر رہے تھے لیکن ایک طرح سے تھے بیکار ۔ اس بارے میں سے ان کی مرضی پا کر حضرت علامہ سے درخواست کی کہ انھیں اسلامیہ کالج سے منسلک کر دیا جائے ۔ (نذیر نیازی)

قب - ۵ ب ن ب عد -

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔

آپ کا خط ابھی ملا جس کے لیے بہت بہت شکریہ قبول کیجیے۔ آج میں نے رجسٹرڈ خط آپ کو لکھا ہے اس خیال سے کہ شاید پہلے خطوط آپ کو نہیں ملے۔ بہر حال اس خط سے بہت اطمینان ہوا۔ دوا کا پیکٹ بھی مل گیا ہے انشاء اللہ کل سے استعمال شروع ہو گا۔ مہربانی کر کے حکیم صاحب قبلہ سے ہر چیز کے متعلق فرداً فرداً دریافت کر کے مجھے مطلع کیجیے کہ کون سی چیز کھائی جائے اور کون سی نہ کھائی جائے۔ سبزی ترکاری۔ پھل پھول گوشت اور پینے کی چیزیں وغیرہ۔ علیٰ ہذا القیاس چاول خشک و پلاؤ۔ شہد وغیرہ۔ نسخہ واپس ہے۔

علی بخش سلام کہتا ہے۔ والسلام

محمد اقبال

۲۷ جون ۳۴ء

(مکتوبات اقبال) (عکس)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور ۲۹ جون ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے۔ الحمدللہ خیریت ہے۔ نئی دوا کل سے شروع کر دی ہے۔ امید ہے کہ فائدہ ہو گا۔ صحت مجموعی بہت اچھی ہے بلکہ اس سے چار ماہ پیشتر جو حالت صحت کی تھی وہ عود کر آئی ہے۔ البتہ آواز پر ابھی کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔ آپ کھانے پینے کی چیزوں کے مفصل ہدایات حاصل کریں تاکہ

کوئی بے احتیاطی نہ ہو۔ اس کے علاوہ یہ بھی عرض کریں کہ مجھے کسی قدر قبض کی شکایت بھی رہتی ہے۔ اگر ان دواؤں میں جو میں استعمال کر رہا ہوں کوئی ایسی دوا ڈال دیں جس سے یہ شکایت نہ رہے تو بہت اچھا ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ قبض کا اثر بھی آواز پر ہوتا ہے۔

آج شام کی گاڑی میں سرہند شریف جا رہا ہوں۔ چند روز ہوئے صبح کی نماز کے بعد میری آنکھ لگ گئی۔ خواب میں کسی نے مندرجہ ذیل پیغام دیا۔

"ہم نے جو خواب تمہارے اور شکیب ارسلان[1] کے متعلق دیکھا ہے وہ سرہند بھیج دیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ خدا تعالیٰ تم پر بہت بڑا فضل کرنے والا ہے"

پیغام دینے والا معلوم نہیں ہو سکا کون ہے۔ اس خواب کی بنا پر وہاں کی حاضری ضروری ہے۔ اس کے علاوہ جاوید جب پیدا ہوا تھا تو میں نے عہد کیا تھا کہ جب وہ ذرا بڑا ہو گا تو اسے حضرت کے مزار پر لے جاؤں گا۔ وہ بھی ساتھ جائے گا تاکہ یہ عہد پورا ہو جائے۔ چودھری محمد حسین، منشی طاہر الدین اور علی بخش ہمراہ ہوں گے۔ اتوار کی صبح کو لاہور واپس پہنچیں گے۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ معلوم نہیں محمد اسد کیا کرتے ہیں۔ شاید وہ کوئی انگریزی اخبار یا رسالہ نکالنے والے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ ان کو کہیں دینیات کا یا عربی زبان کا پروفیسر کر دیا جائے۔ ان کی انگریزی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دین اسلام کے اسرار سے ناواقف نہیں۔[2] اگرچہ ان کے سے مجھے اتفاق نہیں۔ والسلام

محمد اقبال

(مکتوبات اقبال)

(عکس)

---

[1] امیر شکیب ارسلان مشہور دروزی رہنما۔ اتحادِ اسلامی اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے بہت بڑے داعی۔

[2] قبولیت۔

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور ۲ جولائی ۳۴ء بروز ...

ڈیر نیازی صاحب السلام علیکم

میں ہفتہ کی شام کو سرہند سے واپس آگیا تھا۔ نہایت عمدہ اور کھلی فضا اور پاکیزہ جگہ ہے۔ انشاء اللہ پھر بھی جاؤں گا۔

آج کا دن چھوڑ کر پانچ دن کی دوا باقی ہے۔ یعنی ہفتہ کے روز دوا ختم ہوجائے گی۔ اس واسطے بہتر ہے کہ آپ بدھ کے روز مجھے دوا روانہ کروادیں۔ یا اگر ممکن ہو تو جمعہ کے روز یا جمعرات کے روز غرضیکہ ہفتہ کے دن موجودہ دوا کی آخری خوراک ہوگی۔ جو نئی دوا آپ نے ارسال کی تھی اس کو کھاتے ہوئے چار روز ہوگئے ہیں۔ یہ پانچواں دن ہے۔ ناشتہ کے ساتھ کھائی جاتی ہے مگر حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں عرض کریں کہ آواز میں ابھی تک کوئی خاص اثر کسی دوا کا نہیں ہوا۔

کھانے پینے کی چیزوں کے متعلق مفصل ہدایات حاصل کرکے مجھ کو مطلع فرمائیں میں نے چند نام جو مجھ کو یاد آتے ہیں لکھ دیے ہیں۔ والسلام

محمد اقبال

(عکس) (مکتوبات اقبال)

لہ مکتوبات اقبال بنام نذیر نیازی میں اس خط کی تاریخ ۲ جون ۱۹۳۴ء درج ہے جب کہ عکس میں ۲ جولائی صاف پڑھا جاتا ہے اشاریہ مکاتیب اقبال مرتبہ صابر کلوروی نے بھی اسے ۲ جولائی کے تحت شامل کیا لیکن اس نوٹ کے ساتھ کہ علامہ غلطی سے جون لکھ گئے ہیں۔

(مولف)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب. السلام علیکم.

آپ کا پوسٹ کارڈ مل گیا ہے. الحمد للہ خیریت ہے. عام صحت خوب ترقی کر رہی ہے مگر جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں آواز میں ابھی کوئی نمایاں فرق نہیں ہوا. نئی دوا کے استعمال سے بھی کوئی خاص فرق نہیں ہوا حکیم صاحب کی خاص توجہ کی ضرورت ہے. اس کے علاوہ ان سے یہ بھی عرض کریں کہ انہی دواؤں میں کوئی ایسی دوا بھی شامل کر دیں جس سے ہر صبح بافراغت پاخانہ آجایا کرے اور قبض کی شکایت نہ رہے. شہد کے استعمال کے متعلق بھی دریافت کیجیے. سردوں کے متعلق خاص انتظام کیا ہے مگر جولائی کے آخر میں آئیں گے کابل سے آیا کریں گے. سفیر صاحب کابل نے ان کے آنے کا انتظام کر دیا ہے سرہند خوب جگہ ہے مزار نے میرے دل پر بڑا اثر کیا ہے. بڑی پاکیزہ جگہ ہے پانی اس کا سرد اور شیریں ہے. شہر کے کھنڈرات دیکھ کر مجھے مصر کا قدیم شہر فسطاط یاد آگیا جس کی بنا حضرت عمر بن العاص نے رکھی تھی اگر سرہند کی کھدائی ہو تو معلوم نہیں اس زمانے کی تہذیب و تمدن کے کیا کیا انکشافات ہوں. یہ شہر فرخ سیر کے زمانے میں بحال تھا اور موجودہ لاہور سے آبادی وسعت کے لحاظ سے دگنا. تھا[1]. والسلام

محمد اقبال

۲ جولائی ۳۴ء

(مکتوبات اقبال) (عکس)

---

[1] یہاں دراصل عبارت ختم ہو جاتی ہے لیکن حضرت علامہ قلم روک نہ سکے "تھا" کا اضافہ ہو گیا.

(نذیر نیازی)

بی۔ بی آمنہ کے نام

لاہور

۲ جولائی ۳۷ء

مخدومہ

آپ کے عنایت نامہ کا شکریہ۔ مجھے نہایت افسوس کے ساتھ کہنا
پڑتا ہے کہ میں صوفی نہیں ہوں اور جدید ہندوستانی تصوف کا قائل نہیں
ہوں۔ اور میں اس کو ہندوستان میں اسلام کے اخلاقی زوال کے نمایاں
اسباب میں شمار کرتا ہوں۔ لیکن میرے خیال میں مثنوی مولانا روم جدید
دور کے تشکیک اور دہریت کے زہر کے لیے ایک قسم کے تریاق کا اثر
رکھتی ہے۔ اس باعث میں سمجھتا ہوں کہ اس تصنیف سے جدید تعلیم یافتہ
مسلمانوں کو روشناس کرانا چاہیے لیکن ہمارے دور کے ایک معروف
شخص کے بس کی بات نہیں کہ ۲۶۰۰۰ اشعار پر مشتمل کوئی کتاب پڑھ سکے
عصر حاضر کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس سے انتخابات کرنا ہونگے
اور جدید فکر اور اہم نظریات و عوامل کی روشنی میں حواشی کا اضافہ کرنا ہوگا
ہر عہد میں مثنوی کے انتخابات ہوتے رہے ہیں لیکن ہم جدید زمانے
والوں کے لیے بہت کم مفید یا بالکل غیر مفید ہیں ہمیں اپنے لیے انتخابات خود کرنا
ہوں گے کس حد تک یہ کام قاضی تلمذ حسین ام۔ اے، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد نے
کیا ہے اور حال ہی میں ایک کتاب المعروف "مرآۃ المثنوی" شائع کی ہے[1]
البتہ یہ تصنیف صرف اس شخص کے لیے مفید ہے جو رومی سے پہلے سے
واقف ہو۔ ایک ایسا انتخاب مرتب کرنے کی میری دیرینہ خواہش رہی ہے

---

[1] یہ مثنوی قاضی تلمذ حسین کی ہے جس پر حواشی میں نوٹ ملاحظہ ہو (مؤلف)

لیکن اس سال میری صحت بہت گر گئی ہے جس کی وجہ سے اب مجھے اپنے متعدد منصوبوں سے دست کش ہونا پڑے گا۔ میں نے اپنے منشی کو ہدایت کر دی ہے کہ "جاوید نامہ" کا ایک نسخہ آپ کو بھیج دے۔ مجھے امید ہے کہ اس کو پڑھ کر آپ کو روحی کے بارے میں میرے نظریہ کا کچھ اندازہ ہو جائے گا اور ان اہم مسائل کا بھی جو دورِ جدید میں اسلام کو درپیش ہیں۔ میں صرف بیرسٹر ہوں اور ہائی کورٹ کا جج نہیں ہوں۔ براہ کرم مجھے اس عہدے کے تعلق سے مخاطب نہ فرمائیں۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال

(انگریزی سے)
(غیر مدون)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور۔ ۵ جولائی ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا۔ دوائیوں کا پارسل بھی موصول ہوا۔

رات کو سوتے وقت کھانے کی جو دوا ہے اس کو نگلنا ہے یا منہ میں رکھ کر آہستہ آہستہ چوسنا ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی ہدایت تھی اس کے متعلق فوراً لکھیں کیونکہ یہ دوا کل سے شروع کی جائے گی۔

آج صبح دس بجے (—) کے لیے وقت مقرر تھا۔ مگر میو ہسپتال کے ڈاکٹر کرم کی دفعتہً تبدیلی ہو گئی ہے۔ جو اس کی جگہ مقرر ہو کر آئے ہیں

ؔ ماخذ "اقبالیات" شمارہ نمبر ۳۔ ۸۶ ۱۹ء، اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی، سری نگر۔

انھوں نے ابھی آلات کا معائنہ نہیں کیا۔ اس واسطے سوموار کے روز
فوٹو پھر لیا جائے گا۔ مگر ڈاکٹر یار محمد خاں کل کہتے تھے کہ
یا ٹیومر کی تھیوری غلط معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ آپ کی صحت دیگر
حالات سے مطابقت نہیں کرتی۔ یہ ممکن ہے کہ شاہ رگ اس مقام پر آکر
ذرا پھیل گئی ہو جہاں وہ نظر آتی ہے۔ اس دفعہ جو ہوگا
اس سے یہ بات متحقق ہو جائے گی ان کے نزدیک اگر شاہ رگ کا پھیلاؤ ہو
تو پھر جیسا کہ اغلب ہے کوئی دوا اس کو اپنی اصلی حالت پہ نہیں لا سکتی۔
ہاں دوا اس کے مزید پھیلاؤ کو روک سکتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آواز
بھی اصلی نارمل حالت کی طرف عود نہیں کر سکتی۔ واللہ اعلم بہر حال جو کچھ نتیجہ
ہوگا اس سے میں آپ کو مطلع کر دوں گا۔
یا ٹیومر کے لیے یا
کا علاج ضروری ہے لیکن چونکہ غالباً نہیں
ہے۔ صرف شاہ رگ کا پھیلاؤ ہے اس واسطے وغیرہ کے علاج
کی ضرورت نہیں ہے۔ انگریزی ڈاکٹر اب یہ کہتے ہیں کہ اگر ٹیومر ہوتا تو عام
صحت اس قدر جلد ترقی نہ کر سکتی۔ بلکہ روز بروز بدتر ہوتی جاتی۔ غرضیکہ اس
وقت جو قیاسات میں نے لکھ دیے ہیں آپ حکیم صاحب کی خدمت میں عرض
کر دیں۔ اور جو کچھ وہ کہیں اس سے مجھے مطلع کریں۔ سوموار کے روز X-RAY
کا نتیجہ آنے کے بعد مفصل لکھوں گا۔ اگر نتیجہ اسی روز معلوم ہو گیا تو خط بھی انشاء اللہ
اسی روز لکھوں گا۔ والسلام
علی بخش آداب کہتا ہے۔

محمد اقبال
(مکتوبات اقبال)

(عکس)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب. ایک خط آج پھر لکھ رہا ہوں۔

ابھی ملک برکت علی صاحب سے ملاقات ہوئی جو شملہ سے آئے ہیں۔ شملہ میں میرے ایک مہربان خواجہ حبیب اللہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کشمیر کی گلقند بشرطیکہ بہت پرانی ہو وہ کل کارڈ کی تقویت کے لیے اکسیر ہے۔ پچاس سال پرانی گلقند خواجہ صاحب مذکور کے پاس موجود ہے مہربانی کرکے حکیم صاحب سے ذکر کردیں اور ان سے پوچھیے کہ گلقند کے استعمال کے متعلق کیا مشورہ دیتے ہیں۔ اس کا جواب بہت جلد آنا چاہیے۔

نیز یہ بھی دریافت کیجیے کہ اگر مرچ سرخ، مسالہ، گوشت اور سبزی وغیرہ ڈالنا چاہیے یا نہ۔

شہد ۔۔۔ کے استعمال کے متعلق بھی ہدایات معلوم کیجیے۔

محمد اقبال

۶ رجولائی ۳۴ء

(مکتوبات اقبال) (عکس)

سید نذیر نیازی کے نام

۱۰ رجولائی ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب۔

السلام علیکم. آپ کا خط ابھی ملا ہے. الحمدللہ کہ خیریت ہے X-RAY بذیعہ ہوگا۔ فی الحال مندرجہ ذیل باتیں حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں

ٰٰلہ "کو" سہواً رہ گیا۔ (نذیر نیازی)

محمد اقبال

عرض کریں:
(۱) نئی دوا جسے پان میں رکھ کر چبانے کی ہدایت ہے اور جو آواز کے لیے مخصوص ہے کچھ ایسی مفید ثابت نہیں ہوئی۔ آج اسے کھاتے ہوئے چار روز ہوئے ہیں۔ ہفتہ ختم ہونے کے بعد پھر لکھوں گا۔ کوئی خاص اثر اس کا آواز پر نہیں ہوا۔ آواز کی حالت وہی ہے جو اس دوا کے استعمال سے پہلے تھی۔
(۲) میں نے عرض کیا تھا کہ قبض نہ ہوا کرے۔ حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کیجیے، قبض کی شکایت رفع نہیں ہوئی۔
(۳) پہلے نسخے کے مطابق جو دوا رات کو کھائی جاتی تھی وہ آہستہ آہستہ چوسی جاتی تھی لیکن جو دوا موجودہ نسخے کے مطابق رات کو کھائی جاتی ہے اس کے متعلق کوئی ہدایت نہیں کہ نگل لی جائے یا چوسی جائے۔ اس کے متعلق ہدایت حاصل کر کے مجھے لکھیے۔ آپ کے خط میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ والسلام

محمد اقبال

(عکس) (مکتوباتِ اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

۱۱ جولائی ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم۔

کل ایک خط لکھ چکا ہوں۔ ابھی دوبارہ X-RAY سے سینہ دکھا کے آیا ہوں۔ یہ بات اب یقین ہو گئی کہ ٹیومر یا گرو تھ نہیں صرف شاہ رگ کا پھیلاؤ ہے حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کر دیں۔ کہتے ہیں کہ یہ شاہ رگ کا پھیلاؤ یا تو خون کے سمی مادوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے یا بعض پہلوانوں اور گویوں کو بھی

ہو جاتی ہے. نفس کے زیادہ استعمال کی وجہ سے. بہرحال حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کر دیں اور جو کچھ وہ فرمائیں مجھے اس سے مطلع فرمائیں۔

عام صحت تو جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے بہت اچھی ہے مگر آواز پر اب تک کسی دوا کا اثر نہیں ہوا۔ یہ آخری دوا جو پان میں رکھ کر چبائی جاتی ہے۔ اس کا اثر بھی نہیں ہوا۔ آج اُسے کھاتے ہوئے پانچ روز ہو گئے ہیں۔ حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کیجیے کہ کوئی ایسی دوا مرحمت کریں جس کا نمایاں اثر آواز پر ہو۔ آواز جہاں تھی وہیں ہے۔ اور اب تک اس پر کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ پچھلے خط میں جو تین باتیں لکھ چکا ہوں ان کا جواب حکیم صاحب سے دریافت کر کے جلد دیجیے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ والسلام

محمد اقبال

(عکس) (مکتوبات اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور۔ ۱۳ جولائی ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم۔

پہلے لکھ چکا ہوں ٹیومر کی تھیوری خود ایکس رے نے بھی غلط ثابت کر دی ہے۔ ڈاکٹر اب کہتے ہیں گو ٹیومر نہیں ہے تاہم شاہ رگ کا پھیلاؤ ہے۔ اور یہ ایک قسم کی " ... " ہے۔ ان کی رائے میں یہ مرض خطرناک نہیں ہے۔ لیکن آواز کا نارمل حالت کی طرف عود کر آنا ان کے نزدیک بہت مشتبہ ہے ان کے علم میں اب اس کا علاج صرف یہی ہے کہ موجودہ آواز پر اکتفا کی جائے

لہ ورم

عکس: مکاتیب اقبال جلد ـ ۲

اور شاہ رگ کے مزید پھیلاؤ کو دواؤں کے ذریعہ روکنے کی کوشش کی جائے اور بس! جسٹس آغا حیدر صاحب مجھے بتاتے تھے کہ یہ بیماری یعنی شاہ رگ کا پھیلاؤ ان لوگوں کو بعض دفعہ ہو جاتی ہے جو نفس سے زیادہ کام لینے والے ہوں۔ مثلاً پہلوان اور گویّے۔ بہر حال یہ صورت حال ہے آپ حکیم صاحب کی خدمت میں مفصل عرض کر دیں۔ میری آواز میں آج تک کوئی خاص فرق نہیں ہوا۔ اس امر خاص کی طرف حکیم صاحب قبلہ کی خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ عام صحت بہت اچھی ہے بلکہ کئی سال سے ایسی صحت نہ تھی میرے لیے اب کسی ایسے نسخے کی ضرورت ہے جس کا فوری اثر آواز پر ہو تاکہ مجھے اطمینان ہو اور ڈاکٹروں کو بھی پوری شکست ہو کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ آواز کا نارمل[1] ہو جانا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

محمد اسد صاحب کو میں نے خط لکھا ہے۔ والسلام

محمد اقبال

(عکس) (مکتوباتِ اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

۱۲ جولائی ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے۔ اس سے پہلے ایک خط لکھ چکا ہوں جس میں جرّاح کے مرہم یا لیپ کا ذکر تھا۔ اس کا جواب حکیم صاحب سے دریافت کرکے لکھئے۔

دیگر عرض یہ ہے کہ دوا کا باقاعدہ استعمال ہو رہا ہے اور جیسا حکیم صاحب

---

[1] NORMAL طبعی۔

فرماتے جائیں گے عمل ہوتا جائے گا۔ اس میں تساہل نہ ہوگا۔ صبح کو ناشتہ ۷-۸ کے درمیان کرتا ہوں۔ ۱۱ بجے کھانا کھاتا ہوں۔۔۔۔[1] مگر تیتر کا ملنا اس موسم میں ناممکن ہے۔ سردا اگست سے شروع ہوگا میں نے اس کا انتظام سفیر صاحب افغانستان کی معرفت کرلیا ہے۔ پستہ کی سفائی بھی وہیں سے آنے کی باقی۔ پاپیپڑا سوڈہ میں کھا نہ سکوں گا کیونکہ مجھے اس سے کراہت آتی ہے بلکہ میں اسے پکا ہوا دیکھ بھی نہیں سکتا۔ ہواخوری کی کوشش کروں گا۔ مگر اس کی عادت پڑنا مشکل ہے کیونکہ تمام عمر میں کبھی ایسا نہیں کیا۔ حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کیجیے گا کہ مجھے نماز کا پورا پابند کرنے اور ہوا خوری کی عادت ڈالنے کے لیے آپ کے روحانی اثر کی ضرورت ہے۔

رات کو دلیا مع دودھ کھاتا ہوں۔ اگر ایسا نہ کروں تو قبض رفع نہیں ہوتی۔ زیادہ کیا عرض کروں حکیم صاحب ٹھیک فرماتے ہیں کہ نزلہ ایک مدت سے ہے اس بیماری سے پہلے بھی میرا گلا اکثر خراب رہتا تھا اور اس میں خراش رہتی تھی۔ یہ ان کا خیال بالکل درست ہے۔ صحت بالکل اچھی ہے اب صرف آواز کی وجہ سے بے اطمینانی ہے اس کے متعلق بہ روز ان کی خدمت میں عرض کرتے رہیے۔ تھوڑا سا فرق بھی ہو جائے تو سب کو اطمینان ہو جائیگا۔ والسلام۔

محمد اقبال

(مکتوبات اقبال)

(عکس)

---

[1] عکس میں کچھ الفاظ غیر واضح ہیں اس لیے پڑھے نہ جا سکے۔

(مولف)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور ۱۶ ، جولائی ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم

اُمید ہے آپ نے میرے سب خطوط حکیم صاحب کو سنا دیے ہوں گے۔ کل اتوار آپ کے خط کا انتظار تھا اُمید ہے آج ملے گا اور شاید دوا بھی اگر حکیم صاحب نے کوئی اور دوا بدل دی ہے تو۔ ایک دو امور اور دریافت طلب ہیں حکیم صاحب سے معلوم کیجئے۔

(۱) مجھ کو بعض تجربہ کار لوگوں نے ہدایت دی ہے گلے کے دونوں طرف جونک لگوائی جائے۔

(۲) جراحوں کا ایک پُرانا خاندان لاہور میں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کے پاس ایک لیپ ہے جو اس مرض کے مریضوں کے گلے پر لگایا جاتا ہے۔ میں نے ان سب لیپ کے اجزا دریافت کیے تو معلوم ہوا کہ چار قسم کے گوندوں سے بنا ہے جن کے اثر سے بلغم جل کر کافور ہو جاتی ہے۔ جراح کا بھی یہی خیال ہے کہ آواز کی خرابی نزلے کی وجہ سے ہے۔ وہ دعویٰ کرتا ہے کہ پانچ روز تک متواتر لگانے سے آواز میں بے حد ترقی ہوگی بلکہ ممکن ہے کہ بالکل اچھی ہو جائے اور پھر کسی دوا لگانے یا کھانے کی ضرورت نہ رہے۔ غرضیکہ اس کو بہت دعوٰے اس پر ہے شہر کے لوگ جو ہمارے ہمدرد ہیں مجبور کر رہے ہیں۔ میں نے سب کو یہی جواب دیا ہے کہ حکیم صاحب کے مشورے کے بغیر کچھ نہ ہوگا۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ والسلام۔ جواب جلد ملے۔

محمدؐ اقبال

(مکتوباتِ اقبال)

(عکس)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور ۲۲ جولائی ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم

آپ کی مرسلہ دوائیاں تمام پہنچ گئی ہیں۔ میں نے ایک روز مسہل لے لیا تھا۔ اس واسطے اس روز اور اس کے دوسرے روز دوا نہیں کھائی۔ آج صبح سے پھر شروع کی ہے۔ حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کردیں کہ اب ان کی عنایت سے میری صحت بہت اچھی ہوگئی ہے صرف آواز کی کسر ہے اس لیے کوئی اکسیر تجویز کیجیے۔ ممکن ہے مجھے اس ماہ کے اندر اندر انگلستان جانا پڑے۔ اس واسطے میں ان کی خاص توجہ کا طالب ہوں۔

تازہ انجیر کا انتظام ہوگیا ہے۔ ہر روز ملتان سے آجاتی ہے اور انجیر بھی نہایت عمدہ۔ کابل اور قندھار کی انجیروں سے بھی بہتر۔ سردہ کا انتظام بھی ہوگیا ہے مگر وہ اگست میں کابل سے آنا شروع ہوگا۔ اور انشاء اللہ ہر ہفتہ آیا کرے گا۔

محمد اسد صاحب سے کہیے کہ کالج کمیٹی منگل کے روزان کے معاملے کا فیصلہ کرے گی۔ میں نے خلیفہ شجاع الدین سیکریٹری کمیٹی سے کہہ دیا ہے کہ فیصلہ سے ان کو مطلع کردیں۔ والسلام

محمد اقبال

(مکتوباتِ اقبال)

(عکس)

راغب احسن کے نام

لاہور۔ ۲۲ جولائی ۳۴ء

ڈیر راغب صاحب

السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے۔ جس کے لیے شکریہ قبول فرمائیے اور میرے لیے دعا فرمائیے۔ بھائی رحیم بخش صاحب سے دریافت کر کے مجھے مطلع فرمائیے کہ اسمبلی کے متعلق انھوں نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ اس آگاہی کی جلد ضرورت ہے۔

مولوی شفیع داؤدی صاحب نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ لاہور تشریف لائیں گے مگر معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مصروفیتوں نے انھیں ادھر کے سفر کی اجازت نہیں دی۔ گرمی بھی ادھر کی شدید جس سے مولوی صاحب نے خوف کھایا ہو گا۔ میرا قصد شملہ آنے کا ستمبر میں ہے کیونکہ اس وقت وہاں بارش کا موسم ہے مگر اس وقت شاید مولوی صاحب وہاں نہ ہوں گے کیونکہ اسمبلی کا اجلاس غالباً اگست کے آخر میں ختم ہو جائے گا۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

ممکن ہے میں ستمبر میں بھی نہ آسکوں اس واسطے مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کر دیجئے کہ وہ اسمبلی کے اجلاس کے اختتام پر ایک آدھ روز کے لیے لاہور تشریف لے آئیں۔ بہتر ہوتا کہ وہ شملہ جاتے ہوئے مجھ سے مل لیتے کیوں کہ بعض امور جن کے متعلق اُن سے گفتگو کرنا تھی، ضروری ہیں فقط

محمد اقبال

(اقبال: جہانِ دیگر)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم۔

آپ کا خط مل گیا ہے۔ الحمدللہ خیریت ہے۔ اگر میری آواز اپنی اصلی حالت پر عود کر آئی تو میں اپنی اس بیماری کو خدا کی رحمت تصور کروں گا۔ کیونکہ اس بیماری نے حکیم صاحب سے وہ ادویہ استعمال کرنے کا موقع پیدا کیا جنھوں نے میری صحت پر ایسا نمایاں اثر کیا ہے۔ تمام عمر میں میری صحت ایسی اچھی نہ تھی جیسی اب ہے۔

چودھری صاحب[1] کو بھی ان گولیوں نے بڑا فائدہ کیا ہے جو حکیم صاحب نے ان کو دی تھیں۔ ان کی تمام شکایات رفع ہو گئی ہیں۔

مجھ کو اب صرف آواز کی وجہ سے بے اطمینانی ہے اور بس۔

آپ کو یاد ہو گا ایک دفعہ میں شیخ غلام صابر ٹھیکیدار کے ہاں قرول باغ میں ٹھہرا تھا۔ میں نے سنا ہے ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا ہے جس سے مجھ کو بہت افسوس ہوا۔ مرحومہ بچے چھوڑ گئی ہے اور یہ بڑے درد و سوز کی بات ہے۔ میری طرف سے آپ شیخ صاحب موصوف کی خدمت میں جا کر اظہارِ افسوس کریں۔ غالباً قرول باغ میں ہی ہیں۔ محمد اسد صاحب سے کہہ دیں کہ کالج کمیٹی کی میٹنگ منگل کی بجائے جمعرات کو ہو گی جو فیصلہ ہو گا اس سے اُن کو مطلع کیا جائے گا۔ حکیم صاحب کی خدمت میں بہت بہت سلام کہیے۔

انگلستان جانا ابھی یقینی نہیں ہے۔ اگر یقینی ہو گیا تو آپ کو مطلع کروں گا بلکہ ایک روز دہلی میں بھی ٹھہروں گا اور حکیم صاحب سے مفصل ملاقات کرنے کے بعد آگے جاؤں گا۔ آپ نے لیکچروں کی طباعت کے

---

[1] چودھری محمد حسین۔

متعلق بھی کچھ نہیں لکھا۔ اگر آپ جامعہ سے بہتر شرمز ملتے ہیں تو فیصلہ کر کے طباعت کے لیے ان کو دے دینے چاہئیں۔ والسلام۔

محمد اقبال ۲۳ جولائی ۳۴ء

(عکس) (مکتوباتِ اقبال)

محمود خاں محمود[1] کے نام

افسوس کہ میں علالت کے باعث آپ کے خط کا جواب نہ دے سکا۔ ابھی تک علالت کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ کی کتاب نہایت مفید ہے اور مجھے امید ہے کہ اہلِ ملک اس کی قدر کریں گے۔ وقت آگیا ہے کہ ہندوستان کی مسخ شدہ تاریخ دوبارہ لکھی جائے تاکہ آئندہ نسلیں گمراہی سے بچیں۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

(دانائے راز دیارِ دکن میں)

---

[1] محمود خاں محمود شاعر بھی تھے اور نثر نگار بھی مدیر اور صحافی بھی۔ لیکن مورّخ کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ ۱۹۲۹ء میں جب آپ نے اپنا ٹیپو پر لکھا مقالہ اقبال کی نظروں سے گزرا تو دانائے راز نے جو کچھ فرمایا اس کے متعلق اپنے ایک خط میں (بنام پروفیسر حبیب النسا) لکھتے ہیں۔

"میں اخبارات میں مضامین نہ لکھوں۔ ان سے ہنگامی اور سستی شہرت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ مگر کتابیں خصوصاً تاریخ، جس کا شوق ہے لکھوں تو دوامی شہرت حاصل ہو سکتی ہے۔ میں نے اس نصیحت پر عمل کیا۔" تاریخ سلطنت خداداد پر مواد جمع کرنا اور لکھنا شروع کر دیا۔ ۱۹۳۴ء میں پہلا ایڈیشن شائع ہوا۔

ڈاکٹر اقبال کی خدمت میں یہ کتاب پہنچی تو آپ نے ۲۵ جولائی ۳۴ء کو یہ خط تحریر فرمایا۔

(سلیم تمنائی)

۱۸۔ایڈورڈ تھامپسن کے نام

ذاتی اور بصیغہ راز

لاہور

۲۶ جولائی ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر تھامپسن

آپ کے خط کا بہت بہت شکریہ جس کے ہمراہ قرطاس ابیض پر سرہنری لارنس کا آرٹیکل ملفوف ہے۔ براہ کرم میری جانب سے ان کا شکریہ ادا کر دیجئے۔ مجھے ذرا بھی شبہ نہیں کہ سرہنری نے بہت سے ایسے نکات کو سمجھا ہے جن کی طرف ان کے اہل وطن نے اس سے قبل توجہ نہیں دی تھی۔ ان کی تجاویز ہندوستان کے باشندوں کو ایک حقیقت بنانے کی مخلصانہ کوشش ہیں۔ میں ان تجاویز سے صوبوں کی تعداد کی حد تک پورا اتفاق کرتا ہوں۔ مسلم کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے سندھ کی علیحدگی کی حمایت میرا فرض تھا۔ ذاتی طور پر میرا ہمیشہ سے یہ یقین رہا ہے کہ شمال مغربی ہندوستان کے تین صوبہ جات کا متحد ہونا انگلستان ہندوستان اور اسلام کے لیے بے انتہا سود مند ہوگا۔

لیکن آپ جانتے ہیں کہ میں جمہوریت کا قائل نہیں۔ بہر حال جمہوریت کی جانب قدم بڑھایا جا چکا ہے جو میری رائے میں مہلک ہے۔ اب ہمیں اپنے آپ کو معاشی بربادی، سیاسی افراتفری اور ہندومت کے زوال کے لیے تیار کر لینا چاہیئے جو اس طویل وعریض غیر منظم اور ننگے بھوکے ملک میں جمہوری نظام کے قیام کے نتائج ہوں گے۔ کوئی قرطاس ابیض ہمیں ہندوستان میں ہوس اقتدار میں گرفتار سیاست دانوں کے ہتھکنڈوں سے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ جن کی پیش کردہ ہندوستان

کی تصویر نے ملک کے اندر اور باہر بہتیرے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ مغرب کے حالات میں آتش فشاں پھٹنے کے آثار ہیں۔ میں اُسے اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں۔ ہندوستان میں آتش فشاں کا لاوا حال ہی میں ابل چکا ہے۔ اس سے کسی کو ضرر نہیں پہنچا۔ موجودہ حالات کی نوعیت یہ ہے کہ شہری ہندو آپس میں دست و گریباں ہیں۔ غریب دیہاتی باشندوں کو معلوم نہیں کہ ملک میں کیا ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کا اتحاد مقابلتہً بہتر ہے۔ لیکن ان کے بیشتر رہنما اوسط درجے کے لوگ ہیں۔ جن کو مستقبل میں مشرق و مغرب کے تعلقات کا دانشمندانہ ایقان نہیں ہے ان کا رویہ محض ذاتی اور نجی فوائد کی بنا پر بنتا ہے اور ان کا فوری مقصد صرف انگلستان کی موجودہ مشکلات کا استحصال کرنا ہے۔ اگر میں دونوں گول میز کانفرنسوں کے بارے میں اپنے تاثرات رقم کروں جن میں میں نے شرکت کی تھی تو مجھ کو اپنے ہم وطنوں اور ہم مذہبوں نیز آپ کے ہم وطنوں سے متعلق نہایت ناخوشگوار باتیں کہنا پڑیں گی۔ جن میں سے بعض حضرات نے تخیل اور ہمت کے غیر معمولی فقدان کا مظاہرہ کیا۔ میرا یقین محکم ہے کہ انگلستان میں موجودہ برسر اقتدار پارٹی ہندوستان کے حالات سے نبرد آزما ہونے میں ناکام رہی ہے لیکن یہ محض ایک شاعر کے خیالات ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ شاعر بے عمل سمجھے جاتے ہیں کہ وہ خیالی پلاؤ پکاتے رہتے ہیں اور نرے نکھٹو ہوتے ہیں۔

جہاں تک میرا تعلق ہے میں آئندہ ہونے والے انتخابات میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہا ہوں۔ ہز ہائی نیس آغا خاں نے اصرار کیا کہ میں کانفرنس کا صدر رہوں لیکن اپنے بعض بہتر بن لوگوں کی کارگزاریوں کو دیکھنے کے بعد میں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا کچھ تو اس احساس بغاوت کی وجہ سے جو میرے دماغ میں ابھرا اور کچھ اس لیے کہ میرے گلے کی تکلیف

میں گزشتہ پانچ ماہ کے طبی علاج سے کوئی افاقہ نہیں ہوا ہے۔ یہاں کے ڈاکٹر وینا، VIENNA ، میں معالجہ کرانے کی رائے دیتے ہیں لیکن مجھ ایسے غریب آدمی کے لیے اس کے اخراجات کا متحمل ہونا دشوار ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ۱۹۳۵ء میں رہوڈز لیکچر دینا میرے لیے ممکن ہو سکے گا۔ لیکن میں چند روز اور انتظار کروں گا پھر لارڈ لوتھین کو اس بارے میں لکھوں گا۔ میرا اردو مجموعہ کلام جلد ہی پریس کو جائے گا۔ مجھے معلوم نہیں کہ آپ اردو پڑھ لیتے ہیں یا نہیں۔ اگر آپ پڑھ سکتے ہیں تو ایک نظم "یعنی خدا کے حضور میں" آپ کی دل چسپی کا باعث ہوگی۔ ایک مختصر فارسی نظم "مسافر" زیرِ طباعت ہے اس میں میرے سفرِ افغانستان کا حال درج ہے اور اس ملک کے نوجوان بادشاہ کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔

نیک خواہشات اور سر ہنری لارنس سے آداب کے ساتھ!

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے) (اقبال — ان کے سیاسی نظریات چوراسے پر)

فقیر سید وحید الدین کے نام[1]

ڈیر وحید، آپ کا خط مل گیا ہے

---

[1] فقیر سید وحید الدین کے نام علامہ اقبال کا صرف ایک ہی خط دستیاب ہے۔ اس خط کا پس منظر بیان کرتے ہوئے، مکتوب الیہ کو لکھتے ہیں، "میں ایک ضروری کام کے سلسلے میں بمبئی جا رہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہوا تو مجھے بلا کے کہا کہ رفیق غزنوی نے میری چند غزلیں ہز ماسٹرز وائس پر ریکارڈ کرائی ہیں ان سے مل کر ذرا یہ معلوم کرنا کہ وہ کون سی غزلیں ہیں۔ میں نے بمبئی پہنچ کر اس سلسلے میں معلومات حاصل کیں اور ڈاکٹر صاحب کو خط لکھا۔ غالباً جو معلومات میں نے بہم پہنچائی تھیں، وہ نامکمل تھیں اس لیے انھوں نے مجھے درج بالا خط لکھا: (روزگارِ فقیر، حصہ اول ص ۶۰) (رفیع الدین ہاشمی)

معلوم یہ کرنا ہے کہ وہ غزل یا غزلیں کون سی تھیں جو رفیق صاحب نے گائیں ان کا ایک ایک مصرع ان سے لکھوا بھیجئے ان کے خط میں غزل کا نشان درج نہیں ہے۔ والسلام

۲۷ جولائی ۱۹۳۴ء محمد اقبال

(عکس) (خطوط اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

۲۷ جولائی ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے الحمدللہ کہ خیریت ہے۔

صحت بے شک بہت اچھی ہے مگر افسوس ہے کہ آواز میں مطلق کشائش نہیں ہوئی۔ دوا اتوار کے روز شروع کی تھی۔ آج جمعہ ہے یعنی چھ روز ہوگئے۔ حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کر دیجئے زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے کہ حکیم صاحب کی خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ جہاں تک آواز کا تعلق ہے ابھی تک کوئی دوا کارگر نہیں ہوئی۔ لیپ کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا۔

محمد اقبال

(عکس) (مکتوبات اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

۲۸ جولائی ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم

میں کل آپ کو لکھ چکا اور خط ڈاک میں ڈال چکا تو دو ایک باتیں یاد آئیں۔

حکیم صاحب کی خدمت میں اول تو یہ عرض کیجیے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ دوائی

کا کوئی خاص اثر آواز پر نہیں ہوتا۔ اب تک آواز بدستور ہے اور کوئی کشائش اس میں نہیں ہوئی۔ چھینک دو چار دفعہ دن میں آتی ہے اور اس سے ریلیف بھی ہوتا ہے۔ بلغم بھی کچھ خارج ہوتا رہتا ہے مگر آواز پر اثر نہیں ہوتا۔

پہلے روح الذہب دیا جاتا تھا۔ اس سے بہت فائدہ ہوا۔ کیا اب حکیم صاحب نے اس کا دینا بند کر دیا ہے؟

کیا یہ ممکن نہیں کہ دواؤں کی تعداد گھٹا دی جائے اور چار پانچ دواؤں کی جگہ صرف ایک یا دو ہوں!

لیپ کی دوا استعمال کر رہا ہوں اس سے تو کوئی خاص فائدہ مرتب نہیں ہوا۔ ممکن ہے کوئی اور قوی ترکیب ہو جس کا اثر ہو۔ اور جس کی وجہ سے کسی قسم کے دانے یا پھنسی گلے پر نہ نکلے۔ اس لیپ سے بھی کوئی دانہ وغیرہ نہیں نکلا۔ تاہم موثر بھی نہیں ہے۔

یہ جو کچھ میں نے لکھا ہے اپنے خیال کے مطابق لکھا ہے۔ حکیم صاحب قبلہ میرے مزاج اور مرض کو مجھ سے بہتر پہچانتے ہیں۔ وہ جس طریق پر چل رہے ہیں وہی بہتر ہوگا۔ میں نے صرف اپنا خیال ظاہر کیا ہے جو ممکن ہے بالکل غلط اور ناقابلِ عمل ہو۔ مختصر یہ کہ آواز کے لیے خاص زود اثر دوا کی ضرورت ہے۔

محمد اسد صاحب سے کہہ دیجیے کہ کالج کمیٹی نے ان کا تقرر منظور کر لیا ہے۔ امتحاناً چھ ماہ کے لیے ان کی تنخواہ مقرر کرنے کا اختیار انھوں نے یعنی کالج کمیٹی نے مجھ کو دیا ہے یہ کمیٹی کی طرف سے باقاعدہ اطلاع آنے پر میں ان کو خط لکھوں گا۔ میرے خیال میں ان کو کم تنخواہ پر بھی یہ جگہ قبول کر لینی چاہیے کیونکہ اس جگہ کے امکانات بہت ہیں۔ والسلام

محمد اقبال

(مکتوباتِ اقبال)

(عکس)

مس فارک ہرسن کے نام

لاہور

۲۸ر جولائی ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر مس فارک ہرسن!

دونوں عنایت ناموں کے لیے جو پے بہ پے تازہ اور گزشتہ ڈاک سے موصول ہوئے ممنون ہوں۔ افسوس ہے میں اب تک علیل ہوں۔ مجھے گلے کی تکلیف ہے جس نے گزشتہ پانچ ماہ سے ڈاکٹری علاج کو وقف ناکامی کر رکھا ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ کوئی صدری پیچیدگی ہے اور وائنا میں علاج کا مشورہ دیتے ہیں۔ یہ بڑی ہی شومئی قسمت ہے۔ حیران ہوں کہ ۱۹۳۵ء میں انگلستان میں اپنی مصروفیات سے کیونکر عہدہ برآ ہو سکوں گا۔ اگر میرے ذرائع اس کے متحمل ہوئے تو وائنا میں چار پانچ ماہ قیام رہے گا۔ اس وقت ایک تجربہ کار دہلوی حکیم کے زیر علاج ہوں۔ وہ جلد صحت یابی کی اُمید دلاتے ہیں۔ کچھ دیر اور اُن کا علاج کروں گا۔ اگر ان کا علاج ناکام رہا تو لارڈ لوتھین کو خطبات کے التوا کے لیے لکھوں گا مجھے اندیشہ ہے کہ یہ ان کے لیے پریشانی کا موجب ہوگا۔ لیکن کوئی چارۂ کار نظر نہیں آتا۔ بول تو سکتا ہوں لیکن نہایت مدھم آواز میں۔ مقدمات کی پیروی اور جلسوں کی تقریر دونوں سے قاصر ہوں۔ میری بیوی اور بچوں کو اس صورت حال سے شدید پریشانی لاحق ہے۔ مجھے ہمیشہ آپ کی پاک باطنی پر یقین رہا ہے میرے لیے دعا فرمائیے۔

ہندوستانی مسلمان عربوں کے لیے آپ کی خدمات کو بہ نظر ستائش دیکھتے ہیں۔ گزشتہ ہفتہ لارڈ ازلنگٹن کا خط اخبارات میں بھیج دیا گیا۔ انگلستان میں مسلم سنٹر کے قیام کی تجویز نہایت اعلیٰ ہے اور مجھے یقین کامل ہے کہ

نظام بخوشی اس مسئلہ میں آپ کا ساتھ دیں گے۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ ملک معظم کی جوبلی کے سلسلہ میں انگلستان آرہے ہیں۔ امید ہے آپ کو ان سے ملاقات کا موقع ملے گا اور آپ اس عظیم الشان تحریک کی غایت اُن پر بالمشافہ واضح کرسکیں گی۔ مجھے یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ نواب رام پور اور صاحب زادہ عبدالصمد صاحب سے آپ کی ملاقات ہوئی صاحب زادہ صاحب میرے دوست اور نہایت عمدہ آدمی ہیں۔ نواب بھوپال بھی انگلستان میں ہیں۔ کیا آپ کی ان سے ملاقات ہوئی۔ اگر نہ ملی ہوں تو اُن سے ضرور ملیے۔ ملک معظم کی جوبلی کے سلسلہ میں تمام والیان ریاست ہائے ہند انگلستان میں ہوں گے۔ اگر اس وقت میں بھی انگلستان پہنچ گیا تو اس کارِ عظیم میں آپ کی ہر ممکن اعانت سے دریغ نہ کروں گا۔ شیخ اصغر علی صاحب کا پتہ آپ کے خط سے ملا ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ کہیں یورپ میں ہیں۔ کئی ماہ ہوئے انھیں ایک خط بھی لکھا تھا لیکن جواب نہ ملا۔ شاید میرا خط ان تک نہ پہنچا ہو۔

بہترین تمناؤں اور دلی احترام کے ساتھ

مخلص

محمدؐ اقبال

تحریر ما بعد:

سر ہنری لارنس نے قرطاس ابیض کی تجاویز پر ایک نہایت عمدہ کتابچہ شائع کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یورپ میں طوفان پل رہے ہیں۔ ڈاکٹر ڈالفس کا قتل ایک خطرناک علامت ہے۔

(اقبال نامہ)

(انگریزی سے)

سید یامین ہاشمی کے نام

مکرم بندہ۔ السلام علیکم

میں نے آپ کی تعمیل ارشاد میں آپ کے پہلے شعر کی اصلاح اپنے خیال ناقص میں کر دی ہے۔ مگر مضمون کے اعتبار سے باقی اشعار کا ٹون اس شعر سے مختلف ہے اور بحیثیت مجموعی آپ کے اشعار کا رنگ عجمیت میں ڈوبا ہوا ہے۔ زمانۂ حال میں عجمیت سے اجتناب لازم ہے۔ اس وقت مسلمان کا فرض ہے کہ جو قوت خدا تعالیٰ نے اسے عطا کی ہے اسے اسلام کی خدمت اور اقوام و ملل اسلامیہ کے احیا و بیداری میں صَرف کرے۔ میری رائے میں عجمیت ایشیا کے مسلمانوں کی تباہی کا باعث ہوئی ہے اس وقت اس باطل کے خلاف جہاد کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ عجمیت کا اثر مذہب لٹریچر اور عام زندگی پر غالب ہے۔ شاید عربوں اور افغانوں کے سوا تمام اقوام اسلامیہ اس زہر سے خطرناک طور پر متاثر ہو چکی ہیں۔

شعرائے عرب سے میری مراد شعرائے زمانہ جاہلیت اور زمانہ بنواُمیّہ ہیں۔ عباسیوں کے عہد میں عجمیت عرب کے لٹریچر پر غالب آ گئی تھی۔ اس زمانے کی شاعری کا مطالعہ کچھ زیادہ مفید نہیں خصوصاً ان لوگوں کے لیے جو ایک لٹریری آئیڈیل کی تلاش میں ہوں۔

دیگر یہ عرض ہے کہ مری صحت اچھی نہیں۔ نقرس کی شکایت ہے اس واسطے بہت کم خط و کتابت کرتا ہوں اور اوروں کی اصلاح سے اصولاً اجتناب کرتا ہوں۔ خیالات کا اثر خط و کتابت سے نہیں ہوتا اس کے لیے صحبت ضروری ہے۔ باقی رہی زبان اردو اور فن شاعری سو ان سے مجھے کوئی سروکار نہیں۔ میرے مقاصد شاعرانہ نہیں بلکہ مذہبی اور اخلاقی ہیں اس واسطے فن شعر کی اصلاح کے لیے آپ کو کوئی موزوں تر آدمی تلاش

کرنا چاہیے۔ میں اس میدان کا مرد نہیں ہوں۔ والسلام

محمد اقبال لاہور

۳۰ رجولائی ۳۴ء

میرے خیالات کے لیے مندرجہ ذیل کتابیں دیکھیے۔

[illegible]

ان کتب کے علاوہ اور مضامین جو امریکہ و یورپ کے اخباروں اور رسالوں میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے ہیں۔

محمد اقبال

(انوارِ اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

۳۰ رجولائی ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا جس میں ایک ذرا سی پُڑیا بھی تھی۔ کھولا تو اس میں بجائے دوا کے ایک گولی جو جواہر مُہرہ کی نکلی۔ اس واسطے واپس ارسالِ خدمت کرتا ہوں تاکہ حکیم صاحب سے ایک اور گولی لے کر اس کو پان میں چبانے کی دوا کے ساتھ ملوائیں اور پھر مجھے ارسال کریں۔ اس کے علاوہ جو خط میں نے کل ڈاک میں ڈالا ہے اس کا مضمون بھی آپ کو اور حکیم صاحب کو معلوم ہو جائے تو بہتر ہے۔ ممکن ہے حکیم صاحب کوئی اور تبدیلی بھی کر لیں۔

قبض کی اب مجھے شکایت نہیں قبض دور ہو گیا کوئی شکایت باقی نہیں ہوائے آواز کی شکایت کے۔

مسٹر محمد اسد کے متعلق لکھ چکا ہوں اُن کا خط بھی آج آیا ہے۔ میرا پیغام ان تک پہنچا دیں جس میں میں نے کالج کمیٹی والے فیصلے کی اطلاع دی ہے کمیٹی نے ان کے حق میں فیصلہ کیا ہے یعنی ان کو ملازم رکھنے کا فیصلہ کیا ہے اور مجھ کو اختیار دیا ہے کہ میں ان کی تنخواہ مقرر کر دوں۔ ابھی تک میرے پاس باقاعدہ اطلاع کمیٹی کی طرف سے نہیں آئی۔ مولوی غلام محی الدین صاحب سیکرٹری انجمن سے زبانی سنا ہے باقاعدہ اطلاع آنے پر میں ان کو خود لکھوں گا۔ فی الحال میں ان کو صرف اسی قدر مشورہ دیتا ہوں کہ کچھ تنخواہ پر بھی اس جگہ کو قبول کر لیں۔ وہ ۳۵۰ روپیہ ماہوار پر راضی ہیں مگر کالج کے فنڈ ابھی اس تنخواہ کی شاید اجازت نہیں دیتے وہ خود اس میں کر دیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر آیندہ چھ ماہ میں انھوں نے تعلیم دین کو عمدگی کے ساتھ منظم کیا تو انجمن ان کی تنخواہ بڑھا دے گی میرے خیال میں وہ فی الحال ۲۵۰ روپیہ ماہوار قبول کریں۔ اگر یہ ناممکن ہے تو مجھے اطلاع دیں۔ اگر مجوزہ رسالہ بھی وہ نکالتے ہیں تو ممکن ہے اس سے ان کی آمدنی میں اضافہ ہو۔ والسّلام

محمد اقبال

(مکتوباتِ اقبال) (عکس)

۱؎ یہ خط اگرچہ بے تاریخ ہے، لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ۱۲ جولائی کو لکھا ہو گا۔

(سید نذیر نیازی)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم۔ اس سے پہلے خطوط لکھ چکا ہوں یہ پوسٹ کارڈ محض یہ بات یاد دلانے کے لیے لکھتا ہوں کہ دوا ہفتہ یا اتوار کے روز یعنی ۴ یا ۵ اگست کو ختم ہو جائے گی۔ والسلام۔

محمد اقبال

۳۱ جولائی ۳۴

(عکس، مکتوبات اقبال)

عظمت الٰہی زبیریؒ کے نام

لاہور،

۳۱ جولائی ۱۹۳۴ء

جناب من

آپ کے خط کا شکریہ۔

میں ان دنوں گلے کی خرابی میں مبتلا ہوں اور میرے لیے سفر کرنا مشکل ہے۔

ؒ ۱۹۳۴ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں ریڈر اور لیکچرر کی اسامیاں خالی ہوئیں ان اسامیوں پر تقرر ایک سلکشن کمیٹی کو کرنا تھا۔ یونیورسٹی نے علامہ اقبال کو بھی سلکشن کمیٹی کا ممبر نامزد کیا۔ یونیورسٹی کے رجسٹرار عظمت الٰہی زبیری نے اقبال کے نام ایک مراسلہ بھیجا اور سلکشن کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے کام کرنے کی درخواست کی۔ جواباً حضرت علامہ نے زبیری صاحب کو یہ مکتوب ارسال کیا۔

رجسٹرار نے یونیورسٹی کے پرو وائس چانسلر آر۔ بی۔ رمبوتھم اور وائس چانسلر نواب محمد اسماعیل خاں کی منظوری کے بعد امیدواروں کی فہرست مع تفصیلی کوائف علامہ اقبال کی خدمت میں ارسال کی۔ (رفیع الدین ہاشمی)

تاہم اگر آپ مجھے (علی گڑھ آنے سے) مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے امیدواروں کے نام، ان کی تعلیمی استعداد اور ان کی ادبی سرگرمیوں کی تفصیلات سے آگاہ کر دیں تو میں آپ کو اپنی رائے لکھ بھیجوں گا۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر مجھے خدشہ ہے کہ آپ کو اس وقت تک منتظر رہنا پڑے گا جب تک میری طبیعت سفر کے قابل نہیں ہو جاتی۔ امید ہے اختتام اگست (۱۹۳۴ء) تک میری طبیعت بحال ہو جائے گی۔

آپ کا صادق
محمدؐ اقبال
(صحیفۂ اقبال) (انگریزی سے)

محمد طاہر فاروقی کے نام

مکرمی، السلام علیکم!

میں کچھ عرصے سے علیل ہوں[1]۔ ناسازیٔ طبع کے باعث سفر کا ارادہ ملتوی کر چکا ہوں[2]۔ آپ کا قصد ہے تو جائیں۔ تنصل جنرل ایران سے خط و کتابت کر کے جزئیات معلوم کر لیں۔

نیازمند
محمدؐ اقبال
(خطوطِ اقبال)

---

[1] علامہ اقبال کی طویل علالت کا آغاز ۱۰ جنوری ۱۹۳۴ء بروز عید الفطر کو ہوا، جس کے نتیجے میں ان کی عملی زندگی معطل ہو کر رہ گئی (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "علامہ اقبال کی آخری علالت" از سید نذیر نیازی مشمولہ رسالہ "اردو" اقبال نمبر ۱۹۳۸ء ص ۲۸۹ ـ ۳۴۳)

[2] فاروقی صاحب بھی جشنِ فردوسی میں شریک نہ ہو سکے۔ (بقیہ اگلے صفحے پر)

ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ حیدر آبادی کے نام

لاہور
ار اگست ۱۹۳۴ء

محترم بندہ ڈاکٹر عباس علی خاں صاحب

تسلیم! آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا۔ آپ کی طویل علالت کی خبر سن کر مجھے افسوس ہوا، نارو کا مرض واقعی بہت تکلیف دہ ہوتا ہے صفائی کا خیال رکھیے۔ یہ اپنی مقررہ مدت پر اچھا ہوتا ہے۔ خدا سے امید ہے وہ

(بقیہ پچھلے صفحے کا) خط کا پس منظر بیان کرتے ہوئے فاروقی صاحب لکھتے ہیں "جب حکومت ایران نے فردوسی کی ہزار سالہ جوبلی منانے کا اعلان کیا تو علامہ اقبال مرحوم کو بھی دعوت دی تھی۔ میں اس زمانے میں حلم مسلم ہائی سکول کانپور میں ہیڈ مولوی تھا دل چاہتا تھا کہ کسی کا ساتھ نصیب ہوجائے تو میں بھی اس موقع پر ایران ہو آوں۔ علامہ مرحوم سے بہتر اور کس کی ہمرکابی ہو سکتی تھی اس لیے میں نے مرحوم کو خط لکھا اور اپنے ارادہ کا اظہار کیا علامہ ان ایام میں علیل تھے پھر بھی آپ نے جلد جواب دیا" (سیرتِ اقبال ص ۱۲۷، ۱۲۸)

خط پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے مگر اندازہ ہے کہ ۱۹۳۴ء کے وسط (جولائی اگست) میں لکھا گیا ہوگا۔ کیوں کہ فردوسی کا جشن ۲۱ تا ۳ ستمبر ۱۹۳۴ء کو منایا گیا

(الف) اصل خط فاروقی صاحب سے تلف ہوگیا۔ اس کی ایک نقل محفوظ رہ گئی جو پہلی بار "سیرتِ اقبال" (ص ۱۲۸) میں شائع ہوئی۔

(ب) "سیرتِ اقبال" کے حوالے سے قاضی افضل حق قرشی نے اسے "صحیفہ" اقبال نمبر، حصہ اول (ص ۲۰۷) میں نقل کیا۔

(رفیع الدین ہاشمی)

بہت جلد آپ کو شفایاب فرمائے گا۔

اتنی سخت علالت میں آپ کے مشاغل نہایت قابلِ مبارکباد ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ عقل و حواس پر قابو پا رہے ہیں۔ تکلیف اور خوف کا احساس آپ سے دور ہو رہا ہے۔ ماشاءاللہ۔ اس کا اپریشن نہ کرائیں ورنہ پیر کا معاملہ ہے۔ میں نے لاہور کے ایک حکیم صاحب سے دریافت کیا ہے۔ آپ یہ علاج ضرور کیجیے۔ ۳ ماشہ ہینگ کو پیاز میں رکھ کر گرم کر لیجیے۔ اس کے بعد روزانہ کھا لیجیے۔ صرف ۳ دن استعمال کریں تیل اور ترشی وغیرہ کا پرہیز ہے۔

جس جگہ نارو ہے اس پر چنبیلی کے پھول روزانہ شب میں باندھ لیں انشاءاللہ جلد صحت یابی ہو جائے گی۔

آپ کی نارو والی نظم بہت دلچسپ ہے۔ باقی خیریت ہے خدا حافظ

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

نارو سے متعلق نظم ذیل میں درج ہے

نارو کے درد کا بھی عطیہ ہمیں ملا
یہ درد کیا ہے تارِ محبت کا سلسلہ
ہے سوز اس میں آتشِ نمرود کا نہاں
سوزش بھی اس کی سود محبت کی ہے زباں
نارو کا تار عشق کی زندہ مثال ہے
پیچیدگی میں اس کی قیامت کی چال ہے
بچپن سے جو کہ آتشِ نمرود میں پلا
خائف وہ درد سے کہیں نارو کے بھی ہوا

ڈاکٹر لمعہ

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم

آج دوا کا انتظار تھا مگر نہیں ملی امید ہے کل مل جائے گی۔ کل پرسوں سے آواز پھر کچھ رو بصحت معلوم ہوتی ہے۔ مجھ کو یقین ہے کہ جواہر مہرہ ضرور مفید ثابت ہوگا۔ حکیم صاحب قبلہ سے یہ بھی دریافت کیجئے کہ جواہر مہرہ کے اجزا کیا کیا ہوتے ہیں۔ دیگر خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ امید ہے کہ آپ بھی اچھے ہوں گے۔ عابد صاحب کا خط آیا تھا ان کا شکریہ ادا کر دیجئے میرا انگلینڈ جانا ابھی یقینی نہیں ہوا۔ غالباً نہ جاؤں گا۔ والسلام

محمد اقبال ۲ اگست ۳۴ء
لاہور

(مکتوبات اقبال)
(عکس)

رجسٹرار علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نام

لاہور
۲ اگست ۱۹۳۴ء

جنابِ من

آپ کے خط اور منسلک کاغذات کا شکریہ۔ شرائط اہلیت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دو آسامیاں ہیں ایک ریڈر کی اور دوسری لیکچرار کی۔ اول الذکر ایک طرح سے اعلیٰ تر جگہ ہے۔ آپ کے خط میں صرف ایک آسامی کا ذکر ہے۔ میں ممنون ہونگا اگر آپ مندرجہ ذیل سوالات کے جواب لکھ بھیجیں اس سے قبل کہ میں حتمی طور پر اپنی رائے قائم کروں۔

(۱) ریڈر کے اصل میں فرائض کیا ہیں؟

(۲) لیکچرار کے فرائض کیا ہیں؟

(۲) کیا ان آسامیوں کے لیے انگریزی جاننا ضروری ہے ؟

(۱) اور (۲) سے میرا منشا فرائض کی نوعیت معلوم کرنا ہے جو ان سے سرانجام دینے کو کہا جائے گا۔

آپ کا مخلص
محمدؐ اقبال

پس نوشت :- براہ کرم فوراً جواب دیں۔

انگریزی سے ، (صحیفۂ اقبال)۔
(عکس ،
(غیر مدون ،

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا مرسلہ پارسل دوا کا مل گیا ہے۔ اس میں جو خط تھا وہ بھی میں نے پڑھ لیا ہے۔ حسب ہدایت عمل ہوگا۔ انشاءاللہ۔ میں اس سے پہلے لکھ چکا ہوں کہ آواز اب ایک دو روز سے رو بصحت معلوم ہوتی ہے۔ امید کہ اس دوا سے مزید فائدہ ہوگا۔ آپ نے لکھا ہے کہ وسط ناشتہ میں جو دوا کھائی جائے وہ گھلا کر کھائی جائے۔ معلوم نہیں گھلا کر کھانے سے آپ کا کیا مطلب ہے۔ پہلے تو میں ناشتہ کے درمیان چائے کے ایک گھونٹ کے ساتھ نگل لیا کرتا ہوں۔ شاید گھلا کر کھانے سے آپ کا مطلب یہ ہے کہ گولی کو منہ میں کچھ دیر رکھا جائے ؟ حتیٰ کہ گھل کر خود بخود حلق سے اتر جائے یہ مفصل لکھیے کہ آپ کا مطلب کیا ہے ؟ یہ پھر تحریر فرمائیے کہ آیا جواہر مہرہ بھی ان دواؤں میں ڈالا گیا ہے یا نہیں ؟ نیز اس کے اجزا کیا ہیں۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں سلام عرض کریں والسلام۔

علی بخش ٹکٹ اِرسال کرے تو مضائقہ نہ سمجھیے۔ وہ سلام کہتا ہے۔
محمدؐ اقبال لاہور۔ ۴ اگست ۲۴

(عکس) (مکتوبات اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔ پہلے خط لکھ چکا ہوں۔
آج صبح سے دوا شروع کی ہے مگر اُس وقت ۴ بجے شام ہے۔ میرا بدن لوٹ رہا ہے۔ بخار کی آمد آمد ہے۔ چونکہ سردی محسوس ہوتی ہے اس واسطے معلوم ہوتا ہے ملیریا ہے۔ حکیم صاحب قبلہ کو مطلع کریں اور پوچھیں کہ اگر بخار جاری رہے تو اس کے ساتھ دوا جاری رہے یا ترک کر دی جائے۔ نیز یہ بھی دریافت کریں کہ کونین کھاؤں۔ آج صبح مجھے پیشاب بہت سُرخ رنگ کا آیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے حکیم صاحب کی دوائیں بھی گرم مزاج ہیں۔
والسلام

۵ اگست ۲۴ء

محمدؐ اقبال

(عکس) (مکتوبات اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم
کل میں نے آپ کو خط لکھا تھا کہ سہ پہر کو بخار ہو گیا۔
صبح کی دوائی کھائی تھی۔ رات کی دوا نہیں کھائی۔ آج بھی کوئی دوا حکیم صاحب کی نہیں کھائی کونین کھائی تھی۔ بخار مجھے نہیں ہوا۔ الحمدللہ۔
حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کر دیں۔ آواز کچھ روبصحت معلوم ہوتی

ہے مگر اس کی ترقی نہایت خفیف ہے خدا جانے کب تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔
میں نے پھیپھڑوں اور دل کا دوبارہ معائنہ کرالیا ہے سب کچھ درست ہے۔

حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کریں کہ آپ کے روحانی اثر کی ضرورت ہے
زیادہ کیا عرض کروں۔ والسلام۔ انگلینڈ غالباً نہ جاؤں گا۔

مسافر (سیاحت افغانستان) کاتب کو دے دی ہے۔ اس کے بعد اُردو
کا مجموعہ دے دیا جائے گا۔ والسلام

لاہور ۶ اگست ۳۴ء محمدؐ اقبال

(عکس) (مکتوبات اقبال)

عظمت الٰہی زبیری کے نام

لاہور
۷ اگست ۱۹۳۴ء

رجسٹرار مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ

جناب من،

اردو کی ریڈر شپ اور لیکچر رشپ کی اسامیوں کے لیے امیدواروں کے
متعلق اپنی رائے بھیج رہا ہوں۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال

رائے

(الف) ریڈر شپ

ریڈر شپ کے لیے میں بلا تامل رشید احمد صدیقی کے حق میں اپنی رائے دیتا
ہوں (آپ کی فہرست میں ان کا نمبر ۴۲ ہے) ایک ہونہار نثر نگار اور نقاد کی حیثیت

سے انھوں نے مجھے ہمیشہ متاثر کیا ہے ان کی نثر میں ایک خاموش مزاح اور تازگی کا احساس ہوتا ہے جو ان کے ہم عصر نئے لکھنے والوں میں خال خال ہے۔ یہ فیصلہ رشید احمد صدیقی کے بارے میں ذاتی معلومات کی بنا پر اور ان کی تحریروں کی روشنی میں دے رہا ہوں میرے خیال میں کوئی اور امیدوار رشید احمد کا ہمسر نہیں ہے۔

لیکچر رشپ کے لیے صرف چار نام قابلِ غور ہیں (آپ کی فہرست میں نمبر ۶، ۱۶، ۲۰ اور ۲۶) ذاتی طور پر میں سید علی احسن (نمبر ۱۶) کو منتخب کرنے کے حق میں ہوں۔ ان کی عمر ۵۰ برس ہے اور انھوں نے اپنی عمر کا بہترین حصہ اردو کے مطالعے میں صرف کیا ہے۔ اردو کے ایک لیکچرر کی حیثیت سے انھوں نے اپنی کامیابی کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ افسوس کہ وہ انگریزی کے علم سے محروم ہیں۔ اس بنا پر مجھے خدشہ ہے کہ کمیٹی کے دوسرے ممبر مجھ سے متفق نہیں ہوں گے۔ اگر ممبران کسی صورت مجھ سے اتفاق نہ کر سکیں تو پھر تین امیدواروں جلیل احمد قدوائی، محمد یحییٰ تنہا اور آغا محمد اشرف (آپ کی فہرست میں نمبر ۶، ۲۰ اور ۲۶) میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ آغا محمد اشرف ہونہار معلوم ہوتے ہیں مگر اس نوع کی اسامی کے لیے ان کی عمر بہت ہی کم معلوم ہوتی ہے۔ باقی رہے دو امیدوار، میں ان میں سے جلیل احمد قدوائی کو ترجیح دیتا ہوں۔

محمد اقبال

۷ راگست ۱۹۳۴ء

(انگریزی سے) (صحیفہ اقبال)

یونیورسٹی کے ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیلکشن کمیٹی نے علامہ اقبال کی رائے کو اہمیت دی چنانچہ متذکرہ بالا اسامیاں پُر کرنے کے لیے حسب ذیل تقرریاں کی گئیں :

رشید احمد صدیقی — ریڈر و صدر شعبہ

سید علی احسن — لیکچرر گریڈ نمبر ا

جلیل احمد قدوائی — لیکچرر گریڈ نمبر ۲

(ربیع الدین ہاشمی)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور ۱۰ اگست ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا تھا۔ الحمد للہ کہ بخار جاتا رہا۔ پرسوں سے میں حکیم صاحب کی دوا کھا رہا ہوں۔ اُمید ہے اس دوا سے آواز کی کشائش ہوگی۔

بخار سے جو ترقی معکوس ہو گئی تھی وہ جاتی رہی اب آواز اس حالت پر آگئی ہے جو بخار سے پہلے تھی مگر یہ دوا جواب آئی ہے زیادہ موثر معلوم ہوتی ہے۔

آپ کو معلوم ہے سنگ فساں وہ پتھر ہے جس سے چھری چاقو تیز کرتے ہیں۔ ہندی میں اُسے سان لکھتے ہیں مگر محاورہ اردو کیا ہے سان پر چڑھانا یا سان پر لٹکانا یا سان چڑھانا (بغیر حروف پر کے) فارسی میں بر سان زدن، بر فساں کشیدن اور فساں خوردن محاورات ہیں۔ محاورۂ اردو کی تحقیق کسی سے کیجیے یہاں اردو کی کوئی لُغت اس وقت میرے سامنے نہیں۔

ادارے کے متعلق رائے قائم ہے مگر اس کی عملی صورت کے لیے ابھی تک کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ انشاءاللہ ذرا تندرست ہو جاؤں تو فکر کروں گا۔ باقی خیریت ہے۔ حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں آداب عرض کریں۔ والسلام

محمد اقبال

(مکتوباتِ اقبال)

(عکس)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب السلام علیکم

اس سے پہلے خط لکھ چکا ہوں ۔ کل مسٹر محمد اسد کی زبانی آپ کا پیغام بھی ملا۔ دوا کی خوراک وہی استعمال میں آتی ہے جو حکیم صاحب نے مقرر کی ہے۔ اب گرمی کم ہوگئی ہے اور ہوا بھی چلتی ہے۔ چند باتیں حکیم صاحب سے دریافت طلب ہیں ان کی خدمت میں عرض کر دیجیے۔

(۱) پہلے کسی قدر قبض تھی مگر پاخانہ کی حالت بہت اچھی تھی۔ اب مجھے صبح پاخانہ تو کھل کر آتا ہے مگر بہت نرم تر قریباً دست شاید جو دوارات کو کھائی جاتی ہے وہ دست آور ہے۔ دن کے وقت انجیر بھی ہر روز ملتان سے منگوا کر کھاتا ہوں وہ بھی قبض کشا ہوتی ہے۔

(۲) لیپ دوا بہت تھوڑی ہے صرف ایک گولی جو پان کے پانی میں گھلا کر لگائی جاتی ہے اگر اس کی مقدار دگنی کر دی جائے تو شاید مزید فائدہ ہو۔

آواز میں خفیف سی تبدیلی ہے۔ دوا بدھ کو شروع کی تھی آج ہفتہ ہے گویا آج دوا کھاتے ہوئے چوتھا روز ہے۔ آواز میں معلوم ہوتی ہے۔ بلغم کل سے کم نکلتا ہے۔ والسلام

ہاں یہ کہنا بھول گیا کہ شام کو میں مرغ کے چوزہ کا شوربا پیتا ہوں شاید نرم پاخانہ آنے میں اس کا بھی دخل ہو۔

محمد اقبال

۱۱/ اگست ۳۴ء

(مکتوباتِ اقبال) (عکس)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور ۱۶ اگست ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب. السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ حکیم صاحب قبلہ کا خط مِلا جس کے لیے اُن کی خدمت میں بہت بہت شکریہ عرض کیجیے۔

دوا کا استعمال جاری ہے مجھے اس دوا کے استعمال سے کوئی گرمی محسوس نہیں ہوئی۔ گو پیشاب کا رنگ کسی قدر زردی مائل ہے۔ اس واسطے خوراک نصف کرنے کی ضرورت نہیں ہے آواز میں بھی خفیف تبدیلی ہے مگر یہ کئی دن سے ہے اور کشا کش آواز میں مزید ترقی نہیں ہوئی۔ ابھی ایک ہفتے کی دوا شاید باقی ہے۔ دو چار روز کے بعد مزید دوا بھجوانے کا انتظام کریں۔

لیپ کی دوا دُگنی کر دی گئی ہے۔ شاید حکیم صاحب اس میں کوئی تبدیلی کریں۔ یہ بھی تو ان سے دریافت کیجیے کہ استعمال دوا کا سلسلہ کب تک جاری رہے گا؟ ایک شخص نے مشک کے استعمال کا مشورہ دیا ہے۔ شاید موجودہ دوا میں یہ جزو پہلے سے ہی موجود ہے۔

کتاب کا نام (نشانِ منزل) کی جگہ بالِ جبریل تجویز ہوا ہے۔ جن صاحب نے اس کے لیے گفتگو کی ہے ان سے قطعی فیصلہ کیجیے کہ وہ کس قدر کاپیاں خریدیں گے اور کیا کمیشن چاہتے ہیں۔ جہاں تک میں اندازہ کر سکتا ہوں یہ کتاب جلد ختم ہو جائے گی۔ لوگ یہاں اس کی اشاعت کے لیے بہت منتظر ہیں۔

فی الحال مسافر (سیاحت چند روزہ افغانستان) کی کتابت شروع ہے جو غالباً کل یا پرسوں ختم ہو جائے۔ اس کے بعد بالِ جبریل کی کتابت

شروع ہوگی۔ جین صاحب سے آپ نے گفتگو کی ہے اگر وہ آخری اور قطعی فیصلہ کرلیں تو کاغذ کے لیے آرڈر دیا جائے۔ والسلام

محمد اقبال

(عکس) (مکتوبات اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب السلام علیکم

آپ کے خطوط مل گئے ہیں اور میں ان کا جواب بھی لکھ چکا ہوں۔ حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کر دیجیے چونکہ دو ماہ میں کوئی زیادہ محسوس ترقی آواز میں نہیں ہوئی۔ اس واسطے اب ڈاکٹر صاحبان بغلیں بجاتے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ آواز دُرست نہ ہوگی۔ میں بھی کبھی کبھی مایوس ہو جاتا ہوں۔ مگر حکیم صاحب کی توجہ اور اُن کی روحانیت پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ دوا اب تین چار روز کی باقی ہے۔ اِس واسطے مزید دوا ارسال کروائیے۔ کوئی تبدیلی ضروری ہو تو حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کر دیجیے۔ لیپ کی دوا پہلے سے زیادہ ارسال کریں۔ والسّلام

محمد اقبال

(عکس) (مکتوبات اقبال)

راغب احسن کے نام

لاہور ۱۹ راگست ۳۴ء

ڈیر راغب صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ میں ابھی تک علیل ہوں اگرچہ عام صحت رو بہ ترقی ہے۔ تاہم آواز میں کشائش ابھی نہیں ہوئی۔ حکیم نابینا صاحب کا علاج

ہے وہ صحت آواز کا یقین دلاتے ہیں مگر چونکہ بیماری پرانی ہے اس واسطے کچھ مدت کے بعد کامل صحت ہوگی۔

مرتضیٰ صاحب اور آپ کا خیال بالکل درست ہے مگر میں ایک تو بولنے سے قاصر دوسرا آپ خود سمجھتے ہیں کہ اس بات کو خواہ اس کی تہ میں کتنی ہی دردمندی کیوں نہ ہو ذاتیات پر محمول سمجھا جائے گا۔ میں اس بات میں بڑا حساس ہوں اور اس قسم کا الزام میرے لیے دوزخ کی آگ کے برابر ہے۔ مرتضیٰ صاحب کی خدمت میں میری طرف سے سلام کہیے اور ان کو میرا یہ خط دکھا دیجیے۔ اگرچہ اس وقت تک ان کا کوئی خط میرے پاس نہیں آیا تاہم جو خط وہ لکھنے والے ہیں اس خط کو اس کا جواب تصور فرما کر ان کو پڑھا دیجیے۔ میں خود ان سیاسی مسلمانوں کے ہاتھ سے بہت نالاں ہوں اس واسطے نہیں کہ ہر موقع پر انھوں نے میری مخالفت کی ہے بلکہ اس واسطے کہ اس کیرکٹر اور سیرت کے لوگ مسلمانوں میں کیوں پیدا ہوئے۔ زیادہ کیا لکھوں سوائے اس کے کہ آپ میرے لیے دعا کریں۔ امید نہیں کہ میں شملہ آسکوں۔ آپ نے یہ نہیں لکھا کہ مولوی شفیع داؤدی شملہ میں ہیں یا کہیں اور نیز یہ کہ وہ مجھ سے ملنے کے لیے (اگر میں شملہ نہ آیا تو) لاہور میں آسکیں گے یا نہیں۔

معلوم نہیں آپ کا شملہ میں کیا شغل ہے۔ کیا آپ انجمن حمایت اسلام لاہور کے ہفتہ وار اخبار کی جو اردو میں نکلتا ہے ادارت اپنے ذمے لے سکیں گے۔ ممکن ہے انجمن کوئی مزید ڈیوٹی آپ کو دے کر تنخواہ قریباً ڈیڑھ سو ماہوار کے آپ کو دے سکے۔ اگر ایسا ہو سکتا ہو تو مجھے مطلع کیجیے۔ آپ کی ادارت سے اخبار کو بہت فائدہ پہنچنے کی امید ہے۔

بہت سے امور ہیں جو خطوط میں نہیں لکھے جا سکے۔ والسلام

محمد اقبال

(عکس) (اقبال: جہانِ دیگر)

سید نذیر نیازی کے نام

۲۲؍اگست ۳۶ء

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے لیکن دواؤں کا پارسل نہیں ملا۔ شاید کل ملے۔ سب سے ضروری دریافت طلب بات یہ ہے کہ مجھے ابتدائے علالت میں بعض دفعہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آنکھ کے سامنے اندھیرا ہو جائے اور سر چکرائے۔ جوں جوں صحت ترقی کرتی گئی۔ یہ بات رفع ہوتی گئی چنانچہ اس سے تین چار روز پہلے تک اس کا نشان تک باقی نہ تھا۔ اب تین چار روز سے پھر ایسا ہوتا ہے حالانکہ میری صحت بہت اچھی ہے۔ مہربانی کرکے حکیم صاحب سے جہاں تک ہو سکے جلد اس کا تذکرہ کیجیے اور ان کے جواب سے مجھے مطلع فرمائیے کہ اس کا باعث کیا ہے۔

کتابوں کے متعلق میں آپ کو دو چار روز میں جواب دوں گا مگر آپ کے خط سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب 'مسافر' کے متعلق کیا رائے چاہتے ہیں۔ کمیشن پر رعایت مقصود ہے یا کچھ اور یہ میں سمجھ نہیں سکا وضاحت کیجیے۔ باقی بال جبریل کی پہلی ایڈیشن پانچ ہزار کی ہوگی۔ قیمت غالباً عہ یا زیادہ سے زیادہ عہر ہوگی۔ صفحات کی تعداد معلوم ہو جائے تو صحت کے ساتھ عرض کر سکوں گا۔ عبدالمجید صاحب کاتب جس کو آپ جانتے ہیں لکھے گا اور مطبع گیلانی لاہور میں چھپے گی۔

مسافر صرف ایک ہزار یا زیادہ سے زیادہ پندرہ سو کاپی چھاپنے کا ارادہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب سے پوچھ لیجیے اگر وہ زیادہ چاہیں تو زیادہ بھی چھپ سکتی ہیں۔ قریباً ایک سو کاپی کا بل جائیں گی۔ چند کاپیاں جن کی تعداد دس سے زیادہ نہ ہوگی خاص کاغذ پر چھپیں گی۔ مہربانی کرکے یہ بھی لکھیے کہ روپیہ کس قدر

ادا ہو گا۔ کیونکہ اس پر باقی باتوں کا دارومدار ہے لیکچروں کے ترجمے کے متعلق آپ نے کچھ نہیں لکھا۔ شرائط کیا طے ہوئے؟ کتاب کے متعلق ڈاکٹر صاحب یا ان کے پریس کے مینجر کی طرف سے باقاعدہ خط مجھے لکھوائیے جس میں شرائط تمام درج ہوں۔ پھر میں اس کا جواب دے سکوں گا۔ علیٰ ہذا القیاس بالِ جبریل اور مسافر پہلی ایڈیشن کی خریداری کے متعلق بھی ان کا ایک خط اس قسم کا آنا چاہیے۔ والسلام

علی بخش سلام کہتا ہے۔

محمد اقبال

(عکس) (مکتوباتِ اقبال)

شوکت تھانوی کے نام[1]

جنابِ من

آپ کے مجموعۂ اشعار کے چند مقام میں نے دیکھے ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ آپ کے اسلوبِ بیان میں جدت ہے اور بعض جگہ بہت خوب کہا ہے۔

زیادہ لکھنے سے قاصر ہوں کہ کئی ماہ سے علیل ہوں۔ والسلام

محمد اقبال ۲۴ راگست ۳۴ء

(انوارِ اقبال)

---

[1] یہ خط مکتوب الیہ کے مجموعۂ کلام "گہرستان" کے موصول ہونے پر لکھا گیا۔ (بشیر احمد ڈار)

سید نذیر نیازی کے نام

۲۸ اگست ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب السلام علیکم

میں آپ کو اس سے پہلے لکھ چکا ہوں۔ اس کے بعد آپ کا خط بھی ملا۔ حکیم صاحب کی خدمت میں عرض مندرجہ ذیل ہے:

(۱) آواز میں کوئی نمایاں تبدیلی آج تک نہیں ہوئی۔ صحت بہت اچھی ہے اور جو کہ شکایت میں نے ایک دو روز ہوئے لکھی تھی یعنی یہ کہ آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا ہو جاتا ہے وہ خود بخود رفع ہو گئی ہے۔

(۲) لیپ کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔

(۳) رات کے سوتے وقت جو دوا کھائی جاتی ہے اگر اس میں پوری مقدار کھالی جائے تو رات کے چار بجے ہی دست آجاتے ہیں اگر تھوڑی مقدار میں کھائی جائے تو بھی دست ہی آتا ہے گو جلاب نہیں ہوتا۔

ان ہر سہ امور کے متعلق جو ان کا ارشاد ہو اس سے آگاہ کیجیے۔

دیگر عرض یہ ہے کہ جاوید کی والدہ مدّت سے علیل ہے۔ اس کا جگر اور تلی دونوں بڑھے ہوئے ہیں۔ حکیم صاحب قبلہ نے ایک دفعہ پہلے بھی ان کے لیے ایک دوا تجویز کی تھی جس کا استعمال کیا گیا مگر فائدہ نہ ہوا۔ اس پر حکیم صاحب نے فرمایا تھا کہ وہ ان کی نبض دیکھ لیں تو بہتر ہو۔ اس وقت دہلی جانے کے لیے حالات سازگار نہ تھے۔ اب انشاءاللہ تعالیٰ اکتوبر میں وہ دہلی آئیں گی اور نبض حکیم صاحب کو دکھائیں گی۔ فی الحال ان کے حالات یہ ہیں:-

(۱) ہاتھوں اور بانہوں کے پٹھے کمزور ہیں۔ چیزوں کو اٹھانے میں دِقّت ہوتی ہے۔

(۲) شام کو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ خفیف سی حرارت ہو گئی ہے نفس گرم آتا ہے۔
(۳) ذرا سی گرم شے مثلاً انڈا وغیرہ کھائیں تو زبان میں چھالا پڑ جاتا ہے۔
(۴) پاخانہ تندرستوں کی طرح آتا ہے مگر چار پانچ دفعہ آتا ہے۔
(۵) تلی اور جگر دونوں بڑھے ہوئے ہیں۔ ان کا علاج انجکشن کے ذریعے ایک مدت ہوئی کرایا گیا تھا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا اس کے بعد بعض پیٹینٹ انگریزی اور امریکن دوائیں استعمال کی گئیں ان سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں عرض کریں کہ مذکورہ بالا حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے لیے فی الحال کوئی دوا تجویز فرمائیں جس کو وہ اس وقت تک استعمال کریں جب تک وہ خود دہلی حاضر ہو کر ان کو نبض نہ دکھالیں۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ آج یہاں بھی زور سے بارش ہوئی مگر آفتاب نکل آیا ہے جس کی تمازت بدستور ہے۔

والسلام
محمد اقبال

(عکس) (مکتوباتِ اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم
آپ کا پوسٹ کارڈ کل مل گیا تھا۔ وہ آنکھوں میں جو اندھیرا سا ہو جاتا تھا اس میں خود بخود کمی ہو گئی ہے لیکن آواز کی حالت قریباً بدستور ہے۔ دوا کا استعمال جاری ہے۔ حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں یہ عرض کریں کہ آواز میں کیوں نمایاں کشائش نہیں ہوئی۔ کتابوں کے متعلق بھی جلد لکھیے یعنی بالِ جبریل، مسافر اور آپ کا اردو ترجمہ۔ موخر الذکر کے متعلق آپ نے جامعہ سے کیا طے

طے کیے۔ مقدم الذکر کتب کے متعلق بھی جلد فیصلہ ہونا چاہیے کیونکہ بعض یہاں کے لوگ بھی مثلاً تاج کمپنی استفسار کر رہی ہے۔ میں ذاتی طور پر جامعہ کو ترجیح دوں گا۔ بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے طور پر ہر دو کے متعلق ٹرم لکھ بھیجیں تاکہ فیصلہ ہو سکے۔ زیادہ کیا لکھوں۔ اُمید کہ آپ بخیریت ہوں گے۔

علی بخش سلام کہتا ہے۔ والسّلام

محمدؐ اقبال ۲۸ راگست ۳۴ء

لاہور

(عکس) (مکتوبات اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

۲ ستمبر ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب السلام علیکم

آج مجھے آپ کے خط کا انتظار تھا جو نہیں ملا۔

دوا اب پانچ روز کے لیے باقی ہے۔ مزید دوائی بھجوانے کا انتظام کرنا چاہیئے۔ اس وقت شام ہے شاید یہ کارڈ آپ کو پرسوں ملے گا۔ آواز کی حالت بدستور ہے۔ خفیف سی تبدیلی جو کہ مدت ہوئی تھی وہی ہے۔ اس سے آگے نہیں بڑھی۔ باقی حالات پچھلے خطوط میں لکھ چکا ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے میرا بدن نئے سرے سے تعمیر ہو رہا ہے مگر تعجب ہے کہ آواز میں نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ والسلام

محمدؐ اقبال لاہور

(عکس) (مکتوبات اقبال)

ڈیر نیاز السلام علیکم

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب. السلامُ علیکم

میں آپ کو کم از کم تین خط لکھ چکا ہُوں مگر کسی کا جواب نہ ملا۔ کل انتظار کر کے آپ کو تار دیا۔ آج آپ کا ایک پوسٹ کارڈ ملا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو میرا کوئی خط نہیں ملا۔ ایک خط میں جاوید کی والدہ کے حالات حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کرنے کے لیے لکھے تھے۔ معلوم ہوتا ہے وہ خط بھی آپ کو نہیں ملا تو جلد مطلع کریں تاکہ دوبارہ لکھوں۔

میری صحت اچھی ہے مگر افسوس کہ آواز میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی۔ شاید حکیم صاحب کا علاج کرتے تین ماہ تو ہو گئے ہوں گے۔ بہر حال ان کی خدمت میں عرض کر دیں کہ آواز کی طرف خاص توجّہ دیں۔ صحت خدا کے فضل سے اچھی ہے۔ دوا اب تین چار روز کے لیے باقی ہے۔ والسلام

لاہور۔ ۴ ستمبر ۳۴ء محمد اقبال

(عکس) (مکتوباتِ اقبال)

مولانا سید سلیمان ندوی کے نام

لاہور

۶ ستمبر ۱۹۳۴ء

مخدومی مولینا۔ السلام علیکم

یہ خط اعظم گڑھ کے پتہ پر لکھتا ہوں، معلوم نہیں کہ آپ ابھی علی گڑھ ہی میں ہیں یا وہاں سے واپس آ گئے۔ (۱) راغب اصفہانی نے مفردات میں لفظ نبی کی تشریح میں لکھا ہے کہ لفظ نبی کے دو معنی ہیں۔ خبر دینے والا۔ اور مقام بلند پر کھڑا ہونے والا۔ اوّل الذکر نبی ہمزہ کے

ساتھ اور دوسرا بغیر ہمزہ کے۔ اس ضمن میں راغب نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے۔ یعنی حضور رسالت مآب نے فرمایا کہ میں نبی بغیر ہمزہ کے ہوں۔ یہ حدیث صحاح ستہ میں ہے یا نہیں[1]۔

قرآن شریف میں جن انبیاء کا ذکر ہے ان میں کون سے نبی بالہمزہ ہیں اور کون سے بغیر ہمزہ؟ یا سب کے سب بغیر ہمزہ ہیں[2]؟

(۲) لفظ نار کا روٹ عربی زبان میں کیا ہے[3]؟

(۳) لفظ نجات کا روٹ کیا ہے، اور روٹ کے رو سے اس کے معنی کیا ہیں؟ غالباً راغب ہی نے لکھا ہے کہ اس کے معنی بلندی کے ہیں[4]۔

نمبر ایک میں جو سوال میں نے لکھا ہے وہ بڑا اہم ہے۔ کیونکہ اگر قرآنی انبیاء یا حضور رسالت مآب نبی بغیر ہمزہ ہیں تو لفظ نبی کا انگریزی ترجمہ ...... جس کے معنی خبر دینے والا کے ہیں، کیونکر درست ہوسکتا ہے؟

امید کہ آپ کا مزاج بخیر و عافیت ہوگا۔

---

[1] یہ حدیث صحاح میں نہیں۔ آپ نے اس لیے نبیٔ کہنے سے منع فرمایا کہ لغت کی رو سے منصب دار نبوت کے لیے نبیؐ لفظ ہے نبیٔ نہیں۔

[2] یقیناً سب کے سب نبیؐ بلا ہمزہ کے ہیں۔

[3] ن و ر معلوم ہوتا ہے۔ اس روٹ کے اصلی معنی چمک کے معلوم ہوتے ہیں۔ نور، روشنی، نار آگ، نورہ چونا، نورۃ کلی۔ سب اسی ایک مفہوم کے مظاہر ہیں۔

[4] ن ج و معنی بلندی کے یعنی جو سیلاب کے وقت پناہ کی جگہ بن سکے اسی سے نجوۃ ہے اسی سے موجودہ نجات ہے۔

(عطاء اللہ)

آپ کا سفر نامہ افغانستان خوب ہے۔ لوگوں نے بہت پسند کیا۔
ہاں ایک ضروری بات یاد آگئی۔ یہاں ایک صاحب کے پاس شاہ ولی اللہؒ
کے تفہیمات الٰہیہ کی دوسری جلد ہے، جو شاہ عاشق حسین (شاگردِ شاہ
ولی اللہ) کی لکھی ہوئی ہے۔ کیا ندوہ کے کتب خانہ میں یہ کتاب موجود
ہے مولوی نواب صدر یار جنگ کے ہاں جو نسخہ ہے وہ پہلی جلد ہے یا
دوسری یا دونوں؟ کیا کسی نے اس کتاب کے اردو ترجمہ کا انتظام کیا
ہے؟ مجھے ایسا یاد پڑتا ہے کہ شاید معارف میں اس کے اردو ترجمہ کا اعلان
کیا گیا تھا۔ والسلام

محمدؐ اقبال

(عکس) (اقبال نامہ)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور ۹ ستمبر ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم

میں نے جو خط جاوید کی والدہ کے متعلق آپ کو لکھا تھا اس کا جواب
مجھے نہیں ملا۔ آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ نے جواب لکھا تھا مگر تعجب
ہے مجھ تک نہیں پہنچا۔ آپ کا صرف ایک پوسٹ کارڈ مجھے ملا جس میں حکیم
صاحب قبلہ کی علالت کا ذکر تھا اور بس۔

آج دوا کا پیکٹ مع آپ کے خط کے جو اس میں تھا مل گیا ہے۔ اطمینان
فرمائیے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا خط کسی چٹھی رساں کی غفلت
کی نذر ہو گیا۔

کتابوں کے متعلق عرض یہ ہے کہ سفر نامہ افغانستان کی کتابت ختم
ہو گئی ہے۔ دو چار روز میں طباعت شروع ہو گی۔ بالِ جبریل کی کتابت آج

سے شروع ہے۔ مکان کی تعمیر چند روز میں شروع ہو گی۔ مجھ کو روپے کی ضرورت ہے۔ اگر یہاں اس کا انتظام یک مشت ہو گیا تو بہتر ورنہ کچھ کتابیں جامعہ کمیشن پر خرید سکتا ہے آپ مطلع فرمائیں کہ لیکچروں کی کتابت شروع ہوئی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو کب ہو گی اس کے متعلق کوئی خط جامعہ کی طرف سے نہیں آیا۔ میں نے اپنی تمام کتابوں کا حق تصنیف جاوید کے نام ہبہ کر کے دستاویز رجسٹری کرا دی ہے اب یہ سب مال اس کا ہے۔ چونکہ وہ ابھی نابالغ ہے اس واسطے مجھے اس کا باقاعدہ حساب رکھنا ہے۔ آپ جامعہ کی طرف سے باقاعدہ خط لیکچروں کی اشاعت کے متعلق بھجوا دیں اور اس پر جامعہ کے ٹرمز درج ہوں تاکہ اسے فائل میں رکھ دوں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ والسلام

محمد اقبال

(عکس) (مکتوبات اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم

اس سے پہلے ایک خط لکھ چکا ہوں جس میں دواؤں کے موصول ہو جانے کی اطلاع تھی۔ امید کہ یہ خط آپ کو پہنچ گیا ہو گا۔

کل شام خفیف سا بخار ہو گیا تھا اس واسطے آج صبح سے کونین شروع کی ہے۔ بخار ملیریا ہے۔ دو چار روز تک کونین جاری رکھوں گا اور دوا حکیم صاحب قبلہ کی نہ کھاؤں گا حکیم صاحب سے یہ بھی دریافت کیجیے کہ ان کی رائے میں کب تک دوا کا استعمال جاری رہنا چاہیے۔ نیز کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ دوا ایک ہفتہ دوا کا استعمال چھوڑ کر پھر نئے سے دوا کا استعمال کیا جائے۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ کل کابل سے سردا

بھی آگیا ہے اُمید ہے اس سے آواز کو فائدہ ہوگا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب سے سلام کہیے۔ والسّلام

محمدؐ اقبال لاہور

۱۲ ستمبر ۳۴ء

(مکتوباتِ اقبال) (عکس)

سید عبدالواحد معینیؒ کے نام

۱۲ ستمبر ۳۴ء

جنابِ من. السلام علیکم

آپ کا والا نامہ مل گیا ہے جس کے لیے شکریہ قبول کیجئے۔ میں ابھی تک علیل ہوں۔ یونانی دوا کے استعمال سے صحت عامہ بہت اچھی ہو گئی ہے مگر آواز پر ابھی کوئی نمایاں اثر نہیں ہوا دعا فرمائیے۔ والسلام

محمدؐ اقبال

(انوار اقبال)

راغبِ احسن کے نام

لاہور۔ ۱۶ ستمبر ۳۴ء

ڈیر راغب صاحبؓ

السلام علیکم آپ کا خط کل مل گیا ہے۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ میری صحت عامہ حکیم نابینا صاحب کے علاج سے بہت اچھی ہوگئی ہے۔ بلکہ تمام عمر میں ایسی نہ تھی البتہ ابھی تک آواز میں جو اصل شکایت ہے

لہ ان کو اقبالیات سے کافی شغف ہے۔ (بشیر احمد ڈار)

کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی گو بہ نسبت سابق قدرِ فرق ضرور ہے۔ باتیں کرسکتا ہوں خطابت نہیں کرسکتا نہ کچہری جاکر مقدمات پر بحث کرسکتا ہوں غالباً ابھی چند ماہ اور علاج ہوگا تو آواز اپنی اصلی حالت پر عود کرے گی۔

اکابر اسلام کی دین سے بے خبری دیکھ کر سخت روحانی تکلیف ہوتی ہے۔ سنا ہے اسی بے خبری اور جہالت کی وجہ سے علی گڑھ میں خرابیاں ہورہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فضل کرے۔ باوجود ان سب باتوں کے مایوس نہ ہونا چاہیئے اور دعا میں پناہ ڈھونڈھنی چاہیئے۔

در آ بسجدہ و یاری ز خسروان مطلب[1]

کہ روز فقر نیاگانِ ما چنیں کردند

زیادہ کیا عرض کروں۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج اچھا ہوگا۔

میرا ارادہ شملہ آنے کا تھا مگر لاہور سے ہل نہ سکا سردار صلاح الدین سلجوقی افغانی میرے دوست ہیں اور عربی و فارسی کے عالم۔ ان سے کبھی کبھی ضرور ملا کیجیے۔ اگر میں شملہ آتا تو انھیں کے یہاں ٹھہرتا۔

لاہور میں ایک عالم ترک آیا تھا اب شاید چلا گیا ہے مجھ سے بھی ملنے کے لیے آیا تھا۔ میرے کمرے میں سلطان ٹیپو کے مزار کا فوٹو دیکھ کر بے اختیار رونے لگا۔

گزشتہ رات کوئی چار بجے کے قریب میں نے حضور نظام اور شاہ جاپان کو ایک ہی مقام پر خواب میں دیکھا تعجب ہے۔ آج کل کوئی شغل نہیں ہے۔ مسافر (مثنوی فارسی سیاحت چند روزہ افغانستان) اور بالِ جبریل (مجموعہ کلام اردو) کی کتابت اور پروف دیکھتا ہوں۔

---

[1] ترجمہ: سجدہ میں گر جا، اور بادشاہوں سے امداد طلب نہ کر ہمارے بزرگوں نے فقر کے دن ایسا ہی کیا ہے!

رہوڈز لکچروں کا لکھنا ابھی نہیں ہو سکا۔ غالباً مہلت مانگنی پڑے گی۔ والسلام

محمد اقبال

(عکس) (اقبال جہانِ دیگر)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم

ایک خط پہلے لکھ چکا ہوں۔ اس کے جواب میں آپ کا کارڈ بھی مل گیا ہے۔ ایک شخص جو خود اس بیماری کا مریض رہ چکا ہے عراق میں اسے ایک ترک طبیب نے تمباکو میں چرس رکھ کر پلائی تھی اور اس کے ساتھ لپٹن کی چائے جس میں شکر کی جگہ گڑ ڈالا جائے۔ اس نسخے سے اُسے فائدہ ہو گیا۔ اور صرف تین چار روز کے عرصے میں اس کی آواز صاف ہو گئی۔ کہتا ہے کہ شرطیہ علاج کرتا ہوں۔ آپ حکیم صاحب سے اُس کا ذکر کریں کہ آیا چرس کا استعمال آواز کے لیے مفید ہے۔ چرس گولی کی صورت میں ہے اور گولی مکی کے دانے سے بقدر نصف کے ہے۔ حکیم صاحب کی دوا کا استعمال جاری ہے چونکہ آواز پر کوئی نمایاں اثر نہیں ہوتا اس واسطے طبیعت پریشان رہتی ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ آواز کش گولیوں کا بھی اثر نہیں ہوا۔ سردہ کابل سے منگوایا تھا دو تین روز تک مگر آواز پر اس نے اچھا اثر نہیں کیا۔ اس واسطے میں نے پرسوں سے اس کا کھانا چھوڑ دیا ہے۔ لکچروں کے اُردو ترجمے کی شرائط طباعت کے متعلق کوئی خط ابھی تک مجھے جامعہ کی طرف سے نہیں آیا۔ علی گڑھ کے حالات اچھے نہیں سُنے جاتے۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں پر رحم کرے۔

والسلام۔

اس خط کا جواب جلدی عنایت ہو۔

محمدؐ اقبال

۱۸ر ستمبر ۱۹۳۴ء

لاہور

(مکتوبات اقبال) (عکس)

راغب احسن کے نام

ڈیر راغب صاحب

السلام علیکم

آپ کا خط کل ملا۔ اس سے پہلے میں آپ کو خط لکھ چکا ہوں۔ تعجب ہے وہ خط آپ کو نہیں ملا۔ ممکن ہے آپ کے اس خط کو ڈاک میں ڈال چکنے کے بعد ملا ہو۔ میری صحت اچھی ہے گو آواز میں ابھی کوئی نمایاں ترقی نہیں ہوئی۔ خفیف ترقی ہے اور اس کی رفتار زیادہ تیز نہیں ہے۔ الحمدللہ کہ مجھے کوئی ناخوشی آپ کی طرف سے نہیں ہے۔ آپ کا قیاس بالکل غلط ہے۔ جُداگانہ انتخاب پر آپ کا رسالہ نہایت عمدہ ہے۔ ریویرٹ ایرن کی رائے پر یہاں کون غور کرے گا فقط

محمدؐ اقبال، لاہور

۲۰ر ستمبر ۱۹۳۴ء

(اقبال: جہانِ دیگر)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔

السلام علیکم۔ اس سے پہلے خط لکھ چکا ہوں۔ اُمید ہے پہنچے ہوں مجھ

کو آپ (کا) صرف ایک پوسٹ کارڈ اس وقت تک ملا ہے۔ یہ کارڈ اس اطلاع کے لیے لکھتا ہوں کہ آج کا دن چھوڑ کر چار روز کی دوا باقی ہے۔ حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کر دیں کہ آواز میں ابھی تک کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی جو خفیف سا فرق پہلے تھا وہی اب تک ہے۔ زیادہ کیا لکھوں امید کہ آپ بخریت ہوں گے۔ والسلام۔

ڈاکٹر ذاکر صاحب سلام قبول کریں۔ علی گڑھ کے حالات اچھے نہیں معلوم ہوتے۔

محمدؐ اقبال
۲۱ ستمبر ۳۴ء
لاہور

(عکس) (مکتوباتِ اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور ۲۵ ستمبر ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا مرسلہ پارسل دوا بمع آپ کا خط مل گیا ہے جس سے تسلی ہوئی۔ حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں عرض کیجیے کہ مجھے ان پر کامل اعتماد ہے۔ اس واسطے جب کبھی کوئی شخص دوا بتاتا ہے تو میں آپ کی خدمت میں لکھ دیتا ہوں اور دوا بتانے والے سے یہی کہتا ہوں کہ اگر حکیم صاحب نے اجازت دی تو اِستعمال کروں گا۔ انشاء اللہ ان ہی کی ہدایت پر عمل ہو گا۔

(۱) کیا ان دواؤں میں جو آپ نے اِرسال کی ہیں قبض کا خیال رکھ لیا گیا ہے۔ اس کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔

(۲) حبوب آواز کشا جو آپ نے ارسال کی تھی ختم ہوگئی ہیں۔ میں انھیں صرف ایک دفعہ دن میں استعمال کرتا تھا اور ایک ہی دفعہ تین چار گولیاں منہ میں ڈال لیتا تھا اور کچھ وقت تک چوستا رہتا تھا۔ مہربانی کرکے اور گولیاں حکیم صاحب سے کہہ کر ارسال کریں۔

(۳) آپ نے یہ نہیں لکھا کہ وسط ناشتہ یا غذا جو گولی کھانے کے لیے ہے اُسے چوسنا چاہیئے یا نگل لیا جائے۔ علیٰ ہٰذا القیاس جورات کے وقت گولی کھائی جائے گی اس کے متعلق بھی کوئی ہدایت نہیں۔ چوسی جائے گی یا نگلی جائے گی نمبر ۱۔۲۔۳ کا جواب بہت جلد ارسال کریں۔

علی گڑھ کے متعلق جو میں نے لکھا تھا اس سے میری مراد بھی یہی ANTI GOD[1] سوسائٹی تھی۔ میں نے کسی سے سُنا تھا جس کا مجھے اس قدر رنج ہوا کہ تمام رات بے خواب گزری اور صبح کی نماز گریہ وزاری کی کوئی حد نہ رہی۔

جامعہ کی طرف سے کوئی خط لکچروں کے متعلق مجھے نہیں ملا۔ مہربانی کرکے وہ خط بھی بھجوائیے۔ نہیں معلوم کہ آپ کے ترجمے کی کتابت شروع ہوئی یا نہیں۔ غرضیکہ اس کے متعلق اطلاع جلدی بھجوائیے۔ اور نیز مطلوبہ خط بھی جامعہ کی طرف سے ارسال کرائیے۔ باقی دواؤں کے متعلق یہ ہی عرض ہے جو پہلے بھی کئی دفعہ لکھ چکا ہوں۔ یعنی کہ صحت پران کا اثر بہت اچھا ہوا ہے البتہ آواز پر کوئی نمایاں اثر ابھی تک نہیں ہوا۔ والسلام۔

علی بخش سلام کہتا ہے۔

والسلام

محمد اقبال

(عکس)　　　　(مکتوباتِ اقبال)

---

[1] خدا دشمن

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم۔

میں آج آپ کے خط کا منتظر تھا مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ حکیم صاحب سے ابھی نہیں مل سکے۔ دوا کا استعمال شروع ہے بس صبح کو بیٹر اور شام کو تیتر کھاتا ہوں۔ سبزی کا استعمال بہت کم کر دیا ہے مگر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پاخانہ سدہ بن کر گٹھلیوں کی طرح آتا ہے اس واسطے میں نے دریافت کیا تھا کہ آیا حکیم صاحب نے دوا میں قبض کا خیال رکھ لیا ہے یا نہیں۔ مہربانی کر کے جلد جواب دیں۔ باقی آواز کشا حبوب آپ نے اب تک ارسال نہیں کی۔ حکیم صاحب سے دریافت کریں کہ اس کا استعمال ضروری ہو تو ارسال کریں یا اس کی جگہ پان کی جڑ ہی استعمال کی جائے۔ والسلام۔

محمد اقبال ۲۹ ستمبر ۳۴

جامعہ کی طرف سے ابھی تک کوئی خط موصول نہیں ہوا اگر کوئی صاحب جامعہ میں سروجنی نائیڈو کا پتہ جانتے ہوں تو ان سے معلوم کر کے لکھیے۔

(عکس) (مکتوبات اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور ۲۹ ستمبر ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم

میں ابھی ایک پوسٹ کارڈ آپ کے نام ڈاک میں ڈال چکا ہوں - ایک ضروری بات لکھنا بھول گیا۔ اب اس خط میں لکھتا ہوں۔ آپ کو یاد ہو گا آپ نے

---

[1] یہ جملے 'مکتوبات اقبال' میں رہ گئے تھے عکس سے مقابلہ کے بعد درج کیے ہیں۔ (مولف)

جاوید کی والدہ کے لیے ایک دوا حکیم صاحب قبلہ سے لے کر ارسال کی تھی۔ وہ دوا ختم ہو چکی ہے نسخہ انھوں نے کوئی ساتھ نہیں بھیجا تھا کہ اسے ملفوف کر کے بھیجوں۔ حکیم صاحب کی خدمت میں بھی عرض کر دیں کہ اسے ایک مدت سے یہ شکایت ہے کہ تلی بڑھ گئی ہے اور ساتھ ہی اس کا جگر بھی بہت بڑھ گیا ہے۔ اس وقت زیادہ شکایت اس بات کی ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں کے اعصاب بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ یہاں تک کہ ہاتھ سے کوئی چیز اٹھانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس طرح زینے پر چڑھنا بھی تکلیف دہ ہے وہ اُن کو نبض دکھانے کے لیے دہلی آئے گی مگر اس وقت ان کے لیے کوئی دوا تجویز کر دیں جس میں اعصابی حالت کو خاص طور پر ملحوظ رکھا جائے جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے قبض کی بھی کسی قدر شکایت رہتی ہے۔ والسلام

محمد اقبال

(عکس) (مکتوباتِ اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ کہ اب آپ کو آرام ہے۔ حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں عرض ہے کہ نئی دوا کے استعمال سے کوئی خاص اثر آواز پر نہیں ہوا۔ دو روز سے پان کی جڑ بھی رکھ رہا ہوں۔ میرے خیال میں اب تمام تر توجہ اُن کو آواز کی طرف دینی چاہیے۔ صحت خدا کے فضل و کرم سے بہت اچھی ہو گئی ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ قبض نہ ہونے پائے۔ جاوید کی والدہ صاحبہ کے لیے بھی میں نے دوا کے واسطے لکھا تھا۔ حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کر دیجیے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ آٹھ ماہ کی علالت (اور علالت بھی ایسی کہ حقیقت

یں کوئی علالت نہیں) سے بہت تنگ آگیا ہوں۔ والسلام
محمد اقبال۔ لاہور
۲۰ ستمبر ۳۴ء

(عکس) (مکتوبات اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم۔

دواؤں کا پیکٹ ابھی ملا ہے۔ اس میں آپ کا خط بھی ملا۔ الحمدللہ کہ خیریت ہے۔ بہت بہتر ہے جو حکیم صاحب کی رائے ہے اسی پر میں بھی قائم ہوں۔ مگر علی بخش کی رائے ہے کہ جو دوا اس آخری دوا سے پہلے میں کھایا کرتا تھا وہ صحت کے لیے بہت عمدہ ہے۔ بالخصوص وہ جو صبح کے وقت ذرا سی چاٹ لی جاتی تھی۔ بہر حال حکیم صاحب بہتر جانتے ہیں گزشتہ چند روز سے چہرہ پر جو سرخی حکیم صاحب کی دوا کے استعمال سے آگئی تھی۔ اب علی بخش اور بعض دیگر آدمیوں کی رائے میں کم ہوگئی ہے۔ آپ حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کر دیں زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ اگر حکیم صاحب دوا میں تبدیلی چاہتے ہیں تو بہتر ہے کہ مذکورہ بالا امر کو ملحوظ رکھ کر ابھی ہو جائے۔ والسلام

محمد اقبال لاہور۔ ۵ اکتوبر ۳۴ء
(مکتوبات اقبال)

(عکس)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم۔ کل ایک پوسٹ کارڈ لکھ چکا ہوں امید ہے پہنچا ہوگا۔ ایک بات لکھنا بھول گیا۔

پلاؤ کھچڑی اور خشکہ چاول کے متعلق حکیم صاحب سے مفصل ہدایات حاصل کر کے مجھے جلد مطلع کریں۔ رات کو روٹی کا استعمال میری طبیعت اور عادت کے خلاف ہے اور چاول کے استعمال سے اندیشہ ہے کہ بلغم کی تولید نہ ہو۔

پھلوں میں سردہ کا اثر اچھا ثابت نہیں ہوا۔ علیٰ ہذا القیاس انگور کا اثر بھی آواز پر اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ کیا پھلوں کی مائیت کی وجہ سے ہے۔ اس کے متعلق بھی مفصل ہدایات حاصل کر کے مطلع کریں۔ پہلے لکھ چکا ہوں کہ اگر حکیم صاحب کا ارادہ دوا میں تبدیلی کرنے کا ہو تو جلد ہو جائے۔ آواز پر ابھی کوئی خاص اثر کسی دوا کا نہیں ہوا۔

آپ نے مجھے یہ نہیں لکھا کہ لیکچروں کی کتابت شروع ہوئی یا نہیں۔ مہربانی کر کے مطلع فرمائیں جامعہ کی طرف سے کوئی خط ابھی تک نہیں ملا۔ اگر ان کا ارادہ نہ ہو تو کتابت کی طباعت کا انتظام اور جگہ کیا جائے۔ والسلام۔

محمد اقبال لاہور۔ ۶ ؍اکتوبر ۳۴ء

(مکتوبات اقبال)

(عکس)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب السلام علیکم

آپ کا مرسلہ پارسل ادویہ ابھی ملا ہے۔ الحمد للہ آج شام سے دوا شروع کروں گا۔ دیگر عرض یہ ہے کہ اب بہ نسبت سابق خفیف سی مزید تبدیلی آواز میں ہوتی ہے۔ خدا کرے اس میں ترقی ہو۔

بادام تو روز کھاتا ہوں۔ کوزہ کی مصری کے ساتھ کھانے کے بعد پستہ و چلغوزہ چند روز کھایا۔ بعد ازاں خود بخود چھوٹ گیا مجھے تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ بادام مع مصری کوزہ پستہ و چلغوزہ سے زیادہ مفید ہے۔ بہر حال اگر پستہ و چلغوزہ کا التزام بھی ضروری ہے تو کل سے پھر شروع کردوں گا

پرندوں اور خرگوش کا مغز میں نے آج تک استعمال نہیں کیا میں نے اس سے پہلے آپ کی خدمت میں لکھا تھا کہ مغز خرگوش کا کھانا میرے لیے ناممکنات سے ہے۔ علیٰ ہذا القیاس پرندوں کا مغز۔ مجھے مغز سے خواہ وہ کسی جانور کا ہو سخت کراہیت ہوتی ہے۔ بکرے کا مغز پکا ہوا دیکھ لوں تو طبیعت متلا جاتی ہے۔ خرگوش کا روز ملنا بھی مشکل ہے۔ بکرے کا مغز تو شاید دل کڑا کر کے کھا بھی لوں۔ خرگوش کا مغز یا چڑے کا مغز کھانا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں عرض کیجیے کہ ان کی جگہ کوئی اور دوا تجویز فرمائیں تو نہایت مہربانی ہوگی دوا نہیں تو کوئی اور خوراک تجویز کر دیجیے۔

جاوید کا ماموں دہلی اپنے کاروبار کے لیے آنے والا ہے۔ نئی دہلی میں ان کی دوکان کھلے گی۔ وہ دوکان کھل جائے تو وہ جاوید کی والدہ کے ساتھ آئے گا۔ علی بخش بھی ہمراہ ہوگا۔ لیکن ابھی تاریخ ان کے آنے کی عرض

نہیں کر سکتا۔ پھر اطلاع دوں گا۔
جامعہ کی طرف سے کوئی خط ابھی تک نہیں ملا مزید تاکید ہے کہ لیکچروں کے ترجمہ کی اشاعت کی طرف توجہ کیجیے اگر جامعہ تیار نہ ہو تو کتاب ارسال کیجیے میں اس کی اشاعت کا یہاں انتظام کروں والسلام۔[1]

محمد اقبال۔ ۱۱ اکتوبر ۳۴ء

(عکس) (مکتوبات اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا۔ آپ کی علالت کا معلوم کر کے افسوس ہوا۔ خدا تعالیٰ صحت عطا کرے۔ حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کریں کہ آواز میں بہ نسبت سابق اب کچھ ترقی ہے۔ الحمدللہ۔ صبح بلغم بہت نکلتی ہے جس سے تعجب ہوتا ہے کہ اس قدر بلغم کہاں سے آتی ہے۔ بہر حال اس کے نکلنے سے آواز میں اس وقت نسبتاً زیادہ صفائی ہوتی ہے۔ مجھے امید ہے یہی تجویز کارگر ہوگی۔ اس دوا کا عام صحت پر بھی اچھا اثر ہے۔ قبض بھی نہیں۔ بادام ہر روز کھاتا ہوں۔ باقی رہا خرگوش کا دماغ۔ سو اس کے لیے دریافت کروں گا کہ کوئی طریقہ ایسا نکلے جس سے کراہت نہ ہو۔

لیکچروں کے متعلق عرض یہ ہے کہ جو شرائط مکتبہ کے ساتھ طے ہوں وہ صرف پہلی ایڈیشن کے متعلق ہوں گی اور جو روپیہ میرے لیے انھوں نے تجویز کیا ہے اس میں اجرت ترجمہ شامل ہے یا نہیں۔ بہتر ہو آپ چند

---

[1] عکس میں علامہ نے ان سطور کے نیچے خط کھینچ دیا ہے کہ اس امر کی اہمیت پر زور دینا مقصود تھا۔ (مولف)

روز کے لیے آجائیں۔ مزید دوا بھی لیتے آئیں۔ آپ سے مل کر بڑی خوشی
ہوگی۔ رقم جو تجویز ہو یک مشت اور فوراً ادا ہو جائے تو بہتر ہے کیونکہ
اب چند روز میں جاوید کے مکان کی تعمیر شروع ہونے والی ہے اور
روپے کی ضرورت ہے۔ بالِ جبریل دس ہزار طبع ہوگی۔ اس کی فروخت
کا انتظام بھی ہوگیا ہے۔ ایک لوکل کمپنی نے سب کی سب خرید کرلی ہے۔
معز عصفور کا جو ہر کس طرح تیار کرتے ہیں۔ اگر تیار شدہ ممکن ہو تو میں
اسے استعمال ضرور کروں گا۔ حکیم صاحب سے یا کسی اور ڈاکٹر سے دریافت
کرکے مطلع کریں۔ آپ کب تک لاہور آسکیں گے؟ والسلام۔

محمد اقبال لاہور۔ ۱۹ر اکتوبر ۳۴ء[1]

(عکس) (مکتوباتِ اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم

کل ایک کارڈ لکھ چکا ہوں۔ آپ لاہور تشریف لائیں تو یہیں میرے
ہاں ٹھہریں اور کتاب سنائیں۔ اس طرح کام جلدی ختم ہوگا۔ مجھے اُمید
نہیں کہ نظرِ ثانی میں میں آپ کی کچھ زیادہ مدد کرسکوں تاہم آپ مجھے کتاب
سنائیں۔ ممکن ہے کچھ مشورہ دے سکوں۔ کتاب کا دیباچہ لکھنا بھی ضروری
ہے اور یہ آپ خود لکھیں۔ اس کے متعلق میں آپ کو ضروری مشورہ دوں گا
جاوید کی والدہ بہت کمزور ہوگئی ہے۔ حکیم صاحب کی خدمت میں عرض

---

[1] نوٹ: مکتوباتِ اقبال بنام نذیر نیازی میں یہ خط ۱۹ر ستمبر ۱۹۳۴ء کے
تحت درج ہے جب کہ عکس میں ۱۹ر اکتوبر ۳۴ء واضح طور پر پڑھا جاتا ہے۔
(مؤلف)

کریں کہ اگر مناسب ہو تو اس کے لیے روح الذہب تجویز کریں۔ اس دوا نے میری صحت پر نمایاں اثر کیا ہے۔ ممکن ہے اسے بھی مفید پڑے۔ اس کے اعصاب بہت کمزور ہو گئے ہیں اور اگر زیادہ دیر تک بیٹھے تو اٹھتے ہوئے سر میں چکر آ جاتا ہے۔ فی الحال جو دوا بھی اُس کے لیے تجویز ہو اس میں مندرجہ ذیل باتیں ملحوظ رکھنی چاہئیں:

(۱) جگر اور تلی کا بڑھ جانا۔ یہ عارضہ بہت دیر سے ہے۔

(۲) اعصاب کی کمزوری مثلاً بیٹھ کر اٹھنے میں تکلیف۔ سو کر چارپائی سے اٹھنے میں تکلیف۔ معمولی چیزوں کو ہاتھ سے اٹھانے میں تکلیف۔

(۳) پاخانہ کا دو تین دفعہ آنا۔

(۴) عام صحت کی کمزوری۔

یہ مفصل حالات حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کر دیں۔

اگر ان حالات کو سننے کے بعد روح الذہب مناسب ہو تو اس کا استعمال کیا جائے یا یہ دوا منجملہ اور دواؤں کے۔

مکتبۂ جامعہ کی طرف سے مجھے کوئی خط ابھی تک نہیں ملا۔

ہفتہ آیندہ میں اگر آپ آئیں تو میرے لیے اور جاوید کی والدہ کے لیے دوا (اگر حکیم صاحب تجویز فرمائیں) تو لیتے آئیں۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ والسلام

محمدؐ اقبال ۲؍ اکتوبر ۳۴ء

(مکتوباتِ اقبال)

(عکس)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم۔

یہ نہ معلوم ہوا کہ آپ لاہور آئے یا نہیں۔ اگر آئیں تو میرے ہاں ہی قیام کریں۔ نیز دوا ساتھ لیتے آئیں کیونکہ اب صرف دو تین روز کے لیے دوا باقی ہے اگر آنا ممکن نہیں تو دوا بذریعہ ڈاک ارسال کر دیں۔

جامعہ کی طرف سے ابھی تک کوئی خط موصول نہیں ہوا۔ والسلام

محمدؐ اقبال

لاہور۔ ۲۵ر اکتوبر ۳۴ء

(مکتوبات اقبال) (عکس)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور ۲۸ر اکتوبر ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کی علالت کی خبر معلوم کر کے تردد ہوا۔ خدا تعالیٰ ان کو شفائے عاجل کرامت فرمائے۔ دوا ختم ہو گئی ہے اور دوا بھجوائیے۔

حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کیجیے کہ آواز میں گزشتہ ہفتہ کچھ تبدیلی ہوئی تھی مگر اس سے آگے مزید تبدیلی نہیں ہوئی۔ البتہ صحت بہت اچھی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ نمایاں ترقی آواز میں ہو۔ بلغم صبح کے وقت بہت نکلتی ہے اور اس کے نکلنے سے آواز بھی قدرے صاف ہو جاتی ہے۔ غرضیکہ اب آواز کی خاطر کسی ایسے اکسیر کی ضرورت ہے جو بہت جلد اور نمایاں اثر کرے اور آج کل ایسا اکسیر سوائے حکیم صاحب کے اور کس کے پاس ہے۔

اگر پاس نہیں ہے تو ان کی خدمت میں عرض کریں کہ ایسا اکسیر ایجاد کریں اور اپنے طبی ذوق کی گہرائیوں سے اسے پیدا کریں۔ میں نے آپ کو لکھا تھا کہ خرگوش نر کے دماغ کا جوہر کسی کیمیاوی طریق سے تیار ہو سکتا ہے یا نہیں۔ مثلاً عرق وغیرہ یا جیسے ماءاللحم تیار کرتے ہیں۔ یہ بات بھی حکیم صاحب سے دریافت کرنے کی ہے۔ اگر انھوں نے عرق کی رائے دی تو تیار کر دیا جائے گا یا اس کا ماءاللحم تیار کرایا جائے گا۔

حامد علی صاحب کا خط آیا تھا۔ وہ رقم کی ادائیگی کے لیے کتاب کی اشاعت سے ایک سال کی میعاد مانگتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر پندرہ سولہ ماہ کے لیے۔ ان سے کہہ دیجیے کہ میں ان کے خط کا آخری جواب چند روز تک لکھوں گا۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں آداب عرض کیجیے۔ والسلام

محمد اقبال۔ لاہور

(عکس) (مکتوباتِ اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

ذیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم۔ اس سے پہلے ایک کارڈ لکھ چکا ہوں۔ اُمید ہے کہ آپ کے ملاحظہ سے گزرا ہو گا۔ آج دوا کا پیکٹ مل گیا ہے جس کے لیے شکریہ ہے۔ افسوس کہ جاوید کی والدہ بہت کمزور ہو گئی ہے۔ سفر کے لائق نہیں رہی۔ کچھ اس کو میری بیماری نے بھی پریشان[ع] رکھا ہے۔ وہ نہایت حسّاس ہے اور ذرا سا فکر اس کو بے چین کر دیتا ہے میرا ارادہ اُسے دہلی بھیجنے کا تھا مگر اب کیا کیا جائے۔ اس کو صرف یہی شکایت ہے

لہ مہتمم مکتبہ جامعہ، دہلی
ع "کر"، سہواً رہ گیا ہے۔

کہ کمزوری اعصاب کی بڑھتی جاتی ہے۔ ہاتھ سے پکڑکر کوئی چیز مشکل سے اٹھا سکتی ہے۔ پاخانہ میں پایہ بلند ہو تو اس پر پاؤں رکھنا اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔ چہرہ زرد ہوتا جاتا ہے اور بدن میں لاغری ہے۔ باقی تلّی اور جگر کی شکایت اس کی پرانی ہے۔ فی الحال اس کمزوری نے اُسے بہت تنگ کر رکھا ہے اور کوئی شکایت نہیں ہے۔ حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کریں کہ اس کے لیے فی الحال محض اعصاب کو قوی کرنے کی دوا کی ضرورت ہے۔ اگر یہ بات بغیر نبض دیکھے ممکن ہو تو تجویز کریں ورنہ خیر۔ آج قریباً ایک ہفتہ سے انگریزی گولیاں کھا رہی ہے مگر ان کا کوئی اثر نہیں۔ ڈاکٹر کی تشخیص ہے کہ خون میں RED ... [1] نہیں رہے یا اُن کی بہت کمی ہوگئی ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید کہ آپ کی والدہ اب اچھی ہوں گی۔ شیخ محمد اسد لاہور میں نہیں ہیں۔ مجھے ان کا کوئی خط نہیں ملا۔

والسلام۔

۳۱ اکتوبر ۳۴ء محمد اقبال

(عکس) (مکتوباتِ اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔ الحمدللہ۔ اب آپ کی والدہ اچھی ہیں۔ حامد علی صاحب کا خط آیا تھا۔ میں نے آپ کو اس سے پہلے لکھ دیا ہے کہ وہ روپیہ کی ادائگی کے لیے بہت طویل مہلت مانگتے ہیں۔ بہرحال وہ میرے جواب کا انتظار کریں۔

حکیم صاحب قبلہ کے بڑے بیٹے[2] اتفاق سے لاہور میں ہیں۔ میں نے

---

[1] خون میں سرخ ذرّے۔ [2] عبدالحی انصاری (مؤلف)

ان کو پرسوں بلایا تھا۔ انھوں نے جاوید کی والدہ کی نبض دیکھ کر ایک نسخہ تجویز کیا ہے جو کل سے استعمال ہو رہا ہے۔ وہ چند روز تک دہلی واپس جائیں گے اور حکیم صاحب کی خدمت میں کل حالات عرض کریں گے۔ اس کے بعد حکیم صاحب جو دوا مناسب ہو تجویز فرمائیں۔ اگر یہ خط آپ کو دوا کی ترسیل سے پہلے مل جائے تو دوا ارسال نہ کریں۔ ورنہ خیر۔ میں یہ دوا حکیم صاحب کے بیٹے کو دکھاؤں گا۔ ہاں نسخہ ارسال کر دیجیے تاکہ یہاں حکیم صاحب کو معلوم ہو جائے کہ دہلی سے کیا دوا آئی ہے۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔

بھائی صاحب سیالکوٹ سے آئے ہوئے ہیں۔ مکان کی تعمیر چند روز میں شروع ہوگی۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ خرید زمین اور تعمیر وغیرہ میں اتنی سر دردی ہے۔

۵ر نومبر ۳۴ء　　　　محمدؐ اقبال۔ لاہور

(عکس)　　　　(مکتوبات اقبال)

پروفیسر ضیاء احمد بدایونی کے نام

لاہور

۹ر نومبر ۳۴ء۱۹

جنابِ من

آپ کی نوازش ہے کہ آپ نے اپنے مرتبہ غزلیات مومن کا ایک نسخہ مجھے عنایت فرمایا۔ جس کی ترتیب اور تدوین میں معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بڑی کاوش سے کام لیا ہے۔ میں نے مومن کو زندگی میں پہلی مرتبہ پڑھا لیکن مجھے اعتراف ہے کہ ان کی شاعری سے مجھے بہت مایوسی ہوئی۔ شاذ و نادر ہی وہ تغزل کے کسی حقیقی جذبے تک پہنچ سکے ہیں۔ ان کے خیالات طفلانہ ہیں۔ وہ اکثر اپنے جذبات کے سوقیانہ پن کو چھپانے میں ناکام نظر آتے ہیں۔

نفسیاتی اعتبار سے دیکھا جائے تو ان کے اندازِ بیان میں وضاحت کی کمی ہندوستانی مسلمانوں کے انحطاط پذیر جذبہ حکمرانی کا ایک اہم لیکن اذیت ناک ثبوت بھی ہے۔ صرف حاکم قوم میں اظہار کی وضاحت ایک لازمی امر ہے۔ یہ کیفیت یعنی وضاحت کی کمی جو مومن کے یہاں اس قدر عام ہے، کسی قدر کمی کے ساتھ مومن سے کہیں زیادہ عمیق ذہنوں میں بھی نظر آتی ہے (جیسے غالب اور بیدل) اس مریض قوت ارادی کی دوسری علامات یا نتائج میں قنوطیت اور تصوف بھی شامل ہیں جس میں ابہام سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور تشنہ بیانی کو گہرائی سمجھ کر مزہ لیتے ہیں۔

آپ کا مخلص
محمدؐ اقبال

(انگریزی سے)[1]
(عکس)
(غیر مدون)

سید نذیر نیازی کے نام

لاہور۔ ۱۰ر نومبر ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم

(۱) اس سے پہلے میں لکھ چکا ہوں کہ جاوید کی والدہ کی نبض حکیم صاحب کے بڑے صاحبزادے دیکھ گئے تھے انھوں نے ان کی خدمت میں مفصل عرض کر دیا ہوگا۔ ان کے مشورہ کے مطابق جو دوا آپ نے ارسال کی تھی اس کا استعمال شروع ہے۔ ان کی اور شکایت یہی ہے کہ پنڈلیوں کے اعصاب میں کمزوری

---

[1] عطیہ برادرم پروفیسر ظہیر احمد صدیقی، شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی،

ہوگئی ہے۔ زینہ پر چڑھنا ناممکن ہوگیا ہے اور پاؤں کے بل پر بیٹھے تو بغیر دوسرے کی مدد کے اٹھنا محال ہوجاتا ہے۔ عام طور پر بھی صحت کمزور ہے۔ تلی اور جگر کی شکایت پرانی ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ خون کے ذرّے کم ہوگئے ہیں۔ آپ مہربانی کرکے حکیم صاحب سے اس کا ذکر کریں کہ وہ اپنے بڑے صاحبزادے سے پوچھ کر کوئی دوا تجویز کریں۔ وہ بیچاری اپنی موجودہ حالت کی وجہ سے بہت متفکر اور پریشان رہتی ہے۔

(۲) باقی رہا میں۔ سو میں گزشتہ خط میں مفصّل لکھ چکا ہوں۔ جو حالت اس وقت ہے آپ کے پاس وہ خط محفوظ ہوگا۔ مہربانی کرکے یہ خط اور وہ خط دونوں حکیم صاحب کو سنائیں اور پوچھیں کہ آیا یہی دوا جاری رہے گی یا تبدیلی ضروری ہے۔ ان دواؤں سے جواب تک استعمال کی گئیں صحت پر بڑا اچھا اثر پڑا ہے۔ مگر آواز میں بحیثیت مجموعی کوئی نمایاں فرق نہیں ہوا۔ معلوم نہیں یہ بلغم اتنی کہاں سے آتی ہے اور کیونکر پیدا ہوتی رہتی ہے۔ میں کوئی ایسی چیز بھی نہیں کھاتا جس سے بلغم پیدا ہو۔ تاہم جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کھانا کھانے چائے پینے یا پانی پینے کے بعد بلغم نکلتی ہے اور نکلنے کے بعد آواز نسبتاً صاف ہوجاتی ہے۔ تھوڑی مدّت گزرنے کے بعد پھر اسی طرح ہوجاتی ہے۔ یہ ساری باتیں ان کی خدمت میں عرض کریں۔ پہلا خط بھی اُن کو سنائیں اور یہ دوسرا خط بھی۔ اب شاید یہ ضروری ہو کہ اس بیماری کے لیے اگر کوئی خاص نسخہ ہو تو اسے استعمال کیا جائے۔ ہچکی کے متعلق پہلے خط میں لکھ چکا ہوں۔ غذا جو عام طور پر استعمال کرتا ہوں وہ بھی مفصّل لکھ چکا ہوں۔ والسّلام

محمد اقبال

(عکس) (مکتوبات اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم۔

اس سے پہلے خط لکھ چکا ہوں۔ اُمید کہ پہنچا ہوگا۔

دوا قریب الاختتام ہے۔ شاید پرسوں ختم ہو جائے گی۔ اس سے پہلے میں آپ کو لکھ نہ سکا۔ حکیم صاحب کے بڑے صاحبزادے جاوید کی والدہ کی نبض دیکھ گئے ہیں وہ مفصل حالات حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کریں گے۔

باقی رہا میں۔ سو میری حالت ابھی بدستور ہے۔ آواز میں کچھ ترقی ہوئی تھی مگر وہ ترقی عارضی ثابت ہوئی۔ میں کوئی بد پرہیزی بھی نہیں کرتا۔ البتہ صحت کی حالت ایسی ہے کہ کوئی شخص مجھے بیمار خیال نہیں کرتا۔ حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کیجیے کہ اب کیا صورت اختیار کی جائے۔ وہی دوا جاری رہے گی یا اور کوئی۔ زیادہ کیا لکھوں۔ والسلام

محمد اقبال۔ لاہور

۱۲ر نومبر ۳۴ء

(عکس) (مکتوبات اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

۱۲ر نومبر ۱۹۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم

ابھی ایک پوسٹ کارڈ ڈاک میں ڈال چکا ہوں۔ چند باتیں بھول گیا اب لکھتا ہوں۔ حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں مندرجہ ذیل باتیں بھی عرض کیجیے:

(۱) کھانا کھانے چائے پینے مرغ کا شوربا پینے یا پانی پینے (کے)[1] بعد بلغم

---

[1] ”کے“ سہواً رہ گیا۔

خاص طور پر نکلتی ہے۔ علیٰ ہذالقیاس صبح کے وقت بھی خاص طور پر نکلتی رہتی ہے۔ پہلے یہ بلغم پختہ اور ٹھوس بھی ہوتی تھی اب اس قدر ٹھوس نہیں البتہ لزوجت ہے۔

(iii) بلغم نکلنے کے بعد آواز نسبتاً صاف ہو جاتی ہے۔

(iiii) کبھی کبھی دن میں ہچکی بھی ہوتی ہے۔ مگر صرف ایک دفعہ۔ ایسا دن میں[1] دن بھر میں دو تین دفعہ سے زیادہ نہیں ہوتا۔

(vi) رات کو یہ ہچکی مطلق نہیں ہوتی اور نیند خوب آتی ہے۔

(v) قبض رہتی ہے۔ پاخانہ کھل کر نہیں آتا۔

(vi) بھوک کسی قدر کم ہو گئی ہے۔ اس دوا سے پہلے جو دوا حکیم صاحب نے ارسال فرمائی تھی اس میں معلوم ہوتا ہے حکیم صاحب نے قبض کا خاص طور پر خیال رکھا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاید قبض کو بھی آواز کی ترقی تعجیل نہ ہونے میں دخل ہو۔ بہر حال اس کا فیصلہ حکیم صاحب کریں گے۔

(vii) غذا میری آج کل حسبِ ذیل ہے:-

صبح اٹھتے ہی دوا کا استعمال آٹھ بجے کے قریب چائے مع اُبلے ہوئے انڈوں کے۔ قریباً ۱۲ بجے یا ساڑھے گیارہ بجے کھانا جس میں روٹی اور سبزی میں پکا ہوا گوشت ہوتا ہے۔ کبھی شامی کباب بھی ہوتے ہیں۔ اس کے بعد شہد خالص تین چار تولہ اور بادامِ ہرات کو بہت کم کھاتا ہوں۔ یہ میری پرانی عادت ہے۔ بھوک بھی کم ہوتی ہے۔ تاہم کبھی کبھی تھوڑا کھا لیتا ہوں۔ اور مُرغ کا شوربا بالالتزام پیتا ہوں خواہ کچھ کھاؤں یا نہ کھاؤں۔ والسلام

محمد اقبال

(عکس) (مکتوبات اقبال)

---

[1] 'دن میں' زیادہ ہے۔ بیماری کے باعث حضرت علامہ کے خطوں میں قدرے پریشان نگاری آگئی تھی۔ (سید نذیر نیازی)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ اس سے پہلے دو خط میں آپ کو لکھ چکا ہوں۔ حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کیجیے کہ چونکہ ٹیکس کا حکم ہو چکا ہے اس واسطے اس حکم کے خلاف دہلی میں کسی وکیل کی معرفت اپیل کرنی ضروری ہے۔ اور اس بنا پر کہ حکیم صاحب کی کل آمدنی وقف ہے۔ کیا اُن کا دوا خانہ وقف ہے؟ اگر وقف ہے تو اپیل اور بھی مضبوط ہے۔ اور اگر وقف نہیں مگر اس کی آمدنی وقف ہے پھر بھی یہ اچھی وجہ ہے۔ اس کا ثبوت دینا چاہیے۔ یہ بھی اپیل میں لکھنا چاہیے کہ اس سے پہلے بھی اسی بنا پر حکیم صاحب پر ٹیکس نہیں لگایا گیا۔ اس کے ثبوت میں حکیم صاحب کے دوا خانے کے رجسٹر پیش ہو سکتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ ٹیکس افسر وہاں دہلی میں کون ہے۔ بہر حال چونکہ حکم ٹیکس[1] ہو چکا ہے اس واسطے اس کے خلاف اپیل قانونی طریق پر ضروری ہے۔ والسلام باقی خیریت ہے۔ والسلام۔

اپیل بہر حال ضروری ہے۔ باقی اگر کسی کو کچھ لکھنا ہو تو مطلع فرمائیے کہ کس کو لکھنا چاہیے۔

محمد اقبال لاہور۔ ۱۲ر نومبر ۳۴ء

(عکس) (مکتوبات اقبال)

---

[1] رکا، سہواً رہ گیا ہے۔ (سید نذیر نیازی)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔ امید کہ میرے خطوط آپ کو مل گئے ہوں گے۔ میں دوا کا منتظر ہوں۔ حکیم صاحب قبلہ کی خدمت میں تمام حالات عرض کر دیجیے اور میرے خطوط ان کو دکھا دیجیے تاکہ وہ دوا تجویز کر سکیں۔ گزشتہ چار پانچ روز سے میں نے کوئی دوا نہیں کھائی۔ والسلام

محمد اقبال ۱۹ر نومبر ۳۴ء

لاہور

(عکس) (مکتوباتِ اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم۔ میں نے آج صبح آپ کو خط لکھا تھا۔ الحمد للہ دوا مرسلہ پہنچ گئی۔ انشاء اللہ کل سے شروع کروں گا۔ حکیم صاحب کے بڑے صاحبزادے عبدالحی انصاری کئی دن ہوئے لاہور آئے تھے پھر وہ واپس بھی چلے گئے۔ مجھ سے وعدہ کر گئے تھے کہ جاوید کی والدہ کے کل حالات حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کر دوں گا۔ حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کیجیے کہ ان سے دریافت کریں۔ باقی رہا انکم ٹیکس کا معاملہ سو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ پادری صاحب کون ہیں۔ لیکن یہ معاملہ آمدنی کا ہے گورنمنٹ روپیہ چھوڑنا نہیں جانتی۔ جب تک انھیں دلائل سے قائل نہ کیا جائے۔ حکیم صاحب کی اپیل ضروری ہے اور حساب دکھا کر ان کو قائل کرنا ضروری ہے۔ حکیم[1] کے چھوٹے صاحبزادے یہاں لاہور میں ہیں مگر وہ شاید جموں چلے گئے

---

[1] (صاحب، سہواً رہ گیا ہے (سید نذیر نیازی)

ڈیئر نیازی صاحب۔ ابھی میرے خطوط آپ کو
مل گئے ہوں گے۔ میں دعا کا منتظر ہوں۔ بلکہ بھوپال والے
حضرت کو تمام حالات عرض کر دیجیے اور میرے خطوط
ان کو سنا دیجیے تاکہ وہ دعا تحریر کریں گے۔ گذشتہ چار پانچ
روز سے نیند کی دوا نہیں کھائی۔

محمد اقبال ۱۹ فروری ۳۶ء
لاہور

ہیں۔ آپ ان کو لکھ دیجیے کہ وہ مجھے پادری صاحب کے نام سے آگاہ کریں۔ ممکن ہے میں ان کو جانتا ہوں اگر ایسا ہوا تو کسی طریق سے ان تک بات پہنچا دوں گا۔ لیکن اپیل مقدم ہے اور حسابات کی جانچ پڑتال۔ انکم ٹیکس آفیسر جس کے سامنے اپیل ہوگی کون ہے؟

محمد اقبال۔ لاہور

۱۹ ؍ نومبر ۳۴ء

اگر آواز نارمل نہ ہوئی تو دیانا جانے کا قصد ہے۔

بالِ جبریل جنوری تک شائع ہوگی۔ والسلام

(مکتوباتِ اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

۲۰ ؍ نومبر ۳۴ء

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم۔ میں کل آپ کی خدمت میں لکھ چکا ہوں اور اطلاع دے چکا ہوں کہ دوا مل گئی ہے۔ جاوید کی والدہ کے متعلق تعجب ہے کہ حکیم صاحب کے بڑے صاحبزادے نے ان کی خدمت میں اب تک مفصل حالات عرض نہیں کیے۔ حالانکہ وہ مجھ سے وعدہ کر گئے تھے کہ جاتے ہی کل حالات عرض کر دیے جائیں گے۔ بہر حال ان کے لیے نسخہ تجویز کرتے ہیں میرے خیال میں مندرجہ ذیل باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

(۱) تلی اور جگر کا بڑھا ہوا ہونا۔ یہ شکایت پرانی ہے۔

(۲)[1] ایام مخصوص میں تکلیف بعض دفعہ خون کا بند ہو جانا اور . . میں نکسیر پھوٹنا

---

[1] مکتوباتِ اقبال بنام نذیر نیازی میں خط کا یہ حصہ محذوف تھا عکس کے مطابق پورا متن پیش کیا جا رہا ہے۔ (مولف)

یہ شکایت بھی مدّت سے ہے۔

(۳) کبھی کبھی بخار کا ہونا۔ یہ ملیریا ہے کہ یہ بخار سردی کے ساتھ ہوتا ہے بعض دفعہ صرف ایک دو گھنٹے رہتا ہے۔ بعض دفعہ چار گھنٹے۔ عام طور پر رات کا کھانا کھانے کے بعد خفیف حرارت محسوس ہوتی ہے بخار نہیں ہوتا صرف ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا خفیف سا بخار ہے۔

(۴) چند روز ہوئے کھانسی بھی تھی مگر اب اس کو رکا، آرام ہے۔ تاہم نسخے میں اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

(۵) حال میں جو شکایت پیدا ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ہاتھوں اور ٹانگوں کے پٹھے کمزور ہو گئے ہیں ہاتھ سے کسی چیز کا پکڑنا مشکل اور زینہ پر چڑھنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ اعصابی نظام بہت کمزور ہو گیا ہے۔ یہ شکایت قریباً پندرہ بیس روز سے پیدا ہوئی ہے۔ پہلے نہ تھی۔ پاؤں پر جسم کا بوجھ ڈال کر (جیسا پاخانہ بیٹھتے وقت) بیٹھیں تو دوسرے کی مدد کے بغیر اٹھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ پاؤں لٹکا کر بیٹھیں اور دیر کے بعد اٹھیں تو پھر اٹھنے میں دقت نہیں ہوتی۔ اس وقت سب سے بڑی تکلیف یہی ہے۔

(۶) ڈاکٹر صاحب نے معائنہ کیا ہے وہ کہتے ہیں خون میں سُرخ ذروں کی بہت کمی ہو گئی ہے۔

(۷) خون میں خرابی ہے اس بنا پر میں نے یہ خیال کیا ہے کہ شاید روح الذہب ان کے لیے مفید ہو۔ حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کر دیں ممکن ہے روح الذہب بھی منجملہ ادویۂ دیگر کے تجویز کریں۔ یہ سب حالات ہیں۔ حکیم صاحب کو یہ خط سنا دیجیے افسوس ہے کہ وہ سفر کے لائق نہیں۔ ورنہ میں انھیں دہلی لاتا والسّلام۔

محمدؐ اقبال۔

اس خط کے جواب میں جلدی کیجیے۔ جلد حکیم صاحب کو دکھائیے اور ادویہ تجویز کروا کر ارسال کروائیے۔

(عکس) (مکتوباتِ اقبال)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔ میں آپ کو جاوید کی والدہ کی علالت کے متعلق خطوط مفصل لکھ چکا ہوں۔ اُمید کہ آپ نے حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ سُنا دیے ہوں گے اور حکیم صاحب نے اپنے صاحبزادے سے بھی جو والدۂ جاوید کی نبض بھی دیکھ گئے تھے حالات سُن لیے ہوں گے۔ اب مجھے دوا کا انتظار ہے۔ یہ بھی اُن کی خدمت میں عرض کر دیجیے گا کہ بخار اب بالکل نہیں ہوتا۔ اعصاب کی شکایت ابھی بدستور ہے۔ دماغ کی کمزوری بھی ہے۔ چنانچہ جب کچھ دیر بیٹھ کر اٹھے تو دماغ میں چکر سا محسوس ہوتا ہے۔ باقی شکایات اس کی پرانی ہیں یعنی جگر تلی کا بڑھ جانا اور ایام خاص میں خون کا تکلیف سے آنا بلکہ اب ایک آدھ مہینے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بالکل بند ہو جائے گا۔ عمر اُن کی تقریباً چالیس سال ہے[2] زیادہ کیا لکھوں اُمید کہ آپ جلد ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض حال کریں گے۔ یہ بھی معلوم کیجیے کہ کسی شکل میں اُن کے لیے[3] کستوری یا عنبر یا دونوں کا استعمال ان کے لیے مفید ہوگا یا نہیں۔ روح الذہب بھی ممکن ہے ان کو فائدہ دے۔

محمد اقبال

۲۹ / نومبر ۳۴ء

(مکتوبات اقبال)　　　　(عکس)

---

[1] مکتوبات اقبال بنام نذیر نیازی میں خط کا یہ حصہ محذوف تھا۔ عکس کے مطابق پورا متن پیش کیا جا رہا ہے۔ (مؤلف)

[2] "ہے" سہواً رہ گیا ہے (نذیر نیازی)

[3] "ان کے لیے"، یہ لفظ سہواً دوبارہ لکھ دیا ہے۔ (مؤلف)

خواجہ غلام السیدین کے نام

لاہور

۲۹ر نومبر ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر خواجہ صاحب'

آپ کے خط کے لیے سراپا سپاس ہوں جو پل بھر پہلے ملا۔ میرا گلا ابھی تک خراب ہے اگرچہ معمولی سا اضافہ ہے۔ میری عام صحت کافی اچھی ہے اور میں نے گزشتہ آٹھ مہینوں میں بہت مطالعہ کیا ہے اور غور و فکر بھی کیا ہے۔ مسافر... قریباً مہینہ بھر ہوا کہ شائع ہو گئی۔ صرف چند سو نسخے طبع ہوئے تھے اگر آپ لاہور کے کسی کتب فروش کو لکھیں تو آپ کو ایک نسخہ دستیاب ہو جائے گا۔ بال جبریل ماہ جنوری ۱۹۳۵ء میں شائع ہو گی۔ چند روز میں مسودہ پریس کو چلا جائے گا۔ "دور حاضر کے خلاف اعلان جنگ" کی طباعت میں کچھ وقت لگے گا۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔ آپ کے عنایت نامہ کا شکریہ پھر ادا کرتا ہوں۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے)

(عکس)

(غیر مطبوعہ)

ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ حیدر آبادی کے نام

لاہور

۱؍ دسمبر ۳۴ ۱۹ء

مکرم بندہ

تسلیم ۔ آپ کا گرامی نامہ مل گیا ہے ۔ میری طبیعت بحمد اللہ اب اچھی ہے ۔ حکیم نابینا صاحب دہلی والے علاج کر رہے ہیں ۔ فرق ضرور ہے ۔ مگر عام طور پر گفتگو کرنے میں سخت تکلیف ہوتی ہے ۔ جناب کی گراں قدر رائے کا شکریہ ۔ انشاءاللہ ضرور بھوپال جاؤں گا اور بجلی کے علاج سے بھی استفادہ حاصل کروں گا ۔ میں نے صحت کی مجبوریوں کے باعث ولایت جانے کا قصد ترک کر دیا ہے ۔ میں نے آپ کا کلام دیکھا ہے ۔ اور تازہ تر نظمیں بھی ۔ مجھے شعریت سے زیادہ معنویت نظر آئی اور میں بیحد متاثر ہوا ۔ میری یہ خواہش ہے کہ اس قدرتی عطیہ کو آپ مناسب طریقے سے استعمال کریں ۔ آپ کے اکثر اشعار وجدان کے حامل ہیں ۔

آپ کے وقتاً فوقتاً ہدایت کے لیے میں جناب کا شکر گزار ہوں ۔

مخلص

محمد اقبال لاہور

(عکس) (اقبال نامہ)

خواجہ غلام السیدین کے نام

لاہور

۲؍ دسمبر ۳۴ ۱۹ء

مائی ڈیر سیدین

مکرمی بندہ

مخلص

محمد اقبال

آپ کے خط کا شکریہ۔ مجھے یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ مجھے آپ سے بہت محبت ہے۔ جس کی وجوہات آپ بخوبی جانتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ایک کتاب بعنوان "ایک فراموش شدہ پیغمبر کا صحیفہ" لکھوں۔ "عصر حاضر کے خلاف اعلان جنگ" اس کتاب کا صرف تشریحی عنوان ہو گا۔ صرف چند روز قبل بہت سے خیالات میرے ذہن میں بجلی کی طرح کوند گئے اور میں نے اپنی خواہش اور اردو شاعری میں اپنی شہرت کے برعکس ان کو قلم بند کر لیا۔ بعد کے دو روز میں کتاب کا بیشتر حصّہ لکھا جا چکا تھا۔ اب میں اس کو اردو نظم میں مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ "فراموش شدہ پیغمبر کا صحیفہ" اب انگریزی میں ایک علیحدہ کتاب ہوگی جسے میں بعد میں لکھنے کی توقع رکھتا ہوں۔ قریب قریب یہ "اعلان جنگ" کے موضوعات پر ہی ہوگی۔ موضوعات زندگی، ادب، سیاست، مذہب تعلیم اور خواتین وغیرہ ہوں گے۔

مجھے یونیورسٹی سے کوئی اطلاع نہیں ملی ہے لیکن جب میں علی گڑھ آؤں گا تو آپ کے ہاں قیام کر کے بہت مسرت ہوگی۔

سلام شوق کے ساتھ۔

نیاز مند
محمدؐ اقبال

(انگریزی سے)
عکس
(غیر مطبوعہ)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب. السلام علیکم. آپ کا خط ابھی ملا ہے جس سے آپ کی علالت کی خبر معلوم ہوئی۔ خدا کرے آپ کو جلد صحت ہو۔

بہتر ہے میں انشورنس کمپنی سے اس بارے میں گفتگو کروں گا۔ چنانچہ ڈاکٹر مشتاق جو مینیجنگ ڈائرکٹر ہیں میں نے ابھی خط لکھا ہے کہ وہ مجھ سے ملیں۔ گفتگو کا جو نتیجہ ہوگا اس سے آگاہ کردوں گا۔ حکیم صاحب کی خدمت میں مرے تمام خطوط کو جو میں نے والدہ جاوید کے متعلق لکھے ہیں پیش کریں۔ مجھے یقین ہے کہ روح الذہب اسے مزید فائدہ کرے گی۔ علاوہ اور دواؤں کے جو وہ تجویز کریں گے۔ معلوم نہیں حکیم عبدالحی انصاری (صاحبزادے حکیم صاحب) نے حکیم صاحب کی خدمت میں حالات عرض کیے یا نہیں۔ آپ نے خط میں نہیں لکھا۔ باقی میری آواز کی حالت ابھی بدستور ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ پہلے کی نسبت اب کسی قدر ترقی ہے مگر وہ اس قدر کم ہے کہ آیندہ کے لیے توقعات قائم کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ بہرحال چونکہ مجھے حکیم صاحب پر بھروسہ ہے اس واسطے علاج جاری رہے گا۔ شام کے وقت آواز کی حالت بہتر ہوتی ہے۔ پہلے شام کو اچھی نہ ہوتی تھی۔ شاید مجھے علی گڑھ جانا پڑے۔ اگر ایسا ہوا تو دہلی بھی حکیم صاحب سے ملنے کے لیے ٹھہروں گا۔ والسلام

محمد اقبال
۴ر دسمبر ۳۴ء
(مکتوبات اقبال)

(عکس)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب،

ڈاکٹر متقی مجھ سے آج صبح مل گئے ہیں۔ میں نے ان سے آپ کے متعلق گفتگو کی ہے۔ وہ آج دورہ[1] جا رہے ہیں کل لاہور واپس آجائیں گے اور آپ کو مفصّل خط لکھیں گے۔ آپ کا ایڈریس میں نے ان کو دے دیا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ ۱۰ یا ۱۱ ر دسمبر کو ایک دو روز کے لیے لاہور آجائیں اور ان سے بالمشافہ گفتگو کر لیں۔ آمد و رفت کا کرایہ آپ کو کمپنی ادا کرے گی۔ کمپنی کا کاروبار جنوری سے شروع ہو گا چند ہفتوں کی ٹریننگ کے بعد آپ کو انسپکٹر یا آرگنائزر مقرّر کر دیا جائے گا۔ اس ٹریننگ کے لیے آپ دسمبر کی تعطیلوں میں لاہور آ سکتے ہیں۔ ڈاکٹر شریف متقی کے خط کا مضمون بھی یہی ہو گا۔ مگر اس خیال سے کہ وہ مصروف آدمی ہیں کہیں بھول نہ جائیں میں نے بھی آپ کو کارڈ لکھ دیا ہے۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ والسلام

محمد اقبال لاہور

۵ ر دسمبر ۳۴ ء

(مکتوبات اقبال)

---

[1] پیر، سہواً رہ گیا ہے۔

(سید نذیر نیازی)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب اس سے پہلے ایک کارڈ لکھ چکا ہوں اُمید کہ ملا ہوگا کل مجھے دوا کا انتظار رہا اگر آپ نے ۱۰ یا ۱۱ر دسمبر کو آنے کا ارادہ کر لیا ہے تو میرے لیے دوا اپنے ساتھ لیتے آئیں۔ البتہ جاوید کی والدہ کے لیے جو دوا ہو اسے بھیج دیجیے۔ باقی حکیم صاحب کی خدمت میں عرض کر دیجیے کہ جہاں تک میں اندازہ کر سکا ہوں جو نسخہ آپ نے سب سے پہلے دیا تھا (جس میں روح الذہب وغیرہ تھی) وہ مجھے مقابلتہً زیادہ مفید معلوم ہوتا ہے اب جو نسخہ میں استعمال کر رہا ہوں اس سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ بلغم بے شمار نکلتی ہے مگر یہ اخراج آواز پر زیادہ موثر نہیں ہوتا۔ کل سر تیج بہادر سپرو مجھ سے ملنے کے لیے آئے تھے وہ بھی حکیم صاحب کے کمالات کا ذکر کرتے تھے حکیم صاحب کی دوا سے ان کو بھی فائدہ ہوا ہے۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ میں بھی حکیم صاحب کے زیرِ علاج ہوں۔ باقی خیریت ہے۔

محمد اقبال لاہور

۶ر دسمبر ۳۴ء

(مکتوبات اقبال) (عکس)

محمد عبدالجمیل بنگلوری کے نام

لاہور

۶ر دسمبر ۱۹۳۴ء

ڈیر مسٹر جمیل!

نوازش نامہ موصول ہوا۔ یاد آوری کے لیے ممنون ہوں۔ گزشتہ گیارہ ماہ سے گلے کی تکلیف میں مبتلا ہوں۔ شاید علاج کے لیے وائنا جانا پڑے۔

آکسفورڈ یونیورسٹی نے میرے خطبات شائع کیے تھے۔ ایک خطبہ بہ عنوان "کیا مذہب ممکن ہے" بھی شامل کر دیا گیا تھا۔ میرا خیال ہے آپ کتاب آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کلکتہ یا بمبئی سے حاصل کر سکتے ہیں یا براہ راست لندن سے۔

میری اردو نظموں کا ایک مجموعہ جنوری ۱۹۳۵ء میں شائع ہو گا ایک دو مہینے ہوئے ایک فارسی نظم "مسافر" شائع ہوئی تھی۔ یہ میری سال گزشتہ کی سیاحتِ افغانستان کا تذکرہ ہے۔

مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے) (اقبال نامہ)

رجسٹرار مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نام

لاہور

۷ر دسمبر ۱۹۳۴ء

جنابِ من

مجھے آپ کا خط ملا۔ اس سے قبل آپ کا تار موصول ہوا تھا۔ یونیورسٹی کورٹ نے مجھے اعزازی ڈگری دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ آپ کا میں بے حد ممنون ہوں اور آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ آپ میرا شکریہ یونیورسٹی کے اربابِ حل و عقد تک پہنچا دیں۔

آپ کو شاید علم ہو گا کہ میں پچھلے ۱۱ ماہ سے گلے کی تکلیف میں مبتلا ہوں۔ اب میری آواز میں ذرا سا افاقہ نظر آ رہا ہے اور مجھے خوف ہے کہ ٹھنڈ لگ جانے سے میرا مرض عود نہ کر آئے یا اس کے ٹھیک ہونے میں دیر لگ جائے میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں گا اگر آپ براہِ کرم مجھے

فوراً مطلع کریں کہ کیا یونیورسٹی کے قوانین وضوابط اس بات کی اجازت دیں گے کہ یہ ڈگری مجھے اگلے سال دے دی جائے۔ جب تک مجھے اُمید ہے کہ میں پوری طرح موجودہ بیماری سے نجات پالوں گا۔ میں ریل کا سفر کرنے کا خطرہ جاڑوں میں صرف اس صورت میں لے سکتا ہوں جب یونیورسٹی کے قوانین کے تحت میری موجودگی قطعاً ناگزیر ہو۔

آپ کا مخلص

محمدؐ اقبال

(انگریزی سے)
(عکس)
(غیر مدون)

(مجلہ "شاعر" اقبال نمبر ۱۹۸۸
بصد شکریہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

راغب احسن کے نام

لاہور۔ ۱۰ دسمبر ۳۴ء

ڈیر راغب صاحب۔

السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے۔ اس سے پہلے بھی ایک خط ملا تھا مگر مجھ سے جواب لکھنے میں غفلت ہوئی۔ میری حالت ابھی تک بدستور ہے یعنی یہ کہ صحت عامہ بہت اچھی ہے۔ مگر گلے کی شکایت میں بہت کم تخفیف ہے۔ بہر حال حکیم صاحب (نابینا دہلی والے) کا علاج جاری ہے اور وہ صحت کا یقین دلاتے ہیں۔

فقہ اسلامی پر میں نے کوئی کتاب نہیں لکھی ہاں ان لکچروں میں ایک لکچر اجتہاد پر ہے۔ البتہ اگر صحت رہے اور قلب کو اطمینان ہو تو میں فقہ جدید کے اصول پر ایک کتاب لکھنے کا قصد رکھتا ہوں۔ علیٰ ہٰذالقیاس۔

قرآن شریف پر مفصّل نوٹ لکھنے کا بھی ارادہ کر رہا ہوں مگر مشکل یہی ہے" چہ خورد بامداد فرزندم " کیمبرج سوسائٹی نے وہی انگریزی لکچر تقسیم کیے ہیں، رسالہ مساوات کے لیے لکھنے سے قاصر ہوں کہ علالت کی وجہ سے دل یکسو نہیں ہوتا۔

اگر آپ لاہور میں انجمن حمایت اسلام کے اخبار کی ادارت کریں تو پھر سلسلہ جنبانی کروں فقط

محمد اقبال

مولوی شفیع داؤدی صاحب کو میری طرف سے مبارکباد دیجیے۔ ان کو بڑی جدوجہد کرنی پڑی فقط

(اقبال: جہانِ دیگر)

راغب احسن کے نام

لاہور۔ ۱۱ر دسمبر ۳۴ء

ڈیر راغب صاحب۔ آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ اس سے پہلے میں آپ کے خط کے جواب میں ایک خط لکھ چکا ہوں۔ اس مبحث میں جو کچھ میرے خیالات ہیں ان کا اظہار میں "جاوید نامہ" میں کر چکا ہوں، اس کو غور سے پڑھیے۔ آپ کے خیالات اجمالاً درست ہیں۔ مفصّل گفتگو جب آپ سے ملاقات ہوگی تو انشا اللہ اس وقت ہوگی۔ مولوی صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے بالکل درست ہے۔ قرآن میں تو ارض کے متعلق کئی دفعہ آیا ہے۔ الارض للّٰہ اور حضرت آدمؑ سے بھی یہی کہا گیا ہے تمہارے لیے ارض مستقر اور متاع یعنی فائدہ کی چیز ہے۔ اسلام کے نزدیک ملکیت صرف اللہ کی ہے۔ مسلمان صرف اس چیز کا امین ہے جو اس کے سپرد کی گئی ہے۔ میری رائے میں اگر کوئی مسلمان اپنی پرائیویٹ زمین وغیرہ کا غلط استعمال کرے تو حاکمیت اسلامیہ کا حق ہے کہ وہ اس سے بازپرس کرے

ہی وہ نکتہ ہے اسلام کا جس کو یورپ میں مسولینی نے خوب سمجھا ہے۔

غالباً امام محمد یا ابو یوسف سے خلفائے عباسیہ میں سے کسی نے فتویٰ زمین کی ملکیت کے متعلق طلب کیا تھا تو انھوں نے یہ فرمایا تھا کہ زمین اس کی ملکیت ہے جو اس کو زندہ رکھ سکے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ زمین کا مالک امام کے نزدیک وہی ہے جو حقیقت میں اپنی محنت سے اسے کاشت کرتا ہے۔ نہ وہ شخص کہ گھر میں بیٹھا بٹائی لیتا ہے۔ حضور رسالت مآبؐ نے تو حیوانوں پر بھی شفقت کی ہے اور حکم دیا ہے "المرعیٰ للہ و رسولہ"، یعنی چراگاہیں اللہ اور اس کے رسول کی ملکیت ہیں۔ کسی شخص کی پرائیویٹ ملکیت نہیں ہیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس بعض احادیث میں دو منزلہ مکان بنانے سے بھی منع فرمایا ہے۔ غرضیکہ اس معاملہ میں مفصل بحث اور ریسرچ کی ابھی ضرورت ہے۔ اس پر آج تک کسی نے نہیں لکھا۔ مسلمان علما اپنی غفلت سے اسلامی عقائد پر بحث مباحثے کرتے رہے اور اسلام کے معاشرتی نظام کی طرف کسی نے (شاید سوائے شاہ ولی اللہؒ کے) توجہ نہیں کی۔ اب اس زمانے میں معاشرتی نظام اسلام کی تفصیلات کی ضرورت ہے کیونکہ لوگ موجودہ زمانے کے اقتصادی سوالات کی وجہ سے عقائد ما بعد الطبیعی میں دل چسپی نہیں لیتے۔ بحیثیت مذہب کے اسلام کی کامیابی کا دار و مدار اس پر ہے کہ اس کے معاشرتی نظام کی افضلیت زمانہ حال کے نظاموں پر ثابت کی جائے۔ یورپ اور اسلام کی رقابت ہمیشہ رہی ہے مگر اس سے پہلے اس کا انتہائی نقطہ حروب صلیبیہ تھا اب یورپ اور اسلام کی جنگ تلواروں کی نہیں بلکہ معاشرت کے نظاموں کی ہوگی۔ یعنی فسطائیت، بولشوزم اور اسلام دماغی PLANE پر معرکہ آرا ہوں گے۔ مسلمانوں میں تو اس وقت اس مطلب کے آدمی موجود نہیں۔ کیا عجب کہ یورپ کے مفکر خود اس نظام کا انکشاف کرلیں۔ یہ امر مشکل بہت ہے کیونکہ مذہب اسلام پر قرونِ اولیٰ سے ہی مجوسیت اور یہودیت غالب آگئی یعنی اسلام کے اصل

شلّع

افکار کو یہودی اور مجوسی افکار نے عوام کی نگاہوں سے چھپالیا. میری رائے ناقص میں اسلام آج تک بے نقاب نہیں ہوا. افسوس کہ علالت کی وجہ سے میں آپ کو طویل خط نہیں لکھ سکتا. جو کچھ میں نے لکھا ہے محض اشارات ہیں ان کی تفصیل اگر آپ سامنے ہوتے تو زبانی عرض کرتا. جاوید نامہ کے متعدد مقامات پر اس مسئلہ کے مختلف پہلو آئے ہیں اس کو شروع سے آخر تک پھر پڑھئے. آپ کی آگاہی کے لیے یہ بھی لکھ دیتا ہوں کہ قرآن نے تقسیم جائداد کے متعلق جو قاعدہ دیا ہے اس کا اطلاق (میری رائے ناقص میں) زمین پر نہیں ہوتا. یہ قاعدہ صرف جایداد منقولہ کے لیے ہے. مگر علماء کی رائے مختلف ہے اور مسلمانوں کی پریکٹس بھی اس بارے میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے مختلف ہے.

محمد اقبال

(عکس) (مکتوبات اقبال)

ڈاکٹر عباس علی خاں لمعہ حیدرآبادی کے نام

لاہور

۱۱ر دسمبر ۳۴ء

جناب من. آپ کا خط مل گیا ہے. الحمد للہ میری صحت عامہ اچھی ہے. مگر گلے کی شکایت ابھی رفع نہیں ہوئی. گو کسی قدر بہ نسبت سابقہ فرق ضرور ہے. حکیم نابینا صاحب دہلی والے علاج کر رہے ہیں اور صحت کا یقین دلاتے ہیں. میں ولایت شاید اب کے سال نہ جا سکوں. والسلام.

محمد اقبال

(اقبال نامہ)

(عکس)

خواجہ غلام السیدین کے نام

لاہور

۱۴ر دسمبر ۱۹۳۴ء

مائی ڈیر سیدین

مجھے امید ہے کہ یہ خط نیز وہ خط جو میں نے گھنٹہ بھر پہلے ڈاک میں ڈالا تھا دونوں ساتھ وصول ہوں گے۔ براہ کرم علی گڑھ میں میری آمد کی تاریخ اور وقت کی کسی کو اطلاع نہ دیجیے۔

مخلص

محمد اقبال

(انگریزی سے)

(عکس)

(غیر مطبوعہ)

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔

کلکتہ میل میں تھرڈ کمپارٹمنٹ نہیں ہے۔ اکتوبر سے بند کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا میں فرنٹیر میل سے آؤں گا۔ جو سات بج کر بچپن منٹ صبح دہلی پہنچے گی۔ وہاں آدھ گھنٹہ قیام کر کے علی گڑھ روانہ ہوگی جہاں ساڑھے دس بجے پہنچ جائے گی۔

والسلام

محمد اقبال لاہور

۱۸ر دسمبر ۳۴ء

(مکتوبات اقبال) (عکس)

ڈیئر نیازی صاحب۔ کلکتہ میل کی تحقیق کی رپورٹ یہ
ہے کہ وہ بند کر دیا گیا ہے لہٰذا آپ فرنٹیئر میل سے آئیں گے
جو سات بج کر پچیس منٹ صبح دہلی پہنچے گی۔ وہاں
آدھ گھنٹہ قیام کر کے صبح علی گڑھ روانہ ہو گی جہاں
ساڑھے دس بجے پہنچ جائے گی۔

محمد اقبال
لاہور
۱۸ دسمبر ۳۴ء

سید نذیر نیازی کے نام

ڈیر نیازی صاحب۔ السلام علیکم۔ میں مع الخیر لاہور پہنچ گیا۔ دوائی شروع کر دی ہے۔ حکیم صاحب سے میں ذکر کرنا بھول گیا۔ شاید آپ نے ذکر کر دیا تھا۔ اگر نہیں کیا تو اب کر دیجیے کہ میرے دونوں شانوں کے درمیان جو درد تھی اس سے افاقہ نہیں ہوا۔ بعض دفعہ میں رات کو اس کی وجہ سے سو نہیں سکتا۔ اٹھ کر سیدھا بیٹھ جاتا ہوں تو قدرے ریلیف[1] ہوتا ہے اگر علی بخش دونوں ہاتھ سے ذرا زور سے مل دے تو پھر تھوڑی دیر کے لیے آرام ہو جاتا ہے۔ شاید دورانِ خون کی وجہ سے ہے کیا۔ جاوید کی والدہ نے بھی دوا شروع کر دی ہے تیل جو حکیم صاحب نے دیا تھا وہ بہت قلیل ہے دو چار دفعہ ملنے کے لیے بھی کافی نہیں ہے اور تیل کی مالش سے اُسے فائدہ ہوتا ہے۔ اس واسطے وہ کوئی ایسا تیل تجویز کر دیں جو روز بروز منگوانا نہ پڑے۔ یہیں سے خرید لیا جائے باقی خیریت ہے۔ علی بخش سلام کہتا ہے۔ والسلام

محمد اقبال

۲۷ دسمبر[2] ۳۴ء لاہور

(مکتوبات اقبال)

---

[1] تسکین

[2] مکتوبات اقبال میں یہ خط ۲۷ ستمبر ۳۴ ۱۹ء کے تحت درج ہے جب کہ عکس میں واضح طور پر ۲۷ دسمبر ۳۴ء پڑھا جاتا ہے۔

لیڈی امام کے نام

۳۰ر دسمبر ۱۹۲۴ء

مائی ڈیر لیڈی امام[1]

ذیل میں چند اشعار درج ہیں آپ ان میں سے ایک بند منتخب کرلیں۔

مخلص

محمد اقبال

(۱)

بروں زیں گنبد دربستہ پیدا کردہ ام راہے
کہ از اندیشہ برتری پرد آہ سحرگاہے
اے کہکشاں بگذر زنیلی آسماں بگذر
زمنزل دل بمیرد گرچہ باشد منزل ماہے[1]

(۲)

دل من رازدانِ جسم و جان است
نہ پنداری اجل برمن گراں است

---

[1] سر علی امام کی بیگم صاحبہ کے نام خط ہے۔

(۱) ترجمہ: میں نے اس گنبدِ بے در سے باہر آنے کی راہ نکال لی ہے
کہ مری آہ سحرگاہی اندیشہ سے بھی آگے پرواز کرتی ہے
اے کہکشاں، اس نیلی فام آسمان سے بھی گزر جا
منزل اگر چاند بھی ہو تو اس سے بھی دل اوب جاتا ہے

(۲) مرا دل جسم و جان کا رازداں ہے
یہ نہ سمجھ کہ موت مجھ پر بھاری ہے

چہ غم گر یک جہاں گم شد ز چشمم
ہنوز اندر ضمیرم صد جہاں است

(۳)

نگردد زندگانی خستہ از کارِ جہانگیری
جہانے در گرہ بستم جہانِ دیگرے پیش است

(۴)

خوشا کسے کہ حرم را درونِ سینہ شناخت
دمے تپید و گذشت از مقامِ گفت و شنود!

(۵)

عشق شور انگیز را ہر جادہ در کوئے تو بُرد
بر تلاشِ خود چہ می نازد کہ رہ سوئے تو بُرد!

(۶)

شرق اگر زندۂ جاوید نباشد عجب است
کہ حدیثِ تو دریں یک دو نفس نتواں گفت!

ترجمہ اگر ایک دنیا میری نظروں سے اوجھل ہوگئی تو کیا غم ہے
ابھی میرے ضمیر میں تو سو جہاں موجود ہیں۔

(۳) کارِ جہاں گیری سے زندگی تھکتی نہیں
ایک دنیا میں نے جیت لی تو اب دوسری دنیا سامنے ہے!

(۴) خوش نصیب ہے وہ جس نے حرم کو اپنے سینے میں پہچان لیا
تھوڑی دیر تڑپا اور پھر گفت و شنید کے مقام سے گزر گیا

(۵) عشق شور انگیز کو ہر کوچہ تیری گلی تک لے جاتا ہے
وہ اپنی تلاش پر کتنا نازاں ہوتا ہے جو تجھ تک راستہ پالے!

(۶) مشرق اگر زندۂ جاوید نہ ہو تو عجب ہے
کہ تمہاری بات ایک دو سانسوں میں تو کہی نہیں جا سکتی!

(۷)

من اے دریائے بے پایاں بموج تو در افتادم
نہ گوہر آرزو دارم نہ می جویم کرانے را!

محمد اقبال لاہور

(بصد شکریہ ڈاکٹر عابد رضا بیدار ڈائریکٹر خدا بخش اورنٹیل لائبریری پٹنہ
بہار، ہندوستان)
(عکس)
(غیر مطبوعہ)

---

(۷) ترجمہ اے دریائے بے کراں! تیرے تھپیڑوں میں پھنس گیا ہوں۔
نہ مجھے موتی کی آرزو ہے نہ کنارے پر پہنچنا چاہتا ہوں!

حواشی

حواشی

نمبر شمار	نام	حوالہ	
۱	ابراہیم رحمت اللہ	۸ر ستمبر ۱۹۳۰ء	۷۱۶
۲	ابن مسعود	۱۱ر فروری ۱۹۳۲ء	۷۱۸
۳۔	مولوی) ابو محمد مصلح سہسرامی	جنوری ۱۹۲۹ء	۷۱۹
۴۔	(نواب چھتاری) احمد سعید خاں	۱۰ر جولائی ۱۹۳۱ء کے بعد	۷۲۲
۵۔	(مولانا) احمد علی لاہوری	۵ر ستمبر ۱۹۲۹ء	۷۲۵
۶۔	ادیب تونسوی، مولوی صالح محمد	۱۰ مئی ۱۹۳ ء	۷۲۷
۷۔	آزر، سراج الدین	۲۵ر ستمبر ۱۹۳۰ء	۷۲۸
۸۔	(لارڈ) اسلنگٹن	۲۵ر ستمبر ۱۹۳۳ء	۷۲۹
۹۔	اسمٰعیل پاشا	۱ر جولائی ۱۹۳۱ء کے بعد	۷۳۱
۱	(حاجی سر) اسمٰعیل سیٹھ	۵ر ستمبر ۱۹۲۹ء	۷۳۳
۱۱۔	(جان) اسمٹس	۵ر فروری ۱۹۳۴ء	۷۳۴
۱۲۔	(پروفیسر) آسبن	بلا تاریخ ۱۹۳۲ء	۷۳۶
۱۳۔	آصف علی	۱۹۲۹ء کا آخری خط	۷۳۸
۱۴۔	اقبال سیدائی	جنوری ۱۹۲۹ء	۷۴۱
۱۵۔	(حافظ) امان اللہ بنارسی	۲۲ر اگست ۱۹۳۳ء	۷۴۴
۱۶۔	امبیڈکر، ڈاکٹر بھیم راؤ جی	بلا تاریخ ۱۹۳۲ء	۷۴۶

نمبر شمار	نام	حوالہ	
۳۹۔	حفیظ جالندھری	۳ر جولائی ۱۹۳ء	۷۹۹
۴۰۔	حمید احمد انصاری	۴ر جنوری ۱۹۳ء	۸۰۱
۴۱۔	(نواب) حمید اللہ خاں	۲۲ر جنوری ۱۹۳ء	۸۰۳
۴۲۔	حمید حسن سیٹھ	۲۱ر مئی ۱۹۲۹ء	۸۰۶
۴۳۔	خاقانی	۱ر جولائی ۱۹۲۱ء کے بعد	۸۰۷
۴۴۔	(صلاح الدین) خدابخش	۱۸ر فروری ۱۹۲۹ء	۸۱۰
۴۵	(ڈاکٹر) ذاکر حسین	۳۱ر مارچ ۱۹۳۳ء	۸۱۳
۴۶۔	(سر ڈینی سن) راس	۶ر مئی ۱۹۳۲ء	۸۱۷
۴۷۔	(سردار) رب نواز خاں	۶ر جولائی ۱۹۳ء	۸۲۰
۴۸۔	(چودھری) رحمت علی	۲۷ مارچ ۱۹۳۳ء	۸۲۱
۴۹۔	(سر) رحیم بخش	۲۸ر جولائی ۱۹۲۹ء	۸۲۴
۵۰۔	رند لکھنوی	۱۹ر مارچ ۱۹۳۴ء	۸۲۵
۵۱۔	(جون) سیسل روڈر	۲۹ر جنوری ۱۹۳۴ء	۸۲۷
۵۲۔	(غازی) رؤف پاشا	بلا تاریخ ۱۹۳۲ء کے بعد	۸۲۹
۵۳۔	(علم الدین) سالک		۸۳۱
۵۴۔	(میجر) سعید محمد خاں	۱۹۲۹ء کا آخری خط	۸۳۳
۵۵	سعید نفیسی	۲۶ر اگست ۱۹۳۲ء	۸۳۴
۵۶۔	(خواجہ) سلیمان تونسوی	۲۵ر جولائی ۱۹۳۰ء	۸۳۶
۵۷۔	(جسٹس زاہد) سہروردی	۱ر جولائی ۱۹۲۱ء کے بعد	۸۳۹
۵۸۔	(خلیفہ) شجاع الدین	۱۷ر ستمبر ۱۹۳۳ء	۸۴۰
۵۹۔	(امیر) شکیب ارسلان	۲ر جولائی ۱۹۳۴ء	۸۴۵
۶۰۔	(سید) شمس الحسن	۲۹ر اگست ۱۹۳۰ء	۸۴۷

نمبر شمار	نام	حوالہ	
۶۱۔	شوکت تھانوی	۲۴ اگست ۱۹۳۳ء	۸۴۹
۶۲۔	صلاح الدین سلجوقی	۱۰ جولائی ۱۹۳۱ء کے بعد	۸۵۱
۶۳	(پروفیسر) ضیا احمد بدایونی	۹ نومبر ۱۹۳۴ء	۸۵۳
۶۴۔	طاہر شاہ	۱۰ نومبر ۱۹۳۳ء	۸۵۵
۶۵۔	(ڈاکٹر سید) ظفر الحسن	۲۵ اکتوبر ۱۹۲۹ء	۸۵۷
۶۶۔	(چودھری) ظفر اللہ خاں	-	۸۶
۶۷	(ڈاکٹر سید) عابد حسین	۱۴ اگست ۱۹۳ء	۸۶۲
۶۸۔	(شاہ محمد) عاشق پھلتی		۸۶۴
۶۹۔	(شیخ محمد) عبداللہ	یکم ستمبر ۱۹۳۳ء	۸۶۶
۷۔	(خواجہ) عبدالرحیم	۱۷ فروری ۱۹۳۲ء	۸۷۰
۷۱۔	(سید) عبداللہ بریلوی	۱ دسمبر ۱۹۳۳ء	۸۷۲
۷۲	(سر) عبداللہ ہارون	۳ جنوری ۱۹۳۲ء	۸۷۴
۷۳۔	(سید) عبدالعزیز	۲۵ دسمبر ۱۹۳۳ء	۸۷۶
۷۴۔	(شاہ) عبدالعزیز	۱۷ جنوری ۱۹۳۲ء	۸۸۰
۷۵	(صاحبزادہ سر) عبدالصمد خاں	۲۸ جولائی ۱۹۳۴ء	۸۸۳
۷۶۔	(ڈاکٹر) عبدالعلیم	۸ جون ۱۹۳۳ء	۸۸۵
۷۷۔	(پروفیسر محمد) عبدالغنی	۱۵ مارچ ۱۹۳ء	۸۸۷
۷۸۔	عبدالقوی فانی	۲۱ مئی ۱۹۳۲ء	۸۸۸
۷۹۔	(شیخ) عبدالمجید سندھی		۸۸۹
۸۰۔	(سید) عبدالواحد معینی	۱۳ دسمبر ۱۹۳۴ء	۸۹۱
۸۱۔	(شیخ محمد) عبدہ	۲ مئی ۱۹۳۲ء	۸۹۴
۸۲۔	(باباطاہر) عریاں	۵ جون ۱۹۳ء	۸۹۶

نمبر شمار	نام	حوالہ	
۸۳	علیاحضرت بیگم صاحبہ بھوپال	۱۱ جون ۱۹۵۳ء	۸۹۸
۸۴	(حضرت) عمرو بن العاص	۲ جولائی ۱۹۳۴ء	۹۰۰
۸۵	(خواجہ) غلام فرید	۲۵ جولائی ۱۹۳۰ء	۹۰۱
۸۶	غلام مرشد	۵ ستمبر ۱۹۲۹ء	۹۰۳
۸۷	(شاہ محمد) غوث گوالیاری (شطاری)		۹۰۵
۸۸	(سید) غوث محی الدین		۹۰۷
۸۹	مس مارگریٹ فارکہرسن	۲۲ مئی ۱۹۳۲ء	۹۰۸
۹۰	(ڈاکٹر محمد طاہر) فاروقی	۲ جولائی ۱۹۳۴ء کے بعد	۹۱۰
۹۱	(حضرت) فضل رحمٰن گنج مرادآبادی	۲۵ جولائی ۱۹۳ء	۹۱۳
۹۲	(ملک) فیروز خاں نون		۹۱۵
۹۳	قرۃ العین طاہرہ	جولائی ۱۹۳۱ء کے بعد	۹۱۷
۹۴	(ڈاکٹر مظہرالدین) قریشی	۲۹ مارچ ۱۹۳۳ء	۹۱۸
۹۵	(نواب نثار علی خان) قزلباش	۲۵ ستمبر ۱۹۳ء	۹۲۱
۹۶	(مفتی محمد) کفایت اللہ دہلوی		۹۲۲
۹۷	(سی۔ سی۔) گاربٹ	۱۳ جولائی ۱۹۳۳ء	۹۲۴
۹۸	(سر ہنری سٹیفلے) لارنس		۹۲۶
۹۹	لالہ لاجپت رائے	۱۰ مارچ ۱۹۲۹ء	۹۲۸
۱۰۰	(محمد حسن) لطفی	مارچ ۱۹۳ء	۹۳۱
۱۰۱	(لارڈ) لوتھین	۱۷ مارچ ۱۹۳۳ء	۹۳۳
۱۰۲	(ایڈورڈ ولیم) لین	۵ جون ۱۹۳۰ء	۹۳۵
۱۰۳	(پنڈت مدن موہن) مالویہ	۱۰ تاریخ ۱۹۳۲ء	۹۳۸
۱۰۴	(قاضی) مبارک گوپاموی	یکم فروری ۱۹۳۴ء	۹۴۰

نمبر شمار	نام	حوالہ	
۱۲۷۔	(ڈاکٹر) موسے	۸ رجون ۱۹۳۲ء	۹۸۹
۱۲۸۔	(سید) مہر علی شاہ گولڑوی	۸ راگست ۱۹۳۳ء	۹۹۱
۱۲۹۔	(جان ایلس) میک ٹیگرٹ	۲۲ رمئی ۱۹۳۲ء	۹۹۴
۱۳۰۔	نادر شاہ (غازی)	۴ رنومبر ۱۹۲۹ء	۹۹۶
۱۳۱۔	(حکیم) ناصر خسرو	۲ جنوری ۱۹۳۱ء	۹۹۸
۱۳۲۔	(نواب) نذیر جنگ	جنوری ۱۹۳۱ء	۱۰۰۰
۱۳۳۔	(راجہ) نریندر ناتھ	۱۰ رجولائی ۱۹۳۱ء کے بعد	۱۰۰۱
۱۳۴۔	(سر) نظامت جنگ	۶ رجولائی ۱۹۳۲ء	۱۰۰۳
۱۳۵۔	نظیر لدھیانوی	۱۹ رفروری ۱۹۳۲ء	۱۰۰۵
۱۳۶۔	(سید) نعیم الحق	۲ ستمبر ۱۹۳۳ء	۱۰۰۶
۱۳۷۔	نواب صاحب بہاولپور	۹ راگست ۱۹۳ ء	۱۰۰۷
۱۳۸۔	نواب صاحب رامپور (سر سید رضا علی خاں)	۲۸ رجولائی ۱۹۳۴ء	۱۰۰۹
۱۳۹۔	(مولوی) نور الحق دہلوی	۵ ستمبر ۱۹۳۳ء	۱۰۱۱
۱۴۰۔	(موتی لال) نہرو	۱۷ راگست ۱۹۳۲ء	۱۰۱۲
۱۴۱۔	(سکندر علی) وجد		۱۰۱۴
۱۴۲۔	(لارڈ) ولنگڈن		۱۰۱۵
۱۴۳۔	(ڈاکٹر۔ ایچ) ہالسٹ	۱۸ رفروری ۱۹۲۹ء	۱۰۱۶
۱۴۴۔	ہٹلر	۲۹ رمئی ۱۹۳۳ء	۱۰۱۷
۱۴۵	(شمس العلماء خان بہادر محمد) ہدایت حسین	۱ رجولائی ۱۹۳۱ء	۱۰۲۰
۱۴۶	(سر فرانسس) ینگ ہسبنڈ	۳۰ رجولائی ۱۹۳۰ء	۱۰۲۱
۱۴۷۔	(امام) یوسف	۱۱ ردسمبر ۱۹۳۴ء	۱۰۲۰

سر ابراہیم رحمت اللہ (۱۸۶۲ - ۱۹۴۲ء)

سرابراہیم رحمت اللہ بمبئی میں ایک خوجہ مسلم خاندان میں ۱۸۶۲ء میں پیدا ہوئے
انھوں نے ثانوی تعلیم الفنسٹن (ELPHINSTONE) ہائی اسکول میں حاصل کی۔
اس کے بعد سیاست میں حصہ لینے لگے۔ وہ بڑے کشادہ دل اور وسیع المشرب تھے
ان کے وسیع حلقہ احباب میں ہندو، پارسی، عیسائی سب فرقوں کے لوگ شامل
تھے۔

انھوں نے ۱۹۰۸ء اور ۱۹۰۳ء میں یورپ کی سیاحت کی ان کی لائبریری میں
انگریزی کی کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا۔ وہ مغربی تعلیم کے بڑے حامی تھے اس کے ساتھ
وہ ہندوؤں کو سنسکرت اور مسلمانوں کو عربی زبان سیکھنے کی تلقین کرتے تھے۔ خود
ان کا قرآن کا گہرا مطالعہ تھا۔ وہ سماج میں اصلاحات کے حامی تھے۔ وہ پرائمری تعلیم
کے بھی بڑے داعی تھے۔ اور یہ ان کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۱۰ء میں بمبئی والوں
سانز اسمبلی نے بمبئی پرائمری ایجوکیشن ایکٹ منظور کیا۔ ۱۹۱۸ء میں انھوں نے علی گڑھ مسلم
یونیورسٹی کی تشکیل کے لیے رپورٹ مرتب کی تھی۔ معاشی مسائل میں وہ برطانوی
حکومت کے سخت ناقد تھے INDIAN FISCAL COMMISSION
انڈین فسکل کمیشن کے پہلے ہندوستانی صدر کی حیثیت سے انھوں نے
(ٹیرف بورڈ) کے قیام پر زور دیا اس تجویز کو بالآخر حکومت ہند TARIFF BAORD
نے قبول کیا۔

وہ شروع میں مسلم لیگ کے رکن تھے۔ اور بعد میں کانگریس کے ایک سرگرم رکن
بن گئے۔ انھوں نے ۱۹۱۲ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کی تھی اور ۱۹۱۴ء
اور ۱۹۱۶ء کے درمیانی زمانہ میں لیگ اور کانگریس کے انضمام کے لیے برابر کوشاں

رہے۔ ۱۹۳۰ء میں انھوں نے گول میز کانفرنس میں شمولیت کی اور گاندھی۔ ارون پیکٹ کے لیے راہ ہموار کرنے میں لائقِ تحسین کام انجام دیا۔

سرابراہیم رحمت اللہ نے مختلف ذمہ دار عہدوں پر کام کیا وہ ۱۸۹۲ء میں بمبئی میونسپل کارپوریشن کے ممبر مقرر ہوتے۔ اور ۱۸۹۹ء میں اس کے صدر۔ اس کے بعد ۱۸۹۹ء سے ۱۹۱۲ء تک بمبئی قانون ساز کونسل کے رکن رہے۔ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۳ء تک مرکزی مجلس قانون ساز کے ممبر رہے۔ وہ ہندو مسلم اتحاد کے پُرجوش حامی تھے اور پہلی ہندو مسلم اتحاد کانفرنس کے مندوب تھے جو الٰہ آباد میں سر ولیم ویڈرسرن (SIR WILLIAM WEDDERBURN) کی صدارت میں منعقد ہوئی وہ سب سے پہلے ہندوستانی تھے جنھوں نے ۱۹۱۲ء میں انگریزوں کو متنبہ کردیا تھا کہ ان کی سلطنت رہنے والی نہیں اور ہندوستان آزاد ہو کر رہے گا۔

سرابراہیم رحمت اللہ نہایت کامیاب مقرر تھے ان کی یادگار تصنیفات دو ہیں (الف) A SCHEME FOR THE DEFENCE OF INDIA (ہندوستان کے دفاع کی اسکیم) اور (ب) A CONSTITUTION FOR SELF-GOVERNING INDIA (خود مختار ہندوستان کا دستور)

انھوں نے ۱۹۴۲ء میں انتقال کیا

مآخذ

ایس۔ پی۔ سین۔ ڈکسری آف بائیوگرافی، جلد سوم ص۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹ -

ابن سعود (۱۸۸۰ - ۱۹۵۳ء)

عبدالعزیز بن عبدالرحمن بن فیصل المعروف بہ ابن سعود ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوا۔ ابن سعود نے کویت کے شیخ مبارک کی مدد سے جس کے پاس اس کے باپ نے پناہ لی تھی اس نے ۱۹۰۲ء میں حکومت کا تختہ الٹ کر ریاض پر دوبارہ قبضہ کر لیا اور حائل کے ابن رشید کے مقابلے میں اس پر برابر قابض رہا۔ اس نے بالآخر ترکوں کو اسی مدد کے لیے بلایا۔ تاہم اس بدنظمی کی بدولت جو حائل میں پھیل رہی تھی اور عام لوگوں کی مدد سے جنھیں سعود کے خاندان سے محبت تھی۔ عبدالعزیز سلطنت ریاض کے اقتدار کو ازسرِنو قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

موجودہ مملکت السعودیہ العربیہ کا بانی، جس میں نجد اور حجاز دونوں شامل ہیں یہی عبدالعزیز تھا ۸ جنوری ۱۹۲۶ء کو اس نے بادشاہ حجاز ہونے کا اعلان کیا اور سلطان کا لقب ترک کر کے بادشاہ حجاز و نجد و متعلقات کا لقب اختیار کر لیا۔ ۲۰ مئی ۱۹۲۷ء کو اس کے اور برطانیہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے برطانیہ نے مملکت نجد و حجاز کی مکمل آزادی کو تسلیم کر لیا۔ ۱۹۳۲ء میں مملکت کا نام المملکۃ السعودیہ العربیہ رکھا گیا۔ ۱۹۳۷ء میں ایک معاہدہ یمن سے بھی ہوا جس کی رو سے دونوں مملکتوں کی سرحدیں معین کر دی گئیں اور ۱۹۴۲ء میں برطانیہ نے شیخ کویت کی طرف سے ایک اور معاہدہ کر کے نجد اور کویت کے مابین دوستانہ تعلقات اور تجارتی مراسم طے کرائے۔ عبدالعزیز نے ۱۹۵۳ء میں وفات پائی۔

ماخذ

اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، جلد اوّل، ص۔ ۵۵۱

(مولوی) ابو محمد مصلح سہسرامی

(متوفی ۱۹۶۸ء)

ابو محمد مصلح قلمی نام تھا۔ اصل نام وزیر علی خاں تھا۔ ان کے والد چراغ علی خاں سہسرام (صوبہ بہار) کے قریب کیتھی کے رہنے والے تھے۔ لیکن سہسرام میں رہائش اختیار کرلی تھی۔ یہیں ابو محمد مصلح پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ پڑھنے لکھنے کا شوق تھا۔ پنجاب یونیورسٹی سے میٹرک پاس کیا اور پھر دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔ اس کے بعد تصنیف و تالیف میں مشغول ہوگئے۔ کتابوں کی اشاعت کا کام شروع کیا۔ شاد عظیم آبادی کے کلام کو مرتب کرکے شائع کیا۔ رسالہ "حسن و عشق" کے ایڈیٹر رہے۔ اس زمانے میں ان کی تصنیف "تاریخ سہسرام" شائع ہوئی جس میں شیر شاہ سوری کے حالات بھی لکھے تھے۔

بعد ازاں مولوی ابو محمد مصلح کلکتہ چلے گئے۔ جہاں انھوں نے اپنا مطبع خریدا اور ایک اخبار "الاصلاح" جاری کیا۔ اس اخبار کی ایک خریدار بیگم نواب نذیر جنگ بھی تھیں۔ چنانچہ ان کے توسط سے نواب صاحب کی دعوت پر وہ مستقل طور پر حیدر آباد منتقل ہوگئے۔ یہاں تالیف و تصنیف کا کام شروع کیا۔ اپنا عالم گیر پریس قائم کیا۔ ان کی سب سے اہم تصنیف قرآن مجید بچوں کی تفسیر ہے۔ جو نظام کے زمانے میں اسکول کے نصاب میں داخل تھی۔ یہ تفسیر دو مرتبہ شائع ہوئی پہلی بار ۱۹۳۰ء میں اور دوبارہ ۱۹۶۴ء میں۔

جب اقبال ۱۹۲۹ء میں عثمانیہ یونیورسٹی میں خطبات کے سلسلے میں حیدر آباد پہنچے تو مولوی ابو محمد مصلح نے نواب نذیر جنگ کے ساتھ ان سے ملاقات کی اور اپنا مختصر سا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ قرآن کا اولین مقصد یہ ہے کہ اس کی تعلیم معنی و مطالب کے ساتھ عام اور لازمی کی جائے۔ اقبال نے اپنے گرد بیٹھے ہوئے تعلیم یافتہ نوجوانوں پر نظر ڈالی اور ان سے کہا مولانا صاحب آپ کی تحریک سے کس کو انکار ہو سکتا

ہے۔ مگر جیسے یہ جانے کہ قرآن پڑھے گا کون؟ انھوں نے کہا " بے شک حقیقت یہ ہے
میں قرآن پڑھنے والوں کی کمی ہے جس دن یہ کمی پوری ہوئی سب کچھ ہو جائے گا
مگر آپ مجھے قرآن فرآن کرنے دیجئے۔ آپ کے حسب منشا قرآن پڑھنے والے بھی
قرآن ہی سے پیدا ہوں گے"

مولوی صاحب نے اپنے مقصد اور تحریک کو عام کرنے کے لیے ۱۹۲۶ء میں
حیدرآباد کی سکونت ترک کی اور لاہور پہنچ کر بادشاہی مسجد کے ایک حجرہ میں مقیم ہوگئے۔
یہاں لوہے فرآن کی تفسیر بچوں کے لیے طبع کرائی اور ایک اخبار "صراط المستقیم" نام
سے نکالا۔ لاہور میں مختلف لوگ ان سے قرآن کی تعلیم حاصل کرتے تھے علامہ وقتاً
فوقتاً ان کے دولت کدے پر حاضر ہوتے اور اپنے مقصد اور تحریک پر تبادلۂ خیال
کرتے تھے ایک مرتبہ انھوں نے اقبال کو اپنے کچھ رسالے اور کتابیں دکھائیں اور
اپنے ایک ایسے قاعدہ کا ذکر کیا جو بچوں کو قرآن پڑھانے کے سلسلے میں انھوں نے
مرتب کیا تھا یہ قاعدہ اقبال کی نظر سے نہیں گزرا تھا لیکن وہ اس کی ضرورت اور
اہمیت کے معترف ہوگئے تھے۔ انھوں نے ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کے ذریعہ یہ قاعدہ
مولوی صاحب سے حاصل کیا تاکہ جاوید کو اس کے ذریعہ قرآن پڑھایا جا سکے۔

اقبال کے انتقال کے بعد ان کو ایسا کوئی سہارا دکھائی نہیں دیتا تھا جو اُن
کے اشاعت قرآن اور تبلیغ اسلام کے سلسلے میں ان کا ممد و معاون ہو، چنانچہ وہ
لاہور سے دوبارہ حیدرآباد واپس آگئے۔ اس مرتبہ حیدرآباد میں قیام کے دوران
انھوں نے "اقبال اور قرآن" (۱۳۵۹ ہجری) کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جس
کے اب تک کئی اڈیشن شائع ہو چکے ہیں

ایک سہ ماہی رسالہ THE QURANIC WORLD (دی قرآنک ورلڈ) انگریزی
میں جاری کیا جو ملک و بیرون ملک میں کافی مقبول ہوا۔ ڈاکٹر حمیداللہ خاں حال مقیم
فرانس اس کے جوائنٹ اڈیٹر تھے ایک رسالہ "ترجمان القرآن" بھی جاری کیا جس کو
بعد میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے دارالاسلام پٹھان کوٹ (پنجاب) سے چودھری

سار علی خاں کی سمولت سے نکالا ۔

علی بھائی اسرف اتہ کمسی، می کی خواہش پر مولوی صاحب نے یک توضیحی ترجمہ قرآن ابو یسیح الغد آں کے نام سے تیس برس مئی ہیں رہ کر کیا جس کو مطبع محمدی میں نے بہاست اہتمام سے ۱۹۶۱ء میں سائع کیا تھا ۔

ایک اور ترجمہ، بے نصر ترجمہ قرآن کئی برس پہلے سے خو صرف ۔ ۔ ۔ ۔ دال یک ہو سکا اگر وہ پورا ہوجاتا تو واقعی بے نصر ہوتا ۔

مولوی ابو محمد مصلح نے اپنی پوری زندگی قرآن اور تبلیغ اسلام میں گزاری اپنے وقت کا مشہور ادارہ، عالمگیر تحریک قرآن، جس عالمگیر کے فرمت تو کم کیا اسد ا میں اس ادارہ نے سیس اور سہل زبان میں قرآن پاک کے دروں کے تراجم اور تفسیر تحتوں اور عربی زبان سے ناپلد اصحاب کے لیے شائع کیں کہر دیگر اسلامی علوم و فنون پر بھی مطبوعات شائع ہوئیں۔ آج بھی عالمگیر تحریک قرآن کی متعدد مطبوعات اس کے پرانے دفتر میں مقفل ہیں اور باوجود بسیار کوشش کے منظر عام پر نہیں آسکی ہیں ۔

مآخذ

۱ ۔ جناب نفیس بانو مصلح صاحبہ بنت مولوی ابو محمد مصلح، حیدرآباد، دکن
۲ ۔ عبدالرؤف عروج رجال اقبال ص۔ ۴ ۔ ۴۱
۳ ۔ مصطفیٰ شیروانی حیدرآباد، دکن
۴ ۔ محمد شاہ محی الدین داماد مولانا ابو محمد مصلح، ادارہ قرآن محمد، دومل گوڑہ حمایت نگر، حیدرآباد، دکن ۔

نواب احمد سعید خاں چھتاری (۱۸۸۹ء۔۱۹۸۲ء)

نواب احمد سعید خاں چھتاری ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو میرٹھ کے ایک قصبہ باغپت (ضلع میرٹھ) میں پیدا ہوئے۔ ان کی زمینداری ریاست چھتاری ضلع بلند شہر (یوپی) میں تھی۔ ان کو ابتدا میں عربی اور فارسی پڑھائی گئی۔ جب حفظ قرآن کر چکے تو ۱۹۰۴ء میں علی گڑھ کے اسکول میں داخلہ دلایا گیا۔ ابھی زیر تعلیم ہی تھے کہ ۱۹۰۹ء میں ان کی ریاست واگزار ہو گئی جس کے نتیجے میں ان کو تعلیم چھوڑ کر ریاست کے انتظامی کاموں میں مصروف ہونا پڑ گیا۔ ۱۹۱۵ء میں بلند شہر کے اعزازی مجسٹریٹ بنائے گئے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے اتنی ترقی کی کہ انھوں نے یوپی کے گورنر کی حیثیت سے تین ماہ (۱۱ جون تا ۹ اگست) کام کیا۔ یہ پہلے ہندوستانی تھے جو اس عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ اس سے قبل نواب صاحب ۱۹۲۰ء میں یوپی کی مجلس قانون ساز کے لامقابلہ ممبر منتخب ہوئے اور ۱۹۲۳ء کے وسط میں وزیر مقرر ہوئے۔ جنوری ۱۹۲۶ء میں انھوں نے وزیر داخلہ کا عہدہ سنبھالا۔ نواب صاحب ۱۹۳۲ء میں چند ہفتوں کے لیے وائسرائے کی مجلس عاملہ کے رکن (تعلیم) بھی رہے۔ انھوں نے دو مرتبہ گول میز کانفرنس میں مندوب کی حیثیت سے شرکت کی۔ وہ ۱۹۵۲ء سے ۱۹۶۰ء تک راجیہ سبھا کے ممبر بھی رہے۔

اپریل ۱۹۳۳ء سے نومبر ۱۹۳۳ء تک دوبارہ یوپی کے گورنر کے عہدے پر مامور ہوئے۔ ۱۹۳۷ء میں انھوں نے یوپی میں ایک عارضی حکومت بنائی (۳ اپریل تا ۱ جولائی) اور خود اس کے وزیر اعلیٰ ہوئے۔

اقبال نے نواب صاحب چھتاری کا نام یوں تو کئی بار سنا تھا لیکن ان سے پہلی مرتبہ ملاقات ”ملوجا“ نامی جہاز میں ہوئی جس سے اقبال گول میز کانفرنس میں شرکت

کے لیے سفر کر رہے تھے۔ اقبال نے اپنے ایک دوست کو ۱۱ر ستمبر ۱۹۲۱ء کے ایک خط میں ان کا ذکر کیا ہے جو اس جلد میں شامل ہے۔

نظام حیدر آباد نے ۱۹۴۱ء میں حکومت ہند سے نواب صاحب کی خدمات مستعار لیں اور ستمبر میں ان کو ریاست حیدر آباد کا وزیر اعظم بنایا۔ وہ پانچ سال تک اس عہدے پر فائز رہے۔ انھوں نے اپنے دور میں حیدر آباد کے عوام بالخصوص مسلمانوں کی بڑی خدمات انجام دیں۔ ان کی وزارت کے آخری دنوں میں ان کے صدقی کاموں سے جاگیرداروں اور رئیسوں نے ان کے خلاف مہم چلانا شروع کر دی جس کے نتیجہ میں وہ ۲۲ر جولائی ۱۹۴۶ء کو مستعفی ہو گئے لیکن نظام نے دوبارہ نواب صاحب کو ایک سال کے لیے وزارت عظمیٰ کی ذمہ داری قبول کرنے کی دعوت دی چنانچہ نواب صاحب جون ۱۹۴۷ء میں پھر حیدر آباد کے صدر اعظم ہو گئے لیکن ریاست کے سیاسی صورت کے پیش نظر خرابی صحت کا عذر کر کے انھوں نے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا اور ۲۰ر نومبر ۱۹۴۷ء کو وہ علی گڑھ واپس آ گئے۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے نواب صاحب کو گہرا لگاؤ اور غیر معمولی محبت تھی۔ تقسیم ملک کے بعد وہ یہاں کے پرو چانسلر ہوئے اور ۱۹۶۵ء میں چانسلر منتخب ہوئے اور آخر دم تک اس منصب پر متمکن رہے۔ انھوں نے اسکاؤٹ تحریک میں بھی نمایاں حصہ لیا وہ ستمبر ۱۹۳۵ء میں کل ہندوائے اسکاؤٹس کے چیف کمشنر مقرر کیے گئے۔ وہ اس تحریک سے ۱۹۴۱ء تک وابستہ رہے۔

نواب صاحب نے ۱۹۴۶ء میں تین حصوں میں اپنی آپ بیتی "یاد ایام" کے نام سے لکھی جو علی گڑھ سے شائع ہوئی، اب نایاب ہے۔

انھوں نے ۶ر جنوری ۱۹۸۲ء کو علی گڑھ میں وفات پائی۔

مآخذ:

۱۔ فکر و نظر۔ ناموران علی گڑھ، جلد ۲۴، جنوری تا جولائی ۱۹۸۸ء
تیسرا کارواں، جلد اول، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۲۔ عبدالرؤف عروج رجال اقبال۔ ص ۴۸۔ ۴۹

۳۔ سید حسین علی جعفری نواب آف جھتاری دی ام مورپل آل انڈیا لوائے
اسکاؤٹ ایسوسی ایشن، جھتاری ہٹ، اوکھلا روڈ، نئی دہلی، ۱۹۸۲ء

مولانا احمد علی لاہوری (۱۸۸۶ء-۱۹۶۲ء)

مولانا احمد علی لاہوری کو ایک خاص طرز تفسیر کا بانی خیال کیا جاتا ہے وہ گوجرانوالہ کے ایک قصبہ جلال آباد میں ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے مولانا عبید اللہ سندھی سے مذہبی اور دینی تعلیم پائی جب مولانا سندھی تحریک ہجرت کے سلسلے میں کابل چلے گئے تو مولانا احمد علی نے دہلی میں ان کا سلسلۂ درس جاری رکھا۔ یہ بات حکومت کو پسند نہیں تھی۔ حکومت نے ان کو ہر ممکن طریقے پر اس سے باز رکھنے کی کوشش کی اور کئی مرتبہ جیل بھی بھیجا۔ بالآخر وہ جلاوطن ہو کر لاہور آ گئے۔

مولانا احمد علی نے لاہور میں ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر درس قرآن کا آغاز کیا پھر شیرانوالہ دروازہ کے قریب ایک مسجد میں منتقل ہو گئے جو سبحان خاں کی مسجد کہلاتی تھی۔ انھوں نے ۱۹۲۲ء میں "انجمن خدام الدین" قائم کی' اس کے دو سال بعد مدرسۂ قاسم العلوم کا قیام عمل میں آیا۔ اقبال' مولانا احمد علی لاہوری کی اس اصلاح عقائد و احوال کی تحریک سے بہت متاثر تھے جو انھوں نے "انجمن خدام الدین" کی جانب سے شروع کی تھی۔ اس سلسلے میں انھوں نے ملک کے کونے کونے میں تبلیغی کتابوں کا جال بچھا رکھا تھا۔ جب انجمن کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۹۲۵ء میں مولانا انور شاہ کشمیری لاہور آئے تو اقبال نے ان کے ساتھ مولانا احمد علی لاہوری کو بھی بطور خاص اپنے یہاں دعوت پر مدعو کیا۔ اقبال "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" کی تیاری کے سلسلے میں مولانا سے بھی مشورہ کرتے رہے۔

مولانا غلام رسول مہر کا بیان ہے کہ اقبال نے مولانا سے بعض فقہی مسائل پر تبادلہ خیال بھی کیا تھا۔

مولانا لاہوری نے اپنی پوری زندگی اعلائے کلمۃ الحق میں گزاری تھی۔ قیام

پاکستان کے بعد بھی ان کی حق گوئی اور بے باکی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ غیر جمہوری رجحانات کے خلاف کھل کر احتجاج کرتے رہے۔ ۱۹۵۲ء میں ان کو تحریکِ ختم نبوت کے سلسلے میں قید و بند کی مصیبت برداشت کرنی پڑی، اس کے باوجود اُن کے جوشِ خطابت میں کمی نہیں آئی۔ انھوں نے نصف صدی سے زائد عرصہ تک تبلیغ و اشاعت اور رشد و ہدایت کا کام جاری رکھا۔

مولانا نے لاہور میں ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء کو انتقال کیا۔

مآخذ

عبدالرؤف عروج ۔ رجالِ اقبال ص ۔ ۵۷ ۔ ۵۸ ۔

مولوی صالح محمد ادیب تونسوی (۱۸۸۰ - ۱۹۵۶ء)

اصل نام مولوی صالح محمد اور قلمی نام ادیب تونسوی تھا تونسہ شریف ضلع ڈیرہ غازی خان پنجاب میں ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے مڈل اس وی ۔۔۔ تک تعلیم حاصل کی۔ منشی فاضل کا امتحان بھی پاس کیا۔ مدرسی پیشہ اختیار کیا اور مڈل اسکول جوٹی ریرین، وہوا، منگڑوٹھہ میں ہیڈ ماسٹر رہے۔

ان کی وفات ۲۰ مارچ ۱۹۵۶ء کو ہوئی۔

ان کی تصانیف میں "حیات سلیمان" مشہور ہے۔ "نام مشرق" کا ترجمہ مکان کے جل جانے کی وجہ سے راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔

ماخذ

شکریۂ خاص،

ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن طاہر تونسوی، پرنسپل، گورنمنٹ کالج، ملتان، پاکستان۔

سراج الدین آزر (۱۸۹۲ء۔ ۱۹۴۷ء)

ان کا ذکر علامہ اقبال کے مکتوب محررہ ۲۵ ستمبر ۱۹۳۰ء میں آیا ہے۔ پروفیسر سراج الدین آزر ۱۸۹۲ء میں فیروز پور (پنجاب۔ ہند) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے انگریزی اور فارسی کے امتحانات کامیاب کیے اور محکمۂ تعلیم میں ملازم ہوئے۔ کچھ عرصہ اسلامیہ کالج لاہور میں لیکچرار رہے۔ بعد ازاں سرکاری ملازمت اختیار کی اور ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۷ء تک گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج بسرور میں انگریزی کے استاد، بعد ازاں گورنمنٹ کالج سرگودھا کے پرنسپل متعین ہوئے۔ آزر عمدہ علمی و ادبی ذوق رکھتے تھے۔ بالخصوص انھیں نادر کتب اور مخطوطات جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ ان کے ذاتی کتب خانے میں تقریباً چالیس ہزار کتابیں اور بہت سے نفیس اور نادر قلمی نسخے تھے۔ قلمی نسخوں کو اب پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ کر لیا گیا ہے اور ان کی فہرست کتابی شکل میں "ذخیرۂ آزر" کے نام سے لاہور سے شائع ہو گئی ہے۔

ان کا انتقال ۲۶ اگست ۱۹۴۷ء کو دہلی میں ہوا۔

مآخذ:

ارشد میر۔ سالنامہ رسالہ "نقوش" ۱۹۹۱ء

لارڈ ازلنگٹن (LORD ISLINGTON)
(۱۸۶۶ — ۱۹۳۶ء)

اس کا نام سرجان ڈکسن پوانڈر (SIR JOHN DICKSON-POYNDER) تھا۔ یہ جزیرہ آیل آف وائٹ (ISLE OF WIGHT) میں بمقام رائڈ (RYDE) ۳۱ اکتوبر ۱۸۶۶ء کو پیدا ہوا۔ ہیرون پبلک اسکول (HARROW PUBLIC SCHOOL) اور کرائسٹ چرچ کالج آکسفورڈ میں تعلیم سے فراغت کے بعد فوج میں کمیشن افسر ہوگیا۔ ۱۹۰۱ء – ۱۹۰۲ء میں جنوبی افریقہ کی جنگ میں امتیازی حصہ لیا۔ بہ عین جوانی میں پارلیمنٹ میں داخل ہوا۔ ۱۸۹۲ء میں قدامت پسند پارٹی کے ممبر کی حیثیت سے منتخب ہوا۔ ۱۹۰۵ء میں لبرل پارٹی میں شامل ہوگیا۔ ۱۹۱۰ء میں پارلیمنٹ سے مستعفی ہوکر نیوزی لینڈ کے گورنر کے عہدہ پر فائز ہوا اور لارڈ ازلنگٹن LORD ISLINGTON کا خطاب پایا۔ ۱۹۱۱ء میں پریوی کونسل کا ممبر بھی نامزد ہوا۔ ۱۹۱۲ء میں گورنری سے استعفیٰ دے کر ہندوستان میں رائل کمیشن اون پبلک سروسز (ROYAL COMMISSION ON PUBLIC SERVICE) کا صدر مقرر ہوا۔ ۱۹۱۴ – ۱۹۱۵ء میں انڈر سکریٹری آف سٹیٹ فور کالونیز [illegible] اور ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۸ء تک انڈر سکریٹری آف سٹیٹ فور انڈیا ([illegible] INDIA) کی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۹۲۰ء نیشنل سیونگ کمیٹی کا صدر مقرر ہوا۔

لارڈ ازلنگٹن نے ایوان بالا میں ایک باوقار مقام حاصل کرلیا تھا۔ چنانچہ فلسطین کو عارضی طور پر حکومت برطانیہ کے سپرد کرنے کے خلاف اس کی یہ تجویز اکثریت رائے سے ۲۱ جون ۱۹۲۲ء کو منظور ہوگئی کہ اس پر اس وقت تک عمل درآمد نہ ہو تاوقتیکہ اس عہدنامہ ([illegible]) میں وہ تمام ترمیمات نہ ہوجائیں جو عربوں کے ساتھ حکومت برطانیہ کی جانب سے کیے ہوئے عہد و پیماں کی پوری پوری پاسداری

کی ضامن ہوں۔ اس کی یہ تجویز اس لیے بھی اہمیت کی حامل تھی کہ سابق وزیر اعظم
لارڈ بالفور LORD BALFOUR نے اس کی مخالفت کی۔ یہ وہی بالفور ہے جس
کا نومبر ۱۹۱۷ء کا "بالفور اعلان" فلسطین میں یہودیوں کی نو آبادکاری کے ضمن
میں مشہور ہے۔ اقبال نے اپنے خط محررہ ۲۵ر دسمبر ۱۹۳۲ء میں لارڈ اسلنگٹن کا مسئلہ
فلسطین کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے
لارڈ ازلنگٹن کی وفات لندن میں ۶ر دسمبر ۱۹۳۶ء کو ہوئی۔

ماخذ

ڈی۔ این بی۔ ۱۹۳۱۔ ۱۹۴۰ء، ص ۷۱۹۔ ۷۲۱۔

اسمٰعیل پاشا (۱۸۳۰-۱۸۹۵ء)

اسمٰعیل پاشا خدیو مصر ابراہیم پاشا کا دوسرا بیٹا، ۱۸۳۰ء میں پیدا ہوا۔ اس کی تعلیم پیرس میں ہوئی اور اس کے چچا سعید پاشا نے اسے پاپائے روم نپولین ثالث اور سلطان ترکی کے پاس متعدد سفارتی مہموں پر بھیجا۔ ۱۸۶۱ء میں اس نے سوڈان میں ایک بغاوت فرو کی اور دو سال بعد (۱۸۶۳ء) والیٔ مصر کی حیثیت سے اپنے چچا کا جانشین ہوا۔ محمد علی کی اولاد میں یہ پہلا شخص ہے جو خدیو کے لقب سے ملقّب ہوا۔ یہ لقب اسے ۱۸۶۷ء میں سلطان عبدالعزیز نے عطا کیا جس کی وجہ یہ تھی کہ مصر ترکی کو جو خراج دیا کرتا تھا اس کی رقم تین لاکھ چھہتّر ہزار پونڈ سے بڑھا کر اس نے سات لاکھ بیس ہزار پونڈ کر دی تھی۔ ۱۸۷۳ء میں سلطان کے ایک اور فرمان کی رو سے خدیو کو کئی اعتبار سے خود مختار بادشاہ بنا دیا گیا۔

اسمٰعیل پاشا نے بہت سی اصلاحات کیں۔ اس نے چنگی کے دستور کو نئی طرز پر ڈھالا، ڈاک خانے کا نظام قائم کیا، شکر سازی کی صنعت شروع کی۔ اور ریلوے اور تار لائن کی توسیع، بندرگاہوں کی تعمیر اور آب پاشی کے لیے نئی نہروں کی کھدائی سے تجارتی ترقی کے سامان مہیا کیے۔ اس نے تعلیم کی ترویج کرتے ہوئے مصر میں لڑکیوں کے اولین مدارس کھولے اور فوجی افسروں کی تربیت کے لیے دارالفنون، P[illegible] بنایا۔ اس نے ایک طبی کالج بھی قائم کیا۔ ۱۸۶۹ء میں اس نے نہر سویز کا افتتاح کیا۔

اس نے مصر کی نہج پر سوڈان کی ترقی اور وہاں غلاموں کی تجارت کا انسداد کرنے کی کوشش کی۔ بحرِ احمر میں اپنا اقتدار وسیع کیا۔ نئے علاقے فتح کر کے اپنے ملک میں شامل کیے ۱۸۷۴ء میں اس نے دار فور DARFUR پر فوجی چڑھائی کی

اور غلاموں کے تاجر زبیر پاشا کی افواج کو شکست دے کر اس علاقہ کو اپنے ملک میں شامل کر لیا۔

مصر کو ترقی کی یہ تمام تدابیر بہت مہنگی ثابت ہوئیں۔ چنانچہ ۱۸۷۶ء میں مصر کے ذمے غیر ملکی سرمایہ داروں کا قرض بہت بڑھ گیا اور ملک اس قدر قلاش ہو گیا کہ اس کے معمولی ذرائع آمدنی نظم و نسق کی نہایت اہم ضروریات کے لیے بھی مکتفی نہ رہے۔ جب اس نے دیکھا کہ یورپ کی منڈیوں سے اب مزید قرض نہیں مل سکتا تو اس نے ۸ اپریل ۱۸۷۶ء کو سرکاری ہنڈیوں کی ادائی ملتوی کر دی۔ اس پر دولِ یورپ نے قرض خواہوں کی حمایت میں دخل اندازی کرتے ہوئے ملکی قرض پر ایک کمشن مقرر کیا اور مالیات پر دوہری نگرانی نافذ ہو گئی جس کی رو سے ایک انگریز افسر کو مالیات کا اور ایک فرانسیسی افسر کو ملک کے مصارف کا محاسب اعلی CONTROLLER GENERAL مقرر کر دیا گیا۔ اسمٰعیل کو ایک آئینی وزارت قبول کرنا پڑی جس میں نوبار پاشا کی ریاست میں انگریز اور فرانسیسی وزرا بھی شامل تھے۔ لیکن فروری ۱۸۷۹ء میں فوجی شورش کے دوران جس کی قیادت عرابی پاشا کے ہاتھ میں تھی اسمٰعیل پاشا نے نوبار پاشا کو معزول کر دیا۔ دو ماہ بعد اس نے یورپی وزراء کو بھی برخاست کر دیا اور انگلستان اور فرانس کی حکومتوں کے اس مطالبے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ فرانسیسی اور برطانوی وزراء کو بحال کیا جائے۔ ۲۶ جون ۱۸۷۹ء کو اسے تخت سے اتار دیا گیا جس کے چار روز بعد وہ قاہرہ سے نیلز روانہ ہو گیا جہاں شاہ اطالیہ نے اسے ایک مکان سکونت کے لیے دے دیا۔ بعد ازاں وہ قسطنطنیہ چلا گیا جہاں ۲ مارچ ۱۸۹۵ء کو اس نے وفات پائی۔

مآخذ:

اردو دائرۂ المعارف اسلامیہ، جلد دوم، ص ۷۴۵۔ ۷۴۶

حاجی سر اسماعیل سیٹھ

حاجی سر اسماعیل سیٹھ بنگلور کے موطن تھے ممن برادری سے ان کا تعلق تھا کولار گولڈ فیلڈ میں ان کے ٹھیکے تھے۔ کلکتہ، بمبئی اور مدراس میں ان کی بڑی بڑی دُکانیں تھیں انھوں نے تعلیم کی اشاعت پر کثیر دولت صرف کی۔ پردہ نشین خواتین کے لیے "گوشہ اسلام" تعمیر کرایا اور مساجد بنوائیں۔ انگریزی بولتے تھے مگر لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔

چودھری محمد حسین راوی ہیں کہ جب یہی بات سر اسماعیل سیٹھ نے علامہ اقبال سے کہی تو علامہ نے فرمایا:

"قبلہ! آپ انگریزی داں تو نہیں مگر انگریز داں ضرور ہیں آپ کو انگریزی جاننے کی چنداں ضرورت نہیں۔"

شہر بنگلور میں انھی کے مکان میں علامہ اقبال نے قیام کیا تھا اس وقت ان کی عمر اسّی سال کی تھی۔ چودھری محمد حسین نے ان کا ذکر اپنے ایک مضمون مطبوعہ روز نامہ "انقلاب" لاہور مطبوعہ ۲۳ جنوری ۱۹۲۹ء میں کیا تھا۔

ماخذ:
بصد شکریہ: جناب سلیم تمنائی صاحب، میسور

(جان) اسمٹس (JAN SMUTS)
(۱۸۷۰ - ۱۹۵۰ء)

جان کرسٹین اسمٹس (JAN CHRISTIAN SMUTS)
۲۴ مئی ۱۸۷۰ء کو کیپ کالونی میں رائی بیک ویسٹ (RIEBEECK WEST) کے مقام پر پیدا ہوا۔ اسمٹس ۱۲ سال کی عمر میں اسکول میں داخل ہوا اور ۱۶ سال کی عمر میں وکٹوریہ کالج میں، جو بعد میں یونیورسٹی اسٹیلن بوش (STELLENBOSCH) بن گیا۔ اس نے سائنس کا بطور خاص مطالعہ کیا۔ ۱۸۹۱ء میں وظیفہ پاکر کرائسٹ کالج کیمبرج میں داخل ہوا جہاں اس نے قانون کا مطالعہ کیا اور ایک سال میں دو امتحانات (TRIPOS) امتیازی حیثیت سے پاس کیے۔ قانون کے علاوہ اس نے فلسفہ، سائنس اور شاعری کا بھی مطالعہ کیا۔ اور بالخصوص امریکی شاعر والٹ وہٹمین (WALT WHITMAN) سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے اس پر ایک کتاب بھی لکھی مگر اسے کوئی ناشر نہ مل سکا۔

۱۸۹۵ء میں کیپ ٹاؤن آکر سیاست کے میدان میں اس نے قدم رکھا ابتدا میں یہ اس وقت کے وزیراعظم سسل روڈز (CECIL RHODES) کا شریک کار رہا۔ بعدازاں جوہنس برگ (JOHANNES BURG) چلا گیا جہاں ۱۸۹۸ء میں اسے سرکاری وکیل مقرر کیا گیا۔ اس طرح ۲۸ سال کی عمر میں ٹرانسوال کی سیاست کا مرکزی کردار بن گیا۔ اور مرتے دم تک جنوبی افریقہ اور عالمی سیاست سے وابستہ رہا۔

جب اکتوبر ۱۸۹۹ء میں جنوبی افریقہ میں بوئر (BOER) جنگ شروع ہوئی تو اسمٹس نے اس میں حصہ لیا۔ آزاد جمہوری حکومتیں جنگ میں شکست پا چکی تھیں۔ اسمٹس نے اب ٹرانسوال میں ۱۹۰۶ء میں اور یونین آف جنوبی افریقہ میں ۱۹۱۰ء میں ذمہ دار حکومت کے قیام میں مرکزی رول ادا کیا۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد وہ جنوبی افریقہ کی سیاست سے نکل کر بین الاقوامی سیاست میں داخل ہوا۔ اس نے جنوبی افریقہ میں بغاوت کو دبایا، جنوب مغربی افریقہ فتح کیا اور مشرقی افریقہ میں اتنی مہم شروع کی۔ پھر مارچ ۱۹۱۷ء میں امپیرئل کانفرنس میں شرکت کی جب جنگ کے اختتام پر صلح نامہ مرتب ہوا تو جنرل اسمٹس نے مشہور ماہر اقتصادیات جے۔ ایم۔ کینز (J. M. KEYNES) کی حمایت کی کہ جنگی تاوان کی شرائط اتنی سخت نہ ہوں جن سے جرمنی کی معیشت بالکل تباہ ہو جائے۔ وہ انجمن اقوام (LEAGUE OF NATIONS) کے معماروں میں سے تھا۔

۱۹۱۸ء میں جنرل اسمٹس جنوبی افریقہ کا وزیر اعظم مقرر ہوا۔ اور پانچ سال اس عہدے پر فائز رہا۔ جب اس کی پارٹی ہار گئی تو وہ حزب مخالف میں رہا۔

ستمبر ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو جنرل اسمٹس پھر وزیر اعظم بنا اور اس کے زیر اقتدار حکومت جنوبی افریقہ نے جرمنی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ اس کی ساری کوشش یہ رہی کہ اٹلی شمالی افریقہ کو فتح نہ کرنے پائے۔ ۱۹۴۵ء میں جنگ کے خاتمے پر سان فرانسسکو کانفرنس میں جنوبی افریقہ کے نمائندہ کی حیثیت سے شریک ہوا۔ جس میں اقوام متحدہ (UNITED NATIONS) کا دستور تیار ہوا۔

۱۹۴۸ء کے عام انتخابات میں اس کی پارٹی کو شکست ہوئی اور جنرل اسمٹس کیمبرج یونیورسٹی کا چانسلر منتخب ہو کر انگلستان چلا گیا۔

۱۹۵۰ء میں پریٹوریا (PRETORIA) میں اس کا انتقال ہوا۔

ماخذ

دائرہ المعارف برطانیکا جلد ۱۶، ص ۹۰۰ - ۹۱۰

(پروفیسر) آسین ASIN

میگویل آسین بلاچیو ر ـ روس کیتھو لک
پادری تھا اور میڈرڈ MADRID میں عربی زبان کا پروفیسر بھی تھا۔ پروفیسر
آسین نے اپنی زندگی کے پچیس سال زمانۂ وسطیٰ میں مشرق اور ہسپانیہ میں اسلام
کے حکیمانہ اور مذہبی افکار اور عیسائی یورپ کی تہذیب و تمدن پر اس کے اثرات کے
مطالعہ کے لیے وقف کر دیے تھے۔ اس نے عیسائی دنیا کے مشہور بزرگان دین جیسے
ٹامس اکوینس ... پر ابن رشد، ابن عربی اور ''اخوان الصفا'' کے
اثرات کے بارہ میں اہم انکشافات کیے تھے لیکن اس کا سب سے بڑا کارنامہ جس
کی وجہ سے اسے دوامی شہرت حاصل ہوئی یہ تھا کہ اس نے اسلام کو شہرہ آفاق شاعر
دانتے DANTE کی ''طربیہ ربانی'' DIVINE COMEDY کا ممنون احسانات
کر دیا۔ یہ وہ نظم ہے جو زمانۂ وسطیٰ کے عیسائی یورپ کی تہذیب و تمدن کی آئینہ دار
ہے۔ اس نے دانتے اور بیاتریچ BEATRICE کی پرواز فردوس اور شیخ اکبر صوفی
ابن عربی کی فتوحات میں ایک صوفی اور فلسفی کے پرواز کی تمثیل کے بنیادی نکات کو
مشابہ قرار دیا ہے۔ اس نے توجہ دلائی کہ ابن عربی کی تمثیل آں حضرت رسول اکرمؐ کی
معراج اقدس اور اسرا سے ماخوذ ہے۔ اب پروفیسر آسین نے یہ نتیجہ نکالا کہ دانتے
کے تصورات کا مخرج یہ اسلامی روایات اور مذہبی معلومات تھیں۔ پروفیسر آسین
نے یہ بھی کھوج لگایا کہ کیا زمانۂ وسطیٰ کی کسی عیسائی روایت میں اس کا پرتو نظر آتا
ہے اور وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ کسی عیسائی روایت میں اس کی مشابہ کوئی تمثیل پیش
نہیں کی گئی تھی۔

اس مقالہ کی اشاعت کے بعد یورپ کے علمی و ادبی اور مذہبی حلقوں میں ایک

شور برپا ہوگیا۔ مختلف علما و فضلا نے اس کی مخالفت و موافقت میں مضمون لکھے۔ اب یہ تسلیم کیا جانے لگا ہے کہ دانتے کی مشہور زمانہ شاہکار تصنیف بارھویں صدی کے اس وقت تک کے غیر معروف صوفی ابن عربی کے تتبع میں لکھی گئی تھی۔

یہ فکر انگیز مقالہ ۱۹۲۰ء میں ہسپانوی زبان میں شائع ہوا تھا۔ اس کا انگریزی ترجمہ (ISLAM AND DIVINE COMEDY کے نام سے ہیرولڈ سنڈرلنڈ (HAROLD SUNDERLAND) سے شائع کیا۔

مآخذ

HAROLD SUNDERLAND ISLAM AND DIVINE COMEDY, JOHN MURRAY LONDON, 1926

(ہیرولڈ سنڈرلنڈ۔ اسلام اینڈ دی ڈوائن کامیڈی، جان مرے، لندن ۱۹۲۶)

آصف علی (۱۸۸۸ - ۱۹۵۳ء)

آصف علی ۱۱ مئی ۱۸۸۸ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے عربک اسکول اور سینٹ اسٹیفن کالج میں تعلیم پائی ۱۹۰۹ء میں لندن گئے جہاں ۱۹۱۴ء میں وہ بیرسٹری کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔ دو سال یورپ کی سیاحت کے بعد وطن واپس آئے اور وکالت شروع کردی لیکن جلد ہی عملی سیاست کے میدان میں قدم رکھا اینی بیسنٹ (ANNIE BESANT) کی ہوم رول لیگ میں کام کیا پھر گاندھی جی کی تحریک عدم تعاون اور خلافت تحریک میں حصہ لیا۔ حکومت کے خلاف باغیانہ تقریریں کرنے کے الزام میں کئی مرتبہ قید و بند کی صعوبتیں انھوں نے برداشت کیں۔

۱۹۲۷ء میں کانگریس پارٹی کے سیکریٹری جنرل مقرر ہوئے۔ آصف علی ہندو مسلم اتحاد کے زبردست مبلغ تھے۔ انھوں نے ۱۹۳۲ء کی اتحاد کانفرنس میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ وہ سیکولر اقدار کے حامی اور اس کے علمبردار تھے۔

۱۹۳۲ء میں مسلمانوں کی سیاسی حالت بڑی ابتر تھی۔ محمد علی جناح لندن چلے گئے تھے۔ ان کی غیر موجودگی میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کرسکے۔ اس موقع پر آصف علی نے تمام مسلم رہنماؤں کو ایک خط لکھا اور اس میں ان سے اپیل کی کہ وہ مسلم لیگ کو عوامی جماعت بنانے کی کوشش کریں۔ اس خط کا اصل مقصد عام مسلمانوں کو یہ تاثر دینا تھا کہ لیگ پر ان کا نہیں بلکہ چند مخصوص جاگیرداروں اور برطانیہ نوازوں کا قبضہ ہے۔ اقبال نے اس خط کی نقل حاصل کرکے اسے غلام رسول مہر کے پاس بھیج دیا تاکہ وہ روزنامہ "زمیندار" کے ذریعہ اس کی تردید کریں۔ یہیں سے آصف علی اور اقبال میں اختلاف شروع ہوا اور اس کا مظاہرہ مختلف صورتوں میں ہوتا رہا۔

اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد ہی اقبال نے جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے ایک جلسہ میں صدارتی تقریر کرتے ہوئے ہین اسلام ازم کی تردید کی اور کہا کہ یہ ایک باطل اصطلاح ہے جسے یورپ کے سیاست دانوں نے عالم اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں اور فتنہ انگیزیوں کے لیے وضع کیا ہے۔ آصف علی نے اس وقت جلسے سے اٹھ کر اقبال کو روکنے کی کوشش کی لیکن اقبال نے ہاتھ کے اشارے سے ان کو بٹھا دیا اور اپنی تقریر جاری رکھی۔

۱۹۳۸ء کے بعد سے آصف علی نے کانگریس کی سرگرمیوں میں بڑے زور و شور سے حصہ لیا اور اس کے کئی عہدوں پر فائز ہوئے۔ وہ اگست ۱۹۴۶ء میں عبوری حکومت ہند میں ریلوے کے وزیر مقرر ہوئے فروری ۱۹۴۷ء میں ان کو امریکہ میں ہندوستان کا سفیر نامزد کیا گیا جہاں وہ اپریل ۱۹۴۸ء تک رہے۔ جون ۱۹۴۸ء میں ان کو صوبہ اڑیسہ کی گورنری دی گئی۔ اس کے بعد وہ سوئٹزرلینڈ میں سفیر مقرر کیے گئے اور ساتھ ہی ویٹیکن (VATICAN) اور آسٹریا کے سفیر بھی مامور ہوئے۔ وہ ۲ اپریل ۱۹۵۳ء کو عارضہ قلب برن (سوئٹزرلینڈ) میں انتقال کر گئے۔ لاش دلّی لائی گئی اور بستی حضرت نظام الدین میں خواجہ حسن نظامی مرحوم کی خاندانی چہار دیواری میں دفن ہوئے۔ ان کے لوحِ مزار پر راج گوپال اچاریہ کے یہ الفاظ کندہ ہیں۔

"خدا حافظ! اس وقت تک کے لیے کہ ہم دوبارہ ملیں"

آصف علی انگریزی اور اردو کے ادیب بھی تھے اور شاعر بھی۔ ان کے مضامین اور نظمیں "کامریڈ" اور NEW ERA (نیو ایرا) میں باقاعدگی سے شائع ہوتی تھیں۔ انھوں نے ۱۹۲۱ء میں اپنی مشہور کتاب CONSTRUCTIVE NON-COOPERATION (کنسٹرکٹیو نان کوآپریشن) تصنیف کی آصف علی نے سٹالن کی سوانح حیات کو اردو نظم میں ڈھالا۔ ان کی کتاب پرچھائیں، قاضی عبدالغفار نے انجمن ترقی اردو ہند سے شائع کی ہے۔ وہ ایک فصیح البیان مقرر تھے اور جوٹی کے وکیل بھی۔ انھوں نے آزاد ہند فوج

کے ملزموں کے حق میں ایسی زوردار پیروی کی جس کا اس زمانہ میں بڑا چرچا رہا۔

مآخذ:

۱۔ نیشنل بایوگرافی۔ ص۔ ۲۷۔ ۷۵
۲۔ عبدالرؤف عروج۔ رجالِ اقبال۔ ص۔ ۲۴۔۲۵

اقبال شیدائی (۱۸۸۸ء - ۱۹۷۴ء)

محمد اقبال شیدائی سیالکوٹ کے ایک نواحی گاؤں[1] "پورہ ہیراں" میں ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ماجد ماسٹر غلام علی بھٹہ (م ۱۹۲۷ء) اسکاچ مشن اسکول سیالکوٹ میں انگریزی اور سائنس کے استاد تھے۔ علامہ نے ان سے انگریزی اور سائنس کی تعلیم حاصل کی تھی۔ شیدائی، اقبال کے ہم مدرسہ تھے۔

شیدائی نے ۱۹۱۴ء میں انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۱۷ء میں بی اے کیا۔ طالب علمی ہی کے زمانے میں انھوں نے سیاست میں دل چسپی لینی شروع کردی اور اس زمانے میں ان کا تعارف مولانا شوکت علی اور میاں سر محمد شفیع سے ہوا۔ مولانا شوکت علی کی تحریک ہی پر شیدائی "انجمن خدام کعبہ" کے رکن بنے۔ کعبہ شریف کی شیدائی ہونے کی وجہ سے انھیں "شیدائی" کا لقب ملا۔

اس زمانے میں برصغیر کی سیاست زوروں پر تھی اور تحریک ہجرت (ریشمی رومال تحریک) شروع ہوئی تھی۔ مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے رفقا کے کابل جانے کے فوراً بعد شیدائی بھی جولائی ۱۹۲۰ء میں کابل پہنچ گئے۔ مولانا سندھی نے انھیں "عبوری حکومت ہند" میں جنگ اور مواصلات کے محکموں کا نائب وزیر مقرر کیا۔ اس دوران انھوں نے تاشقند اور ماسکو کا دورہ بھی کیا۔ موصوف ماسکو سے ۱۶ مارچ ۱۹۲۳ء کو انقرہ پہنچ گئے۔

اس وقت تک ترکی میں انقلاب بپا ہو چکا تھا۔ کمال اتاترک نے خلیفۃ المسلمین سے سیاسی اختیارات سلب کر لیے تھے۔ شیدائی خلافت کے

---

[1] اب یہ گاؤں سیالکوٹ میونسپلٹی کی حدود میں شامل ہو چکا ہے۔

زبردست حامی تھے۔ اس لیے ان بدلے ہوئے حالات میں حکام نے انھیں ترکی سے نکل جانے کا حکم دیا۔ وہ فرانس اور وہاں سے ۱۱ر جون ۱۹۲۳ء کو روم پہنچے اور وہاں تجارت شروع کردی تجارت میں مشغولیت کے باوجود وہ اپنے اصل مقصد سے غافل نہ رہے۔

۱۹۳۶ء میں شیدائی نے ایک فرانسیسی طالبہ شارلوت سے شادی کرلی اور اس کا اسلامی نام بلقیس رکھا۔ جب علامہ اقبال پیرس پہنچے تو شیدائی اور ان کی بیگم نے ان کی ہر طرح سے خاطر مدارات کی بلکہ بلقیس نے تو یہاں تک کہا کہ وہ اپنی میڈیکل تعلیم ختم کرکے ہندوستان آکر پریکٹس کریں گی، لیکن بعد میں حالات اتنے خراب ہوئے کہ شیدائی اور ان کی بیگم نے ہندوستان آنے کا ارادہ ملتوی کردیا۔

دوسری عالمی جنگ کے آغاز سے قبل ہی سیاسی سرگرمیوں کی بنا پر شیدائی کو فرانس سے نکل جانے کا حکم ملا۔ انھوں نے سوئزرلینڈ میں رہنا چاہا لیکن کچھ عرصے کے بعد وہاں سے بھی نکالے گئے۔ اٹلی پہنچ کر وہ ریڈیو میں ملازم ہوگئے اور انگریزوں کے خلاف اردو پروگرام نشر کرنا شروع کیا۔

۱۹۴۷ء کے آغاز پر پنڈت جواہر لال نہرو کی سفارش پر برطانوی حکومت نے انھیں ہندوستان آنے کی اجازت دے دی۔ وہ اٹلی سے دہلی پہنچے۔ کچھ دن وہاں گزارنے کے بعد اپنے وطن سیالکوٹ آئے۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں کراچی پہنچے۔ انھوں نے ایک بار اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پاکستان کی نمائندگی بھی کی۔

پاکستان میں اسکندر مرزا سے ان کے اختلافات تھے۔ اسکندر مرزا نے گورنر جنرل ہوتے ہی ان کو گرفتار کرنا چاہا جس کی اطلاع انھیں بھی مل گئی اور وہ ایک بار پھر اٹلی چلے گئے۔ اٹلی کے دوران قیام انھیں ٹیورن یونیورسٹی (TURIN) میں اردو پڑھانے کا کام مل گیا۔ اگست ۱۹۶۵ء میں شیدائی پاکستان لوٹ

آئے اور سیاست سے کنارہ کش ہو گئے۔
لاہور میں عارضۂ قلب میں مبتلا ہو کر ۱۲ رجنوری ۱۹۷۴ء کو انتقال کر گئے۔

ماخذ

۱۔ محمد اسلم۔ اقبال ریویو، جولائی ۱۹۸۰ء، اقبال اکیڈمی پاکستان، لاہور
ص ۶۷۔۷۲۔
۲۔ عبدالرؤف عروج۔ رجالِ اقبال ص ۸۸۔۸۹۔

امان اللہ بنارسی (۱۰۵۰ھ ۱۱۳۳ھ تقریباً ۲۱-۱۷۲۰ء)

حافظ امان اللہ بن نوراللہ بن حسین حنفی بنارس کے ایک ممتاز علمی خاندان میں ۱۰۵۰ھ کے قریب پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کرنے کے بعد جون پور پھر شمس آباد کا علمی سفر انھوں نے کیا اور مختلف مشاہیر علما شیخ محمد ماہ دیو گامی اور شیخ قطب الدین حسینی شمس آبادی سے استفادہ کیا۔ انھیں معقولات اور منقولات میں تبحر حاصل تھا اور وہ متعدد علوم و فنون میں مہارت رکھتے تھے۔ علامہ آزاد بلگرامی اور مولانا سید عبدالحیٔ حسنی نے بالترتیب 'سبحۃ المرجان' اور 'نزہۃ الخواطر' میں ان کی علمی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ معاصر اور ممتاز عالم قاضی محب اللہ بہاری نے اپنی تصانیف میں حافظ امان اللہ کے اقوال و آرا کے حوالے دیے ہیں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد شہنشاہ عالمگیر کے حکم سے لکھنؤ میں صدارت کے عہدے پر فائز ہوئے۔ تعلیم و تدریس کے فطری ذوق و رجحان کی بنا پر عہدۂ صدارت کو جلد ہی خیرباد کہہ کر وطن مالوف تشریف لائے اور یہاں ان کا علمی اور روحانی فیض جاری ہوا۔ بانیٔ درسِ نظامیہ ملا نظام الدین فرنگی محلی نے بھی ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ حافظ صاحب کا یہ مرتبہ تھا کہ ملا محمود جونپوری صاحب شمس بازغہ؛ میر محمد باقر داماد استرآبادی کے خلاف حدوث عالم کے موضوع پر جو رسالہ لکھا تھا حافظ صاحب نے دونوں کے درمیان محاکمہ لکھا ہے۔

اُن کی تصانیف میں، شرح رسالہ تسویہ (قاضی محب اللہ آبادی کی تصنیف) حاشیہ تفسیر بیضاوی، حاشیہ شرح العضدی، تحقیق المثل الافلاطونی، حاشیہ حکمتہ العین، حاشیہ تلویح، حاشیۂ شرح المواقف، حاشیہ رشیدیہ (شیخ محمد رشید بن محمد مصطفیٰ جونپوری کی مشہور تصنیف) الرسالۃ فی المغالطۃ العامۃ الورود قابل

ذکر ہیں ان حواشی کے علاوہ اصول فقہ میں ایک متن "مفسر فی الاصول" کے نام سے تصنیف فرمائی اور خود ہی اس کی شرح "محکم الاصول" کے نام سے لکھی۔

حافظ صاحب نے اواخر عمر میں شیخ محمد یحییٰ المعروف بہ شاہ خوب اللہ الہ آبادی (متوفی ۱۱۴۴ھ) سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔

۱۱۳۳ھ / ۲۱-۱۷۲۰ء میں انھوں نے بنارس میں رحلت فرمائی۔ ان کا مقبرہ علوی پورہ اسٹریٹ فیلڈ روڈ مال گودام کے جنوب مغربی گوشے میں واقع ہے ان کی خانقاہ، مدرسہ اور مسجد بنارس میں اب تک یادگار ہے۔

مآخذ:

۱۔ مفتی عبدالسلام نعمانی: تذکرۂ مشائخ بنارس ص ۲۹-۴۴، مطبوعہ بنارس ۱۳۷۱ھ

۲۔ غلام علی آزاد بلگرامی: مآثر الکرام، دفتر اول، ۲۱۲-۲۱۳ مطبع مفید عام آگرہ ۱۹۱۱ء

۳۔ مولوی فقیر محمد جہلمی۔ حدائق الحنفیہ ص ۴۲-۴۳، مطبع نول کشور ۱۹۰۶ء

۴۔ غلام علی آزاد بلگرامی سبحۃ المرجان فی آثار ہندستان بمبئی ۱۳۰۲ھ

۵۔ نواب صدیق حسن خاں، ابجد العلوم، ص ۶۰۶، مطبع صدیقی، بھوپال ۱۲۹۶ء

۶۔ مولوی رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۱۹۔ مرتبہ محمد ایوب قادری کراچی ۱۹۶۱ء

۷۔ بصد شکریہ، پروفیسر مختارالدین احمد صاحب علی گڑھ۔

ڈاکٹر بھیم راؤ جی امبیڈکر (۱۸۹۱ ۔ ۱۹۵۶ء)

ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر ۱۴ راپریل ۱۸۹۱ء کو مدھیہ پردیش کے ایک چھوٹے سے قصبہ مھو ( ) میں (ہریجن) مہار خاندان میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ۱۹۰۸ء میں الفسٹن ہائی اسکول بمبئی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور الفسٹن کالج سے ۱۹۱۲ء میں بی۔ اے کا امتحان کامیاب کیا۔ ۱۹۱۳ء میں بڑودہ سٹیٹ کے وظیفہ پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے امریکہ کی کولمبا یونیورسٹی گئے اور ایم۔اے (معاشیات) کی ڈگری ۱۹۱۵ء میں اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری ۱۹۱۶ء میں حاصل کی۔ اسی سال انگلستان گئے اور لندن اسکول آف اکنامکس میں داخلہ لیا اور ساتھ ہی بیرسٹری کے امتحان کی تیاری بھی کرنے لگے۔ لیکن ۱۹۱۷ء میں وظیفہ کی مدت پوری ہونے پر ان کو ہندوستان واپس آنا پڑا یہاں وہ بمبئی میں معاشیات کے استاد ہو گئے۔ کچھ روپیہ پس انداز کر کے اور کچھ دوستوں کی مالی امداد سے اپنی تعلیم مکمل کرنے کی غرض سے دوبارہ انگلستان گئے اور ۱۹۲۱ء میں ایم ایس سی ( ) اور ۱۹۲۳ء میں ڈی ایس۔ سی ( ) کی ڈگریاں حاصل کیں اور ساتھ ہی بیرسٹری کی سند بھی انھوں نے حاصل کی انھوں نے جون ۱۹۲۴ء سے بمبئی ہائی کورٹ میں وکالت شروع کی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہریجن اور پسماندہ فرقوں کے رہنما سماجی کارکن سیاست داں مصنف اور ماہر تعلیم کی حیثیت سے اپنی عوامی زندگی شروع کی۔

۱۹۲۸ء میں گورنمنٹ لاکالج میں پروفیسر اور بعد میں پرنسپل کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ وہ بمبئی کی مجلس قانون ساز کے ممبر (۱۹۲۶ ۔ ۱۹۳۳ء) بھی رہے اور لندن کی تینوں گول میز کانفرنسوں میں شریک ہوئے۔ ۱۹۴۳ء میں وائسرائے

کی مجلس عاملہ کے ممبر ہوئے اور قانون کا محکمہ ان کے سپرد ہوا۔ وہ ہندوستان کی آزادی کے بعد پنڈت جواہر لال نہرو کی کابینہ میں وزیر قانون کے عہدے پر فائز ہوئے۔

آزاد ہندوستان کے دستور ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور ڈرافٹنگ کمیٹی کے چیرمین کی حیثیت سے انھوں نے دستور جمہوریہ ہند تیار کرنے کے سلسلے میں قائدانہ خدمات انجام دیں۔

انھوں نے ہندو کوڈ بل پیش کیا جو ہندو معاشرے کی اصلاح کے لیے ایک اہم قانون تھا۔ ستمبر ۱۹۵۱ء میں انھوں نے کابینہ سے استعفیٰ دے دیا۔ فروری ۱۹۵۲ء کے پارلیمنٹ کے انتخاب میں ناکام ہوئے مگر فروری ۱۹۵۲ء میں مرکزی قانون ساز کونسل میں نامزد کیے گئے۔ وہ ۱۹۵۳ء میں دوبارہ پارلیمنٹ کے انتخاب میں ناکام ہوئے۔

ڈاکٹر امبیڈکر کی زندگی کا مشن پسماندہ فرقوں کی بھلائی اور انھیں اوپر اٹھانا تھا۔ معاشرے کی سماجی اور سیاسی مساوات پر ان کا پختہ یقین تھا۔ انھوں نے ہریجنوں کی اخلاقی اور معاشی ترقی کے لیے جولائی ۱۹۲۴ء میں بمبئی میں "بہشکرت ہتکارنی سبھا" قائم کی۔ اس ادارہ کی جانب سے مراٹھی زبان میں ایک پندرہ روزہ اخبار "بہشکرت بھارت" (اپریل ۱۹۲۷ء) جاری کیا اور نومبر ۱۹۳۰ء میں ایک ہفت روزہ "جنتا" بھی نکالا۔ اس سے قبل دسمبر ۱۹۱۹ء سے جون ۱۹۲۰ء تک انھوں نے ایک مراٹھی پندرہ روزہ رسالہ "موک نائیک" (MOOKNAYAK) (گونگوں کا رہنما) جاری کیا تھا۔ اونچی اور نیچی ذاتوں میں مساوات قائم کرنے کی غرض سے ستمبر ۱۹۲۷ء میں ایک ادارہ "سماج سمتا سنگھ" قائم کیا۔ مارچ ۱۹۲۹ء میں اس کا اخبار "سمتا" جاری کیا۔

ہریجنوں کے حقوق پر زور دینے کے لیے انھوں نے ستیہ گرہ کی مہم بھی چلائی۔ اس سلسلے میں اپنے کام کو آسان اور منظم کرنے کے لیے "انڈین لیبر پارٹی" اور بعد میں

شیڈولڈ کاسٹ فیڈریشن قائم کی

تیسری گول میز کانفرنس میں جب انھوں نے ہریجنوں کے لیے جداگانہ انتخابات کا مطالبہ کیا تو گاندھی جی نے اس کی سخت مخالفت کی۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۲ء کو گاندھی جی نے مرن برت رکھا اور بالآخر ۲۴ ستمبر کو گاندھی جی اور ڈاکٹر امبیڈکر کے درمیان پونا پیکٹ، ہوا جس کے مطابق ہریجنوں کے لیے کچھ سیٹیں محفوظ کرنا تھا لیکن ڈاکٹر امبیڈکر اس سے مطمئن نہ تھے۔

۱۴ اکتوبر ۱۹۵۶ء میں ڈاکٹر امبیڈکر نے سماجی انصاف کی تلاش میں بدھ مت اختیار کیا۔ اور اپنے پیروؤں کو بھی یہ مذہب اختیار کرنے کی تلقین کی

ڈاکٹر امبیڈکر کا انتقال ۶ دسمبر ۱۹۵۶ء کو ہوا۔ حکومت ہند نے ان کو بعد مرگ اعلیٰ ترین ایوارڈ "بھارت رتن" ۱۹۸۹ء میں دیا۔

ڈاکٹر امبیڈکر کثیر التصانیف تھے۔ ان کی چند مشہور تصانیف حسب ذیل ہیں۔

1. [illegible] IN INDIA — [illegible], [illegible] AND D[illegible]MENT (19160
2. [illegible] ([illegible] 1923)
3. EVOLUTION OF [illegible] IN BRITISH INDIA (1927)
4. [illegible] (1 41)
5. [illegible], GANDHI AND JINNAH (1943)
6. [illegible] (1 55)

مآخذ:

۱۔ ایس۔ پی سین۔ ڈکشنری آف نیشنل بایوگرافی، جلد دوم، ص۔ ۴۶۔ ۴۹۔

۲۔ احمد حدید ہندوستان کے معمار، ص۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔

سید امداد امام اثر (۱۸۴۹-۱۹۳۴ء)

نواب امداد امام اثر ۱۷ راگست ۱۸۴۹ء کو کرائے پہ سرائے ضلع پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد خان بہادر سید وحید الدین سے حاصل کی۔ حصول علم کی طرف ان کا طبعی رحجان تھا اور مطالعہ وسیع اور متنوع تھا۔ وہ اردو، فارسی اور عربی کے عالم تھے اور انگریزی سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ وکالت کی تعلیم مکمل کرکے آرہ ضلع شاہ آباد میں انھوں نے وکالت شروع کی لیکن جلد ہی اس پیشے کو انھوں نے ترک کردیا۔ وہ پٹنہ کالج میں تاریخ اور عربی کے استاد مقرر ہوئے۔ ۱۸۸۹ء میں شمس العلماء کا خطاب ملنے کے بعد پٹنہ کالج سے مستعفی ہو گئے۔ ریاست سورج پورہ، ضلع شاہ آباد میں مدار المہام مقرر ہوئے۔ انگریزی حکومت نے اُن کو ۱۹۰۹ء میں نواب کے خطاب سے سرفراز کیا۔ ان کی اولاد میں سرعلی امام اور سید حسن امام نے کافی شہرت پائی۔ ان کی وفات ۱۷ راکتوبر ۱۹۳۴ء کو آیگلہ (ضلع گیا بہار) میں ہوئی۔

شمس العلماء امداد اثر ایک اچھے تنقید نگار، شستہ نثر نگار اور عمدہ شاعر تھے اور فریاد عظیم آبادی کے شاگرد تھے۔ متعدد تصنیفات ان کی یادگار ہیں، جس میں کاشف الحقائق اردو تنقید نگاری میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔ ان کی دیگر تصانیف میں (۱) مرآۃ الحکماء (۲) روضتہ الحکماء (۳) فسانہ ہمت اور فواد دارین شامل ہیں۔ موخر الذکر کتاب کے آخر میں ان کی منتخب غزلیں درج ہیں۔ علاوہ ازیں مجموعۂ کلام میں ارمغان (یہ پہلا مجموعہ ہے) اور دیوان اثر شامل ہیں۔

ماخذ:

۱. بصد شکریہ: ڈاکٹر عابد رضا بیدار، ڈائرکٹر، خدا بخش لائبریری، پٹنہ

۲. سید امداد امام اثر ــ کاشف الحقائق، مرتبہ ڈاکٹر وہاب اشرفی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی ۱۹۸۲ء

۳. اختر قادری. آثار اثر، مطبوعہ دی آرٹ پریس، سلطان گنج، پٹنہ

(سید) امین الحسینی (۱۸۸۸ء-۱۹۷۴ء)

سید امین الحسینی جن کو مفتی اعظم فلسطین بھی کہا جاتا ہے، عربوں کے ایک جلیل القدر خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ ۱۸۸۸ء میں فلسطین میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم قسطنطنیہ میں پائی۔ کچھ عرصہ انھوں نے جامعہ ازہر میں گزارا، پھر ترکی کے عسکری کالج میں فوجی تربیت مکمل کی اور عثمانی فوج میں ملازم ہو گئے۔

جب ۱۹۱۶ء کے بعد فلسطین میں بین الاقوامی حکومت قائم کرنے کی سازش کی گئی اور برطانیہ نے اس کا ہمنوا ہو کر اعلان کر دیا کہ وہ فلسطین میں یہودیوں کے قومی وطن بنانے کو مستحسن خیال کرتا ہے تو وہ فلسطینی مسلمانوں کو منظم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے، جو برطانوی انتداب (MANDATE) سے پنجہ آزمائی کر رہے تھے۔ ۱۹۲۱ء میں بیت المقدس کے مفتی مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۲ء میں موتمر اسلامی کے صدر منتخب ہوئے اور پھر ۱۹۳۱ء تک انھوں نے فلسطینی مسلمانوں کو اس قابل کر دیا کہ وہ انگریزی تسلط اور صیہونی خطرے کا پوری طاقت کے ساتھ مقابلہ کر سکیں۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے عالم اسلامی اور فلسطین کے مسائل پر غور کرنے کے لیے موتمر بھی بلائی جس میں اسلامی ممالک کے نمائندوں کے علاوہ اقبال کو بھی مدعو کیا۔ اقبال نے دوسری گول میز کانفرنس کے اختتام کے بعد موتمر کے اجلاس میں شرکت کی اور ۱۴؍ دسمبر ۱۹۳۱ء کو اپنا الوداعی خطبہ پڑھا۔ جس میں انھوں نے کہا:

"میرا عقیدہ ہے کہ اسلام کا مستقبل عرب کے مستقبل کے ساتھ وابستہ ہے اور عرب کا مستقبل عرب کے اتحاد پر موقوف ہے۔ جب عرب متحد ہو جائیں گے تو اسلام بھی کامیاب ہو جائے گا۔ ہم سب پر

واجب ہے کہ اس باب میں ساری قوتیں صرف کردیں۔"

جب اقبال فلسطین سے روانہ ہوئے تو مفتی صاحب نے نہ صرف اُن کا شکریہ ادا کیا بلکہ بڑے پُرتپاک طریقے پر الوداع بھی کہی۔ اس کے دو سال کے بعد ۱۹۳۳ء میں مفتی صاحب نے ہندوستان کا سفر کیا اور کچھ دن سیدنا طاہر سیف الدین کی قیام گاہ پر گزارے۔ پھر فلسطین پہنچ کر ۱۹۳۶ء میں برطانیہ کے خلاف جنگ آزادی کا اعلان کیا اور اسی سال عسکریت پسند عرب مجلسِ شوریٰ قائم کی جس کا مقصد فلسطین میں یہودیوں کی آبادی کو روکنا تھا۔ انگریزوں نے بہت چاہا کہ ان کو گرفتار کرلیا جائے لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ وہ لبنان میں سکونت پذیر ہوگئے اور پھر عراق چلے گئے جہاں انھوں نے عراق کو انگریزوں کے خلاف آمادۂ پیکار کیا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران ان کی اقامت جرمنی میں رہی جہاں وہ اتحادیوں کے خلاف پروپگنڈہ کرتے رہے اور نازی حکومت کو وسطِ ایشیا کے معاملات میں مشورے دیتے رہے۔

جنگ عظیم کے خاتمے پر مفتی صاحب کو انگریزوں کے علاوہ اتحادیوں نے بہت تلاش کیا لیکن وہ ان کے ہاتھ نہ آسکے۔ البتہ فرانس میں دھوکے سے ان کو گرفتار کرلیا گیا۔ انھوں نے کچھ دنوں تو قید کی صعوبتیں برداشت کیں لیکن کسی نہ کسی طرح وہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہوگئے۔ جب قاہرہ پہنچے تو ان کا زبردست استقبال کیا گیا۔ انھوں نے اب مصر میں "فلسطین عرب مجلس شوریٰ" قائم کی لیکن وہاں ان کا رہنا دشوار ہوگیا تو وہ قاہرہ چھوڑ کر بیروت چلے آئے جہاں وہ ایک پناہ گزیں کی طرح زندگی گزارنے رہے۔ اسرائیلی مملکت کے قیام کے بعد بھی انھوں نے اپنی جدوجہد قائم رکھی اور صیہونیت کے خلاف پمفلٹ وغیرہ لکھتے رہے لیکن اب اُن کا وہ اثر باقی نہ رہا تھا۔

فروری ۱۹۷۴ء کو مفتی صاحب اسلامی سربراہ کانفرنس میں شرکت کے لیے لاہور آئے تھے۔ اس کے چند ماہ بعد ۴ جولائی ۱۹۷۴ء کو عارضۂ قلب کے نتیجے

ہیں ان کا انتقال ہو گیا۔ مسلمانوں نے ان کو بیت المقدس میں دفن کرنا چاہا لیکن یہودیوں نے اس کی اجازت نہیں دی۔

مآخذ:

۱۔ عبدالروف عروج رجال اقبال۔ ص ۱۵۵۔ ۱۶۶۔
۲۔ مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی پرانے چراغ، مع تکملہ سینے کے داغ، مکتبہ فردوس لکھنؤ، ۱۹۸۰ء
۳۔

EDWARD VERNOFF INTERNATIONAL DICTIONARY OF TWENTIETH CENTURY BIOGRAPHY, LONDON, 1 ...

(ایڈورڈ ورنوف۔ انٹرنیشنل ڈکشنری آف ٹوانٹیتھ سینچری بیوگرافی لندن، ۱۹۸۷ء)

بچہ سقّہ (۱۹۱۴ء/۱۳۴۲ھ/۱۹۲۹ء)

بچہ سقّے کا اصل نام حبیب اللہ تھا۔ وہ ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوا۔ وہ علاقہ کوہستان کا رہنے والا ایک ناخواندہ تاجک ڈاکو تھا۔ جو افغانستان کے بادشاہ امان اللہ خاں کے خلاف باغیوں کا سردار تھا۔ امان اللہ نے ۱۹۲۶ء میں بادشاہ کا لقب اختیار کیا۔ ۱۹۲۸ء میں اس نے یورپ کے ممالک میں سیاحت کی غرض سے دورہ کیا۔ واپس وطن آکر اس نے نئے دستور سیاسی کے نفاذ اور معاشرتی اور تعلیمی اصلاحات کا نفاذ کیا تو افغانستان کے عوام ان جدید اصلاحات کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے نیز امان اللہ خاں کا ماسکو جانا برطانوی حکومت کو ناگوار گزرا۔ چنانچہ انگریزی حکومت نے ہندوستان کے سرحدی قبائل میں شورش برپا کرادی۔ اور اس حکومت کی شہ پر ایک تاجک ڈاکو بچّہ سقہ نے دامن کوہستان سے پیش قدمی کر کے جنوری ۱۹۲۹ء میں کابل پر قبضہ کرلیا۔ اور حبیب اللہ کا لقب اختیار کر کے بادشاہ بن گیا۔

امان اللہ خاں نے کابل سے بھاگ کر قندھار میں پناہ لی اور وہاں اس نے دوبارہ کابل حاصل کرنے کی کوشش کی جسے بچّہ سقہ کے حامیوں نے ناکام بنا دیا۔ سارے ملک میں بدامنی اور انتشار پھیل گیا۔ سپہ سالار محمد نادر خاں فرانس میں علاج کی غرض سے گیا ہوا تھا۔ ملک کی یہ حالت دیکھ کر وہ کمزوری ہی کی حالت میں واپس آیا اور حکومت کا آخری فیصلہ قومی نمائندوں کے سپرد کیا۔ بچّہ سقہ کو بھی یہی پیش کش کی گئی کہ اپنا معاملہ قومی نمائندوں کے حوالے کردے۔ لیکن وہ اس بات پر راضی نہ ہوا۔ بالآخر کئی ماہ کی مسلسل ناکامی کے بعد نادر خاں نے ایک لشکر تیار کیا جس نے نادر خاں کے بھائیوں کی سرکردگی میں کابل پر قبضہ

کرلیا۔ ۱۲ر جمادی الاوّل ۱۳۴۸ھ/ ۱۶ر اکتوبر ۱۹۲۹ء کو قومی نمائندوں نے محمد نادر خاں کی بادشاہت کا اعلان کردیا۔ بچۂ سقّہ نے ہتھیار ڈال دیے اور اُسے موت کی سزا دی گئی۔

مآخذ:

۱ اسلامی انسائیکلوپیڈیا، مرتبہ سید قاسم محمود، شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی، ۱۹۸۴ء

۲ پرشوتم مہرا، اے ڈکشنری آف ماڈرن انڈین ہسٹری، دہلی، ۱۹۸۵ء ص۔ ۲۸۔ ۲۹۔

حکیم سید برکات احمد بہاری ثم ٹونکی

(۱۲۸۰ – ۱۳۴۷ھ)
۱۸۶۴ – ۱۹۲۸ء

حکیم سید برکات احمد کے اسلاف صوبۂ بہار کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد مولانا حکیم سید دائم علی پٹنہ، بہار کے ایک قصبہ میر نگر کے رہنے والے تھے۔ وہ ریاست محمد آباد (ٹونک) آکر نواب صاحب کے طبیب خاص اور دیوان خریطہ (وزیر حرانہ) بن کر وہیں متمکن ہو گئے۔ سید برکات احمد وہیں ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء میں پیدا ہوئے۔ درس نظامی کی متوسطات تک تعلیم اپنے والد ماجد اور مولانا لطف علی بہاری (شاگرد مولانا فضل حق خیرآبادی) اور مولانا محمد حسن (تلمذ مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی) سے حاصل کی۔ پھر رام پور جاکر انھوں نے مولانا عبدالحق خیرآبادی کی خدمت میں تقریباً ۱۵ سال رہ کر معقولات و منقولات، ادب، معانی و بیان کی کتب متداولہ ان سے پڑھیں طب کی تکمیل کے بعد علمی تربیت حکیم غلام نجف خاں دہلوی (شاگرد حکیم احسن اللہ خاں دہلوی) سے حاصل کی۔ جو اپنے زمانے کے نامور طبیبوں میں شمار ہوتے تھے۔ تکمیل کے بعد ۱۳۱۱ھ میں وہ ٹونک واپس آئے اور اپنے والد کی جگہ والیٔ ٹونک کے معالج خاص مقرر ہوئے۔ حکیم صاحب نے اپنا ایک مدرسہ قائم کرکے درس و تدریس کے فرائض بھی انجام دینے شروع کیے۔ مدرسے کی شہرت اس قدر بڑھی کہ بیرون ملک سے بھی طلبا جوق در جوق آنے لگے اور اب مدرسہ ان کے گھر سے منتقل ہوکر ایک علیحدہ عمارت میں "مدرسہ خلیلیہ" کے نام سے قائم ہوگیا رئیس ٹونک نواب ابراہیم علی خاں خلیل کی سرپرستی میں حکیم برکات احمد نے بڑی محنت اور لگن سے کام کرکے خیرآبادی مدرسۂ فکر میں ایک نئی روح پھونک دی۔

اس زمانے میں معقولات کی مستند اور اعلیٰ تعلیم کے لیے یہ مدرسہ ہندوستان سے باہر بھی شہرت رکھتا تھا۔

تصوّف سے شغف عمر کے ساتھ بڑھا۔ شاہ رکن عالم چشتی صابری رام پوری ان کے شیخ طریقت تھے جو ایک صاحب دل بزرگ تھے اواخر عمر میں حضرت کمال اللہ شاہ حیدرآبادی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے تھے۔ مولانا عشقِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمیشہ سرشار رہتے تھے۔ عربوں خصوصاً مدینۂ منوّرہ کے سادات کے ساتھ غیر معمولی احترام واکرام کا معاملہ کرتے تھے۔ وہ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے ہم مسلک تھے اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہید اور علمائے دیوبند سے اختلاف رائے کے باوجود خلافیات میں بحث ومناظرے کرنا ناپسند کرتے تھے۔

۵ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ / ۱۸ اگست ۱۹۲۸ء کو جب وہ مطالعۂ کتب میں مشغول تھے دفعۃً حرکتِ قلب بند ہونے سے وفات پا گئے۔

مطبوعہ تصانیف میں فن منطق میں القول الضابط (لکھنؤ ۱۳۱۴ھ) طبعیات میں متعدد کتابیں عشرۂ کاملہ (دہلی ۱۳۱۸ھ) حقیقۃ الاجسام (کانپور ۱۳۲۳ھ) نبراس الحرکۃ (الٰہ آباد) اور الحجۃ البازغہ (لکھنؤ ۱۳۲۷ھ) آپ نے تصنیف کیں کلام وعقائد میں الصمصام القاصم علی المفتری علی اللہ الکاذب (ملتان ۱۳۴۸ھ) اپنے استاد مولانا عبدالحق خیرآبادی کے حالات میں حسرۃ العلماء بوفاۃ شمس العلماء (دہلی ۱۳۲۴ھ) علم کلام میں رسالہ وجود رابطی (کانپور ۱۳۲۳ھ) قابل ذکر ہیں۔

انھوں نے جامع ترمذی کی ایک ضخیم شرح بھی لکھی ہے۔ مولانا بحرالعلوم فرنگی محلی کی "شرح مسلم" فارسی کا عربی میں ترجمہ کیا۔ یہ سب کتابیں عربی میں ہیں۔ انھوں نے علم عنب اور متاع النظر میں متعدد رسائل لکھے۔ سوامی دیانند کے فلسفیانہ اصول کی تردید میں "صدقہ جاریہ فی رد آریہ" ایک رسالہ اردو میں تصنیف کیا کلام وعقائد میں اردو رسالہ الہدیۃ البرکاتیہ بھی ان کی تصنیفات میں سے ہے۔

"اتحاف العرفان فی ماہیۃ الزمان" فن طبعیات والٰہیات میں ان کا مشہور

رسالہ ہے جس سے علامہ اقبال کو بے حد دلچسپی تھی۔ مولانا سید سلیمان ندوی کی نشاندہی پر اقبال نے اس کا ایک نسخہ خانوادۂ برکاتیہ ٹونک سے حاصل کرکے اس کا مطالعہ کیا تھا۔ (کلیات مکاتیب اقبال، جلد اول ص ۱۶۸) وہ اس رسالہ کی اہمیت کے بڑے قائل تھے (ص ۱۸۰)۔ اصل عربی کتاب ۱۳۲۷ھ میں چھپی تھی اب اس کا اردو ترجمہ حکیم محمود احمد برکاتی نے کراچی سے ۱۹۶۸ء میں شائع کر دیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حکیم سید برکات احمد کی بیس بچیس تصانیف الٰہیات، اصول فقہ، تصوف، حدیث، منطق، کلام، عقائد اور طب کے فنون پر اب تک غیر مطبوعہ ہیں۔

پروفیسر مختار الدین احمد صاحب (مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) کے کتب خانے میں ان کا عربی میں ایک قلمی رسالہ جس پر ان کے دستخط ہیں محفوظ ہے۔ اس میں انھوں نے بعض علمائے دیوبند کے اعتقادات سے اپنی برأت ظاہر کی ہے لیکن تحریر کا لب و لہجہ بہت نرم رکھا ہے۔

مآخذ

۱ حکیم محمد احمد برکاتی کتاب اتقان العرفان فی تحقیق الزمان، کراچی، ۱۹۶۸ء
۲ مفتی محمود احمد قادری۔ تذکرہ علمائے اہل سنت، کانپور، ۱۳۹۱ھ
۳ یادداشت پروفیسر مختار الدین احمد صاحب، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
۴۔ مکتوب فرید احمد برکاتی، شعبہ اردو، جے پور یونیورسٹی بنام پروفیسر مختار الدین احمد صاحب

بصد شکریہ۔ پروفیسر مختار الدین احمد صاحب، علی گڑھ

جارج برکلے
(۱۶۸۵ - ۱۷۵۳ء)

جارج برکلے انگلستان کا ایک مشہور فلسفی، ماہرِ اقتصادیات اور ریاضی داں تھا۔ یہ آیرلینڈ میں کل کنی (KILLKENNY) کے مقام ڈائی سرٹ (DYSERT) میں ۱۲ مارچ ۱۶۸۵ء کو پیدا ہوا ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۶۹۶ء میں کلکنی کالج اور پھر ۱۷۰۰ء میں ٹرینٹی کالج ڈبلن میں داخل ہوا۔ جہاں سے ۱۷۰۴ء میں بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۷۰۷ء میں اسی کالج کا فیلو مقرر ہوا۔ ۱۷۰۹ - ۱۷۱۰ء میں پادری بن گیا۔ ۱۷۱۳ء میں آیرلینڈ کو خیرباد کہہ کر لندن چلا آیا۔ جلد ہی یہاں کے علمی و ادبی حلقوں میں اس کی شہرت پھیل گئی۔

۱۷۱۳—۱۷۱۴ء میں وہ سسلی (SICILY) میں سفارتخانہ کا پادری مقرر ہوا۔ ۱۷۱۶ء سے ۱۷۲۰ء تک اٹلی میں رہا۔ پھر برکلے ڈبلن واپس آکر درس و تدریس میں مصروف ہوگیا۔ ۱۷۲۴ء میں ڈیری (DERRY) کے بڑے گرجا گھر کا افسرِ اعلیٰ (DEAN) مقرر ہوا اور اس طرح ٹرینٹی کالج ڈبلن سے اس کا ۲۴ سال کا رشتہ ٹوٹ گیا۔ امریکہ کی دریافت کے بعد اس نئی دنیا میں اس کی دلچسپی بڑھ گئی۔ ۱۷۲۸ء میں امریکہ کے لیے روانہ ہوا اور جزیرہ روڈ (RHODE) میں نیو پورٹ (NEW PORT) کے مقام پر سکونت پذیر ہوا۔ اس کا منصوبہ تھا کہ امریکہ میں مبلغین تیار کرنے کے لیے ایک کالج قائم کیا جائے۔ لیکن سلطنت برطانیہ سے مالی امداد نہ ملنے کے باعث مایوس ہوکر اکتوبر ۱۷۳۱ء میں لندن واپس آگیا۔ یہاں آکر اس نے تصنیف و تالیف کا کام ازسرِنو شروع کر دیا۔ ۱۷۳۴ء میں جنوبی آئرلینڈ میں کلوآئین (CLOYNE) کا اسقف (BISHOP) ہوگیا ۱۷۳۷ء میں

آیرلینڈ کی پارلیمنٹ کے ایوانِ بالا کا ممبر بنا۔ اگست ۱۷۵۲ء میں اپنے عہدہ کی ذمہ داریاں اپنے بھائی ڈاکٹر رابرٹ برکلے کو سپرد کر کے آکسفورڈ آکر آباد ہوگیا۔ یہیں ۱۴ر فروری ۱۷۵۳ء کو اس کا اچانک انتقال ہوگیا۔

برکلے نے محسوسات (SENSE PERCEPTION) کا ایک نیا نظریہ پیش کیا جس نے روایتی مادہ پرستی کے تصور پر کاری ضرب لگائی کلاسیکی نظریہ کی اساس مادیت پر تھی گویا مادہ ہمارے نفس سے باہر کوئی قائم بالذات شے ہے۔ علامہ اقبال کے تصور میں برکلے ہی تھا جس نے فلسفے میں سب سے پہلے اس نظریے کی تردید کی کہ مادہ ہمارے حواس کی نامعلوم علت ہے۔ بالآخر جدید سائنس کو بھی برکلے ہی کی تنقید مادۂ مطلق سے اتفاق کرنا پڑا۔ وہ کائنات کو حقیقت ذات نہیں بلکہ ایک مظہر خیال کرتا تھا۔ اپنے گہرے مذہبی ایمان کی بدولت یہ خدا کو ایک خارجی صانع اور گھڑی ساز کی طرح تصور کرنے پر تیار نہیں ہوا۔ جس طرح لاک (LOCKE) نیوٹن (NEWTON) اور بہت سے آزاد خیال مفکر تصور کرتے تھے۔

اس کا نظریہ رواست (VISION) بھی تاریخ نفسیات کے شاندار کارناموں میں سے ہے۔ اسی طرح اس کا نظریۂ علم بھی بہت اہم ہے۔

اس کے نظریہ کے ساتھ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں انصاف نہیں ہوا اب اس کی دریافت شدہ نوٹ بک PHILOSOPHICAL COMMENTARIES کی اشاعت کے بعد اس کے فلسفہ کا از سر نو جائزہ لیا گیا ہے۔

اس کی اہم تصانیف مندرجہ ذیل ہیں،

1 AN ESSAY TOWARDS A NEW THEORY OF VISION (1709)

2. TREATIES CONCERNING THE PRINCIPLES OF HUMAN KNOWLEDGE (1710)

3. ALCIPHON OR THE MINUTE PHILOSOPHER (1732)

مآخذ:

۱۔ دائرۃ المعارف برطانیکا۔ جلد دوم ص، ۸۴۶ - ۸۴۸۔
۲۔ خلیفہ عبدالحکیم (مترجم) تاریخ فلسفۂ جدید، اوّل ص ۴۷۸ - ۴۹۱
دارالطبع جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد، دکن،
۳ سید نذیر نیازی (مترجم)، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، اسلامک بک
سینٹر کلاں محل، دریا گنج، نئی دہلی ۱۹۸۶ء ص ۵۰ - ۵۲۔

بشیرالدین محمود، مرزا (۱۸۸۹ - ۱۹۶۵ء)

جماعت احمدیہ کے بانی کے سب سے بڑے صاحبزادے "مسند خلافت" کے دوسرے جانشین، پہلے جانشین حکیم نورالدین تھے۔ انھوں نے خلافت کی ذمہ داری ۱۹۱۴ء میں سنبھالی۔ تعلیم میٹرک سے کم اور بیشتر خانگی تربیت اور تعلیم کا نتیجہ تھا۔

تقسیم سے بیشتر قادیان میں مقیم تھے۔ پاکستان بننے پر لاہور آگئے اور پھر ربوہ ضلع جھنگ (پاکستان) میں آباد ہوگئے۔

نومبر ۱۹۶۵ء میں انتقال ہوا اور ربوہ میں دفن ہوئے۔

مآخذ:

اردو انسائیکلو پیڈیا، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور ۱۹۶۸ء، ص ۳۰۹۔

سید عزیز حسن بقائی (متوفی ۱۹۵۷ء)

اردو کے مشہور ادیب اور صحافی۔ کئی درجن کتابوں کے مصنف۔ متعدد اخباروں اور رسالوں کے ایڈیٹر۔ جن میں ماہنامہ "ملبشوا" (۱۹۲۰ء) ہفتہ وار "حریت" (۱۹۳۷ء) اور روزنامہ "آزاد ہند" زیادہ مشہور ہوئے۔ ان کے نام کے ساتھ بقائی کا لفظ خواجہ حسن نظامی نے لکھنا شروع کیا۔ صحافت کا آغاز بھی انھوں نے خواجہ صاحب ہی کے ایما سے کیا۔

انھوں نے مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی سخت مخالفت کی اور بہ عمر بھر کانگریس سے منسلک رہے۔ صحافت میں اپنی بے باکی اور سخت تحریروں کی وجہ سے منفرد مقام کے مالک تھے۔ کہا جاتا تھا کہ وہ واقعی لوہے کی قلم سے لکھتے ہیں۔ اردو صحافت کی تاریخ میں یہ خصوصیت بھی انہی کو حاصل ہے کہ ہفتہ وار "حریت" کا ضخیم "گالی نمبر" شائع کیا۔

نقشبندی سلسلے کے مشہور بزرگ حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کی اولاد میں تھے۔ ۱۹۴۷ء میں درگاہ کے سجادہ نشین کے پاکستان چلے جانے کے بعد سید عزیز حسن بقائی صاحب ہی کو سجادہ نشین مقرر کیا گیا۔

ان کی تصنیفات میں "صد پارۂ دل" اور "سیرت باقی" مشہور ہیں۔

سید عزیز حسن بقائی کا انتقال ۱۱ اپریل ۱۹۵۷ء کو ہوا۔

ماخذ:

شکریۂ خاص: خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب، درگاہ حضرت نظام الدین اولیاؒ، نئی دہلی۔

(نواب) بہادر یار جنگ (۱۹۰۵ء-۱۹۴۴ء)

محمد بہادر خاں جو بعد کو نواب بہادر یار جنگ کے نام سے مشہور ہوئے ۲۸ ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ / ۳ فروری ۱۹۰۵ء کو بمقام کوسہ واڑی بیگم بازار حیدرآباد (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ عالیہ اور مفید الانام میں ہوئی انگریزی درس کے لیے دارالعلوم میں شرکت کی۔ میٹرک کا امتحاں دینے سے قبل ہی اُن کا سلسلۂ تعلیم منقطع ہوگیا۔ بہرحال عربی اور فارسی کا احاطہ کرلیا تھا۔بچپن ہی سے اپنے علم و عمل کی وجہ سے مقبول رہے اور اس وجہ سے دارالعلوم میں ندوۃ الطلبا کی تنظیم کے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۵ سال کے تھے کہ قومی خدمت کا جذبہ پیدا ہوا تو انگریزی سامراج اور یونانیوں کے مظالم کے خلاف مظلومینِ سمرنا کی امداد کے لیے فنڈ جمع کرنے میں پیش پیش رہے۔

۱۸ سال کے تھے کہ ان کے والد نصیب یاور جنگ کا انتقال ہوگیا۔ لیکن انھوں نے نہایت صبر و استقلال سے آٹھ دس سال کے عرصہ میں جاگیر کی پیچیدگیوں کو سلجھاکر رفتہ رفتہ قرضے سے نجات حاصل کرلی۔ ۱۹۳۱ء میں حج و زیارت حرمین سے مشرف ہوئے۔ واپسی کے بعد حیدرآباد کے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کرنا تھی۔ نواب بہادر یار جنگ نے مجلس سے وابستگی اختیار کی اور ۱۹۳۲ء-۱۹۳۵ء تک ریاست میں ایک پُرزور تحریک چلائی۔

نواب بہادر یار جنگ ایک بے مثال خطیب تھے۔ ۱۹۳۸ء کے لگ بھگ حیدرآباد میں فرقہ وارانہ فساد میں دو نوجوان پٹھانوں کو قتل کردیا گیا تو مسلمان جلوس کی شکل میں نکل پڑے۔ اس سے قبل حیدرآباد میں کبھی فرقہ وارانہ فساد نہیں ہوا تھا۔ نواب بہادر یار جنگ نے اس مجمع کو آدھے راستے میں جالیا اور دو گھنٹے

تقریر کی۔ بالآخر جلوس منتشر ہوگیا جو کام پولیس کے دستے نہ کر سکے وہ نواب بہادر یار جنگ کی خطابت نے کر دیا۔

نواب بہادر یار جنگ کا دائرہ عمل وسیع سے وسیع تر ہونے لگا اور ممالک محروسہ تک محدود نہ رہا۔ ۱۹۳۱ء تک وہ کل ہند سطح پر ابھرنے ہوئے قاید اور خطیبِ سحر البیان کی حیثیت سے پہچانے جاتے لگے اور مسلم لیگ کے زعماء میں ان کا شمار ہونے لگا۔ وہ کل ہند ریاستی مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ اب حیدرآباد کے ارباب اقتدار کو تشویش ہوئی۔ جب نظام نے فرمان جاری کیا کہ خطاب یافتہ جاگیرداروں کو سیاست میں حصّہ لینے کی اجازت نہیں دی جا سکتی تو نواب بہادر یار جنگ نے اپنے خطاب اور جاگیرات ۳ مارچ ۱۹۴۴ء کو واپس کر دیں۔

۳ رجب ۱۳۶۳ھ / ۲۵ جون ۱۹۴۴ء کو ۳۹ سال کی کم عمری میں وہ اچانک انتقال فرما گئے۔

نواب بہادر یار جنگ کو علامہ اقبال سے خاص عقیدت تھی۔ نواب صاحب کی شخصیت کا خمیر ہی اقبال کی فکر سے اٹھا تھا۔ ان کی فکر و نظر کا ایک سرچشمہ کلام اقبال تھا۔ اقبال کے ایمان افروز انقلابی پیغام سے نواب صاحب اس درجہ متاثر تھے کہ ان کی کوئی تقریر یا تحریر ذکر و فکرِ اقبال سے خالی نہیں ہوتی تھی۔ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی نے صحیح لکھا ہے:

> "اقبال کو انھوں نے نہ صرف پڑھا اور سمجھا تھا بلکہ اس کے کلام و پیام کی روح کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کا قال ان کا حال بن گیا۔"

۱۲ مارچ ۱۹۳۳ء کو خواجہ حسن نظامی نے علامہ اقبال سے نواب بہادر جنگ کی پہلی ملاقات کے دوران اِن الفاظ میں ان کا تعارف کرایا:

> "اگر آپ بادشاہ ہیں تو یہ آپ کے سپہ سالار ہیں اور اگر آپ شمع

ہیں تو یہ آپ کے پروانے ہیں اور اگر آپ دانا ہیں تو یہ آپ کے دیوانے ہیں۔"

(اوراقِ گم گشتہ از رحیم بخش شاہین، ص ۲۸)

۱۹۳۳ء میں علامہ اقبال نے پہلی بار نواب بہادر یار جنگ کو بذریعہ خط (محررہ ۱۴/ستمبر ۱۹۳۳ء) مخاطب فرمایا۔ یہ خط 'کلیات مکاتیب اقبال' کی اس جلد میں شامل ہے۔

نواب بہادر یار جنگ شاعر بھی تھے اور خلق تخلص فرماتے تھے۔

مآخذ:

۱۔ نذیرالدین احمد۔ سوانح بہادر یار جنگ، بہادر یار جنگ اکیڈمی، حیدرآباد، ۱۹۹۰ء

۲۔ ڈاکٹر حسن الدین احمد۔ مجلس (زیر طباعت) حیدرآباد،

۳۔ مالک رام: تذکرۂ ماہ و سال ص ۸۶، مکتبہ جامعہ دہلی، نومبر ۱۹۹۱ء

ڈاکٹر بہجت وہبی

ترکی فاضل ڈاکٹر بہجت وہبی اپنے مخصوص فن طب میں خاص مہارت کے علاوہ مغربی اور اسلامی ممالک کی سیاست اور ان کے تمدنی رجحانات سے گہری واقفیت رکھتے تھے ترکی میں رونما ہونے والے سب سے عہد آفریں واقعات سے ان کا شخصی تعلق رہا تھا۔

ڈاکٹر وہبی نے جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی میں چار خطبات "اسلامی تاریخ کے چند پہلو" کے موضوع پر ۱۷، ۱۹، ۲۲ اور ۲۴ فروری ۱۹۳۴ء کو امیر جامعہ ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی دعوت پر دیے۔

مآخذ:

رسالہ "جامعہ" اپریل ۱۹۳۴ء شذرات ص ۱۶۴۔

(جان گوڈ فرے) بیزلے (۱۸۸۵-۱۹۴۸ء)

(JOHN GODFREY BEAZLEY)

جان گوڈ فرے بیزلے (JOHN GODFREY BEAZLEY) لوکٹورم (NOCTORUM) علاوہ چیشائر (CHESHIRE) میں ۹ فروری ۱۸۸۸ء کو پیدا ہوا رگبی (RUGBY) سکول اور ٹرنٹی کالج آکسفورڈ میں تعلیم پائی جہاں سے ام اے پاس کیا۔ ۱۹۰۸ء میں انڈین سول سروس میں داخل ہوا اور ۱۹۱۷ء تک پنجاب گورنمنٹ کے محکمہ مال میں انڈر سکرٹری رہا ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲ء تک اپر باری دوآب نہر کا کولونائزیشن آفیسر (COLONISATION OFFICER) مقرر ہوا ۱۹۲ء میں گورنمنٹ آف انڈیا کے محکمہ کامرس میں اسسٹنٹ ڈپٹی سکرٹری مقرر ہوا۔ ۱۹۲۴ء میں گورنمنٹ پنجاب کے متعلقہ محکمہ جات کا سکرٹری مقرر ہوا ۱۹۲۸ء سے ۱۹۲۹ء تک پنجاب گورنمنٹ کا کارگزار چیف سکرٹری رہا ۱۹۳۱ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوا۔

اپنے وطن واپس جاکر ابنگڈن رورل ڈسٹرکٹ ALINGDON RURAL DISTRICT) کا کنٹرولر (۱۹۳۸-۱۹۴۵ء) رہا۔

اس نے ایک کتاب MUNICIPAL LAW AND PRACTICE IN THE PUNJAB میونسپل لا اینڈ پریکٹس ان دی پنجاب لکھی ہے۔

یکم فروری ۱۹۴۸ء کو اس کا انتقال ہوا۔

ماخذ۔

الف سی او لائبریری (لندن) انڈکس

F.C.O. LIBRARY(LONDON) INDEXES

ماسٹر تارا سنگھ (۱۸۸۵ء۔ ۱۹۶۷ء)

ماسٹر تارا سنگھ ضلع راولپنڈی کے قصبہ ہریال میں ۲۴ر جون ۱۸۸۵ء کو پیدا ہوئے۔ انھوں نے ۱۹۰۲ء میں ۱۷ سال کی عمر میں سکھ گروؤں کی تعلیمات سے متاثر ہو کر سکھ مت اختیار کر لیا۔ انھوں نے مشن ہائی اسکول راولپنڈی سے مٹرک کیا اور ۱۹۰۳ء میں خالصہ کالج امرتسر سے بی۔ اے پاس کیا۔ پھر ٹریننگ کالج لاہور سے مدرسی میں ڈپلومہ لیا۔ ابتدا میں انھوں نے ٹیچر کی حیثیت سے کام کیا اور ترقی کر کے ۱۹۰۸ء میں خالصہ اسکول لائلپور کے ہیڈ ماسٹر ہو گئے۔ اس وقت سے ان کو 'ماسٹر' تارا سنگھ کہا جانے لگا۔ انھوں نے اس اسکول کو ترقی دے کر کالج بنا دیا۔

۱۹۲۱ء میں جب گوردواروں کی "اصلاح کی تحریک" شروع ہوئی تو وہ اس میں شامل ہو گئے اور اس کے سرکردہ رہنما بن گئے۔ شروع میں گوردوارہ پر بندھک سمتی کے حاکم سے ان کا اکثر ٹکراؤ ہو جاتا تھا کہ وہ اس کے سکریٹری تھے۔ اور اسی باعث ان کو کئی بار جیل جانا پڑا۔

وہ کانگریس کی تحریک آزادی سے بھی وابستہ رہے اور انھوں نے سول نافرمانی کی تحریکوں میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ ۱۹۳۰ء میں وہ اکالی دل کے صدر منتخب ہوئے۔ پشاور میں قتل عام کے بعد سو (۱۰۰) سکھوں کا ایک جتھا لے کر وہ سرحد کی طرف روانہ ہوئے لیکن لاہور میں گرفتار کر لیے گئے۔

ماسٹر تارا سنگھ پنجاب میں یونینسٹ (UNIONIST) وزارت کے مخالف رہے تاوقتیکہ ۱۹۴۱ء میں ایک سیاسی سمجھوتہ کی بنا پر سردار بلدیو سنگھ کو اس میں شامل نہ کر لیا گیا۔

ماسٹر تارا سنگھ تقسیم ہند کے زبردست مخالف تھے۔ انھوں نے ۱۹۴۲ء میں کرپس تجاویز کو ماننے سے انکار کر دیا تھا کہ ان کے خیال میں یہ تقسیم ملک کا پیش خیمہ تھیں۔

ماسٹر تارا سنگھ ۱۹۵۴ء میں اکالی دل کے صدر اور ۱۹۵۵ء میں شرومنی گوردوارہ پربندھک کمیٹی کے صدر منتخب ہوئے

آزاد ہندوستان میں انھوں نے ایک جداگانہ پنجابی صوبہ کے لیے تحریک چلائی اور اس کے حصول کے لیے مرن برت بھی رکھا جو ۴۳ دن بعد ۱۵ اگست ۱۹۶۱ء کو توڑا۔ اس کے بعد ان کا سیاسی زوال شروع ہو گیا اور ان کے چیلے سنت فتح سنگھ نے ان کی جگہ لے لی۔

ماسٹر تارا سنگھ نے ۲۲ نومبر ۱۹۶۷ء کو چنڈی گڑھ کے اسپتال میں انتقال کیا۔

سیاست کے علاوہ ماسٹر تارا سنگھ نے بہت سے تعمیری کاموں میں بھی دلچسپی لی۔ انھوں نے بمبئی میں خالصہ کالج اور دہلی میں گورو نانک انجینئرنگ کالج کے قیام میں نمایاں رول ادا کیا۔ وہ پنجابی زبان کے ایک اعلیٰ اور پُرجوش انشا پرداز اور صحافی بھی تھے۔ وہ ”اکالی تے پردیسی“ (AKALI Te PRADESI) کے برسوں مدیر اعلیٰ رہے انھوں نے ایک ماہنامہ ”سنت سپاہی“ بھی جاری کیا تھا۔ ان کی تصانیف ہیں: ”بابا تیغ سنگھ“ اور ”پریم لگن“ شامل ہیں علاوہ ازیں انھوں نے سیاسی یادداشتوں پر مشتمل اپنی سوانح حیات ”میری یاد“ بھی لکھی۔

ماخذ:

۱۔ ایس۔ پی۔ سین، ڈکشنری آف نیشنل بیوگرافی، جلد چہارم، ص۔ ۳۲۳۔ ۳۲۵۔

۲۔ احمد۔ جدید ہندوستان کے معمار، ص ۹۵۔

قاضی تلمّذ حسین (۱۸۸۰ - ۱۹۴۶ء)

قاضی تلمّذ حسین کی پیدائش ۶ ستمبر ۱۸۸۰ء کو گورکھپور میں ہوئی۔ اور وہیں عربی و فارسی کی مکتبی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۰۰ء میں مدرستہ العلوم علی گڑھ میں داخل ہوئے اور ۱۹۰۴ء میں بی۔ اے پاس کیا۔ ۱۹۰۶ء میں کالج کی یونین کے سکریٹری منتخب ہوئے اس سال ایم۔ اے پاس کیا۔

۱۹۰۷ء میں گورنمنٹ کالج جبلپور میں قائم مقام پروفیسر فارسی و عربی اور ۱۹۰۹ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے بعدازاں علی گڑھ میں سرسید احمد خاں کی قائم کردہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے دفتر میں اسسٹنٹ سکریٹری کی حیثیت سے کام کیا۔

۶ رمئی ۱۹۱۷ء میں عثمانیہ یونیورسٹی میں سیاسیات کے مترجم مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۱ء میں وظیفہ پر ملازمت سے سبکدوش ہوئے اور اپنے وطن گورکھپور چلے آئے۔ یہیں ۱۲ رجون ۱۹۴۶ء کو وفات پائی۔

قاضی صاحب تقریباً ۴۵ کتابوں کے مترجم ہیں جو دارالترجمہ کی جانب سے شائع ہوئیں۔ انھوں نے "مرآۃ المثنوی" کے نام سے مثنوی مولانا روم کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ شائع کرکے مذہب و ادب دونوں کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ انھوں نے "ریاض رضواں" کے نام سے دیوان ریاض خیرآبادی بھی مرتب کرکے شائع کیا ہے۔ قاضی تلمذ حسین نے جو اہم تراجم کیے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ جے کے۔ بلنچلی J.K. BLUNTSCHILI

نظریہ سلطنت ۱۹۲۸ء THE THEORY OF THE STATE

۲. ولیم ارچیبالڈ ڈننگ WILLIAM ARCHIBALD DUNNING

نظریہ سیاسیہ جلد اول ۱۹۴۴ء THE THEORY OF POLITICS

۳ سیج وک ہنیری HENRY SIDWICK

ارتقائے نظم حکومت یورپ ۱۹۲۹ء THE DEVELOPMENT OF EUROPEAN POLITY

۴. سیلی جان JOHN SEALEY

تقریب علم السیاست ۱۹۲۹ء AN INTRODUCTION TO POLITICAL SCIENCE

۵. گلکرائیسٹ۔ آر۔این R.N. GILCHRIST

اصول علم سیاست ۱۹۴۲ء PRINCIPLES OF POLITICAL SCIENCE

۶. لیکاک اسٹیفن STEPHEN LEACOCK

علم السیاست ۱۹۲۴ء THE ELEMENTARY POLITICAL SCIENCE

۷. اوگ فیڈرک آسٹن FREDERIC AUSTIN OGG

حکومت ہائے یورپ جلد اول ۱۹۳۵ء اور جلد دوم ۱۹۳۷ء

THE GOVERNMENT OF EUROPE VOL I &II

۸ بیج ہوٹ والٹر WALTER BAGEHOT

دستور سلطنت انگلشیہ ۱۹۲۶ء THE ENGLISH CONSTITUTION

۹ ھیچر اور شیول ... AND F. SCHWILL

تاریخ یورپ، جدید دور ۱۹۲۳ء A GENERAL HISTORY OF EUROPE PART I & II

۱۰ رفائف۔ سی۔ اے C.A. FYFFE

یورپ کا عصر جدید، جلد دوم ۱۹۳۵ء اور جلد اول ۱۹۳۶ء

A HISTORY OF MODERN EUROPE VOL. I & II

۱۱۔ گرین جان رچرڈ JOHN RICHARD GREEN

تاریخ انگلستان پانچ جلدوں میں جو بالترتیب ۱۹۱۲ء، ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئیں۔

A SHORT HISTORY OF THE ENGLISH PEOPLE
VOL. I & II

۱۲۔ ملکم جان JOHN MALCOLM
تاریخ وسط ہند دو جلدوں میں جو بالترتیب ۱۹۴۵ء اور ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئیں۔
A HISTORY OF MEDIEVAL INDIA

مآخذ
شکریہ خاص
۱ جناب حامد علی بی۔ اے رعلیگ، گلفشاں، قاضی پور خرد، گورکھپور،
۲۔ ڈاکٹر حسن الدین احمد۔ حیدر آباد، دکن
۳ جناب مصطفیٰ شروانی، حیدر آباد، دکن

ایڈورڈ تھامپسن EWARD THOMPSON

(۱۸۸۶ - ۱۹۴۶ء)

ایڈورڈ تھامسن ۹ اپریل ۱۸۸۶ء کو لندن کے مضافات میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ جیمس تھامپس ہندوستان میں مدراس کا پادری تھا۔ ایڈورڈ نے اپنا بچپن مدراس میں گزارا۔ ۱۸۹۴ء میں اس کے والد کا انتقال ہوا تو اس کی والدہ اسے اپنے ساتھ لندن لے گئیں۔ اس نے ۱۹۰۹ء میں لندن یونیورسٹی سے بی۔ اے کی ڈگری لی اور بنگال کے سکورہ مشن کالج میں انگریزی کا لیکچرار ہوگیا۔ بعد میں اسی کالج کے پرنسپل کے عہدہ تک ترقی کی۔ اس زمانے میں اس نے رابندر ناتھ ٹیگور سے بنگلہ سیکھی، ان کی تحریراتِ نظم و نثر کا مطالعہ کیا۔ وہ ۱۹۲۳ء میں مستقل طور پر لندن چلا گیا۔ اس کے بعد اسے ہندوستان آکر طویل اقامت کا موقع نہیں ملا۔ ابتدا میں وہ آکسفورڈ میں سول سروس کے زیرِ تربیت افسروں کو بنگلہ پڑھاتا رہا۔ بعد میں تاریخ ہند کے اسکالر کی حیثیت سے کام کرنے لگا۔ جن دنوں اس کا قیام آکسفورڈ میں تھا، اقبال اور اس کے درمیان خط کتابت کا آغاز ہوا اس کا پہلا دستیاب خط ۶ مارچ ۱۹۳۳ء کا ہے۔ اس کے بعد اقبال نے اس کے تبصروں کے تعلق سے اسے کئی خط لکھے۔ ایک خط اس کے تبصرے کے بارے میں ہے جس میں اس نے اقبال کے تصورِ مسلم مملکت کو غلط انداز میں پیش کیا تھا۔ یہ خط اقبال نے خطبۂ الٰہ آباد سے چار سال بعد ۴ مارچ ۱۹۳۴ء کو لکھا تھا اور اس میں اپنے مسلم مملکت کے نظریے کی وضاحت کی تھی۔

ایڈورڈ تھامپس کی یہ غلطی ایسی تھی کہ اقبال نے کئی لوگوں سے اس کا ذکر کیا۔ چنانچہ انھوں نے ایڈورڈ تھامپسن کے تبصرے کی ایک نقل مولانا راغب احسن

کو کلکتہ بھجوائی اور اس میں اسی امر کا اظہار کیا جس کا ذکر ایڈورڈ تھامپسن کے نام ۴ر مارچ ۱۹۳۴ء کو وہ کر چکے تھے۔

اڈورڈ تھامبسن نے اپنے قیام ہندوستان کے زمانے میں بہت سے لوگوں سے دوستانہ تعلقات قائم کر رکھے تھے اس لیے اس کی یہ خواہش رہتی تھی کہ وہ کسی نہ کسی طریقے سے ہندوستان آتا رہے اور اپنے دوستوں سے ملتا رہے۔ چنانچہ اپنے قیام لندن کے زمانے میں اس نے جن لوگوں سے تجدید ملاقات کی اور رشتۂ وفا استوار کیا ان میں گاندھی جی، پنڈت نہرو اور سردار پٹیل سرفہرست تھے۔ اس پر کانگریس اور اس کے رہنماؤں کا اثر اس قدر تھا کہ اسے مسلم لیگ فرقہ پرستوں کی جماعت نظر آتی تھی۔ وہ تقسیم ہند یا قیام پاکستان کو غلط خیال کرتا تھا۔

ایڈورڈ تھامبسن اپنی وفات تک آکسفورڈ میں مقیم رہا۔ ۱۹۴۶ء کے آغاز میں اس کی صحت جواب دے چکی تھی۔ چنانچہ ۲۸ر اپریل ۱۹۴۶ء کو وہ انتقال کر گیا۔

مآخذ ۔ عبدالرؤف عروج ۔ رجال اقبال ص ۱۶۵ ۔ ۱۶۸ ۔

سر تیج بہادر سپرو (۱۸۷۵ء۔۱۹۴۹ء)

سر تیج بہادر سپرو کے آبا و اجداد کشمیری الاصل تھے۔ وہ ۸ ر دسمبر ۱۸۷۵ء کو علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ متھرا میں ابتدائی تعلیم کے بعد آگرہ کالج سے بی۔ اے اور ایم۔ اے کا امتحان کامیاب کیا۔ بعدازاں ایل ایل بی کا امتحان پاس کرکے ڈسٹرکٹ کورٹ مراد آباد میں دو سال وکالت کی اور پھر الہ آباد منتقل ہو گئے جہاں ہائی کورٹ میں مستقل وکالت کرتے رہے۔ بعد میں ایل ایل ایم اور ایل ایل ڈی کی ڈگریاں بھی حاصل کیں۔

تیج بہادر سپرو ۱۹۰۷ء میں سیاست میں داخل ہوئے اور کانگریس میں شمولیت کی۔ ۱۹۱۰ء میں کانگریس کے سکریٹری کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ۱۹۱۷ء میں ہوم رول لیگ تحریک میں شریک ہوئے۔ انھوں نے پہلے مسز اینی بسنٹ کو سینٹرل ہندو کالج قائم کرنے میں مدد دی۔ جب پنڈت مدن موہن مالویہ بنارس ہندو یونیورسٹی کے قیام کے لیے کوشاں تھے تو ان کا ہاتھ بٹایا۔

تیج بہادر سپرو کو یہ اختصاص حاصل ہے کہ وہ دستوری قانون میں مہارت رکھتے تھے۔ ۱۹۲۱ء میں ان کی قانونی قابلیت کی بنا پر ان کو وائسرائے کی مجلس عاملہ میں معتمد قانون (لا ممبر) مقرر کیا گیا۔ ۱۹۲۳ء میں وہ اس عہدہ سے سبکدوش ہو گئے۔

وہ ایک اعتدال پسند لیڈر کی حیثیت سے ہندوستان کی حکومت خود اختیاری کے حصول کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔ ۱۹۲۸ء کی "نہرو رپورٹ" بڑی حد تک انھیں کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ انھوں نے گول میز کانفرنس میں بھی شرکت کی اور ہندوستان کے لیے ایک دستوری ڈھانچہ تیار کرنے کے لیے

سخت محنت کرتے رہے۔ تحریک سول نافرمانی کی معرکہ آرائی کے بعد کانگریس اور حکومت کے درمیان ایک ثالث کی حیثیت سے مداخلت کی۔

۱۹۳۴ء کے اوائل میں پریوی کونسل کے ممبر مقرر ہوئے جو ایک بڑا اعزاز تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران جب ہندوستان کے آئین و دستوری مستقبل کا معاملہ ٹھپ ہو کر رہ گیا تو سپرو اور ان کی کمیٹی نے ۱۹۴۴ء میں ہندوستان تقسیم کرنے کے خیال کو رد کر دیا اور ملک کی آزادی کے لیے ایک قابل قبول عہد نامہ کی وکالت کی۔

۱۹۴۶ء میں وہ دستور ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے لیکن خرابی صحت کی بنا پر رکنیت قبول نہ کی۔

قانونی اور سیاسی سرگرمیوں کے علاوہ سر تیج بہادر سپرو کو مختلف معاملات میں گہری دل چسپی تھی وہ اردو کے سچے ہمدرد اور بہی خواہ تھے۔ وہ شعر و ادب کے علایم و رموز سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔

جب اقبال دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے تھے تو وہاں "اقبال لٹریری سوسائٹی" کی جانب سے ان کے اعزاز میں ایک استقبالیہ دیا گیا جس میں اور مشاہیر کے علاوہ سر تیج بہادر سپرو کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ اس استقبالیہ میں اقبال کا سر تیج بہادر سپرو سے تعارف ہوا۔ انھوں نے اقبال کی وفات سے دو ماہ پہلے فروری ۱۹۳۸ء میں اقبال سے ملاقات کی تھی۔ لاہور میں ان کا قیام اپنے داماد پنڈت چاند نرائن ربنا کی قیام گاہ پر تھا جو اقبال سے تلمذ رکھتے تھے۔

سر تیج بہادر سپرو نے ۲ رجنوری ۱۹۴۹ء کو لعارضۂ نمونیا انتقال کیا۔

مآخذ:

۱۔ ایس۔ پی۔ سین۔ ڈکشنری آف نیشنل بایوگرافی، ص۔ ۴۸۔۵۰
۲۔ عبدالرؤف عروج۔ رجال اقبال، ص ۲۶۸۔ ۲۶۹۔
۳۔ احمد۔ جدید ہندوستان کے معمار، ص ۶۰۔ ۶۱۔

ثاقب کانپوری (۱۹۰۴ - ۱۹۸۵ء)

مولوی حاجی سید ابو محمد ثاقب کانپوری تلمیذ احسن اللہ خاں احسن نہایت خوش گو شاعر تھے۔ اصل وطن کڑا ضلع الہ آباد تھا۔ مگر یہ ۱۹۰۴ء میں کانپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائے عمر ہی میں انھیں السنہ مشرقیہ سے خاص دل چسپی اور مناسبت پیدا ہو گئی۔ ان کے پر نانا حضرت حاجی سید شاہ غلام رسول صاحب رسول نما اپنے زمانے کے رئیس المشائخ تھے۔

ثاقب کانپوری نے ابتدائی درجوں میں مولانا محمد حسین محوی صدیقی لکھنوی اور اس کے بعد مولانا حافظ عبدالحلیم صدیقی نائب ناظم جمعیۃ العلمائے دہلی سے درسی کتابیں پڑھیں اور آخر میں علم و ادب کا درس علامہ آزاد سبحانی سے لیا۔ حافظ محمد صدیق (ملا رموزی)، مولانا سعید رزمی اور پروفیسر محمد طاہر فاروقی ان کے ہم درس تھے۔

۱۹۱۹ء میں کہ سولہ برس کا سن تھا ان کو شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ شعر کہنے شروع کیے اور بہت جلد اطراف ملک میں مشہور ہو گئے۔ ۱۹۲۵ء میں مولانا تاجور نجیب آبادی نے انجمن ارباب علم پنجاب کی جانب سے متحدہ ہندوستان کے تمام شعرا کو ایک انعامی مقابلے کی دعوت دی۔ جس کے لیے بارہ مختلف عنوانات پر نظمیں لکھوائی گئیں۔ ثاقب نے بھی تین نظمیں لکھ بھیجیں جو اول انعام کی حق دار قرار دی گئیں اور ان کو اڑھائی سو روپیہ نقد انعام اور "سحر طراز" کا خطاب عطا ہوا۔

ان کی شاعری پر جن شعرا کے کلام نے نمایاں اثر ڈالا وہ میر، غالب اور اقبال ہیں۔ اقبال کی "زبور عجم" نے تو ان کی دنیائے تخیل ہی بدل ڈالی۔

"متاعِ درد" ثاقب کے کلام کا مجموعہ ہے جو ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا۔ ثاقب نے یہ مجموعہ علامہ اقبال کی خدمت میں اظہارِ رائے کے لیے بھیجا۔ حضرت علامہ نے اسے ملاحظہ فرما کر ۲۳ر جولائی ۱۹۳۲ء کو خط لکھا جو اس جلد میں شامل ہے "متاعِ درد" کا یہ مختصر سا مجموعہ ۷۴ نظموں، ۵۷ غزلوں اور ۴۵ رباعیوں پر مشتمل ہے۔ "روحِ جاوداں" ان کا دوسرا مجموعۂ کلام ہے جو ان کے پہلے مجموعۂ اشعار کی اشاعت کے تیس سال بعد ۱۹۶۰ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ اُسے اردو اکیڈمی سندھ، کراچی نے شائع کیا ہے۔

ثاقب نے ۷ر دسمبر ۱۹۸۵ء کو کانپور میں وفات پائی۔

ماخذ:

۱۔ محمد عبداللہ قریشی۔ معاصرینِ اقبال کی نظر میں ص، ۴۴۹۔۴۵۳

۲ سید ابوالخیر کشفی: SOUNDS AND WHISPERS شائع کردہ

ASASA BOOKS, QUETTA, PAKISTAN, 1991 میں مضمون

SAQUIB KANPURI MY FATHER

جاوید اقبال (ولادت ۱۹۲۴ء)

علامہ اقبال کے بیٹے ڈاکٹر جاوید اقبال ۵ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے لاہور کے مختلف سکولوں میں تعلیم پائی۔ سیکرڈ ہارٹ SACRED HEART) مشن ہائی سکول، سینٹ فرانسس مشنری سکول (ST. FRANCIS MISSIONARY SCHOOL) سنٹرل ماڈل سکول اور اسلامیہ ہائی سکول، بھاٹی گیٹ۔ ۱۹۴۴ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے جہاں سے پہلے انگریزی میں اور پھر فلسفہ میں ایم۔ اے ۱۹۴۸ء میں کیا اور گولڈ میڈل حاصل کیا۔ ستمبر ۱۹۴۹ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے جہاں ۱۹۵۴ء میں "THE DEVELOPMENT OF MUSLIM POLITICAL PHILOSOPHY" کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ انھوں نے لندن سے بیرسٹر ایٹ لا کی ڈگری بھی حاصل کی۔

ستمبر ۱۹۵۶ء میں پاکستان واپس آئے۔ وکالت کے ساتھ ساتھ یونیورسٹی کالج، لاہور میں ۱۹۵۷ء سے ۱۹۷۰ء تک لکچرر اور ریڈر رہے۔ ۱۹۷۰ء میں کونسل مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور قومی اسمبلی کا الکشن بمقابلہ ذوالفقار علی بھٹو لڑا مگر ناکام رہے۔ جولائی ۱۹۷۱ء میں لاہور ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے اور ۱۹۸۶ء تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ آخری چار سال چیف جسٹس رہے۔ ۱۹۸۶ء سے ۱۹۸۹ء تک سپریم کورٹ کے جج کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔

۱۹۸۶ء میں ولانووا (VILLA-NOVA) کیتھولک یونیورسٹی امریکہ نے انھیں DOCTOR OF HUMAN LETTERS کی اعزازی ڈگری دی اور ۱۹۹۰ء میں سلجوق یونیورسٹی قونیہ (ترکی) نے بھی اعزازی ڈگری دی۔

ڈاکٹر جاوید اقبال ۱۹۶۰ء میں آسٹریلیا میں منعقدہ بین الاقوامی سیمینار میں شریک ہوئے۔ ۶۲-۱۹۶۰ء میں انھوں نے اقوام متحدہ میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ اس کے بعد بھی انھوں نے مختلف مواقع پر امریکہ، کینیڈا، اور میکسیکو وغیرہ کا دورہ کیا۔ ۱۹۷۵ء میں انھوں نے اٹلی میں منعقدہ ایک بین الاقوامی سیمینار میں شرکت کی۔ ۱۹۹۱ء (۲۰-۲۴ نومبر) میں وہ عالمی اقبال کانفرنس منعقدہ قرطبہ (ہسپانیہ) میں شریک ہوئے۔ بیرونی ممالک میں علمی اداروں نے بڑی قدرو منزلت کی۔

ڈاکٹر جاوید اقبال نے اپنے والد بزرگوار کی سوانح حیات "زندہ رود" کے نام سے تین جلدوں میں مرتب کی ہے۔ جس کا اقبالیات میں ایک نہایت اعلیٰ مقام ہے۔

مآخذ۔

۱۔ تنویر ظہور (مرتب) یادیں، آغاز پبلشرز، لاہور، طبع سوم، جولائی ۱۹۹۱ء (یادداشتیں اور انٹرویوز) پیش لفظ از جسٹس جاوید اقبال

۲۔ سعدیہ خان خزونہ۔ جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال۔ تحقیقی مقالہ ایم۔اے اردو لائبریری اورینٹل کالج، لاہور

۳ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی: خطوط اقبال ص، ۲۲۲

(ڈاکٹر) جرمانوس (GE... ...NUS) (۱۸۸۴۔۱۹۷۹ء)

گائیلو جرمانوس (GYULA ...MANUS) ۶ر نومبر ۱۸۸۴ء میں ہنگری میں پیدا ہوئے۔ گرامر اسکول میں ابتدائی تعلیم کے دوران ہی ان کو ہنگری کی تاریخ کے ترکی دور میں غیر معمولی دلچسپی پیدا ہوگئی جس کی وجہ سے ترکی زبان سیکھی اور پھر فارسی زبان مشہور ہنگرین پروفیسر آرمن ویمبری (ARMIN VAMBERRY) کی خدمت میں پڑھی بعدازاں جرمانوس ترکی زبان میں مزید مہارت حاصل کرنے کے لیے قسطنطنیہ چلے گئے۔ وہاں مقامی سیاست میں ملوث ہوکر گرفتار ہو گئے اور سزائے موت تک کا حکم ہوگیا۔ کسی طرح جان بچا کر بوداپسٹ (BUDAPEST) آئے جہاں عربی زبان وادب کا گہرا مطالعہ کیا جرمانوس جرمن، انگریزی اور فرانسیسی زبان میں لکھی جانے لکھے انھوں نے ۱۹۰۷ء میں بوداپسٹ یونیورسٹی سے عربی اور ترکی زبان وادب میں ڈاکٹریٹ کی۔ ۱۹۰۸ء میں مزید ریسرچ کی غرض سے لندن چلے گئے جہاں برٹش میوزیم کے شعبہ سرجات میں تین سال کام کیا۔ وطن واپس آکر ہنگری رائل اکیڈمی آف ایسٹرن ٹریڈ HUNGARRAIN ROYAL ACADEMY OF EASTERN TRADE) میں ترکی اور عربی زبان وادب اور تاریخ اسلام کے پروفیسر مقرر ہوئے اور ۱۹۲۱ء تک اسی عہدہ پر فائز رہے۔ اس سال اورینٹل انسٹی ٹیوٹ میں معاشیات کی نئی فیکلٹی پروفیسر کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا۔ ۱۹۲۶ء میں ہنگرین پی۔ ای این (P.E.N) کے سکریٹری جنرل ہوئے

جرمانوس کو ہندوستان اور اس کے باشندوں سے بے حد دلچسپی تھی چنانچہ ۱۹۲۸ء میں رابندر ناتھ ٹیگور نے ان کو شانتی نکیتن میں علوم مشرقیہ کی کرسی سپرد کی۔ جرمانوس نے یہاں برسوں قیام کیا۔ ان کی بیوی روزا ہاج نوکزی (ROZA HAJNOCZY) نے یہیں اپنی مشہور کتاب "فلیمز آف بنگال (FLAMES OF BENGAL) لکھی۔

ڈاکٹر جرمانوس نے ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں میں لیکچر دیئے۔ جب ڈاکٹر ذاکر حسین نے ان کو جامعہ ملیہ اسلامیہ میں توسیعی خطبات کے لیے مدعو کیا تو انھیں جامعہ کے خاک نشینوں کا ماحول اور نظام معاشرت پسند آیا۔ اسلام سے وہ متاثر ہو چکے تھے چنانچہ دلی کے دوران قیام میں انھوں نے جامع مسجد میں اسلام قبول کر لیا اور عبدالکریم نام اختیار کیا۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ انھوں نے جمعۃ الوداع کی نماز پڑھائی۔ ایک نومسلم یوروپین کے لیے یہ ایک بے مثال امتیاز تھا۔ یہ دو بار حرمین شریفین گئے اور حج سے مشرف ہوئے۔ سعودی عرب کے حکمراں عبدالعزیز ابن سعود نے ان کو اپنا خاص مہمان بنایا ترکی کے سلطان محمد رشید نے بھی ان کو شرف باریابی بخشا۔

ڈاکٹر جرمانوس نے ۵۶ سال تک تعلیم و تدریس کے فرائض سرانجام دیئے اور ۸۱ سال کی عمر میں اس فرض سے سبکدوش ہوئے۔ انھوں نے ۹۵ سال کی عمر میں ۱۹۷۹ء میں بوداپیسٹ میں انتقال کیا

ڈاکٹر جرمانوس کی معرکۃ الآرا تصنیف " دی ہسٹری آف عربک لٹریچر THE HISTORY OF ARABIC LITERATURE ۱۹۵۲ء میں شائع ہوئی اس کا ترمیم شدہ ایڈیشن متعدد اضافہ جات کے بعد ۱۹۷۳ء میں چھپا تھا۔ ان کی بے شمار نگارشات مختلف علمی اور ادبی جریدوں میں شائع ہوتی رہیں

ڈاکٹر جرمانوس کو بہت سے علمی اعزازات سے نوازا گیا وہ قاہرہ، بغداد اور دمشق کی اکیڈمی آف عربک لینگویج (ACADEMY OF ARABIC LANGUAGE) کے واحد یوروپین رکن رہے۔ ان کو یہ بھی اعزاز حاصل ہوا کہ جامعہ ازہر میں توسیعی خطبات دینے کے لیے مدعو کیا گیا۔ علاوہ ازیں وہ متعدد جامعات (اسکندریہ، قاہرہ، کلکتہ، دہلی، حیدرآباد وغیرہ) کے وزیٹنگ پروفیسر بھی رہے۔

---

[1] حوالہ: دعوت، ۱۶ر مئی ۱۹۹۰ء

مآخذ:

GYULA WOJTULLA . WRITINGS OF HUGARIAN ISLAMOLOGIST
GYULA GERMANUS. LIGHT AND LIFE PUBLISHER, NEW DELHI,

گائلاووج تلا رائٹنگز آف ہنگرین اسلامسٹ گائلا جرمانوس، لائٹ اینڈ لایف
پبلشرز نئی دہلی

۷ رئیس احمد جعفری دید و شنید، شخصی خاکوں کا مجموعہ، رئیس احمد جعفری اکیڈمی،
کراچی ۱۹۸۷ء

سید حسن جعفری (متوفی ۱۹۸۹ء)

یہ لاہور کے ایڈووکیٹ تھے اور مشہور مزاحیہ شاعر سید محمد جعفری کے بڑے بھائی تھے۔ مولوی فاضل، منشی فاضل کے امتحانات امتیازی حیثیت سے پاس کرنے کے بعد مٹرک پاس کیا۔ بعدازاں گورنمنٹ کالج لاہور سے گریجویشن کیا اور ایم۔ اے (عربی)، اورینٹل کالج، لاہور اور ایل۔ ایل۔ بی یونیورسٹی لا کالج، لاہور سے پاس کیا۔
علامہ اقبال سے تعلقات تھے۔ علامہ ان کی علمی و ادبی قابلیت اور ذہانت و فطانت کے دل معترف تھے۔ سید حسن جعفری کا علامہ کے ہاں اکثر آنا جانا رہتا تھا۔ وہ اس زمانے میں ملک برکت علی ایڈووکیٹ کے ہمراہ بسلسلۂ وکالت سے منسلک تھے۔ بعد میں وکیل سرکار بھی ہوگئے تھے علم و ادب سے خاصا شغف رکھتے تھے۔ انھیں انگریزی، اردو، فارسی اور عربی پر خاص دسترس تھی۔ گورنمنٹ کالج لاہور کے میگزین "راوی" کے مدیر رہے۔ "نیرنگ خیال" اور "رومان" میں باقاعدگی سے لکھتے رہے۔ اس کے علاوہ لاہور ریڈیو سے اکثر ان کی تقریریں نشر ہوتی تھیں وہ انگریزی اخبارات میں مضامین بھی لکھتے رہے۔ انھوں نے علامہ اقبال اور ایران کے مجتہد آقائے عبدالکریم زنجانی کی "وحی و الہام" اور "برہانِ امامت" پر فارسی میں جو گفتگو ہوئی اسے قلمبند کیا اور اس کا اردو ترجمہ "وحی الہام" اور "برہان امامت" کے عنوان سے شائع کیا۔ نواب مظفر علی خان کی فرمائش پر انھوں نے ایک کتاب "واقعہ کربلا کے تاریخی اسباب و نتائج" بھی تحریر کی تھی۔
سرکاری وکیل کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کے بعد گوجرانوالہ میں طویل عرصہ تک وہ وکالت کرتے رہے۔ ۱۲ رجون ۱۹۸۹ء کو لاہور میں وفات پائی۔

مآخذ

ارشد میر: سالنامہ رسالہ "نقوش" ۱۹۹۱ء

جلیل احمد قدوائی (ولادت ۱۹۰۴ء)

جلیل احمد قدوائی اناؤ کے رہنے والے تھے۔ ان کی تاریخ ولادت سرکاری طور پر ۶ر مارچ ۱۹۰۴ء ہے اگرچہ اصلی تاریخ ۲۳ر دسمبر ۱۹۰۴ء ہے کچھ ماہ بڑھا کر اناؤ ہائی اسکول میں اس لیے لکھائی گئی تھی کہ اس زمانے میں میٹرک کے امتحان میں بیٹھنے کے لیے ایک خاص عمر مقرر تھی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد اناؤ اور ہردوئی کے اسکولوں میں داخل ہوئے ۱۹۲۲ء میں اناؤ سے ایس ایل سی (S.L.C.) یعنی میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ پھر وہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ چلے گئے جہاں سے ۱۹۲۶ء میں انھوں نے بی۔اے کیا سجاد حیدر یلدرم اس زمانے میں یونیورسٹی کے رجسٹرار تھے ان کے دفتر میں ان کی سرپرستی میں وہ وہاں کام کرنے لگے۔ کئی سال کے بعد رخصت لیکر الٰہ آباد یونیورسٹی سے انھوں نے اردو میں اول درجہ میں ایم۔اے کیا۔ اس کے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبہ اردو میں لکچرار ہو گئے ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، جاں نثار اختر، سعادت حسن منٹو، ثناءالحق حقی، علی سردار جعفری اور اسرارالحق مجاز جیسے طالب علم جنھوں نے آگے چل کر اردو دنیا میں نام پیدا کیا قدوائی صاحب کے شاگرد رہے۔

۱۹۳۶ء میں حکومت ہند کے شعبہ اطلاعات میں ملازم ہو گئے پھر قیام پاکستان کے بعد کراچی چلے گئے جہاں محکمہ اطلاعات میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ ۱۹۵۹ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ ۱۹۶۲ء میں انجمن ترقی اردو پاکستان سے وابستہ ہوئے۔ ۱۹۷۸ء تک انجمن کے متعدد علمی و ادبی منصوبوں سے وابستہ رہے خاص کر بابائے اردو ڈکشنریوں پر نظر ثانی کی اور دو نئی ڈکشنریاں ایک جیبی اور دوسری اردو انگریزی ڈکشنری مرتب اور شائع کیں۔

علی گڑھ کی طالب علمی ہی کے زمانے میں خواجہ منظور حسن صاحب کے شوق دلانے سے جلیل احمد قدوائی نے روسی معجز نگار چیخوف کے افسانوں کے ترجمے کیے۔ پھر جب طبعزاد افسانے لکھنے بیٹھے تو چیخوف کا اتنا اثر قبول کر چکے تھے کہ اس رنگ سے علیحدہ نہ ہو سکے۔ جلیل عام افسانہ نویسوں کی طرح صرف عشق و محبت ہی کو اپنا موضوع نہیں بناتے بلکہ حیات انسانی کے ہر رُخ پر نظر ڈالنا چاہتے ہیں اور جس جگہ زندگی کے معمے کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں وہی ان کا افسانہ ہوتا ہے مگر بعد میں افسانہ نویسی ترک کر دی۔

جلیل شاعر بھی ہیں۔ اور حسرت کے رنگ میں شعر گوئی کے لیے مشہور ہیں۔ ان کے شاعری کے تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

مترجم کی حیثیت سے بھی جلیل قدوائی کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ انھوں نے مٹرلنک (بلجیم کے نوبل یافتہ مصنف) روسی معجز نگار چیخوف (   ) اور مشہور افسانہ نگار ترگنیف (   ) اور معروف فرانسیسی افسانہ نویس موپاساں (   ) کی ادبی تخلیقات کے لاجواب ترجمے کیے۔ جلیل قدوائی نے طبع زاد افسانے بھی کافی لکھے ہیں۔ اردو میں پریم چند کے زیر اثر جس حقیقت نگاری کو فروغ حاصل ہوا، قدوائی کے افسانے اسی کی مثال ہیں۔

شخصی خاکہ نگاری کی حیثیت سے بھی جلیل قدوائی کا درجہ بہت بلند ہے۔

جلیل احمد قدوائی کا پہلا مضمون ۱۹۱۹ء میں اس زمانے کے مشہور رسالے "صوفی" (منڈی بہاءالدین گجرات، پنجاب) میں شائع ہوا تھا جب کہ ان کی عمر صرف ۱۵ سال تھی اسی زمانے میں "نقیب" بدایوں میں بھی ان کا مضمون شائع ہوا۔ یونیورسٹی کی طالب علمی کے زمانے میں "علی گڑھ میگزین" اور بی۔ اے کے بعد یونیورسٹی کے دفتر رجسٹرار میں ملازمت سے کچھ پہلے ماہنامہ "الناظر" لکھنؤ کے شریک مدیر رہے۔ سات سال تک حکومت ہند کے مصور رسالے "مرکزی اطلاعات" کی ادارت کی۔ چار سال تک حکومت پاکستان کے اردو ماہنامے "ماہ نو" اور علاقائی زبانوں کے رسالوں کے نگراں رہے۔

ان ۶۸ برسوں میں ان کی کم و بیش تین درجن کتابیں اردو اور انگریزی میں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ جو شعر کے علاوہ تحقیق و تنقید، انشار، خاکہ نگاری اور آپ بیتی جیسے موضوعات سے متعلق ہیں اور بے شمار تحریریں غیر مدون حالت میں موجود ہیں۔ ایک نقاد کے الفاظ ہیں " قدوائی صاحب کی دل چسپیوں کا دائرہ بہت وسیع ہے ایک طرف وہ شاعری خصوصاً غزل کی وادی رنگ و بو میں محو خرام نظر آتے ہیں۔ تو دوسری طرف تحقیق کی سنگلاخ رہگذر پر حقائق کی تلاش میں سرگرداں دکھائی دیتے ہیں۔ تنقید، افسانہ نگاری، ڈراما، شخصی خاکہ نگاری یادنگاری، مکتوب نویسی غرض کہ ادب کی متعدد اصناف میں ان کے تخلیقی ہنر کا اظہار ہوا ہے۔"

خاص خاص تصنیفات و تالیفات

۱	سیر گل	افسانے	۱۹۲۷ء
۲	نقش و نگار	شاعری	۱۹۲۸ء
۳	اصنام خیالی	افسانے	۱۹۳۳ء
۴	مونا وانا	مٹرلنک کا ڈراما (اردو میں)	۱۹۳۲ء
۵	انتخاب حسرت	ترتیب و مقدمہ	۱۹۲۹ء
۶	دیوان بیدار	تحقیق و ترتیب	۱۹۳۴ء
۷.	نوائے سنہ باب	شاعری	۱۹۵۱ء
۸	تنقیدیں اور خاکے	تنقید	۱۹۵۲ء
۹	تذکرے اور تبصرے	تحقیق و تنقید	۱۹۵۹ء
۱۰	انتخاب شعرائے بدنام	تحقیق و تنقید	۱۹۶۰ء
۱۱	کلام غالب نسخہ قدوائی	تدوین	۱۹۶۰ء
۱۲	مکتوبات عبدالحق	جمع و ترتیب	۱۹۶۳ء
۱۳	مجلہ یادگار مسعود	ترتیب (اردو۔ انگریزی)	۱۹۶۴ء
۱۴	مرقع مسعود	ترتیب " "	۱۹۶۶ء

۱۵ شعلۂ مستقبل 〃 〃 〃

۱۶ خیابانِ مسعود ترتیب 〃 〃 ۱۹۷۰ء

۱۷ قطراتِ شبنم انشائیے، لطیفے ۱۹۷۳ء

۱۸ مشرقِ تاباں ترتیب

۱۹ فانی تحسین اور حسنِ بیان ترتیب

۲۰ چند اکابر چند معاصر شخصی خاکے ۱۹۷۷ء

۲۱ ٹرولرز ان پاکستان (انگریزی)

۲۲ چشمۂ آفتاب انشائیے، لطیفہ ۱۹۸۴ء

۲۳ فوسٹر۔ مسعود لیٹرز مراسلات (انگریزی) ۱۹۸۴ء

۲۴ سر سید علیہ الرحمۃ موضیمہ سید محمود ترتیب (اردو۔ انگریزی) ۱۹۸۵ء

۲۵ تجزیے اور تجربے مفید و دلچسپ

۲۶ ویسٹ انڈیا وارڈ ڈیوا ئڈڈ (حالاتِ حاضرہ) ۱۹۸۷ء

۲۷ ایمس آف دولڈ (انگریزی)

۲۸ خاکستر پروانہ شاعری ۱۹۸۷ء

۲۹ اوراقِ گل ترتیب (اردو)

۳۰ حیاتِ مستعار (۱) آپ بیتی ۱۹۸۷ء

حیاتِ مستعار (۲) 〃 ۱۹۹۲ء

۳۱ شعرا و شعرات انشائیے ہاشمی

انھوں نے کراچی میں ایک علمی ادارہ راس مسعود ایجوکیشن اینڈ کلچرل سوسائٹی قائم کیا ہے جہاں سے انھوں نے تحریک علی گڑھ اور خانوادۂ سر سید خاص کر سر راس مسعود کے بارے میں متعدد کتابیں انگریزی اور اردو میں شائع کی ہیں۔ کچھ مزید کتابیں زیرِ ترتیب ہیں۔ ۸۸ سال کی عمر میں بھی ان کا قلم تھکا نہیں ہے۔

کتاب مکاتیب اقبال جلد- ۳

آج کل وہ اپنی خودنوشت سوانح حیات لکھنے میں مصروف ہیں ۔ اپنی زندگی کے ابتدائی اور اسکول کی طالب علمی کے حالات اور اس کے بعد علی گڑھ کے زمانے کے کچھ حالات دو جلدوں میں شائع کر چکے ہیں۔ بعد کی سرگزشت زیر ترتیب ہے ۔

ماخذ :

(۱) پروفیسر ڈاکٹر اعجاز حسین ، مختصر تاریخ ادب اردو ، ص ۴۴۴ - ۴۷

(۲) جلیل قدوائی ۔ حیات مستعار جلد اول دوم ، شائع کردہ ، مکتبہ اسلوب کراچی ، ۱۹۸۷ء وادارۂ یادگار غالب ، کراچی ۱۹۹۲ء

(۳) مالک رام دہلی ۔

(۴) مشفق خواجہ جلیل قدوائی ، ہفتہ وار " تکبیر " کراچی

(قائدِ اعظم) محمد علی جناح (۱۸۷۶-۱۹۴۸ء)

قائدِ اعظم محمد علی جناح کراچی میں ایک تاجر کے ہاں ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء کو پیدا ہوئے ۱۸۸۷ء میں سندھ مدرسہ ہائی اسکول میں داخل ہوئے اور بعد میں مشن ہائی اسکول میں تعلیم پائی جہاں سے ۱۸۹۲ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اسی سال انگلستان چلے گئے جہاں سے ۱۸۹۵ء میں بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد انھوں نے انگلستان کے سیاسی نظام کا بطورِ خاص مطالعہ کیا۔ جب مشہور ہندوستانی رہنما دادا بھائی نوروجی برطانوی پارلیمنٹ کی ممبری کے لیے امیدوار ہوئے تو مسٹر جناح نے دیگر ہندوستانی طلباء کے ساتھ مل کر رات دن ان کے انتخاب میں کام کیا۔

۱۸۹۶ء میں مسٹر جناح کراچی واپس آئے۔ اسی دوران ان کے والد کی تجارت میں بڑا خسارہ ہوگیا تھا اور ان کے لیے خود کفالت کے سوا کوئی اور چارہ نہ تھا۔ چنانچہ یہ بمبئی چلے گئے جہاں وکالت شروع کی بالآخر کافی عرصہ بعد یہ بحیثیت وکیل اپنا مقام بنانے میں کامیاب ہوئے۔ دس سال بعد انھوں نے عملی سیاست میں قدم رکھا۔ ان کی دلچسپیوں کا محور سیاست اور قانون تھا۔ ۱۹۰۶ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے کلکتہ کے اجلاس میں شریک ہوئے۔ ۴ سال بعد مرکزی مجلس قانون ساز کے ممبر منتخب ہوئے۔ وہ مشہور کانگریسی رہنما گوپال کرشن گوکھلے سے بہت متاثر تھے۔

۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد پڑی۔ مسٹر جناح اس میں ۱۹۱۳ء تک شامل نہیں ہوئے۔ جب انھیں یہ یقین ہوگیا کہ مسلم لیگ بھی کانگریس کی طرح ہندوستان کی آزادی کی خواہاں ہے تب انھوں نے اس میں شمولیت کی۔

پھر انڈیا ہوم رول بنی تو یہ اس کی بمبئی شاخ کے صدر منتخب ہوئے۔
مسٹر جناح کی کوشش یہ تھی کہ مسلم لیگ ایک روشن خیال سیاسی جماعت بنے اور حصول آزادی کے لیے دوسری سیاسی جماعتوں سے پورا پورا تعاون کرے۔ مزید برآں کانگریس کو بھی یہ یقین دلانا تھا کہ ہندوستان کی سیاسی گتھی سلجھانے کے لیے ہندو مسلم اتحاد نہایت ضروری ہے۔ ہندو مسلم اتحاد کے لیے ان کی مساعی جمیلہ کو سراہتے ہوئے گوکھلے نے انھیں "ہندو مسلم اتحاد کا بہترین سفیر" کہا تھا۔
۱۹۲۰ - ۱۹۳۰ء کی دہائی میں ان کی سیاسی سرگرمیاں ان ہی دو مسائل کو سلجھانے پر مرکوز رہیں۔ اسی موقف پر وہ مجلس قانون ساز اور لندن میں گول میز کانفرنسوں (۱۹۳۰ - ۱۹۳۲ء) میں قائم رہے۔ اسی دوران انھوں نے اپنے مشہور ۱۴ نکات پیش کیے جن میں وفاقی نظام حکومت کا قیام، اقلیتوں کے حقوق میں مزید اضافہ، مرکزی مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کے لیے ایک تہائی سیٹوں کا مختص کرنا، صوبۂ سندھ کو ایک علیحدہ صوبہ بنانا اور شمال مغربی سرحدی صوبے میں قانونی اصلاحات کا نفاذ شامل تھے۔ مگر یہ اپنی کوششوں میں ناکام رہے۔ نہرو کمیٹی (۱۹۲۸ء) نے مسلمانوں کے لیے علیحدہ نشستیں محفوظ رکھنے کی تجویز قبول نہیں کی۔ علاوہ ازیں یہ گاندھی جی کی تحریک عدم تعاون کے بھی حق میں نہ تھے۔ آخر دل برداشتہ ہوکر انھوں نے سیاست سے کنارہ کشی کرلی اور انگلستان میں سکونت اختیار کرلی۔ ۱۹۳۰-۱۹۳۳ء تک لندن میں رہے اور پریوی کاؤنسل میں وکالت کرتے رہے۔ جب دستوری اصلاحات عمل میں آئیں تو ترغیب دلانے پر دسمبر ۱۹۳۳ء میں ہندوستان واپس آئے۔ اور ۶ / مارچ ۱۹۳۴ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔
جب گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت انتخابات ہوئے تو مسٹر جناح اس امر کے لیے کوشاں رہے کہ صوبوں میں لیگ اور کانگریس کی مخلوط حکومتیں بنیں لیکن ۱۹۳۷ء کے الکشن میں مسلم لیگ اور کانگریس کے راستے جدا جدا ہوگئے۔ کانگریس کو چھ صوبوں میں مکمل اکثریت حاصل ہوئی اور اس نے فیصلہ کیا کہ

وہ صوبہ جاتی حکومت میں مسلم لیگ کے نمائندے شامل نہیں کرے گی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اختلافات بڑھ گئے۔

اب مسٹر جناح مسلم قوم کے لیڈر کی حیثیت سے اُبھر کر سطحِ عام پر آئے حالات تیزی سے بدلنے لگے۔ جب ۲۲ر دسمبر ۱۹۳۹ء کو کانگرس کی صوبہ جاتی وزارتوں نے استعفیٰ دے دیا تو مسٹر جناح نے مسلمانوں سے "یوم نجات" منانے کی اپیل کی۔ ۳ ر ماہ بعد ۲۲/۲۳ ر مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ نے لاہور اجلاس میں ایک علیحدہ آزاد مسلم ریاست قائم کرنے کی تجویز منظور کی۔ جس میں صوبہ پنجاب، شمال مغربی صوبہ، سندھ، بلوچستان اور بنگال شامل ہوں۔ اس طرح پاکستان کا ایک واضح اور مثبت تصور سامنے آیا۔ مسٹر جناح نے تمام پاکستان کی تحریک کی قیادت سرگرمی و استقلال سے کی۔ آخر کار کانگرس اور حکومت برطانیہ کو ہندوستان کی تقسیم کو تسلیم کرنا پڑا۔ اور ۱۹۴۷ء میں ایک نئی مسلم مملکت پاکستان معرضِ وجود میں آئی۔ مسٹر جناح اس نئی مملکت کے پہلے گورنر جنرل منتخب ہوئے۔

۱۱ر ستمبر ۱۹۴۸ء کو بعارضۂ قلب کراچی میں انتقال کیا۔

ماٰخذ:

دائرۃ المعارف بریطانیکا، جلد ۱۰ ص، ۲۲۳ - ۲۲۴ -

حامد علی خاں (۱۹۰۵ء۔ ۱۹۶۳ء) مہتمم مکتبہ جامعہ

حامد علی خاں جامعہ کے ابتدائی دور کے گریجویٹ تھے۔ یہ ۲۳ ستمبر ۱۹۰۵ء کو فرخ آباد (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۶ء میں تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مئی ۱۹۲۷ء میں مکتبہ جامعہ سے وابستہ ہو گئے اور ۱۹۲۸ء میں تاحیات یا کم سے کم بیس سال تک زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو ماہانہ مشاہرہ پر یا جو مجلس منتظمہ مقرر کرے خدمت کرتے کا عہد کیا۔ موصوف کی سربراہی میں مکتبہ جامعہ نے بڑی ترقی کی وہ پہلے ناشر ہیں جنھوں نے اردو کتابوں کی ظاہری شکل اور صورت کو بہتر اور خوب صورت بنانے کی طرف توجہ کی اور بچوں کے ادب کو ترقی دی۔ آزادی سے قبل جامعہ کے دوسرے اداروں کی طرح مکتبہ کی بھی مالی حالت نا قابل بیان تھی مگر اس کے باوجود اس نے اردو زبان وادب کی شاندار خدمت کی۔ جب ۱۹۳۸ء میں جب بیشتر صوبوں میں کانگریس کی حکومتیں قائم ہوئیں تو ان میں سے بعض نے اسکولوں کے لیے نئے طرز کی ریڈرس تیار کرنے کے لیے مکتبہ جامعہ کی خدمات حاصل کیں تو اس سے مکتبہ میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔ خدمت کا دائرہ وسیع ہوا اور آمدنی میں معقول اضافہ ہوا۔

آزادی کے بعد جب دہلی میں فسادات شروع ہوئے تو مکتبۂ جامعہ جو اس وقت قرول باغ میں واقع تھا فسادات کی نذر ہو گیا اور چوتھائی صدی کا سرمایہ جل کر خاک ہو گیا اس حادثے نے مکتبہ کی کمر توڑ دی۔ مگر کچھ وقفے کے بعد ۱۹۴۹ء میں اُسے پھر قائم کیا گیا اور اس مرتبہ بعض مصلحتوں سے اور جامعہ کے مفاد میں اسے لمٹیڈ کمپنی کی شکل دی گئی۔ حامد علی خاں کی سوجھ بوجھ اور پُر خلوص کوششوں کی وجہ سے اس نے بڑی ترقی کی اور اس وقت یہ اردو کے اشاعتی اداروں میں

ایک ممتاز حیثیت کا مالک ہے۔ حامد علی خاں کے وسیع تجربے اور معلومات کے پیش نظر، ۱۹۵۵ء میں یونیسکو نے ان کی خدمات حاصل کیں اور پہلی مرتبہ تین سال کے لیے ان کا تقرر ہوا۔ اس کے بعد حسن خدمات کی وجہ سے مزید تین تین سال کی توسیع ہوتی رہی تا آنکہ ۵ر دسمبر ۱۹۶۲ء کو پیرس میں بعارضۂ قلب ان کی وفات ہو گئی۔ دفن قبرستان جامعہ نگر نئی دلّی میں ہوئے۔

مآخذ:

عبداللطیف اعظمی، جامعہ نگر، نئی دہلی۔

حامد علی خاں (۱۹۰۱ ـ ۱۹۸۰ء)

حامد علی خاں نے سیاست کے راستے ادب کے میدان میں قدم رکھا اور پھر ہمیشہ کے لیے اس کے ہو کر رہ گئے۔ وہ ۱۴ر جنوری ۱۹۰۱ء کو کرم آباد (ضلع گوجرانوالہ) میں پیدا ہوئے۔ ابھی ان کی عمر نو دس سال ہی کی تھی کہ ان کے والد مولوی سراج الدین خاں کا انتقال ہو گیا اور وہ لاہور آکر اپنے بڑے بھائی مولانا ظفر علی خاں کے ساتھ رہنے لگے۔ (پروفیسر حمید احمد خاں سابق وائس چانسلر، پنجاب یونیورسٹی ان کے چھوٹے بھائی ہیں) اسی زمانے میں ان کو پہلی بار اقبال کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا جو انار کلی میں رہتے تھے۔ مولانا ظفر علی خاں نے حامد علی خاں کی تعلیم و تربیت پہ بڑی توجہ کی۔ ینشنل کالج لاہور سے بی۔ اے کرنے کے بعد ان کو قومی اور ملی تحریکوں میں حصہ لینے کا خیال آیا۔ چنانچہ ۱۹۲۰ء میں عدم تعاون کی تحریک زور و شور سے چلی تو انھوں نے نہ صرف اس میں سرگرمی سے حصہ لیا بلکہ اس کے کارکنوں کی دامے درمے مدد بھی کی۔ اس کے پانچ سال بعد میاں بشیر احمد بار ایٹ لا نے اپنے والد جسٹس شاہ دین 'ہمایوں' کی یاد میں ماہنامہ "ہمایوں" جاری کیا تو اس کی ادارت کے لیے ان کی خدمات حاصل کیں۔ حامد علی خاں بیس سال سے زائد عرصے تک اس کے نائب مدیر رہے۔ مدیر کی حیثیت سے "ہمایوں" پر میاں بشیر احمد کا نام چھپتا تھا لیکن سب جانتے ہیں کہ ادارت کا زیادہ تر کام حامد علی خاں ہی کرتے تھے۔

اس دوران انھوں نے سینکڑوں لکھنے والے پیدا کیے اور ان کی تحریروں کو نمایاں طریقے پر شائع کیا۔ "ہمایوں" کے دورِ ادارت میں اُن کو کئی بار اقبال کو دیکھنے اور سننے کا موقع ملا۔ ان کا کہنا ہے کہ:

"اقبال سارا دن گھر میں دھوتی اور بنیان پہنے چارپائی پر بیٹھے رہتے تھے۔
ایک دفعہ قائداعظم تشریف لائے۔ یہ اسی بنیان اور دھوتی کے ساتھ ان
سے ملے لیکن جب ان کو معلوم ہوا کہ فاطمہ جناح بھی ان کے ساتھ ہیں تو
گھبرا گئے اور بدحواسی کی حالت میں کمرے کی طرف لپک کر قمیص پہنی اور
نہایت ادب سے فاطمہ جناح کا استقبال کیا۔"

حامد علی خاں قیام پاکستان سے پہلے "ہمایوں" کی ادارت ترک کرکے آل انڈیا ریڈیو
دہلی سے منسلک ہو گئے تھے۔ تقسیم ہند کے بعد وہ لاہور چلے گئے۔ ۱۹۵۰ء کے لگ بھگ
انھوں نے اپنا ذاتی ماہنامہ "الحمرا" کے نام سے جاری کیا۔ کئی سال تک وہ اسے
بڑے اہتمام سے شائع کرتے رہے۔ جب اس رسالے کی عوام کی طرف سے خاطر خواہ
پذیرائی نہیں ہوئی تو اُسے بند کرکے مطبوعات فرینکلن کے ڈائرکٹر ہو گئے۔ اس ادارے
سے متعدد اہم انگریزی کتابوں کے تراجم انھوں نے شائع کیے۔

حامد علی خاں کا مرتب کردہ دیوان غالب جسے پنجاب یونیورسٹی لاہور نے
۱۹۶۹ء شائع کیا ہے صحت متن اور مفید حواشی کی وجہ سے اہمیت رکھتا ہے۔
ان کا انتقال ملتان میں ۷ جنوری ۱۹۸۰ء کو ہوا۔

مآخذ:

۱ عبدالرؤف عروج رجال اقبال، ص۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔
۲ مالک رام: تذکرۂ ماہ و سال ص ۱۲۶۔

حفیظ جالندھری (۱۹۰۰-۱۹۸۲ء)

محمد حفیظ نام، حفیظ تخلص اور ابوالاثر کنیت ۱۴ ر جنوری ۱۹۰۰ء کو جالندھر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں ہوئی انھیں شروع ہی سے علمی و ادبی مشاغل سے دل چسپی تھی۔ چنانچہ انھوں نے لاہور میں "ہونہار بک ڈپو" قائم کیا اور ادبی کتب کی طباعت و اشاعت میں مصروف ہوئے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران میں وہ دہلی میں سانگ اینڈ پبلسٹی آرگنائزیشن SONG AND PUBLICITY ORGANISATION کے ڈائرکٹر جنرل مقرر ہوئے اور کافی عرصہ تک یہ خدمت انجام دیتے رہے تقسیم ہند کے بعد حکومت پاکستان نے آزاد کشمیر میں ان کی خدمات حاصل کیں اور کئی سال تک حفیظ پبلسٹی کے کام کی نگرانی کرتے رہے لیکن ان تمام مصروفیات اور اپنے عہدے کی ذمہ داریوں کے باوجود ان کی ادبی دلچسپیوں میں کوئی فرق نہیں آیا۔

حفیظ کو شعر و شاعری کا ذوق بچپن ہی سے تھا۔ وہ مولانا غلام قادر گرامی کے شاگرد ہیں جن کی رہنمائی اور مصاحبِ صحبت نے حفیظ کو غزل سرائی سکھائی اور شعری صنعت گری پر عبور عطا کیا لیکن جہاں تک طرزِ فکر کا تعلق ہے حفیظ اقبال سے بہت متاثر ہوئے۔

درحقیقت حفیظ شعرا کے اس دبستان سے تعلق رکھتے ہیں جن کا ارتقا عظمت اللہ خاں کے لفظِ رحال کی اشاعت کے بعد ہوا اور جن کی بڑی خصوصیت ہندی بحروں کو اردو میں رائج کرنا اور شعر میں الفاظ کی نشست اور ترکیبوں سے ترنّم اور حسن خیال پیدا کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حفیظ کے یہاں ہندی کے نرم و شیریں الفاظ بول چال کی زبان، لمبی لمبی بحروں اور موسیقیت کی بہتات ہے۔ حفیظ شروع شروع میں اپنے گیتوں کی وجہ سے مشہور ہوئے۔ پھر ان کی نظموں کا پہلا مجموعہ "نغمہ زار"

۱۹۲۵ء میں چھپا۔ ان کی نظموں میں خیال کی رعنائی جذبات کی فراوانی اور ترنم ریزی نے نئی پود کو بہت متاثر کیا۔ حفیظ کی اس دور کی منظومات میں نئی طرز کی بعض پسندیدہ جدتوں کے ساتھ ساتھ پُرتاثیر نغمگی پائی جاتی ہے۔

"نغمہ زار" کے بعد حفیظ کے دو اور مجموعے "سوز و ساز" اور "تلخابۂ شیریں" شائع ہوئے۔ جن میں چھوٹی چھوٹی بحروں میں حفیظ نے انسانی جذبات اور دردِ دل کو دھنوں اور گیتوں کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ مگر حفیظ کا شاہکار ان کی طویل نظم "شاہنامۂ اسلام" ہے۔ جو تین جلدوں میں مرتب ہوئی ہے۔ حفیظ نے اپنی اس نظم میں اسلامی تاریخ مدوّن کر کے اسلامی تہذیب و تمدّن کا احیا کیا ہے اور اردو شاعری کی تاریخ میں ایک نیا تجربہ بھی۔ یہ نظم واقعہ نگاری اور سانیہ شاعری کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔

پاکستان کا قومی ترانہ حفیظ ہی کا لکھا ہوا ہے۔

حفیظ نے ۲۱ر دسمبر ۱۹۸۲ء کو لاہور میں انتقال کیا۔

مآخذ:

عبدالوحید۔ جدید شعرائے اردو، فیروز سنز، لاہور، ص ۵۸۳۔ ۵۸۴۔
(تاریخ طباعت ندارد)

حمید احمد انصاری (ولادت ۱۸۸۴)

حمید احمد انصاری کا آبائی وطن جونپور (یو پی) تھا ۲۵ اپریل ۱۸۸۴ء کو بمقام گلبرگہ شریف پیدا ہوئے۔ اپنے والد کی نگرانی میں فارسی، عربی اور علوم متداولہ کی تعلیم حاصل کی۔ انگریزی تعلیم اورنگ آباد کالج میں ہوئی جہاں ۱۹۰۲ء تک رہے۔ ۱۹۰۳ء میں کرسچین کالج، الہ آباد سے بی۔ اے کی ڈگری لی ۱۹۱۰ء میں کچھ عرصہ تک یونیورسٹی میں ایم۔اے اور قانون کی تعلیم پاتے رہے لیکن امتحان سے قبل ہی یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔

اسی درمیان جب مولوی عزیز مرزا نے مسلم لیگ کے سکرٹری کی حیثیت سے لکھنؤ میں قیام کیا تو ان کو اپنی رفاقت میں لیا۔ یہاں ان کو اپنے جوہر ذاتی دکھانے کا موقع ملا۔ اپنی مستعدی، قابلیت اور فرض شناسی سے عزیز مرزا کی نظروں میں وقعت حاصل کرلی۔ اس سلسلے میں انھوں نے پبلک سروس پر ایک معرکہ الآرا یاد داشت مرتب کی جس نے کل ہند مقبولیت حاصل کی۔

۱۹۱۳ء میں حمید احمد انصاری حیدرآباد آئے اور معتمدی عدالت وکوتوالی اور امور عامہ میں ملازم ہو گئے۔ مترجم، منتظم اور مددگاری کے عہدوں پر رہ کر نمایاں خدمات انجام دیں۔

۱۹۲۰ء میں جامعہ عثمانیہ کے مہتمم (رجسٹرار) مقرر ہوئے اور وظیفہ پر سبکدوشی تک اس خدمت سے منسلک رہے۔ انگریزی ادبیات، تاریخ فلسفہ اور افسانے لکھے جو بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھے گئے۔ انجمن ترقی اردو اور رسالۂ اردو" کے لیے عرصہ دراز تک قابل قدر خدمات انجام دیں۔

حمید احمد انصاری نے اپنی دیگر مصروفیات کے باوجود متعدد تصنیف وتالیف

اور تراجم کے کام سر انجام دیئے۔ان کے اہم تراجم درج ذیل ہیں:

۱۔ ترجمہ تاریخ روما مصنف پروفیسر ہیلم
۲۔ ترجمہ توازن قوت مصنف پروفیسر ہیل
۳۔ ترجمہ تاریخ جمہوریہ روما مصنف پروفیسر ہارٹ لیڈ
۴۔ ترجمہ تاریخ یورپ مصنف پروفیسر گرانٹ

مآخذ:

شکریہ خاص، جناب حسن الدین احمد، صدر، اقلیتی کمیشن، آندھرا پردیش، حیدرآباد (بھارت)

۲۔ جناب مصطفیٰ شروانی۔ حمایت نگر، حیدرآباد (بھارت)

نواب حمید اللہ خاں (۱۸۹۴ء۔ ۱۹۶۰ء)

نواب حمید اللہ خاں ۸ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ / ۹ ستمبر ۱۸۹۴ء کو بھوپال میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۰ء میں ایم۔اے او کالج علی گڑھ میں داخل ہوئے جہاں سے ۱۹۱۱ء میں میٹرک اور ۱۹۱۵ء میں بی۔اے کا امتحان کامیاب کیا۔

فرمانروایانِ ہند میں وہ سب سے پہلے گریجویٹ ہوئے۔ سال بھر قانون کی تعلیم بھی حاصل کی۔ ۹ رجون ۱۹۲۶ء کو والدہ حضرت علیا سلطان جہاں بیگم ان کے حق میں دستبردار ہوگئیں اور وہ سریر آرائے ریاست ہوئے۔ اس سے پہلے وہ ۱۹۱۵ء میں بھوپال میونسپل بورڈ کے صدر ۱۹۱۶ء میں ہر ہائینس کے چیف سکریٹری اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ٹرسٹی بھی رہے۔

نواب صاحب نے چیمبرس آف پرنسس کی سیاست میں نمایاں حصّہ لیا۔ وہ ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۱ء تک اس کی اسٹینڈنگ کمیٹی کے رکن رہے۔ وہ لندن میں منعقدہ دو گول میز کانفرنسوں (۱۹۳۱ء۔ ۱۹۳۲ء) کے مندوبین میں سے تھے۔ وہ دو مرتبہ چیمبر آف پرنسیس کے چانسلر منتخب ہوئے پہلی بار ۳۲۔۱۹۳۱ء میں اور دوسری بار ۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۷ء تک چانسلر رہے۔ ان کو بڑا انقلاب آفریں زمانہ ملا۔ آزادی کے وقت قومی رہنماؤں کے بعض اہم فیصلوں اور نازک مرحلوں میں ان کی اصابت رائے کام آئی۔

حکومت برطانیہ کی جانب سے منتقلی اقتدار کے منصوبے پر انھوں نے دیسی ریاستوں کی جانب سے بحیثیت چانسلر مذاکرات شروع کیے وہ چاہتے تھے کہ آزاد ہندوستان میں دیسی ریاستوں کی وہی حیثیت قائم رہے جو انھیں برطانوی عہد میں حاصل تھی لیکن یہ ممکن نہ ہو سکا۔ جب لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے حکومت برطانیہ کے منتقلیِ اقتدار کے منصوبے کا اعلان کیا تو انھوں نے

چانسلر کے عہدہ سے استعفیٰ دیدیا۔ انھوں نے مہاراجہ اندور کے اشتراک سے دلیسی ریاستوں کے انضمام کی تحریک کی بھی سخت مخالفت کی لیکن اس میں بھی انھیں کامیابی نہیں ہوئی۔ اور ۳۰ راپریل ۱۹۴۸ء کو انھوں نے انضمام ریاست کے معاہدے پر دستخط کر دیئے۔

نواب حمیداللہ خاں نہایت بیدار مغز روشن خیال اور علم دوست فرمانروا تھے۔ اپنے دور حکمرانی (۱۷رمئی ۱۹۲۶ء تا ۳۱رمئی ۱۹۴۹ء) میں انھوں نے جدید تقاضوں کے مطابق متعدد آئینی اصلاحات کیں ۱۹۲۷ء میں ریاست میں قانون ساز کونسل قائم کی۔ صنعتی ترقی کی طرف قدم بڑھایا تعلیمی معاملات میں پوری دلچسپی لی۔ ۱۹۴۶ء میں بھوپال میں حمیدیہ ڈگری کالج قائم کیا۔

۱۹۳۰ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے چانسلر منتخب ہوئے اور پانچ سال اس عہدے پر فائز رہے۔ ان کی قدردانی سے جہاں دیوان غالب کا نسخہ حمیدیہ شائع ہوا وہاں انھیں علامہ اقبال کے ممدوح بننے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ انھوں نے حفیظ جالندھری کا وظیفہ مقرر کیا۔ سید افتخار عالم مارہروی کو ڈپٹی نذیر احمد کی سوانح لکھنے کے لیے گراں قدر عطیہ دیا۔ سر راس مسعود کو عہدۂ وزارت اور مولانا سید سلیمان ندوی کو قضائے ریاست پر متمکن کیا۔

نواب صاحب نے جہاں متعدد بار یورپ، ترکی، افغانستان اور دوسرے ممالک کے سفر کیے وہاں دو مرتبہ حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے۔

نواب صاحب نے ۴رفروری ۱۹۶۰ء کو بھوپال میں انتقال کیا۔

مآخذ :

N.K. JAIN MUSLIMS IN INDIA (A BIOGRAPHICAL DICTIONARY) P 192-193

۱. این۔ کے۔ جین، مسلمران انڈیا، اے۔ بایوگرافیکل ڈکشنری،
ص ۱۹۲-۱۹۳)
۲. فکرونظر، ناموران علی گڑھ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، دوسرا کارواں جلد
۲۳، ۱۹۸۶ ص۔۴۳۳۔۴۳۹۔

حمید حسن سیٹھ

حمید حسن سیٹھ نے قانون کی تعلیم حاصل کی اور ایل ایل بی کے امتحان میں کامیابی کے بعد مدراس ہائی کورٹ میں فارسی اور اردو کے ترجمان مقرر ہو گئے۔ تعلیم سے خاص لگاؤ تھا یہ مسلم ایسوسی ایشن مدراس کے سکریٹری تھے اور جماعت جمال محمد کی تعلیمی و مذہبی سرگرمیوں میں ان کے ایک مخلص کارکن اور رفیق بھی تھے۔

اقبال کے سفر مدراس، رہائش اور تقاریر وغیرہ کا پروگرام انھوں نے ترتیب دیا تھا۔

ماخذ:

بصد شکریہ: جناب سلیم تمنائی صاحب، میسور

خاقانی (۵۲۰ - ۵۹۵ھ)

خاقانی کا نام بدیل اور لقب افضل الدین تھا ۵۲۰ ہجری[1] میں بمقام شروان پیدا ہوا۔ اس کا باپ علی ایک بڑھئی تھا۔ خاقانی ابھی بچہ ہی تھا کہ اس کے والد کا انتقال ہوگیا۔ اس کا یہ زمانہ بڑی سنگدستی میں بسر ہوا لیکن اس کے چچا نے اس کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دی، طب، ہیئت الحیات اور عربی زبان کی تحصیل کے ساتھ ساتھ خاقانی نے شعر گوئی بھی شروع کردی تھی اور ابو العلاء گنجوی سے اصلاح لیا کرتا تھا۔ اسی کی وساطت سے وہ خاقان اکبر منوچہر بن فریدون شروان شاہ کے دربار میں پہنچا اسی خاقان کی نسبت سے اس نے پہلا تخلص حقائقی ترک کر کے خاقانی تخلص اختیار کیا۔ دربار میں اسے بڑی قدر و منزلت نصیب ہوئی اور اس نے گراں بہا صلے پائے۔

خاقانی کو سیر و سیاحت کا بڑا شوق تھا لیکن خاقانی اسے اس بات کی اجازت نہ دیتا تھا۔ اس بات کا اظہار اس کے کئی قصیدوں میں ملتا ہے۔ ایک بار سفر کی اجازت ملی تو رے تک پہنچا تھا کہ اسے خراساں پر غز ترکوں کے حملے کی خبر ملی اور وہ واپس آگیا دوسری دفعہ ۵۵۱ ہجری میں خاقانی حج بیت اللہ کے لیے گیا اور اس کی مثنوی ’تحفۃ العراقین‘ اسی حج کے تاثرات پر مبنی ہے اور فارسی میں پہلا منظوم سفرنامہ ہے۔ اسی سفر کے دوران خاقانی نے قدیم ایرانی شہر مدائن کے کھنڈروں سے متاثر ہو کر ’ایوان مدائن‘ کے نام سے نہایت پُر جوش اور پُر درد قصیدہ لکھا جو فارسی شاعری کے شاہکاروں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کا پہلا شعر مشہور ہے

---

[1] ڈاکٹر محمد صدیق شبلی اور ڈاکٹر محمد ریاض نے سال ولادت ۵۱۵ ہجری لکھا ہے۔ (مولف)

ہاں اے دلِ عبرت بیں، از دیدہ نظر کن، ہاں!
ایوانِ مدائن را آئینۂ عبرت داں!
(اے عبرت بیں! آنکھیں کھول اور دیکھ! ایوانِ مدائن عبرت کا آئینہ ہے)

مکّہ سے واپس ہوتے ہوئے جب وہ ۵۵۲ ہجری میں بغداد آیا تو اسے عباسی خلیفہ المقتفی باللہ کے حضور میں پیش کیا گیا۔ خلیفہ نے اس کی بڑی عزت و توقیر کی اور اسے دبیر مقرر کیا لیکن اس نے اس عہدے کو قبول نہیں کیا کہ یہ اہلِ بغداد سے رنجیدہ تھا۔ ۵۶۵ ہجری میں جب اُس کی عمر پچاس سال کی تھی تو درباری ریشہ دوانیوں کی وجہ سے اس کو قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔ قید میں خاقانی نے بڑے پایہ کے قصیدے لکھے۔ خاقانی کی ساری زندگی تلخیوں میں گزری۔ وہ دربار سے مطمئن نہیں تھا لیکن وہ یہاں رہنے پر مجبور تھا۔ اس نے خوارزم شاہیوں کے ہاں جانے کی کوشش کی تو اُن کے درباری شاعر رشید وطواط نے اس کی پیش نہ چلنے دی۔ سلجوقی دربار کی تمنّا کی تو سلجوقیوں کی سلطنت غز ترکوں کے ہاتھوں تباہ ہوگئی۔ شروان میں رہتے ہوئے وہ مختلف بادشاہوں کو قصائد بھیجتا رہا لیکن اُسے اس کی خواہش کے مطابق کوئی ممدوح نہ ملا۔ ۵۷۱ھ میں اس کا جوان بیٹا اس دنیا سے چل بسا۔ پھر اس کی رفیقۂ حیات بھی انتقال کر گئی۔ ان صدمات سے خاقانی گوشہ نشین ہوگیا اور ۵۹۵ھ میں وہ تبریز میں وفات پاگیا۔

خاقانی کا شمار فارسی کے صفِ اول کے شعراء میں ہوتا ہے۔ یہ اپنے قصائد کی وجہ سے مشہور ہے۔ اس کا کمال یہ ہے کہ وہ حکمت عمیق کو شعر کے دلکش پیکر میں بڑی خوبی سے سمو دیتا ہے۔ اس کے کلام میں اس کی علمی فضیلت کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس کی شاعری عام سطح سے بلند اور عام ڈگر سے الگ ہے۔ بعض قصیدے واقعہ نگاری کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ بعض قصیدوں کی تشبیب میں مناظرِ فطرت کو بڑی خوب صورتی سے پیش

کیا ہے۔
خاقانی کو ساری عمر مدح سرائی کرنی پڑی اور اس نے اس کا حق ادا کیا لیکن اس کی طبیعت میں ایک حکیمانہ رجحان بھی موجود تھا۔ قصائد میں وہ کہیں کہیں حکیمانہ باتیں بھی کرتا ہے۔ خاقانی اپنے کلام میں واقعات کی عکاسی بھی بڑے ماہرانہ انداز میں کرتا ہے۔ اس نے چھوٹی بحروں میں بڑے قصیدے لکھے ہیں۔ خاقانی کے کلام پر تصوّف کے بھی گہرے اثرات نظر آتے ہیں۔

مآخذ:

۱۔ شبلی نعمانی۔ شعر العجم، جلد پنجم، ص ۱۱۔۱۴۔
۲۔ ڈاکٹر رضا زادہ شفق۔ تاریخ ادبیات ایران، ص۔ ۲۵۴۔۲۷۶
۳۔ ڈاکٹر محمد صدیق شبلی اور ڈاکٹر محمد ریاض، فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ، ص۔ ۵۴۔۵۶۔

(صلاح الدین) خدابخش (۱۸۷۵ - ۱۹۳۱ء)

صلاح الدین خدا بخش ۱۸۷۵ء میں پٹنہ (صوبۂ بہار) میں پیدا ہوئے۔ یہ خدا بخش خاں (بانیِ کتب خانۂ خدا بخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ) کے بڑے صاحبزادے تھے۔ ان کی تعلیم پٹنہ اور پھر کلکتہ میں ہوئی۔ یہاں کی تعلیم مکمل کرکے وہ آکسفورڈ چلے گئے اور وہاں سے ایم۔اے کی ڈگری اور لندن سے بار ایٹ لا کی سند حاصل کرکے ۱۸۸۹ء میں وطن لوٹے۔ پہلے ڈھاکہ اور اس کے بعد کلکتہ میں وکالت کرنے لگے۔ وہ کلکتہ یونیورسٹی میں تاریخ کے پروفیسر بھی رہے۔ بعد ازاں لا کالج کے پروفیسر اور یونیورسٹی کے فیلو بھی مقرر ہوئے۔ صرف چھیالیس سال کی عمر میں ان کا انتقال کلکتہ میں ۱۹۳۱ء[1] میں ہوگیا۔

صلاح الدین خدا بخش زبردست علمی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ وہ نہ صرف انگریزی زبان پر قدرت رکھتے تھے بلکہ فارسی، عربی، ہندوستانی، جرمن اور قدیم یونانی اور رومی زبانوں سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ انھوں نے دوسری زبانوں سے متعدد کتابوں کے ترجمے کیے ہیں۔ انھوں نے عرب تہذیب و تمدن پر متعدد مستند جرمن تصانیف کے انگریزی میں ترجمے کیے VON KREMER (وون کریمر) اور JOSEF HAIL (جوزف ہیل) کی تصنیف "ISLAMIC CIVILIZATION" کے ان کے انگریزی ترجمے بہت مشہور ہوئے۔

---

[1] تذکرہ ماہ و سال میں تاریخ وفات ۱۹۲۱ لکھی ہے (مولف)

ان کی کل تصانیف و تالیفات انگریزی میں ہیں جن کی تفصیلات حسب ذیل ہیں:

1. RENAISSANCE OF ISLAM
2. HISTORY OF ISLAMIC CIVILIZATION
3. LOVE OFFERING
4. MAXIMA AND REFLECTIONS
5 THE ORIENT UNDER THE CALIPHS
6 RECOLLECTIONS OF WAYFARER
7. ESSAYS INDIAN & ISLAMIC
8. KNOWLEDGE AND SELF-KNOWLEDGE
9 CONTRIBUTIONS TO THE HISTORY OF ISLAMIC CIVILIZATION (2 VOL.)
10. ISLAMIC CIVILIZATION (2 VOL.)
11. POLITICS IN ISLAM
12. THE EDUCATIONAL SYSTEM OF THE MUSLIMS IN THE MIDDLE AGES
13. STUDIES INDIAN AND ISLAMIC

مآخذ:

۱۔ شکریہ خاص: ڈاکٹر عابد رضا بیدار، ڈائرکٹر خدا بخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ۔

۲۔ SACHCHIDANANADA SINHA: KHUDA BUKSH LIBRARY JOURNAL NO.16,1981

۳۔ (سچیدانند سہا، خدا بخش لائبریری جرنل، شمارہ ۱۶۔ ۱۹۸۱ء)

(ڈاکٹر) ذاکر حسین (۱۸۹۷-۱۹۶۷ء)

ڈاکٹر ذاکر حسین خاں ۸ / فروری ۱۸۹۷ء کو حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ جہاں ان کے والد فدا حسین خاں نے فرخ آباد سے ہجرت کرنے کے بعد وکالت کو اپنا پیشہ بنایا تھا۔ ذاکر صاحب کا بچپن حیدر آباد ہی میں گزرا۔ لیکن وہ ریاستی ماحول سے متاثر نہیں ہوئے۔

۱۹۰۷ء میں ان کو تعلیم کے لیے اٹاوہ کے اسلامیہ ہائی اسکول بھیج دیا گیا جہاں سے ۱۹۱۳ء میں انھوں نے میٹرک پاس کیا اور پھر ایم۔ اے۔ او۔ کالج علی گڑھ میں داخل ہوئے ۱۹۱۸ء میں بی۔ اے کے امتحان میں کامیابی کے بعد انھوں نے ایم۔ اے (اقتصادیات) میں داخلہ لیا۔ سال اول مکمل کرنے کے بعد اسی شعبہ میں لیکچرار مقرر ہوئے۔ جب جامعہ ملیہ اسلامیہ قائم ہوئی تو اس کو مستحکم بنیادوں پر چلانے کے لیے ذاکر صاحب نے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ وہ ۱۹۲۲ء میں معاشیات کی اعلیٰ تعلیم کے لیے برلن گئے۔ جہاں سے ۱۹۲۵ء میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ واپسی پر ۱۹۲۶ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شیخ الجامعہ کی حیثیت سے ذمہ داری سنبھالی اور اس عہدے پر ۱۹۴۸ء تک فائز رہے۔

۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کا زمانہ ذاکر صاحب نے بڑی کش مکش میں گزارا۔ وہ ایک مخلص وطن پرست کی طرح ہندوؤں اور مسلمانوں کو سیاست کی جنگ سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات میں بھی انھوں نے مسلمانوں کی حفاظت کے لیے بے انتہا کوشش کی اور وہ ان کو کسی نہ کسی طرح اس امر پر آمادہ کرتے رہے کہ وہ ہندوستان سے ہجرت نہ کریں۔ اسی زمانے میں ان کو آزادی کے بعد پہلی کابینہ میں لیے جانے کی تجویز پیش کی گئی لیکن انھوں نے اسے قومی اور فلاحی

کاموں کے پیش نظر مسترد کر دیا۔

ڈاکٹر ذاکر حسین نے ملک کی جنگ آزادی میں نمایاں حصہ لیا۔ وہ ایک ممتاز ماہر تعلیم تھے۔ انھوں نے ۱۹۳۸ء میں گاندھی جی کے نظریہ تعلیم کو جسے وار دھا اسکیم کہتے ہیں "بنیادی تعلیم" (BASIC EDUCATION) کی شکل دے کر عملی جامہ پہنایا۔ یہ نیا طریقہ تعلیم ابتدا میں بہت مقبول ہوا وہ بیسک ایجوکیشن واردھا کے صدر بھی رہے۔ ۴۹ - ۱۹۴۸ء میں یونیورسٹی ایجوکیشن کمیشن کے ممبر مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۴ء میں وہ انجمن ترقی اردو ہند کے صدر منتخب ہوئے۔ وہ ۱۹۵۲ سے ۱۹۵۶ء تک دو بار راجیہ سبھا کے رکن بھی منتخب ہوئے

ذاکر صاحب ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۶ء تک علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شیخ الجامعہ رہے۔ ۱۹۵۷ء میں گورنر بہار کے عہدے پر مامور کیے گئے اور ۱۹۶۲ء میں وہ نائب صدر جمہوریہ منتخب ہوئے۔ ۱۳ رمئی ۱۹۶۷ء کو جمہوریہ ہند کے صدر کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ وہ ہندوستان کے پہلے مسلم صدر تھے۔ افسوس کہ عمر نے وفا نہ کی اور دو سال بعد ۳ رمئی ۱۹۶۹ء کو اسی عہدہ پر کارگزار رہتے ہوئے انھوں نے سفر آخرت اختیار کیا۔ وہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے احاطہ میں سپرد خاک کیے گئے

ڈاکٹر ذاکر حسین کو ان کی قومی، تعلیمی اور تعمیری خدمات کے اعتراف میں بہت سے اعزازات سے نوازا گیا۔ ۱۹۵۴ء میں حکومت ہند نے ان کو "پدم بھوشن" کا خطاب عطا کیا اور ۱۹۶۲ء میں انھیں ہندوستان کا سب سے بڑا اعزاز "بھارت رتن" ملا۔

ڈاکٹر ذاکر حسین نہ صرف ایک اعلیٰ درجہ کے مصنف اور ادیب تھے بلکہ منفرد اور صاحب طرز انشا پرداز بھی تھے وہ فنون لطیفہ کا ماکرہ اور منفرد ذوق رکھتے تھے۔ تعلیم کی غرض سے جرمنی میں اپنے دوران قیام میں "دیوان غالب" شاندار طریقہ پر کاویانی پریس برلن سے شائع کرایا۔ اسی پریس نے ان کی ایما پر دیوان حکیم اجمل خاں جو شیدا تخلص کرتے تھے شائع کیا۔

انھوں نے فریڈرس لسٹ FREDRICH LIST کی کتاب (معاشیاتِ قومی) NATIONAL ECONOMY افلاطون کی ریاست اور ایڈورڈ کینن (EDWARD CANNON) کی ELEMENTARY POLITICAL ECONOMY (مبادی معاشیات) کے بڑے کامیاب ترجمے کیے۔ انھوں نے "معاشیات مقصد منہاج" بھی تصنیف کی۔ انھوں نے بچوں کے لیے "ابو خاں کی بکری اور چودہ کہانیاں" لکھیں۔ جو آج بھی مقبول ہیں۔

ذاکر صاحب اقبال کی بزرگی اور عظمت کے بے حد مداح تھے۔ ۱۹۳۰ء میں ان کا خیال تھا کہ جرمن یونیورسٹیوں کی طرح جامعہ ملیہ اسلامیہ بھی جشن اقبال FEST کے نام سے ایک تقریب منعقد کرے اور اس سلسلے میں ہندوستان کے تمام اکابر اہل علم کو شرکت کی دعوت دی جائے اور اقبال کی خدمت میں علمی اور فلسفیانہ مقالات کا ایک مجموعہ بطور نذرانہ پیش کیا جائے۔ یہ تجویز ابتدائی مراحل میں تھی کہ ملک سیاسی ہنگاموں کا شکار ہوگیا۔ قانون شکنی اور اس قسم کی دوسری تحریکیں حائل ہوگئیں۔

بعد ازاں ڈاکٹر انصاری اور ذاکر صاحب کی دعوت پر علامہ اقبال نے جامعہ ملیہ اسلامیہ میں غازی رؤف پاشا کے دو توسیعی خطبات کی صدارت کی۔

جب اقبال لاہور واپس جانے لگے تو ذاکر صاحب نے ان سے عرض کیا کہ جامعہ آپ کی مزید توجہ اور التفات کی مستحق ہے۔ اساتذہ اور طلبا آپ کے ارشادات سے مستفیض ہونا چاہتے ہیں۔ یہ ہماری دیرینہ آرزو ہے کہ آپ ان کو اپنے خیالات سے شاد فرمائیں۔ اقبال نے یقین دلایا کہ وہ ہر ممکن طریقہ پر دوبارہ دہلی آنے کی کوشش کریں گے لیکن بعد میں اقبال کی مسلسل بیماری نے اس کا موقع نہ دیا۔

مآخذ:

۱۔ نذر ذاکر مرتبہ مالک رام، دہلی

۲۔ عبدالرؤف عروج، رجالِ اقبال ص ۲۵۸-۲۵۹۔

(سر) ڈینی سن راس (SIR DENISON ROSS)
(۱۸۷۱ - ۱۹۴۰ء)

ایڈورڈ ڈینی سن راس (EDWARD DENISON ROSS) ۶ جون ۱۸۷۱ء کو انگلستان کے شہر سٹبنی (STEPNEY) میں پیدا ہوا۔ یونیورسٹی کالج لندن میں انگریزی اور فرانسیسی زبان و ادب پر لیکچروں میں شرکت کی۔ اسے غیر ملکی زبانیں سیکھنے کا غیر معمولی ملکہ تھا[1] مشہور فرانسیسی عالم ارنسٹ رینان (ERNEST RENAN) اور کھوڈور نولڈیکے (THEODOR NOLDEKE) سے مشرقی زبانوں پر درس لیے اور ساتھ ساتھ جرمن اطالوی اور روسی زبانیں بھی سیکھ لیں۔ جرمنی کی سٹراس برگ (STRASSBURG) یونیورسٹی سے شاہ اسماعیل کی اوائل زندگی پر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اس نے بہت سے ممالک کی سیر و سیاحت بھی کی اور بخارا، سمرقند بھی گیا بعدازاں یونیورسٹی لندن میں فارسی کا پروفیسر مقرر ہوا۔ ۱۹۰۱ء میں لارڈ کرزن وائسرائے ہند کی سفارش پر مدرسہ عالیہ کلکتہ کا پرنسپل مقرر ہوا۔ اور اس عہدہ پر ۱۹۱۱ء تک فائز رہا۔ اسی دوران حکومت ہند نے اس کا تقرر بحیثیت ڈائرکٹر آف ریکارڈز اور اسسٹنٹ سکرٹری محکمۂ تعلیم کر دیا۔ ایک بار سرلن کے دوران سفر میں اسے ترکی مخطوطات پر کام کرنے میں گہری دلچسپی پیدا ہوگئی جو الیگزنڈر دون لاکوق (ALEXANDER VON LE COQ) نے طرفان (TURFAN) کی کھدائی میں دریافت کیے تھے ۱۹۱۴ء میں حکومت

---

[1] کلیات مکاتیب اقبال جلد دوم ص ۸۹۱
[2] ″ ″ ″ ص ۱۰۵۹

برطانیہ نے ڈینی سن راس کی خدمات برٹش میوزیم میں ان مخطوطات کو مرتب کرنے کے لیے حاصل کیں جو سرآورل اسٹائن[1] (SIR AUREL STEIN) نے وسط ایشیا میں کھدائی سے برآمد کیے تھے۔ لیکن پہلی جنگ عظیم کے باعث یہ کام رک گیا اور ڈینی سن راس محکمۂ ڈاک میں سنسر کے کام پر تعینات کر دیا گیا۔ ۱۹۱۶ء میں سکول آف اورنٹیل اینڈ افریکن سٹیڈیز کا ڈائرکٹر اور لندن یونیورسٹی میں فارسی کا پروفیسر مقرر ہوا۔ جہاں سے ۱۹۳۷ء میں مستعفی ہوا۔ ۱۹۱۸ء میں حکومت برطانیہ نے اس کو سر کے خطاب سے نوازا۔

دونوں جنگوں کے درمیان اس کا زیادہ تر وقت امریکہ، ایران، مصر، ناروے اور سویڈن میں مستشرق کی حیثیت سے لیکچر دینے میں صرف ہوا۔ اس نے ۱۹۳۴ء میں ایران میں فردوسی کے ہزار سالہ جشن ولادت میں شرکت کی۔ پھر ترکی زبان سے فارسی اور عربی لفظیات خارج کرنے کے منصوبہ کے سلسلہ میں حکومت ترکی کا مہمان رہا گو وہ اس کو طفلانہ حرکت سمجھتا تھا۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران (۱۹۳۹ء)، سرڈینی سن راس استنبول میں برطانوی سفارت خانہ میں تجارتی منسٹر مقرر کیا گیا اور وہیں ۲۰ ستمبر ۱۹۴۰ء کو اس کا انتقال ہو گیا۔

سرڈینی سن راس مشہور مستشرق تھا۔ اس نے متعدد کتابوں کا ترجمہ کیا مثلاً "تاریخ رشیدی" وغیرہ۔ اس نے عبداللہ محمد بن عمر المکی الاصفی الغ خانی کی "تاریخ گجرات موسوم بہ "ظفر الوالہ بمظفر والہ" کا فارسی مخطوطہ مدرسۂ عالیہ کلکتہ میں دریافت کیا اور اسے ایڈٹ کر کے تین جلدوں میں ۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۸ء کے دوران شائع کیا۔ المکی نے یہ کتاب ظفر خاں کے نام معنون کی تھی جو ۷۰۳ ہجری میں گجرات کا نواب مقرر ہوا تھا اور مظفری خاندان کا بانی تھا۔ ڈینی سن راس نے اس پر ۲۵ برس تک کام

---

[1] کلیات مکاتیب اقبال جلد اوّل ۲۴۷۔

کیا۔ اس کے علاوہ اس نے ۱۹۱۰ء میں بابر اور بیرم خاں کے دواوین بھی ایڈٹ کرکے ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے شائع کیے۔ سر ڈینی سن راس کی خود نوشت سوانح حیات " BOTH ENDS OF THE CANDLE " پس از مرگ ۱۹۴۳ء میں لندن سے شائع ہوئی۔

جب ۱۹۳۱ء میں علامہ اقبال گول میز کانفرنس میں شرکت کی خاطر لندن گئے تو ۱۳ اور ۱۴ اکتوبر کو سر ڈینی سن راس نے ان سے ملاقات کی جو ایک ہفتہ بعد اسلامیات پر لیکچر دینے کے لیے امریکہ جانے والا تھا۔ اس نے دونوں دن علامہ سے اسلام پر طویل گفتگو کی۔

مآخذ:

۱ ڈکشنری آف نیشنل بایو گرافی جلد دوم کمپکٹ ایڈیشن، آکسفورڈ یونیورسٹی

۲ پریس، ۱۹۷۵ء، ص۔ ۲۸۶۴

۲۔ مالک رام، حواشی عیار خاطر، ساہتیہ اکیڈمی، دہلی، تیسرا ایڈیشن، ۱۹۹۱ء ص۔ ۳۷۷۔

۳ محمد حمزہ فاروقی، سفرنامۂ اقبال، المحراب پرنٹرز، پاکستان چوک، کراچی طبع اوّل ۱۹۷۷، طبع ثانی ۱۹۸۹ء، ص ۵۱، ۵۲، ۶۰

(سردار محمد) رب نواز خاں (۱۸۹۲-۱۹۶۰ء)

سردار محمد رب نواز خاں وہوا، ضلع ڈیرہ غازی خاں میں ۸ / فروری ۱۸۹۲ء کو پیدا ہوئے۔ تعلیم گھر پر حاصل کی۔ درآنی ٹھالون کے کھارن قبیلے کے تمن دار (سردار) آنریری مجسٹریٹ درجہ اول، وائسرے کی دربار اور امپیریل بلوچی جرگہ کے ممبر تھے۔ ان کا پیشہ زمینداری تھا۔

انھیں عربی اور فارسی پر اچھی دسترس حاصل تھی۔ انگریزی زبان سے معمولی واقفیت تھی۔ علامہ اقبال سے بے حد عقیدت رکھتے تھے۔ معلوم نہیں تعلقات کا آغاز کب اور کیسے ہوا لیکن مراسم ایک بار قائم ہو گئے تو بتدریج مستحکم ہوتے گئے۔ جب کبھی لاہور آتے تو لازماً علامہ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ سردار کریم نواز کے بقول:

> "علامہ کے کلام کے حافظ تھے۔۔۔ سردیوں کے موسم میں گھر پر الاؤ کے گرد بیٹھے علامہ کا کلام سب گھر والوں کو سناتے۔"

سردار محمد سعد اللہ خاں کے الفاظ ہیں:

> "کوئی دن ایسا مشکل ہو گا جب ان کی محفل میں علامہ کا ذکر نہ ہوا ہو علامہ کے اشعار کی قرآن اور حدیث سے تطبیق ان کا خاص کمال تھا۔"

۱۷/ اگست ۱۹۶۰ء کو اپنے آبائی گاؤں وہوا میں انتقال کیا۔

ماخذ:

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی۔ خطوط اقبال، ص۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔

چودھری رحمت علی (۱۸۹۷ - ۱۹۵۰ء)

چودھری رحمت علی بانی حال پاکستان تھے۔ وہ ۱۶ ر نومبر ۱۸۹۷ء[1] میں ضلع ہوشیار پور کے ایک قصبہ بالاجھور میں پیدا ہوئے۔ اینگلو سنسکرت ہائی اسکول جالندھر سے میٹرک کرنے کے بعد وہ لاہور آئے اور یہاں ۱۹۱۴ء میں اسلامیہ کالج میں داخلہ لیا۔ داخلے کے فوری بعد "بزم شبلی" قائم کی۔

۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۳ء تک ایچی سن چیفس کالج لاہور میں ٹیوٹر (TUTOR) رہے۔ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۳۰ء تک دوست محمد خاں مزاری کے قانونی مشیر اور پرائیویٹ سکریٹری کی حیثیت سے کام کیا۔

۱۹۳۰ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے۔ ۱۹۳۲ء میں کیمبرج سے گریجویٹ ہوئے اور ۱۹۴۳ء میں بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۵۱ء تک ان کا قیام کیمبرج میں ہی رہا۔

جن دنوں چودھری صاحب کیمبرج اور ڈبلن میں تعلیم پا رہے تھے اقبال سے لندن میں کئی مرتبہ ان کی ملاقات ہوئی۔ اقبال جب کبھی گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن آتے ان سے ضرور ملاقات کرتے تھے۔

چودھری صاحب نے ۲۸ جنوری ۱۹۳۳ء کو تیسری گول میز کانفرنس کے

---

[1] "رجال اقبال" میں سنہ پیدائش ۱۸۹۳ء دیا ہے۔ ہم نے کے کے عزیز کی کتاب "تذکرۂ ماہ و سال" اور مالک رام صاحب کی تصنیف پر بھروسہ کیا ہے۔

"تذکرہ ماہ و سال" اور "رجال اقبال" میں مقام کا نام "موہر" (تحصیل گڑھ شنکر ضلع ہوشیار پور) درج ہے۔ (مولف)

موقع پر اپنا تاریخی پمفلٹ، "NOW OR NEVER" (اب یا کبھی نہیں) شائع کیا۔ اس پمفلٹ پر ان کے نام کے ساتھ "بانی پاکستان نیشنل موومینٹ" کے الفاظ لکھے ہوئے تھے۔ اس میں انھوں نے کہا تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی سیاسی جماعتوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ تمام صوبوں کی ایک وفاقی حکومت قبول نہ کریں کیونکہ اس سے مسلمان مستقل طور پر غیر مسلم اکثریت کے محکوم بن جائیں گے وفاقی حکومت کی جگہ انھوں نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ پنجاب، سرحد، سندھ بلوچستان اور کشمیر پر مشتمل ایک علیحدہ آزاد مملکت بنائی جائے اور اس کا نام پاکستان رکھا جائے۔ اس پمفلٹ میں انھوں نے مسلم لیگ کے بعض رہنماؤں پر سخت نکتہ چینی کی تھی اور کہا تھا کہ انھوں نے گول میز کانفرنس میں وفاق کا اصول تسلیم کر کے مسلمانوں کے لیے مستقل غلامی مول لے لی ہے۔ جب ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ نے قرارداد لاہور منظور کی تو چودھری صاحب نے "ملّت اسلامیہ اور ہندوستانیت کو خطرہ" کے عنوان سے ایک اور کتابچہ لکھا جس میں تجویز پیش کی کہ مسلمانوں کی تین اسلامی مملکتیں قائم کی جائیں۔ جب ۱۹۴۶ء میں قیام پاکستان کی جدوجہد آخری مراحل میں داخل ہو چکی تھی تو چودھری صاحب نے "پاکستان" کے نام سے ایک اور کتاب لکھی اور اس میں پاکستان کی وجہ تسمیہ پر پوری تفصیل کے ساتھ اپنے خیالات پیش کیے۔ جب پاکستان بن گیا اور چودھری صاحب بڑی خواہشوں اور آرزوؤں کے ساتھ لندن سے لاہور پہنچے تو ابنائے قوم نے ان کے ساتھ بڑی سرد مہری کا برتاؤ کیا اور لفظ "پاکستان" کے خالق اور پاکستانی قومی تحریک کے بانی سے کسی نے یہ پوچھنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ پاکستان میں ان کا کیا حصہ ہے؟ اس بے اعتنائی سے ان کو سخت صدمہ پہنچا اور چھ ماہ کے بعد ہی انگلستان لوٹ گئے۔ اس کے بعد انھوں نے لندن میں انتہائی کرب ناک زندگی گزاری اور ۱۲ رفروری ۱۹۵۰ء کو غریب الوطنی میں وہ کیمبرج میں انتقال کر گئے ان کے جسدِ خاکی کو کیمبرج یونیورسٹی

کے احاطہ میں بطور امانت دفن کیا گیا اور اب تک کسی کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ ان کے تابوت کو پاکستان لے آئے ۔

مآخذ ۔

K. K. AZIZ, A HISTORY OF IDEA OF PAKISTAN, VOL IV, LAHORE, 1987, pp 846-847

۱ کے کے عزیز۔ اے ہسٹری آف آئیڈیا آف پاکستان، جلد چہارم، لاہور ۱۹۸۷ء ص ۸۴۶ ۸۴۷ ۔

۲ عبدالرؤف عروج ۔ رجال اقبال، ص ۲۴۸ - ۲۴۹ ۔

سر رحیم بخش

سر رحیم بخش مدتوں پنجاب قانون ساز کونسل کے رکن رہے۔ اول ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۰ء تک انبالہ ڈویژن جنوب مشرقی حلقہ سے اور بعد میں ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۶ء تک پنجاب کی ریاستوں کے نمائندہ کی حیثیت سے نامزد ہوئے۔ بعدازاں وہ نواب صاحب بہاولپور کی حکومت میں ملازم ہو گئے اور وزیر اعظم کے عہدہ تک انھوں نے ترقی کی

ماٰخذ:

SYED NOOR AHMAD, FROM MARTIAL LAW TO MARTIAL LAW, POLITICS IN THE PUNJAB, 1919-1958, AMERICA, 1985, P 182

(سید نور احمد، مارشل لا ٹو مارشل لا، پالٹیکس ان دی پنجاب ۱۹۱۹ء۔ ۱۹۵۸ء، امریکہ، ۱۹۸۵ء ص ۱۸۲)

رند لکھنوی (۱۲۱۲ھ۔ ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۷ء)

سید محمد خاں نام اور رند تخلص تھا۔ یہ نواب نجف خاں کے نواسے تھے اور نواب سراج الدولہ غیاث محمد خاں نصرت جنگ بہادر کے بیٹے تھے۔ نواب سعادت خاں برہان الملک صوبہ دار اودھ کے بھانجے تھے۔

نواب آصف الدولہ کے عہد میں ۱۱ ربیع الاول ۱۲۱۲ھ فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ اپنی ولادت کی تاریخ خود رند نے کہی:

میں روز و ماہ و سال اپنے تولّد کا بتاتا ہوں
وہ رکھیں یاد تخصیصات جن لوگوں کی عادت ہے
یہ تھے بارہ سو بارہ جمعہ کا دن تھا
ربیع الاول کی گیارھویں روز ولادت ہے

فیض آباد کے قیام کے زمانے میں وفا تخلص کرتے تھے اور خلیق (والد میر انیس) سے اصلاح لیتے تھے۔

۱۸۲۴ء میں فیض آباد سے لکھنؤ آ گئے اور یہاں آتش کی شاگردی اختیار کی اور وفا چھوڑ کر رند تخلص اختیار کیا۔

رند کی صحیح تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی۔ مختلف تذکرہ نگار اس پر متفق ہیں کہ رند بسلسلہ حج و زیارت ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۷ء لکھنؤ سے روانہ ہوئے۔ ابھی بمبئی پہنچے تھے کہ ملک میں انتشار پیدا ہو گیا۔ وہ آگے نہ جا سکے۔ بمبئی میں کسی مہلک مرض میں انتقال ہوا۔

رند نے ایک کلیات چھوڑا۔ اس میں دو دیوان ہیں۔ ایک دیوان "گلدستۂ عشق" ہے جو غالباً انھوں نے اپنی زندگی میں مرتب کیا تھا۔ دوسرا ان کی وفات کے بعد مرتب ہوا۔

کلیات میں غزلیات کے ساتھ ساتھ رباعی، قصیدہ، مثنوی، واسوخت، مخمس، مسدس وغیرہ بھی ہیں۔

شاعری کے بارے میں خم خانۂ جاوید میں لکھا ہے:

"محاورات، روزمرہ، شوخی وطراری، فصاحت وسادگی، تاثیر ومعنی کے جوہر قسّام ازل نے رند میں خاص طور پر ودیعت کیے تھے۔ معاملات راز و نیاز میں کوئی حگ بیتی کہتا ہے رند آپ بیتی کہتا ہے۔"

رند ایک نوجوان حسین، عاشق مزاج اور دولت مند رئیس زادے تھے۔ دربار اودھ کے عیش وعشرت کا بھرپور لطف اٹھاتے تھے۔ مگر تمام تذکرہ نویس متفق ہیں کہ آخر عمر میں تائب ہو گئے تھے۔ نیز شاعری بھی ترک کر دی تھی۔

ماخذ:

ڈاکٹر شاہ عبدالسلام۔ دبستان آتش، مکتبہ جامعہ، دہلی ۷۷ ۱۹ء

(جون سیسل) روڈز (JOHN CECIL RHODES)

(۱۸۵۳ ـ ۱۹۰۲ء)

جون سیسل روڈز ہرٹ فورڈ شایر (HERTFORDSHIRE) کے علاقہ میں
بشپس اسٹورٹ فورڈ (BISHOP'S STORTFORD) کے مقام پر ۵ جولائی ۱۸۵۳ء
کو پیدا ہوا۔ بچپن میں یہ اپنی ماں کے پاس جنوبی افریقہ چلا گیا۔ ۱۸۷۳ء سے ۱۸۸۱ء
کے درمیان جب اس نے بی۔ اے پاس کیا تو اس کا وقت آکسفورڈ میں تعلیم اور
جنوبی افریقہ کے کمبرلے (KIMBERLEY) میں ہیرے نکالنے کے کام کے درمیان
گزرا تھا۔ رفتہ رفتہ دنیا کی سب سے بڑی ہیرے نکالنے کی صنعت پر اس کا
قبضہ ہو گیا اور ٹرانسوال میں سونے کی کانوں میں بھی اس نے حصے خرید لیے۔ سلطنت
برطانیہ کو توسیع دینے کے خاطر اس نے سیاست کے میدان میں قدم رکھا۔ ۱۸۸۱ء
میں کیپ کالونی (CAPE COLONY) کی پارلیمنٹ کا ممبر منتخب ہوا۔ ۱۸۹۰ء
میں کیپ کالونی کا وزیر اعظم مقرر ہوا اور مشونا لینڈ (MASHONALAND)
اور ماتابیل لینڈ (MATABELELAND) کے حصوں کی خریداری کے نتیجہ میں
شمال میں سلطنت برطانیہ کی توسیع میں کامیاب ہوا۔ بالآخر یہ خطّہ اس کے اعزاز
میں روڈیشیا (RHODESIA) کے نام سے مشہور ہوا۔

۱۸۹۵ء میں بوئروں (BOERS) کے زیر اقتدار ٹرانسوال میں وزیر اعلیٰ
پال کروگر (PAUL KRUGER) کی حکومت کا تختہ پلٹنے کی سازش میں یہ بھی ملوث
ہوا۔ ۱۸۹۶ء میں اسے اپنے عہدہ سے استعفیٰ دینے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس کے
آخری سال سیاسی رفیقوں کی بدگمانیوں اور ذاتی رسوائیوں کی وجہ سے نہایت
دردناک گزرے۔

۲۶ مارچ ۱۹۰۲ء کو میوزن برگ (MUIZENBERG) (کیپ کالونی) میں

اس کا انتقال ہوا۔

روڈز کی شہرت جنوبی افریقہ میں ماہر مالیات، سیاست داں اور سلطنت برطانیہ کے معمار کی حیثیت سے ہوئی۔ آکسفورڈ یونیورسٹی میں قائم کردہ روڈز اسکالرشپ کی وجہ سے اس کا نام سدا یاد رہے گا۔ جس کے لیے اس نے ایک لاکھ پاؤنڈ کی خطیر رقم چھوڑی تھی۔ دو نو آبادیات شمالی روڈیشیا (اب زامبیا (A RIA) اور جنوبی روڈیشیا (اب اس کا نام زمبابوے (ZIMBABWE) ہے) اس کے نام پر کہلائیں۔

ماخذ:

دائرۃ المعارف برطانیکا (مائکرو پیڈیا ریڈی ریفرنس) جلد ۸، ص ۵۵۳۔

غازی رؤف پاشا (۱۸۷۱۔۱۹۶۰ء)

غازی رؤف پاشا ترکی کے مشہور سیاستداں اور دنیائے اسلام کے ایک بطل جلیل گزرے ہیں۔ انھوں نے ترکی کے عوام کو پہلی مرتبہ جمہوریت کی قدر و قیمت سے آگاہ کیا تھا اور ری پبلکن پروگریسو پارٹی REPUBLICAN PROGRESSIVE PARTY کی بنیاد رکھی تھی۔ وہ ۱۸۷۱ء میں بمقام استنبول پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد محمد مظہر پاشا کا عثمانی بحریہ سے تعلق تھا۔ چنانچہ رؤف پاشا کو بھی بحریہ کی تربیت دی گئی اس سے فراغت کے بعد وہ جہاز "حمیدیہ" پر مامور ہوئے۔ جب اطالیہ نے طرابلس پر حملہ کیا تو سامان رسد پہنچانے کے لیے انھوں نے کچھ دنوں مصر میں قیام کیا اور اطالیہ کی ناکہ بندی کے باوجود اپنے فرائض بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیئے۔ جب جنگ بلقان چھڑی تو ان کو "حمیدیہ" کا سالار مقرر کیا گیا۔ انھوں نے اس عہدہ پر فائز ہونے کے بعد کمتر وسائل ہونے کے باوجود یونانی بیڑے پر تباہ کن حملہ کیا۔ اور اس کو درۂ دانیال سے فرار ہونے پر مجبور کیا۔ اس کارنامے پر ان کو ایک اور جہاز "عثمان اوّل" کی کمان سپرد کی گئی وہ قسطنطنیہ پر اتحادیوں کے قبضے کے باوجود وہاں سے نکل کر انگورہ پہنچے اور مجلس ملّیہ کی وزارتِ عظمیٰ کا منصب سنبھالا۔ ۲۵ نومبر ۱۹۲۱ء کو ان کو پاشا کا خطاب دیا گیا۔

ترکی کی قومی حکومت کے قیام کے بعد مصطفیٰ کمال پاشا سے ان کا اختلاف ہوگیا وہ اور ان کے تمام ساتھی جلاوطن کر دیئے گئے۔ انھوں نے ۱۹۲۴ء میں ملک چھوڑ کر فرانس میں سکونت اختیار کرلی۔ ۱۹۳۱ء میں جب گول میز کانفرنس کے سلسلے میں اقبال کا قیام لندن میں تھا غازی رؤف پاشا بھی لندن آئے ہوئے تھے وہ ترکی سے متعلق بعض نادر کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہتے تھے تاکہ تجربات ترکی

سے متعلق کوئی کتاب لکھ سکیں۔ انھوں نے اقبال سے بھی ملاقات کی اور بڑی دیر تک ترکی کی سیاست اور مسائل پر تبادلۂ خیال کیا۔ انھوں نے اقبال کو بتایا کہ جدید ترکی میں مصطفےٰ کمال پاشا کی اصلاحات کے خلاف شدید ردّ عمل پایا جاتا ہے عوام نے ان کی مذہبی اصلاحات کو قبول نہیں کیا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں کسی قسم کے اظہار کی جرأت نہیں پاتے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ مصطفےٰ کمال پاشا کی حکومت نے عوام پر بے پناہ جبر و تشدد کیا ہے جس کے نتیجے میں جدوجہد آزادی میں شریک بہت سے رہنما جلا وطن کر دیے گئے ہیں۔ اور بہت سوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے توسیعی خطبات کے سلسلے کا آغاز کرنے کے لیے غازی رؤف پاشا کو مدعو کیا تو ۱۸ رمارچ ۱۹۳۴ء کو غازی رؤف پاشا کے دو خطبوں کی صدارت علامہ اقبال نے کی۔ غازی رؤف پاشا نے اپنا خطبہ پڑھا بعدازاں علامہ اقبال نے بحیثیت صدر جلسہ انگریزی میں ایک طویل تقریر کی جس میں انھوں نے عالم اسلام کے اتحاد پر زور دیا۔

جب غازی رؤف پاشا ہندوستان کی ساحت کے بعد فرانس پہنچے تو ان کو مصطفےٰ کمال پاشا نے وطن آنے کی دعوت دی۔ جب وہ وطن پہنچے تو ان کو وزارتِ بحریہ کا نگراں مقرر کیا گیا۔ انھوں نے کچھ دنوں اس عہدے پر فائز رہنے کے بعد خرابیِ صحت کی بنا پر کنارہ کشی اختیار کر لی۔ بالآخر طویل بیماری کے بعد ۱۹۶۰ء کو انتقال کیا۔

مآخذ:

۱۔ عبدالرؤف عروج۔ رجال اقبال، ص۔ ۲۵۶۔۲۵۷

۲۔ ڈاکٹر جاوید اقبال۔ زندہ رود، جلد سوم، ص۔ ۵۰۵

علم الدین سالک (۱۹۰۰ - ۱۹۷۳ء)

مولانا علم الدین سالک ماعا یورہ (لاہور) کے فرنٹ سنی سلامت پورہ میں یکم جنوری ۱۹ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مروجہ دستور کے مطابق قریب کی مسجد میں حاصل کی۔ ۱۹۱۶ء میں میٹرک پاس کیا۔ پھر پہلے ایف۔ سی کالج میں داخل ہوئے بعد ازاں دیال سنگھ کالج میں آ گئے جہاں ۱۹۲۰ء تک طالب علم رہے۔ یہ ہنگاموں کا زمانہ تھا۔ چنانچہ جب کانگریس نے عدم تعاون کی تحریک چلائی تو انھوں نے اپنی تعلیم کو خیر باد کہہ کر پُرجوش طریقہ سے اس تحریک میں حصہ لیا۔ جب تحریک ختم ہوئی تو اپنی ادھوری تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے اور ۱۹۲۲ء تک مولوی فاضل، منشی فاضل اور ادیب فاضل کے امتحانات پاس کر لیے اور پھر تحریک خلافت کے خاتمے پر ۱۹۲۴ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کر لیا

پہلے انھوں نے کچھ عرصے ریلوے میں ملازمت کی۔ بعد میں ۱۹۲۵ء میں دیو سماج کالج میں لیکچرار ہو گئے۔ اسی دوران انھوں نے ۱۹۲۹ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے پرائیوٹ طور پر فارسی میں ایم۔ اے کر لیا اور اسلامیہ کالج میں فارسی کے پروفیسر مقرر ہو گئے

۱۹۲۲ء میں سالک صاحب نے مشرقی علوم کی ترویج و اشاعت کے لیے ایک ادارہ "دارالعلوم السنہ شرقیہ" کے نام سے قائم کیا جس کے بانی اور اعزازی پرنسپل کی حیثیت سے ۱۹۲۹ء تک فرائض سرانجام دیے۔

سالک صاحب ایک مخلص اور جفاکش استاد تھے ۱۹۳۰ء سے ۱۹۵۸ء تک پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج میں ایم۔ اے فارسی کلاسوں کو پڑھایا۔ پنجاب یونیورسٹی میں بھی ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۵ء تک ایم۔ اے کی کلاس کو پڑھاتے رہے۔ جب یونیورسٹی میں ایم۔ اے علوم اسلامیہ کا آغاز ہوا تو سالک صاحب نے یہاں بھی تدریسی فرائض انجام دیے۔

۱۹۶۷ء میں سالک صاحب اسلامیہ کالج سے بطور وائس پرنسپل ریٹائر ہوئے لیکن ۱۹۷۱ء میں پھر اسلامیہ کالج لاہور کینٹ میں پرنسپل ہو گئے۔ بالآخر انھوں نے ۲۷ جولائی ۱۹۷۳ء

کو استقبال کیا۔

سالک صاحب بیک وقت شاعر، ادیب، معلم، محقق، مورخ، ڈرامہ نویس معتبر سیاست داں اور ماہر تعلیم تھے۔ وہ علامہ اقبال کے ایک سیاسی رمو اور بے لوث کارکن تھے۔ انھوں نے ۱۹۲۱ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک بڑے جوش و جذبہ کے ساتھ اور نام و نمود اور صلہ و ستائش سے بے نیاز ہو کر تحریک آزادیٔ کشمیر کا ہر مرحلہ پر ساتھ دیا اور اس تحریک کے دستۂ ہراول کے سالار اول تھے ان کی خدمات کے اعتراف کے طور پر علامہ اقبال نے انھیں "اعزازی کشمیری" اور "اعزاز کشمیر" کے القابات سے نوازا تھا جب علامہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر تھے تو انھیں مولانا سالک پر اس قدر اعتماد تھا کہ وہ کشمیر کے بارے میں کوئی بیان جاری کرنے سے پہلے مولانا سے تبادلۂ خیال ضروری سمجھتے تھے۔

سالک صاحب کا بے شمار مطبوعہ کام نصف صدی سے زائد کی مدت میں (۱۹۰۲ء تا ۱۹۷۳ء) شائع ہونے والے جرائد و رسائل میں بکھرا پڑا ہے ان کی کم و بیش بارہ سو نگارشات طبع ہوئیں۔ ان کے رشحات قلمی کے بیشتر موضوعات فارسی اور اردو ادب تعلیم اور تہذیب و ثقافت ہیں ان میں سے ایک بڑی تعداد تاریخی مضامین اور مقالات کی ہے۔ خدا کرے کہ یہ سارا علمی اور تحقیقی مواد یکجا ہو کر محفوظ ہو جائے۔

ماخذ:

ڈاکٹر علی محمد خان، "ماہ نو" جلد نمبر ۴۵ شمارہ ۹ صفحہ ۲۷-۳۴۔

(میجر) سعید محمد خاں

سعید محمد خاں خورجہ (یوپی) کے رہنے والے تھے۔ وہاں کے ایک معزز پٹھان خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ ایم۔اے۔او، کالج علی گڑھ کے نامور طلبا میں سے تھے۔ جب نواب حمید اللہ خاں ایم۔اے۔او کالج میں زیرِ تعلیم تھے اسی زمانے سے سعید محمد خاں کا نواب صاحب سے خصوصی تعلق تھا۔ وہ مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی کے دوستوں میں سے تھے۔ آزادیِ ہند کے بہت خواہاں تھے۔ نواب صاحب نے انھیں کسٹم اور اکسٹرا کمشنر مقرر کیا تھا۔ وہ بڑے نامی افسر تھے اور اپنی ایمانداری اور لیاقت کے لیے مشہور تھے۔ ریاست بھوپال سے پینشن حاصل کر کے خورجہ واپس چلے گئے تھے۔

ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے نواب صاحب نے ان کو آنریری میجر کے فوجی خطاب سے سرفراز فرمایا تھا۔

مآخذ:

بصد شکریہ: جناب ممنون حسن خاں صاحب، بھوپال،

سعید نفیسی (۱۸۹۶ - ۱۹۶۴ء)

سعید نفیسی کا شمار ایران کے اس عہد کے ممتاز علما میں ہوتا ہے۔ ان کے والد ڈاکٹر علی اکبر نفیسی ناظم الاطبا اپنے زمانے کے مشہور طبیب تھے۔ سعید نفیسی ۸ جولائی ۱۸۹۶ء کو تہران میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم مدرسہ شرف اور ثانوی تعلیم مدرسہ علیہ تہران میں حاصل کر کے سوئٹزرلینڈ چلے گئے کہ ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کریں۔ ایک سال بعد گھر والوں نے رائے بدل دی اور یہ ادب کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے فرانس بھیج دیے گئے۔ وطن واپس آکر ان کو تہران کے کالجوں خصوصاً سینٹ لوئس کالج میں فرانسیسی زبان پڑھانے کا فریضہ سونپا گیا۔ ۱۹۱۹ - ۱۹۲۰ء میں ان کو وزارت فلاحت و تجارت کے ترجمان مجلہ کی ادارت سپرد کی گئی۔ جلد ہی ان کی علمی لیاقت کی بنا پر ان کو ادارہ فلاحت کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ دو سال بعد ادارۂ امتیازات LICENSE DEPARTMENT کے سربراہ مقرر ہوئے۔ بعد میں ادارۂ پرسنل کا چارج سنبھالا اور چند ماہ بعد وزارت خارجہ کے کالج "مدرسہ عالیہ تجارت" کے سربراہ کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ بعد ازاں اسی وزارت کے تحت مدرسہ علوم سیاسی میں تاریخ اور مدرسہ دار التصوف میں ادبیات کا درس دینے پر مامور ہوئے۔ پھر تہران یونیورسٹی میں اول دانش کدۂ حقوق FACULTY OF LAW اور بعد میں دانش کدہ ادبیات میں استاد کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ جہاں وہ اپنی سبکدوشی تک رہے۔

اب ان کا سارا وقت درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزرنے لگا۔ علمی مذاکروں میں شرکت کے لیے روس، افغانستان، ہندوستان، مصر، فرانس، انگلستان امریکہ اور متعدد بیرونی ممالک کا سفر کیا۔ سعید نفیسی کو ہندوستان آنے کا دو بار موقع ملا اور یہاں کی بارہ یونیورسٹیوں بہ شمول مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے مہمان رہے۔

دوسری بار صرف مسلم یونیورسٹی میں ادارۂ علوم اسلامیہ میں دو برس تک کام کیا۔
وہ صاحبِ تصانیفِ کثیر تھے۔ انھوں نے متعدد قدیم فارسی شعراء کے دواوین مرتّب کرکے شائع کیے۔ "تاریخ نظم ونثر در ایران و در زبان فارسی" (تہران ۱۳۴۴ش) "سرچشمۂ تصوّف در ایران" (تہران ۱۳۴۶ ش) ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ "تاریخ معاصر ایران" ان کی آخری کتاب ہے جو ان کی وفات کے بعد تہران سے شائع ہوئی۔
ستّر سال کی عمر میں ۱۹۶۴ء کے لگ بھگ تہران میں وہ وفات پا گئے۔

مآخذ:

۱۔ ڈاکٹر کبیر احمد جائسی، مجلہ "علوم اسلامیہ" علی گڑھ جلد ۱۳، شمارہ ۱، ۲ ص ۵۴، ۵۹، ۶۳، ۶۵، ۶۸۔

(خواجہ) سلیمان تونسوی (۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء-۱۲۶۷ھ/۱۸۵۱ء)

حضرت شاہ نور محمد مہاروی کے خلیفہ و جانشین اور حضرت خواجہ نور محمد مہاروی حضرت مولانا فخرالدین محبّ النبی کے جانشین تھے۔ مولانا فخرالدین صاحب چشتیہ نظامیہ سلسلے کے مجدّد کہلاتے ہیں۔

حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان کی ولادت غالباً ۱۱۸۴ھ میں بمقام گرکوچی ہوئی۔ ملّا یوسف جعفر سے قرآن مجید کے پندرہ پارے پڑھے بعدازاں میاں حسن علی سے تعلیم حاصل کی اور قرآن مجید مکمل کیا۔ اور پند نامہ، گلستان و بوستاں وغیرہ بھی ان سے پڑھیں۔ پھر لانگہ میں مولوی ولی محمد سے فارسی درسیات کی تکمیل کی۔ قاضی محمد عاقل صاحب کے مدرسہ (کوٹ مٹھن) میں کتب درسیہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

انھیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ اپنے ہونے والے پیر حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کے پاس اس نیّت سے گئے تھے کہ انھیں بقول خود غیر شرعی کاموں جیسے سماع وغیرہ سے روکیں گے۔ مگر انھیں یہ خبر نہ تھی کہ حضرت خواجہ اپنے پیر مولانا فخرالدین کی ایک پیش گوئی اور ایک حکم کی تعمیل کرنے کے لیے خود خواجہ سلیمان کو تلاش کر رہے ہیں اور ہر سال شمالی پہاڑوں کے دامن میں کچھ وقت گزارتے ہیں۔ مولانا فخرالدین نے ان سے فرمایا تھا کہ شمالی پہاڑوں سے ایک شاہیں اترنے والا ہے جس طرح بھی بن پڑے اس کو گرفتار کرو اور سلسلے کے کاموں میں لگاؤ۔ وہی چشتیہ نظامیہ سلسلے کی نعمت کا وارث بنے گا۔

حضرت خواجہ نور محمد نے جیسے ہی خواجہ سلیمان کو دیکھا جو اس وقت بہت کم عمر یعنی تقریباً پندرہ سولہ سال کے تھے فوراً پہچان لیا کہ یہی شہباز ہے جس کی

آمد کی پیش گوئی ان کے پیر حضرت مولانا فخرالدین فرما چکے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے خواجہ سلیمان پر ایسی نظر توجہ ڈالی کہ یہ نوجوان بھول گیا کہ وہ خواجہ نور محمد کو بقول خود غیر شرعی کاموں سے روکنے آیا ہے۔ خواجہ سلیمان حضرت خواجہ نور محمد کے مرید ہوگئے اور تکمیل سلوک کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔

حضرت شاہ سلیمان کو مولانا فخرالدین کی پیش گوئی کی وجہ سے "شاہ باز" بھی کہا جاتا ہے۔ کچھ عجیب نہیں کہ اقبال کے ہاں شاہین کی اصطلاح اور تصور خواجہ سلیمان تونسوی کی شخصیت ہی سے آیا ہو۔ حضرت خواجہ سلیمان سے پہلے چشتیہ سلسلے کے ایک اور بڑے بزرگ حضرت خواجہ سید گیسو دراز بندہ نواز کو بھی "بلند پرواز" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

(ماخوذ از مناقب المحبوبین)

حضرت شاہ سلیمان نے مدارس کا اجرا کیا۔ اور خود بھی درس دینے لگے قرآن و حدیث اور فقہ پر مکمل عبور تھا۔ "خاتم سلیمانی" ان کی علمی دینی ارشادات کا مجموعہ ہے۔ ساری زندگی فارغ البالی سے محرومی رہی۔ جو فتوحات بھی آتی تھیں تقسیم فرما دیتے تھے ان کا لنگر بھی بہت وسیع تھا جس سے زیادہ تر علماء اور مدرسین کی کفالت ہوتی تھی۔

ان کا وصال ۷ صفر ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۱ء کو ہوا۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے حضرت سلیمان تونسوی کے بارے میں لکھا ہے:

> "پنجاب میں حضرت شاہ فخرالدین صاحب کا فیض اور چشتیہ نظامیہ سلسلے کا نام شاہ نور محمد مہاروی کے ذریعہ پہنچا اور شاہ سلیمان تونسوی کے ذریعہ اس کی تکمیل ہوئی۔ شاہ سلیمان بڑے برگزیدہ بزرگ تھے۔ ان کے ارشادات و تلقین سے پنجاب اور افغانستان کے ہزاروں گمراہان بادیہ خیالات نے ہدایت پائی۔ ان کے خلفاء

ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئے ۔ اور رشد و ہدایت کے وہ چراغ روشن کیے کہ ایک بار پھر صوفیائے متقدمین کی خانقاہوں کے نقشے آنکھوں کے سامنے پھر گئے۔ وہ سلسلۂ نظامیہ کے آخری بزرگ تھے"!

مآخذ :

۱۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی تاریخ مشائخ چشت، جلد اول
شکریہ خاص

۲ (الف) جناب مسلم احمد نظامی صاحب، دہلی۔

(ب) خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب درگاہ حضرت نظام الدین، نئی دہلی۔

(جسٹس) زاہد سہروردی (ولادت ۱۸۷۰ء)

جسٹس سر زیڈ۔ آر۔ زاہد سہروردی ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوئے۔ ڈھاکہ اور کلکتہ میں تعلیم پائی۔ رپن لا کالج (RIPPON LAW COLLEGE) کلکتہ سے ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا۔ پھر لندن چلے گئے۔ وہاں سے لنکنزان (LINCOLN'S INN) سے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا اور وطن واپس آئے۔

سر زاہد سہروردی ۲۳ فروری ۱۹۲۱ء کو کلکتہ ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے اور ۲۷ نومبر ۱۹۳۱ء کو اس عہدہ سے مستعفی ہو گئے۔

جسٹس سہروردی ۱۹۲۲ء، ۱۹۳۰ء، ۱۹۳۵ء اور ۱۹۴۰ء میں کلکتہ یونیورسٹی کی سینٹ (SENATE) کے ممبر رہے۔

یہ حسین شہید سہروردی کے بھائی تھے۔ جو بنگال کے وزیر اعلیٰ اور پاکستان کے وزیر اعظم ہوئے۔

مآخذ:

THE INDIAN YEAR BOOK, 1931, BENNETT COLEMAN AND COMPANY, THE TIMES OF INDIA, BOMBAY, CALCUTTA ETC.

دی انڈین ایر بک ۱۹۳۱ء بینیٹ کولمین اینڈ کمپنی/ دی ٹائمز آف انڈیا، بمبئی، کلکتہ وغیرہ۔)

۲ جناب کے۔ ایم۔ یوسف صاحب جج کلکتہ ہائی کورٹ۔

خلیفہ شجاع الدین (متوفی ۱۹۵۵ء)

خلیفہ شجاع الدین لاہور کے ان بزرگوں میں سے تھے جن کو ہر وقت مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور تعلیمی ترقی کا خیال رہتا تھا۔ خدمت کا یہ جذبہ ان کو اپنے والد خلیفہ عماد الدین سے ملا تھا۔ جو انسپکٹر مدارس تھے، خلیفہ شجاع الدین نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں اقبال کو دیکھا تھا لیکن جس وقت وہ اسلامیہ کالج لاہور میں ایف اے کے طالب علم تھے، ان کو اقبال سے ملنے اور ان کے خیالات سے پہلی مرتبہ آگاہ ہونے کا موقع ملا۔ خلیفہ صاحب نے لکھا ہے کہ،

"۱۹۰۱ء میں شیخ عبدالقادر پنجاب آبزرور کے ایڈیٹر اور اسلامیہ کالج میں ادبیات انگریزی کے پروفیسر تھے، انھیں چند روز کی رخصت لینی پڑی تو ان کی جگہ اقبال یہ فرائض انجام دیتے رہے، میں ان دنوں ایف اے کا طالب علم تھا۔ نصاب میں "متلاشیانِ حق" کے نام سے ایک کتاب شامل تھی جس میں زمانۂ ماقبلِ تاریخ کے تین حکماء کی سرگزشتیں درج تھیں۔ عیسائی مصنف نے ان متلاشیانِ حق کے بعض اقوال کا موازنہ انجیل کی آیات سے کیا تھا۔ لیکن اقبال نے کلام پاک کی ان آیات سے ان اقوال کی تشریح کی جو ان کے ساتھ مطابقت رکھتی تھیں۔ موازنہ کے دوران آپ یہ بھی ثابت کرتے جاتے تھے کہ قرآن کی آیات ان اقوال سے بدرجہا افضل اور بہر نوع اکمل ہیں۔ اسلامیہ کالج کی چند روزہ پروفیسری ہی نے آپ کے تبحرِ علمی کا سکہ بٹھا دیا۔"

خلیفہ شجاع الدین نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ اے کیا، پھر لندن جا کر بیرسٹری کی سند لی۔ اور پھر لاہور آکر وکالت کرنے لگے اسی اثناء میں ڈائریکٹر تعلیمات نے ان کو

انسپکٹر آف اسکولز کے عہدے کی پیش کش کی۔ لیکن انھوں نے اسے یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ وہ اپنی قوم کی خدمت کرنا چاہتے تھے خلیفہ صاحب نے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس اور انجمن حمایت اسلام کے سرگرم عہدہ دار کی حیثیت سے کام کیا۔ بعد میں اسلامیہ کالج لاہور کی کمیٹی کے اعزازی سکریٹری مقرر کیے گئے۔ ۲۴ر نومبر ۱۹۳۳ء کو حمید احمد خاں نے اقبال سے درخواست کی کہ وہ خلیفہ شجاع الدین کے نام ایک سفارشی خط لکھ دیں تو مجھے اسلامیہ کالج میں آسانی سے ملازمت مل جائے گی۔ چنانچہ اقبال نے بطور لیکچرار تقرری کے ان کے نام یہ سفارشی خط لکھا:

"میں یہ خط حمید احمد خاں کے لیے لکھ رہا ہوں، جو میرے خیال میں اسلامیہ کالج کی ایک اسامی کے لیے درخواست دے رہے ہیں۔ میں اُن سے کئی بار ملا ہوں اور مجھے ان کی عالمانہ تحصیلات جانچنے کے بھی مواقع ملے ہیں۔ میں کالج کمیٹی کو مشورہ دوں گا کہ وہ انھیں رکھ لے وہ عالمانہ اطوار کے مالک ہیں اور اکاؤنٹ ڈپارٹمنٹ کی موجودہ ملازمت ان کے لیے بالکل مناسب نہیں ہے۔

انھیں ادب اور فلسفہ میں بے حد دلچسپی ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ انگریزی ادبیات اور فلسفہ کے ایک کامیاب استاد ہوں گے۔ علاوہ ازیں آج کل کے اکثر مسلم نوجوانوں کے خلاف وہ اسلام کی ثقافتی تاریخ کے بارے میں بڑا ولولہ رکھتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ مسلم نوجوانوں کے ساتھ ان کا رابطہ ان کے لیے بہت مفید ہو گا۔ میں زیادہ سے زیادہ مسلمان طلبہ کو ان جیسا دیکھنا چاہتا ہوں۔"

خلیفہ شجاع الدین کو پنجاب کے مسلمانوں کی زبوں حالی کا بے حد افسوس تھا۔ ان کو اتحاد پارٹی سے بھی مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی کوئی امید نہیں تھی، چنانچہ انھوں نے عوام میں مسلم لیگ کا اثر و نفوذ بڑھانے کی کوشش کی۔ ۱۹۳۶ء میں محمد علی جناح نے آل انڈیا مسلم لیگ کا ایک مرکزی پارلیمانی بورڈ قائم کیا تاکہ صوبوں میں مسلمانوں کے انتخابات

کی نگرانی کی جائے۔ اس سلسلے میں ۱۲ر مئی کو میاں عبدالعزیز بیرسٹر کے مکان پر مسلم لیگ کا ایک جلسہ ہوا، جس کی صدارت اقبال نے کی۔ اس جلسہ میں کئی قراردادیں اتفاق رائے سے منظور ہوئیں۔ ایک قرارداد میں پنجاب مسلم لیگ کی از سر نو تنظیم پر زور دیا گیا۔ اور اس کے لیے اقبال صدر اور خلیفہ شجاع الدین نائب صدر مقرر کیے گئے۔

خلیفہ شجاع الدین پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کے سالہا سال رکن رہے۔ بالآخر اسمبلی کے اسپیکر منتخب ہوئے، قیام پاکستان کے بعد ان کی صحت گرتی چلی گئی مسلسل بیمار رہنے کے بعد ۱۹۵۵ء میں انتقال کیا۔

ماخذ۔

عبدالرؤف عروج: رجال اقبال ص ۲۹۹ - ۳۰۱ -

(امیر) شکیب ارسلان (۱۸۶۹ء-۱۹۴۶ء)

امیر شکیب ارسلان عہد حاضر کے ممتاز مفکر، مورّخ، مصلح اور عربی زبان کے معجز نگار انشا پرداز تھے۔ امیر شکیب ۱۸۶۹ء میں لبنان کے ایک قصبے شویفات میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر پائی۔ اس کے بعد مدرسہ الحکمہ بیروت میں داخل ہوئے۔ جہاں مشہور لغوی و ادیب شیخ عبداللہ البتانی مولّف "البستان" سے فیض تعلیم پایا۔ اس زمانے میں مفتی محمد عبدہ بیروت میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ امیر موصوف نے مفتی صاحب سے بھی درس لیا اور ان کے اصلاحی خیالات کا اثر قبول کیا۔

۱۸۹۰ء میں امیر شکیب ارسلان مفتی محمد عبدہ کے ساتھ قاہرہ آگئے اور اس وقت کے اکابر رجال خصوصاً زاغول پاشا سے ملے۔ پھر استنبول چلے گئے جہاں سید جمال الدین افغانی سے بے حد متاثر ہوئے۔ وطن واپس آکر حکومت کے ایک عہدہ پر فائز ہوئے لیکن جلد ہی اکتا کر چھوڑ دیا۔ بعد ازاں جنگ طرابلس (۱۹۱۱ء) میں انجمن ہلال احمر مصر کی طرف سے ایک رضا کار کی حیثیت سے میدان جنگ میں انور پاشا کے دوش بدوش داد شجاعت دی۔ جنگ بلقان (۱۹۱۲ء) میں مختلف وفود کی سربراہی کی۔

۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم میں ترکی کی حمایت کی جو جرمنی کا حلیف تھا۔ اس کے برعکس عرب قائدین اراکین اتحاد کے رفیق تھے جو انھیں وعدوں پر ٹال رہے تھے۔ امیر شکیب کا خیال تھا کہ خلافت عثمانیہ اسلام کی عظمت اور جاہ وجلال کی آخری نشانی ہے۔ جنگ عظیم کے اختتام پر انگریزوں اور فرانسیسیوں نے عربوں سے کیے گئے تمام وعدے فراموش کر دیئے۔ اس پر احرار عرب کو امیر شکیب کی رائے کی صداقت معلوم ہوئی۔ اس اثناء میں امیر شکیب استنبول میں مقیم رہے اور ماسکو

اور برلن کے چکر لگاتے رہے۔ جب مصطفیٰ کمال پاشا نے خلافت کا خاتمہ کر دیا توامیر موصوف ترکوں کے شدید ترین ناقد بن گئے۔

۱۹۲۵ء میں شکیب ارسلان برلن سے جنیوا آگئے اور تصنیف و تالیف میں لگ گئے۔ ۱۹۲۷ء میں عرب مہاجرین مقیم امریکہ کی دعوت پر نیویارک گئے۔ ۱۹۲۹ء میں حج وزیارت سے مشرف ہوئے اور واپس آکر ۱۹۳۰ء میں ایک فرانسیسی رسالہ LA NATION ARABA جاری کیا۔ جس کا مقصد اسلام کا دفاع اور محکوم مسلمانوں کی آزادی کی حمایت تھا۔ اس اثنا میں انھوں نے ۱۹۳۰ء میں اندلس کی سیاحت کی۔ ۱۹۳۴ء میں سلطان ابن سعود اور امام یحییٰ حاکم یمن کے باہمی تنازعات نے جنگ کی شکل اختیار کرلی تھی۔ ان دونوں کے باہمی اختلافات کو دور کرنے کے لیے اکابر اسلام کا ایک وفد حجاز گیا تھا اس کے رکن امیر موصوف بھی تھے۔ اکابر اسلام ایک وفد حجاج گیا تھا اس کے رکن امیر موصوف بھی تھے۔ اکابر اسلام کی مساعی کی بدولت دونوں حکمرانوں میں جنگ بند ہوگئی۔

دوسری جنگ عظیم (۱۹۳۹ تا ۱۹۴۵ء) میں وہ برلن میں مقیم رہے لیکن انھوں نے اس میں کوئی سرگرم حصہ نہیں لیا۔ ۱۹۴۶ء میں جب کہ شام اور لبنان فرانسیسی اقتدار سے آزاد ہو چکے تھے تو ان کو وطن آنے کی اجازت مل گئی۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۴۶ء میں پچیس سال کی جلاوطنی کے بعد وہ وطن آئے۔ لیکن ان کی واپسی کو دو ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ قلب کے عارضے میں ۹ر دسمبر ۱۹۴۶ء کو بیروت میں انتقال کیا۔

امیر شکیب ارسلان نہ صرف ممتاز مفکر و سیاسی مدبر تھے بلکہ عربی زبان کے سحر طراز انشا پرداز بھی تھے۔ موصوف عربی کے علاوہ ترکی، فرانسیسی اور جرمن زبانوں سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ عرب کے ادبا انھیں "امیر البیان" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

امیر شکیب ارسلان کی مشہور تصانیف درجِ ذیل ہیں:

۱۔ حاضر العالم الاسلامی (سیاست) چار جلدیں، بار دوم، قاہرہ ۱۹۲۵ء
ایک امریکی مصنف LOTHROP STODDARD نے ۱۹۲۱ء میں جدید دنیائے اسلام (THE NEW WORLD OF ISLAM) کے نام سے عالم اسلام کی سیاست پر ایک کتاب لکھی تھی اس کا عربی ترجمہ عاج نویہض نے "حاضر العالم الاسلامی" کے نام سے کیا تھا۔ جب اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہونے لگا تو مترجم نے امیر موصوف سے درخواست کی کہ اس ترجمے پر تعلیقات لکھ دیجئے۔ یہ تعلیقات اصل کتاب سے تین گنا زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ اس طرح یہ کتاب دنیائے اسلام کی علمی، دینی، اصلاحی اور سیاسی تحریکات کا دائرۃ المعارف بن گئی ہے۔ اصل کتاب کا اردو ترجمہ ملک عبدالقیوم پرنسپل لا کالج، لاہور کے قلم سے "جدید دنیائے اسلام" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

۲۔ الحلل السندسیہ فی الاخبار والآثار الاندلسیہ (تین جلدیں، قاہرہ ۱۹۳۹ء)
اندلس کا سفرنامہ۔

۳۔ الارتسامات اللطاف فی خاطر الحاج الیٰ اقدس مطاف (قاہرہ ۱۹۲۱ء)
حج کا سفرنامہ۔

۴۔ شوقی و صداقتہ اربعین سنۃ (قاہرہ ۱۹۳۶ء) احمد شوقی کی شخصیت، شاعری اور فن پر ہے۔ احمد شوقی کو امیر الشعراء کا خطاب امیر شکیب ہی نے دیا تھا۔

تراجم

۱۔ آخر بنی سراج (طبع قاہرہ ۱۹۲۵ء) FRANCOIS RENE de CHATEAUBRIAND کے ایک فرانسیسی ناول کا ترجمہ ہے غرناطہ کے آلِ سراج

؎ اس پر نوٹ کلیات مکاتیب اقبال جلد دوم کے صفحہ ۴۶۷ پر ملاحظہ ہو۔
(مولف)

اندلس سے اخراج کے بعد تونس میں آباد ہو گئے تھے ان کے ایک شہزادہ کی ایک ہسپانوی دوشیزہ سے محبت کی کہانی ہے۔

۲۔ اناطول فرانس فی مباذلہ (طبع قاہرہ۔ ۱۹۲۵ء) جان جاک بروسن نے مشہور فرانسیسی ادیب نوبل انعام یافتہ اناطول فرانس ANATOLE FRANCE کے حالات زندگی افکار اور نظریات پر ایک کتاب لکھی تھی۔ امیر شکیب نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا ہے۔

امیر شکیب ارسلان ایک فطری شاعر بھی تھے۔ جنھیں جملہ اصنافِ سخن میں دستگاہ حاصل تھی۔ ان کے بیشتر قصائد سلطان عبدالحمید کی مدح میں ہیں کیونکہ خلافت عثمانیہ کے استقلال اور استحکام میں انھیں اسلام اور مسلمانوں کی بقا اور سلامتی نظر آتی تھی۔

امیر شکیب کو نایاب کتب کی اشاعت سے بھی دل چسپی تھی۔ ان کی تصحیح و تحقیق سے ایسی متعدد کتب شائع ہو چکی ہیں۔ جن میں "تعلیقات علی ابن خلدون" کی مشہور عالم تاریخ کی جدید اشاعت کے پہلے حصے پر امیر شکیب نے حواشی لکھے تھے جو بڑھ کر مستقل کتاب بن گئے ہیں۔ طبع قاہرہ، ۱۹۳۶۔

انھوں نے بہت سی کتابوں کے مسودات بھی چھوڑے ہیں۔ ان میں مذکرات (یادداشتیں) اور "تاریخ لبنان" قابل ذکر ہیں۔ یہ کتابیں ابھی تک منتظر طباعت ہیں۔

مآخذ:

اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ۔ جلد ۱۱، ص۔ ۷۶۶۔ ۷۷۱۔

(سید) شمس الحسن (۱۸۹۲۔۱۹۸۱ء)

سید شمس الحسن کے والد ڈاکٹر امیر حسن تھے۔ ان کا وطن بریلی تھا سید شمس الحسن ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے۔ آگرہ سے میٹرک کیا۔ بعد ازاں لاہور آگئے۔ بچپن سے ان کو آنکھوں کی تکلیف رہی۔ چنانچہ وہاں انھوں نے کمرشل انسٹی ٹیوٹ میں ٹائپنگ اور شارٹ ہینڈ سیکھا۔ اور جب سر وزیر حسن مسلم لیگ کے سکریٹری مقرر ہوئے تو سید شمس الحسن ان کے ذاتی معاون کی حیثیت سے جولائی ۱۴ ۱۹ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے عملہ میں شامل ہوگئے۔ تھوڑے ہی عرصے بعد اس کے مرکزی دفتر میں بحیثیت اسسٹنٹ سکریٹری چارج لیا۔ اور تقسیم ملک تک اسی عہدہ پر رہے۔ جب پاکستان مسلم لیگ علیحدہ ہوئی تو اس میں بھی اسی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ حتیٰ کہ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں مارشل لا انتظامیہ نے تمام سیاسی پارٹیوں کو غیر قانونی قرار دے دیا۔ اُن کے دفاتر کو مقفل کر دیا اور ان کے کاغذات اور دستاویزات کو قبضہ میں لے کر مہر کلاں لگا دی۔

جو کاغذات قائداعظم نے سید شمس الحسن کے سپرد کیے تھے وہ انھوں نے کس طرح مارشل لا کی دست برد سے محفوظ رکھے۔ ان کو
" SHAMSUL HASAN COLLECTION " (ذخیرۂ شمس الحسن) کہا جاتا ہے۔
یہ کاغذات اور دستاویزات جو تقریباً دس ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔
تقسیم ملک سے قبل کے واقعات اور حالات کو سمجھنے میں ممد و معاون ہیں۔
سید شمس الحسن کے لڑکے خالد شمس الحسن صاحب اور ان کے رفقاء نے

" SHAMSUL HASAN FOUNDATION FOR HISTORICAL STUDIES AND RESEARCH"

شمس الحسن فاؤنڈیشن فار ہسٹوریکل اسٹڈیز اینڈ ریسرچ ، کراچی میں قائم کیا ہے
اس ادارہ نے نشرواشاعت کا سلسلہ بھی شروع کیا ہے اور اب تک اس کی تین کتابیں
منظرِ عام پر آچکی ہیں ۔

ماخذ :

۱ خالد شمس الحسن قاید اعظم کا ادھورا خواب، شمس الحسن فاؤنڈیشن کراچی،
۱۹۹۱ء ۔
۲. سید شمس الحسن. سدھے سادے مسٹر جناح ، رایل بک کمپنی، کراچی، ۱۹۷۶ء

شوکت تھانوی

(۱۹۰۵ - ۱۹۶۳ء)

شوکت تھانوی کا شمار عام طور پر اردو کے مزاح نگاروں میں ہوتا ہے، مگر ان کی ادبی زندگی کا آغاز غزل گوئی سے ہوا۔ انھوں نے علی برادران کی شہرت سے متاثر ہو کر شوکت تخلص اختیار کیا۔

شوکت کے بزرگوں کا وطن تھانہ بھون ضلع مظفر نگر تھا مگر وہ ۲۵ رشوال ۱۳۲۲ھ/ ۲ر جنوری ۱۹۰۵ء کو بندرابن ضلع متھرا میں پیدا ہوئے، جہاں ان کے والد منشی صدیق احمد شہر کے کوتوال تھے۔ عقیقہ کے روز محمد عمر نام رکھا گیا۔ مگر شہرت شوکت تھانوی کے نام سے ہوئی ابتدائی تعلیم بھوپال کے الگزنڈرا ہائی سکول میں پائی۔ ۱۹۱۴ء میں جب اُن کے والد پولیس کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر بھوپال سے لکھنؤ آگئے تو اُن کو مدرسہ فرقانیہ میں بھیج دیا گیا۔ ایک آدھ کتاب ماسٹر چھوٹے لال سے اور فارسی کی کتب مولوی عبدالرحیم کلیم سے گھر پر پڑھیں پھر چرچ مشن ہائی سکول سے چھٹا درجہ پاس کر کے گورنمنٹ ہائی سکول حسین آباد میں داخل ہوئے۔ کلکتہ یونیورسٹی سے میٹرک پاس کرنے کے بعد علی گڑھ کالج چلے گئے مگر ایک سال بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ ان کے والد محترم کا انتقال ہو گیا اور انھیں تعلیم ادھوری چھوڑ کر فکرِ معاش میں مصروف ہو جانا پڑا۔

پہلے پہل لکھنؤ کے روزنامہ ''ہمدم'' میں ملازمت اختیار کر کے صحافت کے میدان میں قدم رکھا۔ ابن سلوئی اور نسیم انہونوی سے مل کر ایک مزاحیہ ہفت روزہ اخبار ''سرپنچ'' جاری کیا۔ پھر منشی نولکشور کے ''اخبار اودھ'' کی ادارت سنبھالی اور اس وقت چھوڑی جب نولکشور اسٹیٹ، کورٹ آف وارڈس میں چلی گئی۔

۱۹۲۰ء میں رسالہ ''نیرنگ خیال'' لاہور کے سالنامے میں ایک مزاحیہ مضمون

"سودیشی ریل"، لکھا، جو اتنا مقبول ہوا کہ سارے ہندوستان میں شوکت تھانوی کی مزاح نگاری کی دھوم مچ گئی۔ کچھ عرصہ روز نامہ "ہند" کی ادارت کی۔ خود بھی ایک روزنامہ "طوفان" کے نام سے جاری کیا مگر چل نہ سکا۔

تقسیم ملک کے بعد پاکستان چلے گئے اور ریڈیو پاکستان سے منسلک ہو گئے۔ پھر روزنامہ "جنگ" میں چلے گئے اور مرنے دم تک اسی سے وابستہ رہے۔ ۴؍مئی ۱۹۶۳ء کو ذی الحجہ کے متبرک عشرۂ اول میں عین حج کے دن بعارضۂ سرطان سفرِ آخرت اختیار کیا اور لاہور کے قبرستان میانی میں دفن ہوئے۔

شوکت تھانوی بے شمار کتابوں کے مصنف تھے۔ مزاحیہ مضمونوں اور ناولوں کے علاوہ "گہرستان" کے نام سے انھوں نے ایک شعری مجموعہ بھی اپنی یادگار چھوڑا ہے۔ علامہ اقبال نے "گہرستان" ملاحظہ فرما کر ۲۴ ؍اگست ۱۹۳۴ء کو شوکت تھانوی کے کلام کی نسبت اپنی رائے کا اظہار کیا ہے یہ خط اس جلد میں شامل ہے۔

ماٰخذ:

محمد عبداللہ قریشی: معاصرینِ اقبال کی نظر میں۔ ص، ۵۱۳، ۵۱۸۔

صلاح الدین سلجوقی (۱۸۹۷ – ۱۹۷۰ء)

صلاح الدین سلجوقی، علماء کے ایک خانوادہ میں ۱۸۹۷ء میں ہرات (افغانستان) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کا آغاز انھوں نے اپنے والد ماجد مفتی سراج الدین کی خدمت میں کیا۔ پھر دیگر نامور اساتذہ کی نگرانی میں علوم متداولہ میں انھوں نے خاصی استعداد پیدا کی۔

۱۹۱۰ء میں مدرسہ حبیبیہ کابل میں ادبیات فارسی و عربی کے معلّم مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۱ء میں لائیسہ استقلال (LYCEE) کابل میں معلّم ادبیات فارسی کی حیثیت سے ان کا تقرّر ہوا۔ ۱۹۲۴ء میں منشی (سکریٹری) دارالتحریر شاہی (امپریل سیکریٹریٹ) مقرّر ہوئے۔ ۱۹۲۸ء میں مدیر اطلاعات، وزارت خارجیہ مقرر ہوئے۔ اسی سال خانہ جنگی میں ساڑھے چار ماہ قید میں رہے اور وہاں بھی قیدیوں کو انگریزی سکھاتے رہے۔ جنگ کے خاتمے پر اپنے عہدے پر بحال کر دئے گئے۔ بعد ازاں بمبئی میں افغانستان کے قونصل اور ۱۹۳۶ء میں دہلی میں قونصل جنرل مقرّر ہوئے۔ ۱۹۳۹ء میں وطن واپس جانے پر وہ محکمۂ نشر و اشاعت کے ناظم مقرر ہوئے۔ اسی سال کے آخر میں مصر میں بحیثیت افغانی سفیر مامور ہوئے۔

علامہ سلجوقی نے اپنے فرائض کی انجام دہی کے علاوہ کابل ریڈیو کی بھی تاسیس کی۔ وہ افغانستان میں محکمۂ اطلاعات کے بانی سمجھے جاتے ہیں۔ انھوں نے متعدد کتابیں تصنیف کیں جن میں "آئینہ تجلّی"، "افکار شاعر"، "شرح حال سید جمال الدین افغانی"، "مقدمہ علم الاخلاق"، "جبیرہ"، "تقویم انسان" اور "اخلاقِ نیکو" (ترجمہ محمد درسیر خوارگی)، مشہور ہیں وہ شاعر بھی تھے ایک زمانہ میں انھوں نے جریدہ "ثروت" کی ادارت بھی کی۔

استاد خلیلی نے علامہ صلاح الدین سلجوقی کی بابت فرمایا ہے کہ "وہ ایک عظیم شاعر، ایک کثیر التصانیف ادیب ایک اعلیٰ درجہ کے ڈپلومات اور ایک شریف النفس انسان تھے۔"

پروفیسر سلجوقی علامہ اقبال کے عزیز دوستوں میں تھے۔ وہ ہمیشہ دہلی میں ان کے مہمان رہتے تھے۔ انھوں نے طویل عمر پائی اور ۱۹۷۰ء میں انتقال کیا۔

مآخذ:

نوٹ مرسلہ سفارت خانۂ ہند، کابل افغانستان۔

(پروفیسر) ضیاء احمد بدایونی (۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء-۱۹۷۳ء)

پروفیسر ضیاء احمد بدایوں کے ایک دینی خاندان میں ۲۰ ربیع الاوّل ۱۳۱۲ھ (۲۱ ستمبر ۱۸۹۴ء) کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم شمس العلوم بدایوں میں حاصل کی۔ اس کے بعد میٹرک پاس کر کے بریلی کالج چلے گئے۔ جہاں سے ۱۹۱۸ء میں بی۔ اے پاس کیا۔ چند سے ملازمت کی اور بالآخر ۱۹۲۴ء میں الہ آباد یونیورسٹی سے فارسی میں ایم۔اے کیا۔ انھوں نے ۱۹۲۶ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ملازمت کر لی۔ ۱۹۲۹ء میں اینگلو عربک کالج دہلی میں بھی کوئی سال بھر تک ملازم رہے لیکن جلد ہی یہاں سے مسلم یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں لیکچرار بن کر علی گڑھ واپس چلے گئے۔ ان کی تعلیم کے پیش نظر ان کا تبادلہ شعبہ فارسی میں ہو گیا۔ وہ یہاں ۱۹۵۹ء تک رہے۔ پہلے مدتوں ریڈر کی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۹۵۹ء میں سبکدوشی سے کچھ پہلے پروفیسر اور صدر شعبہ بنا دیئے گئے تھے۔

ملازمت سے الگ ہوتے پر یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے انھیں امیر خسرو پر تحقیقی کام کے لیے وظیفہ دیا۔ ۱۹۶۳ء میں انجمن ترقی اردو ہند میں اردو لغت کی ترتیب و تدوین کے کام پر مقرر ہوئے۔ سال بھر بعد یعنی ۱۹۶۴ء میں دہلی یونیورسٹی نے انھیں اسی کام پر بلا لیا۔ یہاں وہ ۱۹۷۱ء تک رہے۔ مسلسل بیماری کے باعث وہ معاد ختم ہونے سے الگ ہو گئے۔ علی گڑھ میں ۸ جولائی ۱۹۷۳ء کو ان کا انتقال ہوا۔

پروفیسر ضیاء احمد بدایونی کو ادب اور دینیات سے شغف ورثہ میں ملا تھا اس کے علاوہ حدیث، فقہ، تصوّف، تاریخ اور بالخصوص تاریخ اسلام کا وسیع مطالعہ تھا وہ نہ صرف عربی، فارسی اور اردو زبان و ادب کے ماہر تھے بلکہ لغطیات صرف و نحو اور عروض پر بھی ان کو عبور حاصل تھا۔ وہ کئی اور زبانیں ہندی، تلگو اور عبرانی

بھی جانتے تھے۔

وہ شاعر بھی تھے اور مولانا شبلی کی طرح انھوں نے تاریخ اسلام کے مشہور اور سبق آموز واقعات پر بہت سی نظمیں لکھیں۔ ان کا مجموعہ نظم "تجلّیات" کے نام سے دہلی سے ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا۔ دیوان کا بیشتر حصہ غیر مطبوعہ رہ گیا ہے۔ متعدد تصنیفات ان سے یادگار ہیں۔ جن میں اہم حسب ذیل ہیں۔

(۱) قصائد مومن مع شرح (لکھنؤ، ۱۹۲۵ء)

(۲) دیوان مومن مع شرح (الہ آباد ۱۹۳۴ء)

(۳) تذکرۂ سلف (تاریخی منظومات کا انتخاب)

(۴) سمن زار (ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی ۱۹۶۸ء) فارسی شاعری کا انتخاب مع اردو ترجمہ۔

(۵) مباحث و رسائل (علمی و ادبی مضامین کا مجموعہ) اس پر یو۔ پی ساہتیہ اکادمی نے دو ہزار روپے کا انعام دیا تھا۔

مآخذ:

۱ نوٹ مرتبہ پروفیسر ظہیر احمد صدیقی صاحب خلف پروفیسر ضیاء احمد بدایونی، شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی،

۲ فکر و نظر۔ نامورانِ علی گڑھ، جلد ۲۴، تیسرا کارواں جلد اول، ص ۳۷۴، ۳۷۵

ظاہر شاہ (ولادت ۱۹۱۴ء)

محمد ظاہر شاہ ۳۰ر اکتوبر ۱۹۱۴ء کو کابل (افغانستان) میں پیدا ہوا۔ یہ نادر شاہ کا بیٹا ہے۔ نادر شاہ کے زمانے میں ۱۹۲۰ء کی دھائی کے آخری حصّہ میں افغانستان میں جب طوائف الملوکی اور قزاقی کا دور دورہ ہوا تو ظاہر شاہ اور اس کے بھائیوں نے مرکزی حکومت کا اقتدار از سرِ نو بحال کیا۔ ۸ر نومبر ۱۹۳۳ء میں نادر شاہ کی شہادت کے بعد ظاہر شاہ ۱۹ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا اس سے قبل اپنے باپ کے عہد میں یہ کابینہ کا وزیر رہ چکا تھا۔ چند برسوں تک اس کے عزیز و اقارب حکومت کا کاروبار چلاتے رہے اور ظاہر شاہ یہ سب خاموشی سے دیکھتا رہا۔

۱۹۶۴ء میں اس نے ایک نئے آئین کے تحت عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی اور اس طرح افغانستان میں ایک آئینی حکومت قائم کی۔ اس آئین کی رو سے عزیز و اقارب کے لیے کسی قسم کے منصب یا عہدے کے حصول کی قطعاً ممانعت کر دی گئی۔

افغانستان میں ایک دورِ نو کا آغاز کیا۔ تعلیم کو عام کیا۔ قبائلی سرداری نظام کو باقی رکھا۔ قبائلی جرگوں کے معاملات میں عدم مداخلت کی پالیسی اختیار کی۔ تیزی سے اصلاحات نافذ کیں۔ متعدد معاشی ترقی کے منصوبے شروع کیے جن میں آبپاشی، سڑکوں کی تعمیر وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے لیے مالی وسائل بیرونی ممالک بالخصوص امریکہ اور روس سے حاصل کیے۔ اپنی خارجہ پالیسی میں ظاہر شاہ بین الاقوامی سیاست میں افغانستان کی غیر جانبدارانہ پوزیشن قائم رکھنے میں کامیاب ہوا لیکن ان اصلاحات کا دارالخلافہ سے باہر کوئی اثر نہیں ہوا۔

۱۹۷۰ء کی دہائی کے اوایل میں ملک خشک سالی اور قحط زدگی کے مسائل سے دوچار رہوا۔ پاکستان کی سرحد پر بسنے والے پشتو قبائل اپنی خود مختاری کا مطالبہ کرتے رہے۔ ملک کا سیاسی نظامِ حکومت معاشی مسائل سے عہدہ برآ ہونے میں ناکام رہا۔ چنانچہ ۱۷ر جولائی ۱۹۷۳ء کو ظاہر شاہ کے بہنوئی جنرل محمد داؤد خاں نے بغاوت کرکے اس کا تختہ الٹ دیا اور اسے معزول کر دیا۔
یہ اٹلی میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہا ہے۔

مآخذ:
دائرۃ المعارف برطانیکا (مائیکرو پیڈیا) ریڈی ریفرنس، جلد دہم ص ۸۵۵۔

(ڈاکٹر) سید ظفر الحسن (۱۸۷۹ - ۱۹۴۹ء)

ڈاکٹر سید ظفر الحسن غیر منقسم ہندوستان کے باکمال بزرگوں میں سے تھے۔ انھوں نے فلسفہ اور حکمت میں جداگانہ مکتبۂ فکر کی بنیاد رکھی اور اس کو "عینیت پسندی" سے تعبیر کیا۔ ڈاکٹر ظفر الحسن انبالہ کے ایک رئیس سید دیوان محمد کے صاحبزادے اور سید غلام بھیک نیرنگ کے داماد تھے۔ وہ ۱۴ر فروری ۱۸۷۹ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے اور ان کو ابتدا ہی میں علی گڑھ بھیج دیا گیا تھا، جہاں سے انھوں نے فلسفہ میں ایم۔ اے کیا۔

ڈاکٹر سید ظفر الحسن اقبال کے عقیدت مندوں میں تھے۔ اقبال کی ان سے اکثر وبیشتر فلسفہ اور پاکستان اسکیم کے موضوع پر خط کتابت رہتی تھی۔ ڈاکٹر سید ظفر الحسن نے ۱۹۱۰ء میں اسپونزا (SPINIZOA) پر ایک مقالہ لکھا تھا اور اقبال سے اس مقالے پر رائے دینے کی درخواست کی تھی۔ اس کے بارے میں اقبال کی رائے یہ تھی:

> "میں نے اس عظیم موحّد کے بارے میں تنقیدی مقالہ بے حد دلچسپی سے پڑھا۔ یہ کہتے ہوئے مجھے خوشی ہوتی ہے کہ موصوف نے اپنے موضوع کے ساتھ انصاف کیا ہے۔ مسٹر ظفر الحسن کا اسلوب صاف اور واضح ہے اور وہ فلسفیانہ استدلال پر مضبوط گرفت رکھتے ہیں۔ اسپونزا پر لکھنا اس نقطہ نگاہ سے بہت اہم ہے کہ اس کے بنیادی خیالات اور فکری رجحانات سامنے لائے جائیں۔ یہ کوئی آسان کام نہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر ظفر الحسن نے اسپونزا پر جتنے لکھنے والے ہیں ان سب کو اچھی طرح سمجھ لیا ہے اور اپنی تحقیقات کے نتائج کو بڑے

عالمانہ اور دلچسپ انداز میں سامنے لانے میں کامیابی حاصل کی ہے۔
مجھے یہ کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہے کہ مسٹر ظفر الحسن اپنے فلسفہ کے
مطالعہ کے سلسلے میں ہر حوصلہ افزائی کے مستحق ہیں۔"

ڈاکٹر سید ظفر الحسن کے اس مقالے کو ملک اور ملک کے باہر علمی حلقوں میں بیحد سراہا گیا۔ وہ جرمنی جاکر پی۔ ایچ۔ ڈی کرنا چاہتے تھے۔ اس وقت علی گڑھ کی انتظامیہ کے لیے یہ فیصلہ کرنا دشوار تھا کہ وہ ڈاکٹر سید ظفر الحسن کو اسکالرشپ تفویض کرے یا نہیں۔ اس سلسلے میں علی گڑھ کی انتظامیہ نے اقبال سے استفسار کیا۔ اقبال نے ۱۸ر جون ۱۹۱۷ء کو لکھا۔

"سید ظفر الحسن کی درخواست پر سفارش کرتے ہوئے مجھے کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی ہے۔ میری رائے میں یورپ میں فلسفہ پڑھنے کے لیے وہ نہایت موزوں آدمی ہیں۔ اس سے پہلے ان کے مقالے پر اپنی رائے کا اظہار کر چکا ہوں۔ ذہنی علوم اور عالمانہ امتیازات اور کامیابیوں کے حصول کے لیے ان کی تحقیقات کی صلاحیت میری رائے کی ناقابلِ تردید گواہی دیتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ اپنے انتخاب کے اہل ثابت ہوں گے اور اس کے ساتھ انصاف کریں گے۔ بہرحال میں یہ مشورہ دوں گا کہ اگر فیصلہ کیا جاتا ہے کہ ان کو یورپ بھی بھیجا جائے تو ان کو مشورہ دیا جائے یا ان سے کہا جائے کہ وہ عملی نفسیات کا خاص طور پر مطالعہ کریں۔ جہاں تک میری معلومات ہیں ہندوستان میں فلسفے کا کوئی دوسرا پروفیسر نہیں جس نے اب تک فلسفے کے اس شعبے کو منتخب کیا ہو۔"

اقبال کی سفارش کے زیرِ اثر ڈاکٹر سید ظفر الحسن جرمنی بھیجے گئے۔ انھوں نے وہاں "عینیت" اور "حقیقت" کے عنوان سے پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے مقالہ لکھا اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی۔ ان کے مقالے کی بڑی پذیرائی ہوئی۔ دنیا کے بیشتر دانشوروں اور اسکالروں نے اس مقالہ کے تعلق سے مضامین لکھے۔ ایک اسکالر نے "ڈاکٹر ظفر الحسن

اور ان کی عقلیت پسندی" کے عنوان سے مقالہ لکھ کر جرمن یونیورسٹی سے پی۔ایچ۔ ڈی کی ہے۔

ڈاکٹر سید ظفر الحسن نے ہندوستان واپسی کے بعد علی گڑھ میں اقامت اختیار کر لی۔ پہلے شعبۂ فلسفہ میں اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے۔ بعد میں ان کو شعبے کا سربراہ بنا دیا گیا۔

ڈاکٹر صاحب علی گڑھ میں اسلامی اور ملّی تحریکوں کے روحِ رواں بھی سمجھے جاتے تھے۔ بعد میں ڈاکٹر صاحب کا میلان مذہب اور تصوف کی طرف زیادہ ہو گیا تھا۔ انھوں نے علی پور کے مشہور بزرگ سید جماعت علی شاہ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی۔ ۱۹۴۷ء کے بعد ڈاکٹر ظفر الحسن پاکستان چلے گئے۔ ۱۹ر جون ۱۹۴۹ء کو راولپنڈی میں انتقال کیا۔

مآخذ:

عبدالرؤف عروج۔ رجالِ اقبال۔ ص۔ ۳۲۱۔ ۳۲۳۔

(چودھری) ظفراللہ خاں (۱۸۹۳ - ۱۹۸۵ء)

چودھری محمد ظفراللہ خاں ۶ فروری ۱۸۹۳ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد نصراللہ خاں حوٹی کے وکیل تھے۔ ظفراللہ خاں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے، ایل ایل بی پاس کیا اور انگلستان سے بیرسٹری کی سند حاصل کی واپسی پر دو سال (۱۹۱۴ء - ۱۹۱۶ء) سیالکوٹ میں وکالت کی اور پھر لاہور منتقل ہوگئے جہاں ہائی کورٹ میں پریکٹس کرنے لگے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ایک قانونی جریدہ "دی انڈین کیسز" (THE INDIAN CASES) کی ادارت (۱۹۱۶ - ۱۹۳۲ء) کرتے رہے۔ لا کالج لاہور میں لیکچرار کی حیثیت سے کام کیا۔ (۱۹۱۹ - ۱۹۲۴ء) - ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۱ء میں گول میز کانفرنسوں میں شرکت کی۔ ۱۹۳۱ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ بعد ازاں ظفراللہ خاں حکومت کے متعدد اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز ہوئے۔ وائسرائے کی مجلس عاملہ (۱۹۳۲ - ۱۹۳۹ء) کے رکن ہوئے اور تعلیم، صحت عامہ اور اراضی کے محکمہ جات ان کے سپرد ہوئے۔ بعد ازاں تجارت اور ریلوے (۱۹۳۵ء) قانون اور سپلائی (۱۹۳۹ء)، کے محکمہ جات کی ذمہ داری بھی تفویض کی گئی۔ ۱۹۴۱ء میں فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج مقرر ہوئے اور اس عہدے پر ۱۹۴۷ء تک فائز رہے۔ ۱۹۴۲ء میں حکومت ہند کے ایجنٹ جنرل کی حیثیت سے چین میں تقرر ہوا۔

تقسیم کے بعد پاکستان ہجرت کر گئے اور وہاں ۱۹۴۷ء میں حکومت نے ان کو وزیر خارجہ مقرر کیا۔ ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۴ء تک یو۔ این میں حکومت پاکستان کے نمائندے رہے۔ ۱۹۶۴ء میں انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس (INTERNATIONAL COURT OF JUSTICE) کے جج مقرر ہوئے۔

سر ظفر اللہ خاں کا انتقال یکم ستمبر ۱۹۸۵ء کو لاہور میں ہوا۔
قادیانی ہونے کی وجہ سے کٹر مسلمان سر ظفر اللہ خاں کے سخت مخالف رہے چنانچہ ۱۹۳۱ء میں جب ان کو مسلمانانِ ہند کے نمائندے کی حیثیت سے گول میز کانفرنس میں مدعو کیا گیا تو جماعتِ احرار نے اس کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ علامہ اقبال نے موخر الذکر کی حمایت کی چونکہ ان کے خیال میں "احمدیہ تحریک نے مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کو کمزور کر دیا ہے" جب ۱۹۵۳ء میں پاکستان میں احمدیوں کے خلاف ملک گیر تحریک شروع ہوئی تو سر ظفر اللہ خاں بھی ہدفِ ملامت بننے سے محفوظ نہ رہے۔
سر ظفر اللہ خاں نے دو قانونی جریدوں "دی انڈین کیسز" اور "دی کریمنل لاجرنل آف انڈیا THE CRIMINAL LAW JOURNAL OF INDIA کی ادارت کے علاوہ بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں (UNITED NATIONS) (اقوام متحدہ)
"INDIA AND CHINA" (ہندوستان وچین) "FOREIGN POLICY OF PAKISTAN" (پاکستان کی خارجہ پالیسی) "ISLAM ITS MEANING FOR THE MODERN MAN" • (اسلام۔ عصر حاضر کے لیے اس کا پیغام)
شامل ہیں۔ انھوں نے کلام پاک کا جدید سادہ اور با محاورہ انگریزی میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ اردو میں دو کتابیں لکھی تھیں جن میں "میری والدہ" مشہور ہوئی۔

ماخذ:
ایس۔ پی سین۔ اے ڈکشنری آف نیشنل بائیوگرافی، جلد چہارم، ص ۴۶۱-۴۶۲۔

(ڈاکٹر) سید عابد حسین (۱۸۹۶ء۔ ۱۹۷۸ء)

ڈاکٹر سید عابد حسین بھوپال میں ۲۵ جولائی ۱۸۹۶ء کو پیدا ہوئے۔ وہاں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد الہ آباد سے ۱۹۱۶ء میں میٹرک اور ۱۹۲۰ء میں بی۔ اے پاس کیا اور علی گڑھ کالج میں انگریزی ایم۔ اے میں داخلہ لیا اسی دوران ریاست بھوپال سے وظیفہ مل گیا اور وہ بغرض حصول اعلیٰ تعلیم برلن چلے گئے۔ جہاں سے ۱۹۲۵ء میں پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی ڈگری حاصل کی۔ وطن واپس آکر ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۰ء تک جامعہ ملیہ اسلامیہ میں فلسفے کا درس دیتے رہے۔ اس کے بعد ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۳ء تک انجمن ترقی اردو اورنگ آباد سے وابستہ رہے۔ ۱۹۳۵ء میں جامعہ ملیہ کی طرف مراجعت کی اور پھر ۱۹۵۳ء تک پروفیسر، شعبۂ فلسفہ، خازن جامعہ ملیہ اسلامیہ، پرنسپل جامعہ کالج، اور قائم مقام شیخ الجامعہ کے عہدوں پر فائز ہوئے۔ ۱۹۵۳ء سے ۱۹۵۶ء تک جامعہ ملیہ سے بلا تنخواہ رخصت پر رہے۔ ۱۹۵۶ء میں جامعہ سے سبکدوش ہوگئے۔

بعدازاں ڈائرکٹر جنرل ایجوکیشن، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (۱۹۵۷۔ ۱۹۶۰ء) رہے۔ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۸ء تک آل انڈیا ریڈیو کے ادبی مشیر کی حیثیت سے انھوں نے کام کیا۔ اس کے علاوہ ناظم اردو اکیڈمی، جامعہ ملیہ، ممبر آفیشل لینگویجز کمیشن (۱۹۵۴۔ ۱۹۵۶ء) اور ڈائرکٹر اسلام اینڈ دی ماڈرن ایج سوسائٹی (ISLAM AND THE MODERN AGE SOCIETY) (۱۹۶۷ء تا وفات) بھی رہے۔

ڈاکٹر عابد حسین کو ۱۹۵۶ء میں ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ ملا۔ ۱۹۵۷ء میں حکومت ہند نے پدم بھوشن کے خطاب سے نوازا۔

ان کا انتقال ۱۳ دسمبر ۱۹۷۸ء کو دہلی میں ہوا۔

ڈاکٹر عابد حسین کی تصنیفات و تالیفات کی تعداد چالیس بتائی جاتی ہے۔ جن میں جرمن اور انگریزی کتابوں کے ترجمے بھی شامل ہیں۔ ان کی مشہور تصانیف میں "ہندوستانی قومیت اور قومی تہذیب" (۱۹۴۶ء) "قومی تہذیب کا مسئلہ" (جس پر انھیں ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ ملا) "ہندوستانی مسلمان آئینۂ ایام میں" ۱۹۶۵ء اور "مسلمان اور عصری مسائل" (۱۹۷۲ء) شامل ہیں۔

انھوں نے ۱۹۳۱ء میں گوئٹے کے ڈرامہ "FAUST" (فاؤسٹ) کا اردو میں ترجمہ بھی کیا تھا۔ افلاطون کے DIALOGUES (مکالمات) ٹی جے T.J. DE BOER اور کی کتاب THE HISTORY OF PHILOSOPHY OF ISLAM کا ترجمہ بعنوان "تاریخ فلسفہ اسلام"، کانٹ (KANT) کی تصنیف "CRITIQUE OF PURE REASON" (تنقید عقلِ محض) اور گاندھی جی اور پنڈت جواہر لال نہرو کی بیشتر تصانیف کے اردو میں ترجمے کیے۔

مآخذ:

۱۔ نذرِ عابد، مرتبہ مجلس نذرِ عابد دہلی۔ ۱۹۷۴ء

۲۔ فکر و نظر: نامورانِ علی گڑھ، تیسرا کارواں (جلد اول) جلد ۲۴۔

شاہ محمد عاشق پھلتی (۱۱۱۰ھ ۔ ۱۱۸۷ھ)

شاہ محمد عاشق شیخ عبیداللہ کے صاحبزادے اور شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی کے ماموں زاد بھائی اور برادر نسبتی تھے۔ ان کی ولادت بمقام پھلت ضلع مظفر نگر (یو پی) ۱۰ رمضان المبارک ۱۱۱۰ھ کو ہوئی۔ ان کے جد مادری شیخ عبدالوہاب نے قرآن ختم کرایا۔ کتب متوسطات میران صرف، شرح کافیہ، شرح ملا اور بوستانِ سعدی اپنے دادا شیخ محمد سے کام کیں۔

یہ اوائل عمری ہی سے شاہ عبدالرحیم کی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے۔ ان کے حکم سے اسی زمانہ میں شاہ ولی اللہؒ کے دامنِ تربیت سے وابستہ ہوگئے۔ شاہ ولی اللہؒ انھیں اس قدر عزیز رکھتے تھے کہ اپنی گراں قدر تصنیف "حجۃ اللہ البالغہ" ان کے نام معنون کی۔ شیخ صاحب شاہ صاحب کے مونس و غمخوار، شاگرد، مرید اور عزیز تھے۔ ۱۱۴۳ھ ۔ ۱۱۴۵ھ میں حرمین شریفین کے سفر میں شاہ صاحب کے ہمراہ رہے۔ دوران قیام حرمین شریفین شاہ صاحب کی تصانیف "القول الجمیل فی سلاسل اولیاء اللہ و رسالہ انتصار اور فیوض الحرمین" کی اشاعت دیگر اسلامی ممالک میں ان ہی کی کاوشِ قلم کا نتیجہ تھی۔

شاہ صاحب نے جہاں تحریری طور پر شیخ صاحب کو خطاب فرمایا ہے یا مکتوب میں مخاطب کیا ہے ہر جگہ "حقائق و معارف آگاہ" جیسے الفاظ سے ان کو نوازا ہے۔ ایک بار ارشاد فرمایا۔ "تم میرے لیے ویسے ہی ہو جیسے رسولؐ کے علیؓ"۔ شیخ صاحب شب و روز شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ بلاشبہ ان کی مساعی جمیلہ سے شاہ صاحب کے ارشادات و واقعات، حالات اور ارادات و افادات جو عام و خاص رفاہ کے سلسلہ میں ان کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہیں منظر عام پر

آئے۔ تین بار شاہ صاحب کی بیعت سے مشرف ہوئے۔

شیخ عاشق کی چند تصانیف جن کے نام معلوم ہوسکے حسب ذیل ہیں۔

۱۔ تذکرۃ الاوقات فلک النفحات۔ یہ بعض آیات کریمہ کی تفسیر کے سلسلے میں ہے۔

۲ درایات الاسرار اس میں اسرار قرآنیہ کی تفصیلات درج ہیں۔

۳۔ القول الجلی فی آثار الولی، یہ مبسوط کتاب حضرت شاہ صاحب کے حالات میں تالیف کی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ ہوچکا ہے۔

۴۔ سبیل الرشاد یہ فن تصوف و سلوک میں جامع کتاب ہے۔ یہ فارسی میں ہے اور طبع ہوچکی ہے۔

۵۔ کشف الاحجاب عن رموز فاتحہ الکتاب اس میں سورۂ فاتحہ کے اسرار و رموز بیان کیے گئے ہیں۔

۶۔ شرح الاعتصام من تعلیم ولی الانصام

آپ کی وفات ۱۱۸۷ھ یا ۱۱۸۸ھ میں ہوئی۔

ماخذ:

مولانا حکیم عبدالحئی حسنی: نزہتہ الخواطر جلد ششم

سعود انور علوی کاکوروی: مقالات الانور لکھنؤ ۱۹۸۳ء

(شیخ محمد) عبداللہ (۱۹۰۵ - ۱۹۸۲ء)

شیخ محمد عبداللہ جن کو عام طور پر "شیر کشمیر" کہا جاتا ہے۔ ۵ دسمبر ۱۹۰۵ء کو سری نگر کے ایک نواحی قصبہ صورہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۲ء میں ریاستی ہائی اسکول سے میٹرک اور ۱۹۲۴ء میں جموں کے پرنس آف ویلز کالج سے بی۔ ایس۔ سی۔ (کیمسٹری) کا امتحان پاس کر کے ملازمت کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ آخر گورنمنٹ ہائی اسکول دلاور خاں میں بطور سائنس ماسٹر متعین کیے گئے۔ جب ان کا تبادلہ مظفر آباد ہوا تو انھوں نے استعفیٰ دیدیا۔ اور حکومت نے ملازمت سے برطرف کر دیا۔

اسی دوران شیخ صاحب سیاسی سرگرمیوں میں حصّہ لینے لگے تھے۔ اس سے قبل انھوں نے مسلمانوں کی سرکاری ملازمتوں میں خاطر خواہ نمائندگی کے واسطے "ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن" YOUNG MENS MUSLIM ASSOCIATION قائم کی تھی۔ ملازمت چھوڑنے کے بعد انھوں نے ریاست میں ذمہ دار حکومت کے قیام کے لیے باقاعدہ مہم چلائی۔ پہلی بار ۲۱ ستمبر ۱۹۳۱ء کو گرفتار ہوئے۔ اس جدوجہد کے نتیجے میں ریاست میں ایک نئی سیاسی تنظیم مسلم کانفرنس کا قیام عمل میں آیا اور شیخ صاحب اس کے پہلے صدر (۱۳/ ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۲ء) منتخب ہوئے۔

شیخ عبداللہ نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے:

"۱۹۳۶ء کا واقعہ ہے کہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کشمیر کی سیاست کے بارے میں تبادلۂ خیال ہو رہا تھا تو انھوں نے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ آپ غیر مسلموں کو بھی اپنی تحریک میں شامل کر لیجیے اس

سے آپ کے کاز کو تقویت ملے گی۔ میں نے کہا کوشش تو کر رہے ہیں لیکن غیر مسلم ساتھ نہیں دیتے۔ اقبال نے کہا کوشش جاری رکھیے۔"

یہی واقعہ شیخ صاحب نے اپنی سوانح حیات میں یوں لکھا ہے:

"حسن اتفاق سمجھ لیجیے یا مشیت ایزدی کہ کشمیر کے دوسرے عظیم فرزند اور تحریک حریت کشمیر کے دعاگو اور مربی سر محمد اقبال نے ۱۹۳۷ء میں مجھے کچھ اسی قسم کا مشورہ دیا تھا۔"

چنانچہ شیخ صاحب نے دیگر اسباب کے علاوہ خاص طور پر علامہ اقبال کے مشورے کی روشنی میں کشمیر کے ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک مرکز پر لانے کے لیے ۱۹۳۹ء کے اوائل میں مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کر دیا۔ اور وہ ۱۹۳۹ سے ۱۹۵۳ء تک (ماسوا ۱۹۴۲ - ۱۹۴۴ء کے) اس کے صدر رہے۔

۱۹۴۶ء میں "کشمیر چھوڑو" تحریک چلائی تو ان کو گرفتار کر لیا گیا اور نو سال کی سزا ہوئی۔ لیکن ۲۹ ر دسمبر ۱۹۴۷ء کو رہا کر دیئے گئے اور مہاراجہ ہری سنگھ نے ۳۱ ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ہنگامی حالات میں ان کو نظام حکومت سونپ دیا۔ ۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو ریاست جموں و کشمیر کے پہلے وزیر اعظم مقرر کیے گئے اور ۱۹۵۳ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔

شیخ صاحب ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی کے بھی ممبر (۱۹۴۹ - ۱۹۵۲ء) رہے۔

۹ ر اگست ۱۹۵۳ء کو حکومت ہند نے ان کو کشمیر کو خود مختار ریاست بنانے کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ بعد ازاں بار بار گرفتار اور رہا ہوتے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی سزا کی کل مدت ۱۵ سال ۷ مہینے اور ۵ روز ہوتی ہے۔ ان پر کشمیر میں سازش کا مقدمہ چلایا گیا جو بعد میں حکومت نے واپس لے لیا اور ان کو ۸ ر اپریل ۱۹۶۴ء کو رہا کر دیا گیا۔

شیخ عبداللہ پاکستان کے دوستی اور خیر سگالی کے دورہ پر گئے ۱۹۶۵ء میں

انھوں نے حج کی سعادت حاصل کی اور مصر، الجزائر اور انگلستان کا دورہ کیا۔ واپسی پر بیرونی ممالک میں ان کی ملک دشمن سرگرمیوں کی بنا پر ۹ رمئی ۱۹۶۵ء کو پھر گرفتار کر لیا گیا۔ بالآخر ۲ر جنوری ۱۹۶۸ء کو وہ آزاد کیے گئے۔

جنوری ۱۹۷۰ء میں مسئلہ کشمیر کا کوئی مستقل حل نکالنے کی غرض سے ایک عوامی کنوینشن منعقد کیا۔ ۸ر جنوری ۱۹۷۱ء کو پھر ریاست جموں و کشمیر سے نکال دیئے گئے اور بالآخر ۱۹۷۲ء کو کشمیر جانے کی اجازت ملی۔

۱۹۷۵ء میں وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی کے ایما پر شیخ عبداللہ اور ان کے رفقاء کے ساتھ حکومت ہند کے مذاکرات ہوئے اور مفاہمت ہوئی جسے "کشمیر مفاہمت" KASHMIR ACCORD کہا جاتا ہے۔ اس کے تحت شیخ صاحب ۲۵ رفروری ۱۹۷۵ء کو ریاست جموں و کشمیر کے وزیر اعلیٰ بنائے گئے۔ دو سال بعد جب کانگریس پارٹی نے نیشنل کانفرنس کی حمایت نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تو مارچ ۱۹۷۷ء کو مجلس قانون ساز توڑ دی گئی اور عام انتخابات کے بعد شیخ عبداللہ پھر وزیر اعلیٰ منتخب ہوئے۔

اقبال سے شیخ صاحب کی عقیدت و محبت کا مظاہرہ کشمیر یونیورسٹی میں اقبال چیئر کی شکل میں ۱۹۷۷ء میں ہوا۔ یہ برصغیر میں پہلی اقبال چیئر تھی بعدازاں انھوں نے ۱۹۷۹ء میں اقبال انسٹی ٹیوٹ قائم کی۔ کشمیر کی یونیورسٹی لائبریری کا نام اقبال لائبریری رکھا گیا ہے۔

۸ رستمبر ۱۹۸۲ء کی رات کو طویل علالت کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ ۸ ستمبر کو درگاہ حضرت بل کے احاطے میں دفن کیے گئے۔

شیخ عبداللہ ایک پُر جوش مقرر، جانباز مجاہد، مقبول رہنما اور ممتاز سیاست داں تھے وہ صحافی بھی تھے۔ انھوں نے تحریک حریت کشمیر کے دوران کئی اخبارات جاری کیے، جن میں دو ہفتہ وار اخبار "کشمیری مسلمان" اور "مظلوم کشمیری" مقبول ہوئے۔ وہ تقریر و تحریر دونوں پر قدرت رکھتے تھے۔ ان کی

خودنوشت سوانح حیات ''آتشِ چنار'' (۱۹۸۶ء) ہر جگہ بہت دل چسپی سے پڑھی گئی۔

مآخذ:

۱ شیخ محمد عبداللہ۔ آتش چنار، علی محمد اینڈ سنز، سری نگر، کشمیر، ۱۹۸۶ء
۲ این کے جین۔ مسلمانانِ انڈیا، جلد اول ص ۲۵۔ ۲۷۔
۔ فکر و نظر: نامورانِ علی گڑھ تیسرا کارواں (جلد اول) جلد ۲۴۔

(خواجہ) عبدالرحیم (۱۹۰۸۔ ۱۹۷۴ء)

خواجہ عبدالرحیم کے آبا و اجداد کشمیر سے آکر امرتسر میں آباد ہو گئے تھے یہیں ۱۹۰۸ء کے لگ بھگ وہ پیدا ہوئے۔ ان کے والد نے ان کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلانے کی کوشش کی۔ انھوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے کیا۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے وہ کیمبرج گئے۔ جب اقبال دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے ۱۹۳۱ء میں لندن پہنچے تو خواجہ صاحب نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کی بہت خدمت کی۔ ۶ر نومبر کو اقبال لٹریری ایسوسی ایشن کی جانب سے اقبال کے اعزاز میں ایک عظیم الشان چائے کی دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ اس دعوت میں ہندوستانی اور غیر ہندوستانی طلبہ کی ایک کثیر جماعت بھی شریک تھی۔ خواجہ صاحب ان دنوں چودھری رحمت علی کے ساتھ ہندوستانی طلبا میں مسلمانوں کے لیے علیٰحدہ مملکت کے قیام کی جدوجہد میں پیش پیش تھے۔ انھوں نے تصور پاکستان سے متعلق لندن کے مسلمان طلبا کی جدو جہد سے اقبال کو آگاہ کیا۔ اس دعوت کے اختتام پر خواجہ صاحب نے اقبال کو کیمبرج آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ اقبال ۱۸ر نومبر کو کیمبرج پہنچے۔ خواجہ صاحب اور دوسرے طلبا نے ان کا پر تپاک خیر مقدم کیا۔ اس موقع پر اقبال نے کیمبرج میں تعلیم پانے والے طلبا کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:

"کیمبرج وہ سرچشمۂ علم و فضل ہے جس نے یورپی تہذیب و تمدن کی تربیت میں سب سے زیادہ حصہ لیا ہے۔ میں نوجوانوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ دہریت اور مادیت سے محفوظ رہیں۔ اہلِ یورپ کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ انھوں نے مذہب اور حکومت کو علیٰحدہ علیٰحدہ کر دیا۔ اس طرح ان کی تہذیب روحِ اخلاق سے محروم ہو گئی اور

اس کا رُخ دہریانہ مادّیت کی طرح پھر گیا۔"

خواجہ صاحب نے بار ایٹ لا کرنے کے بعد آئی سی ۔ ایس کا امتحان پاس کیا اور وہ انڈین سول سروس کے رکن بنے۔ اس دور میں اقبال کی ان سے اکثر ملاقاتیں رہتی تھیں جن دنوں اقبال مرض الموت میں مبتلا تھے خواجہ صاحب کا ان کی خدمت میں حاضر رہنا معمول بن گیا تھا۔

جب اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو خواجہ صاحب کو راولپنڈی کا کمشنر مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد وہ "محاذ آزادی کشمیر" کے انچارج بنے بعد میں انھوں نے باؤنڈری کمیشن میں سکریٹری کا فریضہ انجام دیا۔ پھر پنجاب کے چیف سکریٹری بنائے گئے۔ قائداعظم کی وفات کے بعد بعض سیاسی مسائل کے سلسلے میں لیاقت علی خاں سے ان کا اختلاف ہوگیا۔ جس پر وہ قبل از وقت ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔ انھوں نے حسین شہید سہروردی کے ساتھ مل کر کام کیا اور ساتھ ہی وکالت بھی شروع کردی اور کچھ ہی دنوں میں وہ ملک کے ممتاز قانون دانوں میں شمار ہونے لگے۔

۱۹۶۴ء میں خواجہ حسن اختر کے انتقال کے بعد خواجہ صاحب کو مرکزی مجلس اقبال کا صدر منتخب کیا گیا۔ اس زمانے میں انھوں نے مزارِ اقبال کی توسیع و ترمیم کی بہت کوشش کی اور چاہا کہ اسے مزارِ حافظ کی طرح بنایا جائے۔

۵ر نومبر ۱۹۷۴ء کو ان کا انتقال ہوا۔

مآخذ :

عبدالرؤف عروج ۔ رجالِ اقبال، ص ۳۳۴۔۳۳۶۔

سید عبداللہ بریلوی (۱۸۹۱ - ۱۹۴۹ء)

سید عبداللہ بریلوی ۱۸ ستمبر ۱۸۹۱ء کو بمقام بمبئی پیدا ہوئے۔ جب کہ ان کا آبائی وطن بریلی (یو پی) تھا۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم انجمن اسلام ہائی اسکول میں پائی اور انفسٹن کالج سے ۱۹۱۱ء میں بی۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ یہ صحافت میں غیر معمولی دل چسپی رکھتے تھے۔ اور اسی زمانہ میں انگریزی روز نامہ "ٹائمز آف انڈیا" میں چند مضامین لکھے۔ سر فیروز شاہ مہتہ نے انھیں ۱۹۱۵ء میں انگریزی روزنامہ "بمبئی کرانیکل" (BOMBAY CHRONICLE) کا اسسٹنٹ ایڈیٹر مقرر کردیا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران جب اس کے ایڈیٹر بی۔ جی ہورنیمان (B.G. HORNIMAN) کو جلاوطن کردیا گیا تو بریلوی نے ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۹۲۰ء میں مارماڈیوک پکتھال کو اس کا ایڈیٹر مقرر کیا گیا تو بریلوی اس کے جوائنٹ ایڈیٹر ہوئے چار سال بعد پکتھال کے استعفیٰ دینے پر بریلوی کو "بمبئی کرانیکل" کا مدیر اعلیٰ مقرر کیا گیا اور انھوں نے اسی حیثیت سے اپنی وفات (جنوری ۱۹۴۹ء) تک کام کیا۔

بریلوی سچے محب وطن تھے۔ ۱۹۱۷ - ۱۹۱۸ء میں جب محمد علی جناح کی مسلم لیگ کی قیادت کو قدامت پسند اور رجعت پسند مسلمانوں کے ایک گروہ نے چیلنج کیا تو بریلوی نے جناح کی حمایت کی۔ آزادی سے قبل دیگر صحافیوں کی طرح بریلوی بھی گاندھی جی سے بہت متاثر ہوئے۔ اور خلافت اور عدم تعاون کی تحریک میں شریک ہوگئے اور آخر دم تک کانگریس کے ایک وفادار اور سرگرم رکن رہے۔ ۱۹۳۰ء - ۱۹۳۲ء میں انھیں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔

وہ ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے۔ انھوں نے ۱۹۲۹ء میں بمبئی

مسلم پارٹی کے قیام میں نمایاں حصہ لیا جس کا مقصد مسلمانوں کو کانگریس میں شامل ہونے کی ترغیب دینا تھا۔ ۱۹۴۴ء میں ان کا بھی راجہ جی فارمولا سے تعلق تھا۔ جو مہاتما گاندھی اور محمد علی جناح کے درمیان مذاکرات کی بنیاد تھا بریلوی دیگر قومی اور سیاسی تحریکوں سے بھی وابستہ رہے ۱۹۳۴ء میں انھوں نے گجرات اسٹیٹ سبلر کانفرنس کی صدارت کی۔ ۱۹۳۹ء میں یوتھ ورکرز آف گجرات (YOUTH WORKERS OF GUJARAT) کے کنونشن منعقدہ سورت کے صدر منتخب ہوئے اور ۱۹۴۴ء میں اندور میں سول لبرٹی کانفرنس کی صدارت کی

بنیادی طور پر بریلوی کو ایک ممتاز اور منفرد صحافی کی حیثیت سے اہم مقام حاصل ہے۔ ۱۹۴۳ء میں انھوں نے آل انڈیا نیوز پیپرز ایڈیٹرز کانفرنس کی بنیاد ڈالی اور اس کے مجلس انتظامیہ کے رکن رہے۔ ۱۹۴۵ء میں اس کے صدر منتخب ہوئے حکومت ہند نے پریس لاء انکوائری کمیٹی کے ممبر کی حیثیت سے ان کا تقرر کیا۔ یو۔ این۔ کانفرنس برائے آزادیِ پریس منعقدہ جنیوا (۱۹۴۸ء) کے ہندوستانی وفد میں وہ شامل تھے۔

"بمبئی کرانیکل" کے مدیر کی حیثیت سے وہ ہندوستان کی جنگ آزادی میں ہراول دستہ میں نہ صرف شامل تھے بلکہ پیش پیش تھے۔ ۱۹۲۴ء سے ۱۹۴۹ء تک اس اخبار کے ایڈیٹوریل تاریخ آزادی کے زریں صفحات میں شمار کیے جاتے ہیں۔

۹ جنوری ۱۹۴۹ء کو دل کے سخت دورہ کے بعد بریلوی اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔

ماخذ

ایس۔ پی سین۔ اے ڈکشنری آف نیشنل بایوگرافی۔ ص ۲۳۴-۲۳۶

(سر) عبداللہ ہارون (۱۸۷۲۔ ۱۹۴۲ء)

سر عبداللہ ہارون ۱۸۷۲ء کے لگ بھگ کراچی میں پیدا ہوئے۔ ابھی ان کی عمر چار سال ہی کی تھی کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ والدہ نے ان کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری سنبھالی۔ افلاس اور غربت نے ان کو وقت سے پہلی عملی زندگی میں داخل کر دیا۔ انھوں نے چینی کی ایک بوری سے تجارت شروع کی اور ترقی کرتے کرتے لکھ پتی بن گئے۔ انھوں نے اپنی دولت کا بڑا حصّہ غریبوں، بیواؤں اور یتیموں پر صَرف کیا۔ تعلیمی ادارے اور یتیم خانے قائم کیے۔ تحریکِ خلافت میں بھی بھرپور حصّہ لیا۔ اسی زمانے میں اقبال سے ملاقات ہوئی اور خیالات و نظریات کی ہم آہنگی کی بنا پر ان سے زیادہ قریب ہو گئے۔ جب ۳۲-۱۹۳۱ء میں اقبال نے پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کے مسلمانوں کی ایما پر آل انڈیا مسلم کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ کیا تو سر عبداللہ ہارون نے اسے اپنے حلقۂ اثر میں کامیاب بنانے کی ہر ممکن کوشش کی گو اس کانفرنس کا انعقاد نہ ہوا۔ جب اقبال ۱۹۳۱ء کی گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن جا رہے تھے انھوں نے لاہور اسٹیشن پر ان سے ملاقات کی اور کہا کہ وہ اپنے اس موقف پر سختی سے ڈٹے رہیں جو انھوں نے خطبۂ الہ آباد میں پیش کیا تھا۔ بدقسمتی سے یہ کانفرنس مسلم مندوبین کی اختلاف رائے کا شکار ہو گئی۔ جس کے نتیجے میں اقبال نے دل برداشتہ ہو کر مسلم وفد سے علیحدگی اختیار کر لی اس صورت حال سے عبداللہ ہارون کو بہت صدمہ ہوا۔ انھوں نے اقبال کے سامنے کئی تجویزیں رکھیں اور ایک نئے مسلم وفد کی تشکیل کی ضرورت پر زور دیا۔ اقبال کا جواب محرّرہ ۱۶ / جنوری ۱۹۳۲ء ملاحظہ ہو جو اس جلد

میں شامل ہے۔

سر عبداللہ ہارون مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے بھی سرگرم رکن رہے مسلم لیگ کی مالی مدد میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔

۱۹۴۲ء میں ان کا اچانک انتقال ہو گیا۔

ماخذ :

عبدالرؤف عروج۔ رجال اقبال۔ ص۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔

سید عبدالعزیز (۱۸۸۲ - ۱۹۴۸ء)

سید عبدالعزیز ۱۸۸۲ء میں بمقام پٹنہ پیدا ہوئے۔ ان کے والد حکیم سید حفاظت حسن پھلواری شریف، ضلع پٹنہ کے رہنے والے ایک بلند پایہ حکیم تھے۔ یہ بہ سلسلہ ملازمت ریاست جے پور میں مہاراجہ بہادر کے طبیب خاص تھے اور جے پور دربار میں ان کی بڑی آؤ بھگت تھی۔ سید عبدالعزیز کم عمر ہی تھے کہ والدین کا انتقال ہوگیا۔ مہاراجا نے تعلیم و پرورش کے لیے جے پور بلا بھیجا لیکن یہ نہ گئے۔ پہلے جسٹس شرف الدین صاحب کے ساتھ رہے پھر ۱۸۸۳ء میں سر علی امام کے ساتھ رہنے لگے۔ سید عبدالعزیز نے پٹنہ کا لیجیٹ اسکول میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ سینٹ کولمبس کالج، ہزاری باغ سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان کامیاب کیا۔ بی اے کی تعلیم کے لیے پٹنہ کالج میں انھوں نے داخلہ لیا۔ پھر وہ ۱۹۰۷ء میں بیرسٹری کی تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے۔ سات سال کے قیام انگلستان کے بعد ۱۹۱۲ء میں ہندوستان لوٹے اور سر علی امام اور سر حسن امام کے ساتھ وکالت کرنے لگے۔ چند ہی سال بعد ان کا شمار پٹنہ کے سربرآوردہ وکلا میں ہونے لگا۔

جب صوبۂ بہار میں شدھی سنگٹھن تحریک کا زور بڑھا تو مسلمانان بہار نے "انجمن محافظت" قائم کی۔ جس کے صدر سر علی امام اور نائب صدر سید عبدالعزیز مقرر کیے گئے۔ انھوں نے بہار کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کشیدگی دور کرنے میں نمایاں کارنامہ انجام دیا۔ اس سلسلے میں انھوں نے صحافت کا سہارا لیا اور انگریزی میں "پروگریس" اور اردو میں "پیام" اخبار نکالا۔ سید صاحب رفاہی کاموں میں بے حد دلچسپی لیتے تھے۔ وہ غریبوں کے مسیحا تھے اور ان کی بہت مدد کرتے تھے۔ بہار میں سب سے پہلے بلائنڈ ریلیف

کیمپ (BLIND RELIEF CAMP) کھول کر غریب و نادار، آنکھوں کے معذور لوگوں کی جو خدمت انھوں نے انجام دی وہ ہمیشہ یاد رہے گی۔ ہر سال وہ مشہور ماہر چشم ڈاکٹر متھرا داس کو موگا سے بلاتے تھے کوٹھی کے لان میں اور گاندھی میدان میں سینکڑوں خیمے اور شامیانے لگواتے تھے جن میں مریضوں کا مفت آپریشن اور علاج ہوتا تھا۔ بہت سے غریبوں کو دوائیں بھی مفت اور چشمے بھی مفت تقسیم کراتے تھے۔ یہ سلسلہ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۳ء تک جاری رہا۔

۱۹۲۶ء میں سید عبدالعزیز کو سیاست میں لانے والے سر علی امام تھے۔ بہار مجلس قانون سازی کی رکنیت کے لیے پٹنہ کے حلقے سے مسٹر محمد یونس (جو بعد میں بہار کے وزیر اعلیٰ مقرر ہوئے۔) کے مقابلے میں کھڑے ہوئے اور اپنی ہر دلعزیزی کی بنا پر الکشن میں کامیاب ہوئے۔ ۱۹۳۴ء میں یہ حکومت بہار کے وزیر مقرر ہوئے۔

سید عبدالعزیز ۱۹۳۷ء تک وزیر زراعت رہے۔ وہ وزیر تعلیمات کی حیثیت سے بھی بہت کامیاب رہے۔ ۱۹۳۵ء میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے تحت پورے ملک میں سیاسی پارٹیاں تشکیل پا رہی تھیں تو سید صاحب نے بھی "یونائیٹڈ پارٹی" کے نام سے ایک پارٹی کی تشکیل کی۔ بہار اسمبلی میں اس پارٹی نے چالیس میں سے سات نشستیں حاصل کیں۔ خود سید صاحب "انڈپینڈینٹ پارٹی" کے امیدوار مشہور وکیل سید عبدالحفیظ کو شکست دے کر پٹنہ کے حلقے سے منتخب ہوئے۔ محمد علی جناح ۱۹۳۷ء میں جب پٹنہ آئے تو اس موقع پر سیّد صاحب نے اپنی "یونائیٹڈ پارٹی" کو مسلم لیگ میں ضم کرنے کا اعلان کیا۔

اس زمانے میں بہار میں تین سیاسی پارٹیاں تین سیاسی رہنماؤں کی قیادت میں کام کر رہی تھیں اور ہر ایک پارٹی کا اپنا اخبار تھا۔ انڈپینڈینٹ پارٹی کے رہنما اصل میں مولانا ابوالمحاسن محمد سجّاد تھے اور پارٹی کے لیڈر الحاج محمد یونس بارایٹ لا تھے۔ ان کا اخبار سہ روزہ "الہلال" تھا۔ اس کے مدیروں میں

مولانا سید محمد قابل ذکر ہیں۔ اس پارٹی کی حمایت میں ایک اخبار "استقلال" تھا۔ جس کے ایڈیٹر مولانا عبدالباقی خاں بی۔ اے (جامعہ) تھے۔ سہیل عظیم آبادی بھی اداریے میں شریک تھے۔ یونائیٹیڈ پارٹی کا اخبار سہ روزہ "مسلم" تھا جس کے ایڈیٹر سیّد منظر علی ندوی تھے۔ یہ برقی پریس کے مالک تھے۔ جہاں سے یہ اخبار شائع ہوتا تھا۔ ادارت کا کام مولانا عبدالباقی خاں اور مولانا اسماعیل وحشی کے سپرد تھا۔ جب اخبار "استقلال" نکلنا شروع ہوا تو مولانا "مسلم" سے علیحدہ ہوکر "استقلال" میں چلے گئے۔ وہ مستقل مزاج نہیں تھے بعد میں ان سے علیحدہ ہوکر انھوں نے مولانا محفوظ الحق خمسی جامعی کے اشتراک سے پٹنہ سے اخبار "آزاد" نکالنا شروع کر دیا بہار کے اس وقت کے تیسرے اہم لیڈر مولانا محمد شفیع داوٗدی تھے۔ جو بہار کے قومی، سیاسی میدان میں اپنے حریفوں الحاج محمد یونس اور سید عبدالعزیز کے مقابلے میں بہت سینئر تھے۔ اور عرصے سے صوبے کی سیاست میں دخیل تھے۔ ان کا اخبار "اتحاد" تھا۔ جو بہار کا بہت پرانا اخبار تھا۔ اور سلطان احمد سہسرامی کی ادارت میں بہت بعد تک شائع ہوتا رہا۔

دسمبر ۱۹۳۸ء کے آخری عشرے میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس پٹنہ میں منعقد ہوا۔ سیّد صاحب مجلس استقبالیہ کے صدر منتخب ہوئے۔ انھوں نے اپنے خطبے میں پہلی بار مسٹر جناح کو "قائداعظم" کے خطاب سے مخاطب کیا اور یہ کلمہ بعد میں ان کے نام کا جزو بن گیا۔ اسی سیشن کے آخر میں سیّد صاحب نے ایک جلسہ عام طلب کرکے ریاستی مسلم لیگ کی تنظیم کی تجویز رکھی جو کثرت رائے سے منظور کر لی گئی اور نواب بہادر یار جنگ کو آل انڈیا ریاستی مسلم لگ کا صدر چنا گیا۔

۱۹۴۰ء میں سید عبدالعزیز کی دانشوری اور قانون دانی سے متاثر ہوکر نظام دکن نے ان کو ریاست حیدرآباد کا صدرالمہام مقرر کیا۔ انھوں نے پانچ سال تک ریاست حیدرآباد کی خدمت کی۔ ۱۹۴۵ء میں ایک موذی مرض عرق النسا میں ایسے گرفتار ہوئے کہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے۔ نظام دکن نے ناحبات ان کی ایک

ہزار ماہانہ پنشن مقرر کر دی۔ یہ علاج کی غرض سے بمبئی گئے وہاں مسٹر جناح ان کی علالت کے زمانے میں متعدد مرتبہ عیادت و ملاقات کے لیے آئے۔ ان دونوں کے تعلقات کے سبب یہ بات مشہور ہو گئی کہ سید عبدالعزیز ہی مسٹر جناح پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ اس لیے گاندھی جی نے ڈاکٹر سید محمود کے ذریعہ سیّد صاحب کے پاس مراسلہ بھیجا اور گزارش کی کہ مسٹر جناح کو تقسیم ہند سے باز رکھیں لیکن ان کی کوششیں بار آور نہ ہو سکیں۔

جب بمبئی میں مرض میں افاقہ نہ ہوا تو سیّد صاحب پٹنہ واپس آ گئے۔ اس زمانہ میں بہار میں خونریز ہندو مسلم فسادات ہو رہے تھے۔ ان فسادات کے واقعات کو سیّد صاحب نے ایک کتاب "سانحہ بہار" میں رقم کیا جو تین جلدوں میں شائع ہوئی۔

۷ جنوری ۱۹۸۵ء کو پٹنہ میں ان کا انتقال ہوا۔ تدفین ان کے وطن نیورہ میں ہوئی۔

مآخذ:

۱ محمد انیس الرحمٰن۔ عزیز ملّت اور کارنامے، علامہ سید سلیمان ندوی اکیڈمی بیلی کیسر، ۱۹۸۸ء ص ۱۶۰۔

۲ سید بدرالدین احمد۔ حقیقت بھی کہانی بھی، بہار اردو اکادمی، پٹنہ، ۱۹۸۸ء ص ۳۹۷۔۴۰۳۔

حضرت شاہ عبدالعزیز (۱۱۵۹ھ۔ ۱۲۳۹ھ،
۱۷۴۶ء ۱۸۲۴ء)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی شیخ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی کے بڑے صاحبزادے تھے۔ وہ رمضان ۱۱۵۹ ھجری/ ستمبر ۱۷۴۶ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔

شاہ عبدالعزیز پانچ ہی برس کے تھے کہ قرآن مجید حفظ کیا، پھر فارسی زبان کی تعلیم شروع کردی۔ اکثر و بیشتر علوم اپنے جلیل القدر والد ماجد سے حاصل کیے۔ جب شاہ عبدالعزیز ۱۶ برس کے تھے تو شاہ ولی اللہؒ کا سایۂ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ اپنی تعلیم کے ساتھ تین چھوٹے بھائیوں (شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی) کی تربیت و پرورش کا بار بھی ان پر آن پڑا۔

شاہ عبدالعزیز نے تکمیل علم نادرۂ روزگار اور ماہران علم و حدیث و قرآن اور صاحب نسبت ماہران طریقت سے کی اور حدیث، تفسیر، اصول فقہ، کلام، منطق، فلسفہ اور شعر و ادب میں غرض کہ تمام علوم دینیہ و عصریہ میں ممتاز حیثیت اختیار فرمائی اور خصوصیت کے ساتھ فن حدیث میں، جس سے خاندانی حیثیت سے قلبی لگاؤ تھا، خصوصی مہارت حاصل کرلی۔

شاہ عبدالعزیز ۲۵ برس کی عمر ہی میں مدرسہ رحیمیہ میں (جس کی بنیاد ان کے دادا شاہ عبدالرحیم نے ڈالی تھی) اپنے والد محترم کی خالی مسند درس و تدریس پر رونق افروز ہوگئے۔ یہ مدرسہ دہلی میں اسی مقام پر تھا جہاں اب مہندیوں کا قبرستان ہے۔ جو مولانا آزاد میڈیکل کالج کے احاطہ میں ہے۔ جب جگہ ناکافی ہوئی تو محمد شاہ رنگیلے نے ایک عالیشان مکان دے دیا جس کی وسعت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ اب وہاں پورا محلہ آباد ہے جس کا نام کلاں محل ہے۔

بہت جلد شاہ عبدالعزیز کی علمی شہرت چاردانگ عالم میں پھیل گئی اور اطراف عالم سے تشنگانِ علم وفن ان کے درس میں حاضر ہونے لگے اور بہت ہی قلیل مدت میں شاہ صاحب کے علوم کے مستفیدین ہندوستان بھر میں پھیل گئے۔

شاہ صاحب کی مجلس وعظ میں نہ صرف دینی طبقہ ہی شامل ہوتا تھا بلکہ بڑے بڑے شعرا اور ادبا بھی شریک ہوکر زبان اور محاورے سیکھتے تھے شیخ ابراہیم ذوق، شاہ صاحب کی مجلس وعظ میں شریک ہوتے تھے شاہ صاحب ہفتہ میں دو مرتبہ عام اجتماع میں تقریر ضرور کیا کرتے تھے۔ وہ اپنے عہد کے ممتاز خطیب اور مقرر بھی تھے۔

شاہ صاحب کے چند نامور تلامذہ میں مولانا شاہ رفیع الدین، مفتی صدرالدین آزردہ، مولوی اسماعیل شہید اور مولانا فضل حق خیرآبادی شامل ہیں۔

جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے بڑھتے ہوئے اقتدار کے نتیجے میں شاہ عبدالعزیز نے اس کے خلاف جامع مسجد دہلی سے آواز بلند کی کہ "آج یہ ملک دارالحرب ہوگیا ہے۔ ان غاصبوں کے خلاف جہاد کرنا ہمارا فریضہ ہے" تو انگریزوں نے اس فتوے کو بے اثر کرنے کے لیے یہ جھوٹا پروپگنڈہ شروع کیا کہ یہ جہاد کا فتویٰ ہے اور جہاد تمام کافروں کے خلاف جنگ کرنے کا نام ہے۔ لہٰذا اس فتوے کی زد جس طرح انگریزوں پر پڑے گی اس سے زیادہ اس فتوے سے ہندوستان کے غیر مسلم متاثر ہوں گے۔

اصل میں شاہ صاحب نے اس فتوے کے ذریعہ مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف صف آرا ہونے کے لیے للکارا تھا تاکہ مسلمان اپنے وطن عزیز کو آزاد کرا سکیں اور ہندوستان کی تمام قوموں اور خصوصاً مسلمانوں کے شعائر کو تباہی سے بچا سکیں۔

شاہ عبدالعزیز نے تصنیف وتالیف کے ذریعہ علوم حدیث کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔ وہ صاحب تصانیف کثیر تھے۔ ان کی اہم تصانیف میں "تفسیر فتح العزیز"

(معروف بہ تفسیر عزیزی۔ دو جلدیں)، "تحفۂ اثنا عشریہ" (فارسی) "بستان المحدثین" (عربی)، "میزان البلاغہ" (عربی)، "سرالشہادتین" (عربی) اور مجموعۂ فتاویٰ (فارسی) قابل ذکر ہیں۔

شاہ صاحب کی وفات ۷ر شوال ۱۲۳۹ھ/۵ر جون ۱۸۲۴ء کو ہوئی اور قبرستان مہندیان دہلی میں اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں دفن ہوئے۔

مآخذ:

۱ قاضی بشیرالدین احمد میرٹھی: تذکرۂ عزیز یہ مجتبائی پریس، میرٹھ ۱۹۲۶ء ص ۱۲۔

۲ نواب صدیق حسن خاں: ابجد العلوم (بھوپال ۱۸۷۸) ص ۹۱۴۔

۳ فقیر محمد جہلمی: حدائق الحنفیہ (لکھنؤ ۱۹۰۶) ص ۴۷

۴ مولوی حکیم عبدالحیٔ نزہتہ الخواطر (حیدرآباد ۱۹۵۹)، ص ۲۶۷

۵ مولوی رحمٰن علی: تذکرۂ علمائے ہند مرتبہ محمد ایوب قادری (کراچی ۱۹۶۱ء) ص ۳۰۲۔

۶ عطاء الرحمٰن قاسمی۔ الواح الصنادید، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، نئی دہلی، ۱۹۸۹ء ص ۱۵۲۔۱۷۳۔

(صاحبزادہ سر) عبدالصمد خاں (۱۸۷۴ - ۱۹۴۳ء)

صاحبزادہ عبدالصمد خاں ۲۷ ستمبر ۱۸۷۴ء کو مرادآباد میں پیدا ہوئے اور وہیں ابتدائی تعلیم و تربیت پائی اور وہیں کے اسکول سے انٹرنس کیا۔ اپنے والد صاحبزادہ عبدالسلام خاں کی وظیفہ یابی کے بعد رام پور آ گئے۔ والد ریاست کے مختلف شعبوں میں ذمہ دارانہ حیثیت سے کام کر رہے تھے اور نواب حامد علی خاں سے خصوصی تعلق تھا۔ چنانچہ عبدالصمد خاں کا بھی نواب صاحب سے تعلق ہوگیا۔ یہ نواب صاحب کے ہم سن، ذکی اور ذہین تھے۔ نواب صاحب نے انھیں دوست اور مصاحب کی حیثیت دی۔

۵ اپریل ۱۸۹۴ء کو نواب صاحب کے پرائیوٹ سکریٹری مقرر ہوئے ۲ اپریل ۱۸۹۶ء کو استعفیٰ دے دیا اور یکم اپریل ۱۸۹۹ء کو پھر پرائیوٹ سکریٹری کے عہدہ پر تقرر ہوا۔ ۴ جون ۱۹۰۰ء کو چیف سکریٹری مقرر ہوئے ۲۵ جولائی ۱۹۰۶ء کو مدار المہامی (وزارت عظمیٰ) کے عہدہ پر فائز ہوئے ۲۸ مارچ ۱۹۰۷ء کو مدار المہامی کے بجائے سکریٹریٹ قائم ہوا۔ مختلف شعبوں کے لیے سکریٹری مقرر ہوئے تو عبدالصمد خاں پھر چیف سکریٹری ہوئے اور نواب صاحب سے اختلاف کے باعث ۱۳ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو رام پور سے ٹیکا نیر چلے گئے اور وہاں کسی اہم عہدہ پر فائز ہوگئے۔ آخر مئی ۱۹۲۱ء میں نواب صاحب نے پھر بلا لیا۔

۱۹۳۱ء کی گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے۔ ۱۹۳۲ء میں امپیریل اکنامک کانفرنس اوٹاوہ (OTTAWA) میں شریک ہوئے۔ ۱۹۳۳ء میں جمعیت الاقوام جنیوا بھیجے گئے۔ ۲ مارچ ۱۹۳۴ء کو سر کا خطاب ملا۔ لندن میں تھے کہ نواب رام پور

لندن پہنچے اور ان کے ساتھ ہی ۱۰ر نومبر کو رامپور آگئے۔ ۴ر نومبر ۱۹۳۴ء کو وظیفہ پر چیف سکریٹری کے عہدہ سے سبکدوش ہوئے۔ ۱۹۳۷ء میں کنسٹر پبن ہوم منسٹری پر تقرر ہوا۔ ۱۹۴۰۔ ۱۹۴۱ء میں رام پور آگئے۔

۲۷ر جنوری ۱۹۴۳ء کو کچھ دنوں علیل رہ کر رام پور ہی میں انتقال کیا۔

ماخذ:

شکریۂ خاص:

جناب محمد عبدالسلام صاحب رام پور،

ڈاکٹر عبدالعلیم (۱۹۰۵ - ۱۹۷۶ء)

ڈاکٹر عبدالعلیم بمقام غازی پور (یو پی) ۲۵ر اگست ۱۹۰۵ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۲ء میں بلیا کے اسکول سے ایس۔ ایل۔ سی (S.L.C.) کے امتحاں میں کامیاب ہوئے۔ ۱۹۲۶ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے بی۔ اے پاس کرکے وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے برلن (جرمنی) چلے گئے۔ جہاں سے ۱۹۳۲ء میں انھوں نے "عقیدۂ اعجاز قرآن" کے موضوع پر جرمن زبان میں مقالۂ علمیہ لکھ کر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

جرمنی سے وطن واپس آنے پر ۱۹۳۲ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبۂ عربی میں لیکچرار کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا۔ وہ یہاں ۱۹۳۴ء تک رہے پھر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ عربی سے منسلک ہوگئے۔ (۱۹۳۴ - ۱۹۳۶ء) ۱۹۳۷ء میں ان کا تقرر لکھنؤ یونیورسٹی میں ہوگیا جہاں وہ ۱۹۵۰ء تک رہے۔ اسی سال علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ عربی میں ریڈر مقرر ہوئے۔ صدر شعبۂ عربی کی حیثیت سے انھوں نے شعبے میں توسیع کی اور ایک علمی ادارہ علوم اسلامی کے مطالعے اور تحقیقات کے لیے قائم کیا۔ وہ ۱۹۵۴ء میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۴ء سے ۱۹۶۷ء تک شعبۂ عربی میں پروفیسر اور ادارہ علوم اسلامیہ کے ڈائرکٹر رہے جنوری ۱۹۶۸ء میں وہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر مقرر ہوئے اور ۱۹۷۳ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔ جنوری ۱۹۷۴ سے فروری ۱۹۷۶ء تک چیئرمین، ترقی اردو بورڈ اور ممبر وزارت تعلیم حکومت ہند کی حیثیت سے کام کرتے رہے

پروفیسر عبدالعلیم تحریک آزادی میں بھی عملی طور پر شریک ہوئے اور ۱۹۴۱ء ۱۹۴۲ء میں ایک سال انھوں نے قید و بند کی زندگی گزاری۔ وہ کانگریس سوشلسٹ

پارٹی کے بانی رکن ہونے کے علاوہ اس کی پہلی مجلس عاملہ کے بھی رکن تھے۔ انھوں نے انجمن ترقی پسند مصنفین کی تشکیل اور اس کے منشور کی تیاری میں اہم رول ادا کیا تھا۔ اور وہ دس سال تک انجمن ترقی پسند مصنفین کے جنرل سکریٹری بھی رہے۔
وہ انڈین اسکول آف انٹرنیشنل اسٹڈیز، دہلی کی مجلس منتظمہ کے ممبر رہے اور جامعۂ اردو علی گڑھ کے نائب شیخ الجامعہ کی حیثیت سے بھی کام کیا۔
انھوں نے ۱۹؍ فروری ۱۹۷۶ء کو دہلی میں وفات پائی۔

مآخذ:
شکریہ خاص
۱ پروفیسر مختار الدین احمد، علی گڑھ،
۲ ماہنامہ رسالہ "آج کل" دہلی، مارچ ۱۹۷۶ء

پروفیسر محمد عبدالغنی

پروفیسر محمد عبدالغنی کا تعلق لکھنؤ کے علمی خانوادے سے تھا۔ یہ خانوادہ مدراس سے لکھنؤ آکر سکونت پذیر ہوگیا تھا۔ ان کے والد مولانا آسی مدراسی عربی فارسی کے بڑے فاضل تھے۔ محمد عبدالغنی تعلیم کی غرض سے انگلستان میں کئی سال رہے۔ انھوں نے کیمبرج یونیورسٹی سے ایم لٹ کی ڈگری حاصل کی۔

محمد عبدالغنی مدھیہ پردیش کے کالجوں میں فارسی کے استاد مقرر ہو گئے تھے آخر میں شعبۂ عربی و فارسی ناگپور کے صدر ہوئے۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد لکھنؤ منتقل ہوئے اور یہیں انھوں نے انتقال کیا۔

پروفیسر محمد عبدالغنی کو شمس العلما کے خطاب سے بھی سرفراز کیا گیا تھا۔ پروفیسر عبدالغنی کی دو اہم تصانیف ہیں۔

(1) HISTORY OF PERSIAN LITERATURE AT THE MOGHUL COURT

یہ تین جلدوں میں تھی۔

(2) PRE-MOGHUL PERSIAN IN INDIA

اس پر سر شاہ سلیمان نے پیش لفظ تحریر کیا تھا۔ اس کتاب میں بعض تسامحات تھے جس پر حافظ محمود شیرانی نے رسالہ "اردو" جنوری ۱۹۵۲ء میں ایک طویل تبصرہ شائع کیا۔

بہر حال پروفیسر عبدالغنی کی دونوں کتابیں اپنے موضوع پر پہلی کتابیں ہیں۔

مآخذ

بصد شکریہ: پروفیسر نذیر احمد صاحب سیکرٹری غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی۔

عبدالقوی فانی (متوفی ۱۹۳۶ء)

مولوی عبدالقوی فانی لکھنؤ یونیورسٹی میں عربی اور فارسی کے پروفیسر تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی شمس العلماء ڈاکٹر عبدالغنی ناگپور یونیورسٹی میں شعبہ السنہ مشرقیہ کے صدر تھے۔ ان کی کتاب "لسانی و ادبیات فارسی۔ مغل دربار میں" (بزبان انگریزی) تین جلدوں پر مشتمل ہے۔

فانی نے متعدد قصائد اور نظمیں اکابر ہند کی مدح و ثنا میں فارسی میں لکھیں چند قصیدے نظام حیدر آباد کی شان میں کہے جن کے مجموعے کا نام "گلزار عثمانی" رکھا۔ یہ سب قصیدے اساتذہ سلف کی زمینوں میں ہیں۔ ان قصائد پر مشاہیر کی رائیں ایک الگ رسالے میں شائع ہوئی ہیں۔ اس میں علامہ اقبال کی رائے ان کے مکتوب محرّرہ ۲۱ مئی ۱۹۳۲ء میں ملاحظہ ہو جو اس جلد میں شامل ہے۔

۱۹۳۶ء میں فانی پر فالج کا تیسرا حملہ ہوا اور وہ کم و بیش پانچ سات مہینے صاحبِ فراش رہنے کے بعد دارالبقا کو سدھارے۔

مآخذ:

۱ محمد عبداللہ قریشی۔ معاصرینِ اقبال کی نظر میں، ص ۲۷۸۔۲۷۹

۲ مرزا محمد عسکری: "من کیستم (تصنیف ۱۹۴۲ء) اترپردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۵ء ص ۹۸ تا ۱۰۰۔

شیخ[1] عبدالمجید سندھی (۱۸۸۸ء - ۱۹۷۸ء)

شیخ عبدالمجید سندھی ۷ جولائی ۱۸۸۸ء کو سندھ کے تاریخی شہر ٹھٹھہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام جیٹھانند تھا۔ میٹرک پاس کرکے وہ دست چند اوجھا ایڈووکیٹ کے منشی ہو گئے اسی دوران ان کا تعارف جنگی کے اسکٹر ماسٹر تاج محمد بلوچ سے ہوا جو زبردست مبلغ اسلام تھے۔ چنانچہ فروری ۱۹۰۸ء میں وہ حیدرآباد میں شاہ عبدالرحیم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ گھر والوں کی مخالفت کے باعث وہ لدھیانہ چلے گئے۔ بالآخر حیدرآباد واپس آئے اور وہاں کے رئیس اور بیرسٹر غلام محمد بھرگڑی کے سندھی اخبار "الامین" کے ایڈیٹر ہو گئے ان کے رفیق کار ہونے کے باعث سندھ کی کل ہند سیاسیات میں حصہ لینے لگے۔ ۱۹۱۶ء میں مولانا عبیداللہ سندھی کے ساتھ "ریشمی رومال" سازش میں قید کی سزا پائی اور ۱۹۱۹ء تک پونا کے قریب یرناگری جیل کی سختیاں سہتے رہے۔ رہائی کے بعد پھر فروری ۱۹۱۹ء میں سال بھر کے لیے جیل گئے۔ ۱۹۲۰ء میں سندھ مسلم لیگ کی کونسل کے رکن ہوئے۔ تحریک خلافت کے جلسہ منعقدہ لاڑکانہ میں نہایت پرجوش تقریر کی جس کی پاداش میں دو سال کی سزائے قید ہوئی۔ اب مولانا عبدالمجید سندھی تحریک خلافت کے علاوہ عدم تعاون تحریک خدام کعبہ سوسائٹی اور مسلم کانفرنس کی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لینے لگے۔

شیخ سندھی دسمبر ۱۹۲۴ء میں سندھی روزنامہ "الوحید" کے ایڈیٹر مقرر ہوئے ۱۶ نومبر ۱۹۲۹ء میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس الہ آباد میں شرکت کی ۱۸ اپریل ۱۹۳ء کو کراچی میں آزاد سندھ کانفرنس کے اجلاس کی صدارت کی۔ انھوں نے بمبئی پریزیڈنسی سے صوبہ سندھ کی علیحدگی کی تحریک کی اپنی زبان و قلم سے پرزور حمایت اور قیادت کی۔

---

[1] واسطی نے سنہ پیدائش ۱۸۸۸ء لکھا ہے جب کہ پیرزادہ نے ۱۸۸۹ء اور روزنامہ "جنگ" نے ۱۸۸۱ء درج کیا ہے۔

بالآخر یکم اپریل ۱۹۳۶ء سندھ ایک خود مختار اور علیحدہ صوبہ بنا دیا گیا۔

۱۹۳۷ء میں انھوں نے پہلے صوبائی اسمبلی کے انتخاب میں سندھ آزاد پارٹی کے ٹکٹ پر شاہنواز بھٹو کو ان کے وطن لاڑکانہ کے حلقہ میں شکست دی۔ اس کے فوراً بعد وہ مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور میر بندے علی کی وزارت میں ۱۹۴۰ء میں وزیر مال اور تعلیمات مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۴ء میں انھوں نے مسلم لیگ سے علیحدگی اختیار کر لی۔ جب ۱۹۴۹ء میں عبدالغفار خان نے آل پاکستان عوامی پارٹی قائم کی تو عبدالمجید سندھی اس پارٹی کے سندھ کے کنوینر مقرر ہوئے بعد میں وہ متحدہ عوامی پارٹی میں شامل ہو گئے تھے۔

شیخ عبدالمجید سندھی دو کتابوں کے مصنف ہیں

(۱) تحریک اندلس

(۲) مسلم کمیونٹیز اینڈ دیر رائٹس MUSLIM COMMUNITIES AND THEIR RIGHTS اور

ان کی وفات ۲۴ مئی ۱۹۷۸ء کو ہوئی۔

مآخذ:

S RAZA WASTI BIOGRAPHICAL DICTIONARY OF SOUTH ASIA, UNITED PUBLISHERS, LAHORE, p 5-6

سید رضا واسطی بیوگرافیکل ڈکشنری آف ساؤتھ ایشیا ص ۵-۶ یونائیٹڈ پبلشرز لاہور

D.A. PIRZADA QUAID-AZAM, QUAID-I-AZAM ACADEMY, KARACHI, PAKISTAN, ۲

(ڈی اے پیرزادہ۔ قائداعظم اکیڈمی۔ کراچی)

۳۔ روزنامہ "جنگ" کراچی مورخہ ۲۲ اور ۲۹ مئی ۱۹۸۵ء۔

سید عبدالواحد معینی (۱۸۹۸ - ۱۹۸۰ء)

سید عبدالواحد معینی اقبال کے دیرینہ عقیدت مند تھے۔ان کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے غیر ملکی مستشرقوں اور اسکالروں کی توجہ اقبال اور اُن کی شاعری کی جانب مبذول کرائی۔ان کا سلسلۂ نسب خواجہ معین الدین اجمیری سے ملتا ہے اسی نسبت سے انھوں نے اپنے نام کے ساتھ معینی کا اضافہ کیا تھا۔ وہ ۲ر جنوری ۱۸۹۸ء کو اجمیر میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ پھر وہیں گورنمنٹ کالج سے بی ایس سی کیا ۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۰ء تک مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں رہے بعد میں حکومت نے اسکالرشپ پر ان کو آکسفورڈ یونیورسٹی لندن بھیجا وہیں سے انھوں نے ۱۹۳۳ء میں نباتات پر ڈگری لی۔

معینی صاحب نے لندن سے واپس آنے کے بعد انڈین فورسٹ سروس (INDIAN FOREST SERVICE) میں ملازمت کی۔ کچھ عرصہ سی۔ پی (مدھیہ پردیش) میں گزارا، پھر حیدرآباد جاکر ناظم جنگلات ہوگئے یہ زمانہ ان کی اقبال شناسی کا تھا۔ اس زمانے میں انھوں نے اقبال کے نظریات و افکار کا مطالعہ کیا اور جب اقبال نے میسور سے واپسی پر حیدرآباد دکن میں قیام کیا اور لیکچر دیئے تھے، معینی صاحب نے ان سے ملاقات کی۔ اور پھر اس ملاقات کے بعد وہ اقبال کے اتنے قریب ہوگئے کہ بعد میں اقبال کی وفات تک ان کی ان سے مختلف امور پر خط وکتابت ہوتی رہی۔ جن دنوں اقبال بیمار تھے، یونانی دوائیں استعمال کی جارہی تھیں، معینی صاحب کو ہر وقت اقبال کی خیریت کی فکر رہتی تھی چنانچہ ۱۲ر نومبر ۱۹۳۴ء کو اقبال نے اپنی صحت یابی کی اطلاع دیتے ہوئے ان کو لکھا۔

"میں ابھی تک بہت علیل ہوں، یونانی دوا کے استعمال سے صحت بہت

اچھی ہوگئی ہے مگر آواز پر ابھی کوئی نمایاں اثر نہیں ہوا دعا فرمائیں"
ایک مرتبہ خود معینی صاحب اقبال سے ملاقات کے لیے لاہور گئے لیکن اس سے پہلے وہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ اقبال لاہور میں ہوں گے یا نہیں۔ اقبال نے ان کو اطلاع دی۔

"میں اکتوبر میں لاہور میں حاضر ہوں گا۔ سوائے ۲۵، ۲۶، ۲۷ اکتوبر کے۔ ان ایّام میں، مولانا حالی مرحوم کی سپیچری پانی پت میں ہوگی وہاں جانے کا وعدہ ہے صحت نسبتاً اچھی ہے"

حیدرآباد دکن میں اقبال کی زندگی میں جشنِ اقبال منایا گیا تھا اور ان کی وفات کے بعد بہادر یار جنگ کی مستقل سرپرستی میں بزمِ اقبال کی بنا رکھی گئی تھی، معینی صاحب نے اس میں نمایاں طریقے پر دلچسپی لی۔ اور اقبال کے پیغام کو بھرپور طریقے پر عام کرنے کی سعی کی۔

تقسیم ہند کے فوری بعد وہ پاکستان آگئے، انھوں نے مختلف عہدوں پر کام کیا، ۱۹۵۲ء میں اقوام متحدہ کے مسیر جنگلات ہوئے، ایک طویل عرصہ روم، قاہرہ، افغانستان اور ترکی میں گزارا۔ ۱۹۵۷ء میں وظیفہ پر ملازمت سے ریٹائر ہوئے، پھر یورپ جاکر مختلف ملکوں میں اقبال کے پیغام کو عام کیا۔ ۱۹۶۳ء میں پاکستان واپس آکر کراچی میں اقامت گزیں ہوگئے۔ ۱۹۷۰ء میں اقبال اکادمی نے ان کو اپنا ڈائرکٹر مقرر کیا۔ یہ زمانہ ان کے لیے بہت صبر آزما ثابت ہوا۔ ان کی مختلف حلقوں کی جانب سے شدید مخالفت کی گئی اس کے باوجود انھوں نے سپر نہیں ڈالی انھوں نے ۳ مارچ ۱۹۸۰ء کو کراچی میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر اسی سال کے لگ بھگ تھی۔

معینی صاحب کی پہلی کتاب اقبال کی وفات کے فوری بعد منظرِ عام پر آئی تھی اس کتاب کا موضوع اقبال اور اس کا فن تھا، یہ کتاب بے انتہا مقبول ہوئی اور ۱۹۴۴ء تک اس کے دو اڈیشن شائع ہوکر نایاب ہوگئے اس کتاب نے پروفیسر اے، جے آربری، ای ایم فاسٹر، وہاب بے عزّام، پروفیسر اے لوسانی

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور پروفیسر اینی میری شمیل کو بے حد متاثر کیا۔ اس کے علاوہ معینی صاحب نے اقبال کا وہ سارا کلام جو ان کے کسی مجموعے میں شامل نہیں تھا، مختلف رسالوں، جریدوں اور اخباروں سے ڈھونڈ نکالا اور پھر اسے عبداللہ قریشی کے ساتھ باقیاتِ اقبال کے نام سے شائع کرایا تھاٹس اینڈ ریفلکشن آف اقبال THOUGHTS AND REFLECTION OF IQBAL کے موضوع پر بھی ان کی ایک کتاب چھپ چکی ہے۔ اُن کی اردو تصانیف میں نقشِ اقبال اور مضامینِ اقبال انتہائی اہم کتابیں خیال کی جاتی ہیں۔

ماخذ:

عبدالرؤف عروج۔ رجالِ اقبال۔ ص ۴۵۸ - ۴۵۹ -

E.M. FORSTER

PROF. A. J. ARBERRY PROF. A. BUSANI

ANNEMARIE SCHIMMEL

(شیخ محمد) عبدہ (۱۸۴۹ - ۱۹۰۵ء)

شیخ محمد عبدّہ ایک مصری عالم دین اور روشن خیال مصلح تھے جو انیسویں اور بیسویں صدی کے مسلم دانشوروں کی نئی نسل کے پیشرو تھے۔ جنھوں نے اسلامی تعلیمات اور ادارہ جات میں نئی روح پھونکی تاکہ وہ جدید تہذیب و تمدن کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہو سکیں۔

شیخ عبدہ دریائے نیل کے ڈیلٹے میں واقع ایک گاؤں میں ۱۸۴۹ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ایک مدرسہ میں پائی۔ ۱۸۶۶ء میں جامعہ ازہر میں داخلہ لیا جہاں سے ۱۸۷۷ء میں عالم کی سند حاصل کی۔ بیس سال کی عمر میں درس و تدریس کا کام شروع کر دیا۔ وہ جمال الدین افغانی سے بہت متاثر ہوئے جو اس وقت قاہرہ میں سکونت پذیر تھے۔ وہ بھی انگریزی تسلط کے خلاف تھے اور سچے وطن پرست تھے۔ افغانی نے عبدہ کو دینیات فلسفہ و کلام اور سیاست کی طرف راغب کیا۔ ۱۸۷۸ء میں شیخ عبدہ اسکول آف سائنس اینڈ لینگویجز (SCHOOL OF SCIENCE AND LANGUAGES) میں معلّم مقرر ہوئے۔ ۱۸۷۹ء میں سیاسی سرگرمیوں کے باعث افغانی کو مصر سے نکال دیا گیا اور شیخ عبدہ اپنے گاؤں مراجعت کر گئے۔ اگلے سال ان کی قسمت کا ستارہ چمکا اور وہ "الوقائع المصریہ" (گورنمنٹ گزٹ) کے ایڈیٹر مقرر ہوئے جس کو انھوں نے فرانسیسی اور برطانوی حکومتوں کی ریشہ دوانیوں کے خلاف استعمال کیا۔ اس کے ذریعہ دینی اصلاحات کی بھی تبلیغ کی۔ ۱۸۸۲ء میں کرنل اعرابی کی قیادت میں ہوئی بغاوت میں ماخوذ ہوئے اور ان کو جلا وطن کر دیا گیا۔ وہ شام میں عام بذر ہوئے جہاں سے ۱۸۸۴ء میں پیرس جا کر اپنے مرشد افغانی کے انقلابی جریدہ "العروۃ الوثقیٰ"

(مضبوط رسّی) کی اشاعت میں معاونت کرنے لگے۔ انگلستان اور تیونس کے مختصر دورہ کے بعد عبدہ بیروت میں تین سال تک اقامت پذیر رہے اور ایک اسلامی کالج میں درس وتدریس کا کام کرتے رہے۔

۱۸۸۸ء میں عبدہ کو مصر واپس آنے کی اجازت ملی، جہاں وہ باقی زندگی عدلیہ سے وابستہ رہے۔ پہلے قومی عدالت کے جج مقرر ہوئے اور پھر ۱۸۹۱ء میں اپیل کورٹ کے جج بنے۔ ۱۸۹۹ء میں مصر کے مفتیِ اعظم مقرر ہوئے اور نظامِ عدالت اور اوقاف کے انتظام وانصرام میں متعدد اصلاحات کیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ جامعہ ازہر میں بھی درس دیتے رہے اور قدامت پسندوں کی شدید مخالفت کے باوجود انھوں نے جامعہ ازہر کے نصاب تعلیم اور نظام میں اصلاحات کیں۔ انھوں نے ایک خیراتی ادارہ بھی قائم کیا جو غریب بچّوں کے لیے اسکول چلاتا تھا۔ وہ قانون ساز کونسل کے بھی رکن رہے جہاں وہ نظامِ قانون اور تعلیمی نظام میں اصلاحات کی برابر تلقین کرتے رہے۔

شیخ محمد عبدہ نے تقریباً ۱۹ کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں سے اہم تصانیف "رسالہ التوحید" اور "تفسیر القرآن الحکیم معروف بہ تفسیرِ منار" مشہور ہیں۔ شیخ عبدہ دورِ حاضر میں تجدیدِ اسلام کے نقّاشِ اول کہے جاتے ہیں۔

شیخ عبدہ کا انتقال اسکندریہ میں ۱۱ر جولائی ۱۹۰۵ء کو ہوا۔

ماخذ

MOHD ABDA A STUDY OF THE MODERN THINKER OF EGYPT, INSTITUTE OF ISLAMIC STUDIES BY MEHMOOD UL HAQUE

(محمود الحق: محمد عبدہ۔ اے سٹڈی آف اے ماڈرن تھنکر آف ایجپٹ انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۷۰ء)

بابا طاہر عریاں (چوتھی صدی ہجری کے آخر میں ولادت)

بابا طاہر ہمدان کے رہنے والے تھے۔ عارفوں کا مسلک درویشی اور فروتنی ہے۔ اس لیے بابا طاہر گوشہ گیر رہے اور انھوں نے گمنام زندگی بسر کی اسی لیے ان کی زندگی کے تفصیلی حالات نہیں ملتے۔ صرف بعض صوفیہ کی کتابوں میں ان کے معنوی مقام ریاضت، درویشی اور ان کے تقویٰ اور استغنا کا ذکر ملتا ہے۔ شاید انھوں نے ترک لباس کیا ہوا اس لیے 'عریاں' کے نام سے مشہور ہو گئے ہوں۔ ان کی زندگی کے بارے میں جو کچھ معلوم ہے وہ بس اتنا ہی ہے کہ پہلے سلجوقی بادشاہ طغرل سے ۴۴۷ھ میں بمقام ہمدان ان کی ملاقات ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچویں صدی کے وسط میں شیخ کی خاصی شہرت ہو چکی تھی اسی سے خیال ہوتا ہے کہ شاید وہ چوتھی صدی ہجری کے آخر میں پیدا ہوئے ہوں۔ روایت ہے کہ شیخ نے سلطان کو مٹی کے لوٹے کا ایک ٹوٹا ہوا دستہ تبرک کے طور پر عطا کیا اور وہ اس دستے کو اپنے تعویذ میں رکھا کرتا تھا جب کسی مہم پر جاتا تو اسے انگلی میں پہن لیا کرتا تھا۔ بابا طاہر صاحبِ دل اور دردمند شاعر تھے۔ ان کے اشعار ان کے سوز دروں کے شاہد ہیں۔ انھوں نے عربی اور فارسی میں چند رسالے بھی لکھے ہیں۔

ان رسالوں میں ایک بابا طاہر کے مختصر عربی اقوال کا مجموعہ ہے۔ اس میں انھوں نے علم و معرفت، ذکر و عبادت، وجد و محبت کے بارے میں صوفیانہ عقائد کو مختصر اور موثر جملوں میں بیان کیا ہے۔ ایران میں بابا طاہر کی شہرت کی بڑی وجہ ان کی پُراثر، شیریں اور عارفانہ دوبیتی ہیں۔ ان دوبیتیوں کا وزن عام رباعیوں کے وزن سے کسی قدر مختلف ہے۔ یہ رباعیات ایک زبان میں کہی گئی ہیں جو لری زبان سے مشابہ ہے اسی لیے انھیں قدیم کتابوں میں "فہلویات"[1] کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ ان

---

[1] عوامی زبان FOLK LANGUAGE

تمام سیدھی سادی اور پُراثر رباعیوں میں شاعر نے دنیا کی وحدت، انسان کی دورافتادگی اور اپنی پریشانی، تنہائی، بے بضاعتی اور بے یقینی کا ذکر کیا ہے۔ ہجران کی شکایت کی ہے اور اپنی طلبِ معنوی کے اشتیاق کا اظہار کیا ہے۔

۲- ۱۹۰۲ء میں بابا طاہر کی دوبیتیوں کا ترجمہ مسٹر ایڈورڈ ہیرن ایلن نے (EDWARD HERON ALLEN) "LAMENTS OF BABA TAHIR" (فغانِ بابا طاہر) کے نام سے انگریزی نثر میں اور منظوم ترجمہ مسز الزبیتھ کرٹس برینٹن MRS. ELIZABETH CURTIS BRENTON نے شائع کیا ہے۔ اردو میں ان کا ترجمہ پروفیسر حضور احمد سلیم شعبہ فارسی، دانشگاہ سندھ نے کیا ہے۔

مآخذ:

۱ ڈاکٹر رضا زادہ شفق۔ تاریخ ادبیات ایران، ص، ۱۴۲ - ۱۴۳

۲ ڈاکٹر محمد ریاض اور ڈاکٹر محمد صدیق شبلی۔ فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ، ص۔ ۴۳ - ۴۴ -

علیاحضرت سلطان جہاں بیگم والیۂ بھوپال

(۱۸۵۸ - ۱۹۳۰ء)

نواب سلطان جہاں بیگم ۲۷ ذی قعدہ ۱۲۷۴ھ / ۹ جولائی ۱۸۵۸ء کو بھوپال میں پیدا ہوئیں۔ یکتائے روزگار اساتذہ سے اردو، فارسی، انگریزی اور پشتو میں مہارت حاصل کی۔ اور ساتھ ہی مذہبی تعلیم کا درس بھی لیا۔ شہ سواری اور نشانہ بازی میں بھی مہارت پیدا کی اور مصوری سے بھی انھیں شغف تھا ۱۷ سال کی عمر میں ضلع مظفر نگر (یو پی) کے ایک ممتاز و معزز نواب احمد علی خاں کے ساتھ یکم فروری ۱۸۷۵ء کو رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوگئیں۔

۱۶ جون ۱۹۰۱ء کو والدہ شاہ جہاں بیگم کی وفات کے بعد نواب سلطان جہاں بیگم ۳۰ جون ۱۹۰۱ء کو تخت نشین ہوئیں۔ انھوں نے ریاست کے نظم و نسق کو سنوارنے کے لیے مردانہ وار اقدامات کیے۔ عوام کی فلاح و بہبود کے منصوبے بنائے اور ان کو عملی جامہ پہنایا۔ انھوں نے بہت سی قدیم شکستہ تاریخی عمارتوں اور خانقاہوں کی مرمت کرائی۔

نواب سلطان جہاں بیگم نے جدید علوم و فنون اور سائنس اور ٹکنالوجی کی ترویج و اشاعت کے لیے مختلف تدابیر اختیار کیں۔ انھوں نے تعلیم نسواں کی سرپرستی کی۔ زنانہ مدارس قائم کیے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی تعمیر و توسیع کے لیے خطیر رقم منظور کی۔ ۲۲-۱۹۲۱ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی پہلی چانسلر منتخب ہوئیں۔

علیاحضرت بیگم صاحبہ علم و ادب کا نہایت پاکیزہ ذوق رکھتی تھیں۔ وہ صاحبِ قلم، علم پرور اور ادب نواز خاتون تھیں۔ مولانا شبلی کی "سیرت النبی" انہی کے فیضِ سلطانی سے منظرِ عام پر آئی۔ انھوں نے متعدد موضوعات پر مثلاً اخلاق

مذہب، معاشرت، سوانح نیز خواتین سے متعلق کتابیں تصنیف کیں۔ وہ ایک اچھی خطیب اور مقرر بھی تھیں۔ مولانا شبلی نے سرکار عالیہ کی تقریر کو سراہتے ہوئے کہا تھا "تقریر میں بعض جملے ایسے ہوتے تھے جو انشا پردازی کی شان رکھتے تھے۔"

مولانا ابوالکلام آزاد نے ان کے علمی ذوق وشوق اور تصنیف و تالیف میں حد درجہ انہماک کو دیکھتے ہوئے تحریر کیا ہے:

"الحمدللہ کہ ایک نظیر موجودہ عالم اسلامی میں ایسی موجود ہے جو ریاست و ملک رانی کے ساتھ شوقِ علم و ذوق تصنیف و تالیف کو بھی جمع کرتی ہے۔"

نواب سلطان جہاں بیگم ۲۷ ذی قعدہ ۱۳۴۴ھ/۹ جون ۱۹۲۶ء کو اپنے بیٹے نواب حمیداللہ خاں کے حق میں دستبردار ہوگئیں۔ وفات ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ/۱۲ مئی ۱۹۳۰ء کو پائی۔

ماٰخذ:

نفیس بانو۔ نواب سلطان جہاں بیگم، سہ ماہی "فکر و نظر" نامورانِ علی گڑھ جلد ۲۳، ۱۹۸۶ء، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ص ۲۸۱-۲۹۰۔

حضرت عمروبن العاص (متوفی ۴۱ھ/۴۳ھ/۵۱ھ)

عمرو بن العاص بن وائل بن ہاشم نام اور کنیت ابو عبداللہ تھی۔ ان کے والد عاص مسخروں میں سے تھے جن کے بارے میں آیت "انّ شانیک ھوالابتر" نازل ہوئی تھی۔

۸ ہجری میں حضرت خالد بن ولید کے ساتھ مسلمان ہوئے تھے۔ حضرت معاویہ کی جانب سے تین برس تک مصر کے حاکم رہے۔

سن وفات کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہے بعض ۴۲ھ بعض ۴۳ھ اور بعض ۵۱ ہجری کہتے ہیں۔

ماخذ :

ابن قتیبہ۔ سیر انبیاء و صحابہ و تابعین ترجمہ سلام اللہ صدیقی ، نورانی کتب خانہ بناس کنٹھا (گجرات) ص ۲۹۳۔۲۹۵۔

(خواجہ) غلام فرید (۱۲۶۱ھ۔ ۱۳۱۹ھ)

حضرت خواجہ غلام فرید سلسلہ چشتیہ نظامیہ لفریہ فخریہ نوریہ کے بزرگ ہیں۔ ان کی ولادت ۲۶ ر ذی قعدہ ۱۲۶۱ھ اور وفات ۷ ر ربیع الثانی ۱۳۱۹ھ کو بمقام کوٹ مٹھن پنجاب (پاک) ہوئی۔ حضرت کے جداعلیٰ خواجہ محمد شریف سلسلہ سہروردیہ کے بڑے بزرگ تھے ان کے فرزند حضرت قاضی محمد عاقل حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کے خلیفہ تھے اور وہ حضرت مولانا فخرالدین محبّ النبی کے جانشین تھے۔ دہلی کا موجودہ ڈاکٹر ذاکر حسین کالج جو پہلے دلی کالج کے نام سے مشہور تھا، ابتدا میں حضرت مولانا فخرالدین صاحب ہی کا مدرسہ تھا۔

حضرت خواجہ غلام فرید کے والد خواجہ خدا بخش کوٹ مٹھن سے ترک سکونت کرکے چاچڑاں شریف تشریف لائے اور آج تک یہ خاندان وہیں آباد ہے۔ ان کے بڑے بھائی حضرت خواجہ غلام فخرالدین اپنے والد کے بعد ۳۵ سال کی عمر میں سجادہ نشین ہوئے (۱۲۶۹ھ)۔ خواجہ غلام فرید اس وقت آٹھ سال کے تھے۔ علوم ظاہریہ سے فارغ ہوکر وہ اپنے بڑے بھائی خواجہ غلام فخرالدین سے بیعت ہوئے جن کے انتقال (۵ ر جمادی الاوّل ۱۲۸۸ھ) کے بعد ان کے سجادہ نشین ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ۲۷ سال تھی۔

پنجابی اور سرائیکی زبان کے مشہور شاعر ہیں۔ متعدد کتابیں حضرت کی یادگار ہیں۔ جیسے "مقابیس المجالس"، "اشاراتِ فریدی (حضرت کے ملفوظات)" "دیوان فرید" "فوائد فریدیہ" وغیرہ۔ "ڈوھرہ جاتِ فریدی" مشتبہ ہے۔ حضرت کا کلام توحید اور عشق حقیقی سے بھرپور ہے۔ ہندوستانی

اثرات بھی ان کے کلام میں بہت نمایاں ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ شری کرشن جی اور سری رام چندر جی کو پیغمبر خیال کرتے تھے۔ ان کی کافیاں بہت مشہور ہیں۔

مآخذ :

پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ تاریخ مشائخ چشت، جلد اول ۔

غلام مرشد (۱۸۹۵ء - ۱۹۷۹ء)

مولانا غلام مرشد کا خاندان چشتی سلسلے کے مشہور بزرگ خواجہ اللہ بخش تونسوی کے مریدوں میں سے تھا۔ اس خاندان کی سکونت ضلع سرگودھا کے ایک قصبہ انگہ میں تھی۔ غلام مرشد اسی قصبہ میں دسمبر ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئے۔ آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر علوم متداولہ کی تحصیل میں مصروف ہو گئے۔ ۱۹۱۴ء میں فاضلیت کی اسنادلیں۔ ۱۹۱۵ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے جہاں انھوں نے شیخ الہند مولانا محمود الحسن سے استفادہ کیا۔ پھر اجمیر کے دارالعلوم میں دو سال رہ کر عقلیات کے نصاب کی تکمیل کی۔

مولانا غلام مرشد کا محبوب مشغلہ درس و تدریس تھا چنانچہ انھوں نے دارالعلوم خانقاہ سیال شریف اور دارالعلوم ضلع خوشاب میں مسند درس بچھائی اور تحریر و تقریر کے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ اسی زمانہ میں مولانا غلام مرشد کی ملاقات خلیفہ شجاع الدین سے ہوئی جو مسلم لیگ کے سرگرم کارکن تھے ان کے ترغیب دلانے پر مولانا غلام مرشد نے مسلم لیگ کی رکنیت قبول کرلی اور لاہور آکر دارالعلوم نعمانیہ ہند کے صدر مدرس ہوئے۔ اسی زمانے میں ان کو جمعیت علمائے ہند دہلی نے پنجاب کی صوبائی جمعیت کا صدر مقرر کردیا۔ وہ ڈاکٹر سیف الدین کچلو کی گرفتاری کے بعد پنجاب خلافت کمیٹی کے نائب صدر ہوئے۔

۱۹۲۶ء میں پنجاب کونسل کے انتخابات ہوئے۔ ان انتخابات میں اقبال نے بھی حصہ لیا تھا۔ مولانا غلام مرشد نے اقبال کی حمایت میں بڑی زوردار اور پُراثر تقریریں کیں۔

مولانا غلام مرشد کا انداز فکر عام علماء سے مختلف تھا۔ وہ محض روایتی عالم دین نہیں تھے۔ بہت سے معاملات میں اجتہاد اور غور و فکر سے بھی کام لیتے تھے۔ ان کے اس طریقۂ کار سے دارالعلوم نعمانیہ ہند کی انتظامیہ میں اختلافات پیدا ہوئے۔ اس صورتِ حال میں مولانا غلام مرشد دارالعلوم سے علیحدہ ہو گئے۔

اقبال، مولانا غلام مرشد کی قرآن فہمی کے زبردست قائل تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مولانا جدید تعلیم یافتہ طبقے کو قرآنی ہدایات کا درس دیں۔ چنانچہ مولانا نے مسجد کناری بازار میں نمازِ صبح کے بعد قرآن کا درس دینا شروع کیا اس درس میں لاہور کے تمام پڑھے لکھے افراد شامل ہوتے تھے۔ پروفیسر محمد دین تاثیر اور ڈاکٹر سید عبداللہ چغتائی ان سے بعض مطالب و مفاہیم کے بارے میں سوالات کرتے تھے اور وہ انھیں تشفی بخش جوابات دیا کرتے تھے۔ اس طرح اس درس کی افادیت بڑھ گئی تھی اور علمی مباحث کا دائرہ وسیع ہو گیا تھا۔

اقبال کی خواہش تھی کہ مولانا غلام مرشد کی علمی اور دینی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے ان کو بادشاہی مسجد لاہور کی خطابت تفویض کی جائے۔ چنانچہ اقبال کے اصرار اور خواہش پر انجمن اسلامیہ پنجاب نے مولانا غلام مرشد کو بادشاہی مسجد کا خطیب مقرر کیا۔

جب ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو اقبال کا انتقال ہوا تو مولانا غلام مرشد ہی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی

مولانا غلام مرشد ۳۸ برس تک شاہی مسجد لاہور کے خطیب کی حیثیت سے کارگزار رہے انھوں نے قیام پاکستان کے بعد اپنی سیاسی زندگی ترک کر دی تھی اور خود کو دینی اور فلاحی کاموں تک محدود کر لیا تھا۔ انھوں نے ۱۴ ستمبر ۱۹۷۹ء کو لاہور میں وفات پائی انھوں نے کوئی مستقل تصنیف یادگار کے طور پر نہیں چھوڑی البتہ مختلف رسالوں میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں ضرورت ہے کہ یہ مضامین یکجا کر کے شائع کر دیے جائیں۔

مآخذ:

عبدالرؤف عروج رجال اقبال ص ۳۸۸-۳۹۱۔

شاہ محمد غوث گوالیاری (شطاری) (۹۰۷ھ-۹۷۰ھ)

شیخ ابو المؤید محمد الملقب بن عبداللہ بالغوث کے والد خطیر الدین تھے۔ جن کا سلسلہ نسب شیخ فرید الدین عطار سے ملتا ہے۔ شاہ محمد غوث کی ولادت ۹۰۷ھ میں غازی پور میں ہوئی۔ عربی تعلیم حاصل کی۔ علوم منقول میں کافی دسترس تھی۔ زمانۂ ہوش کا آغاز ہی تھا کہ ان میں ذوق خدا طلبی پیدا ہوا۔ انھوں نے ریاضت کرنی شروع کر دی اور حضرت حاجی حمید الدین سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد تیرہ سال اور چند مہینے نوجوانی کے عالم میں کوہستان چنار میں چلہ کشی کی۔ اسی زمانے میں باطنی اسرار اور ظاہری اطوار کو رسالہ "جواہر خمسہ" رقم کیا۔ جب شاہ صاحب کی عمر بائیس سال کی تھی تو مرشد کا سایۂ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔ شاہ صاحب ان کے خلیفہ ہوئے۔

جب افغانان سور کا تسلط دہلی پر ہوا اور ہمایوں دہلی چھوڑ کر چلا گیا۔ اس وقت غوث الاولیاء نے بھی گجرات کی طرف ہجرت فرمائی اور اس مقام پر جو آج کل "دولت خانہ" کے نام سے مشہور ہے ایک بڑی خانقاہ قائم کی۔ ہمایوں نے شاہ صاحب کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا کہ آپ کے گجرات سے چلے آنے سے کسی قدر اطمینان ہوا۔ شاہ صاحب نے ہمایوں کو خواب میں بشارت دی کہ جلد اس کی مراد پوری ہوگی۔ شاہ صاحب نے گجرات میں اٹھارہ سال قیام فرمایا۔ سلاطین گجرات میں سلطان محمود ثانی ان کا معتقد تھا۔

شاہ صاحب نے ۹۵۶ ہجری میں اپنے مریدوں کے التماس پر "جواہر خمسہ" کی بعض دقیق اور مشکل عبارتیں نسبتاً آسان لفظوں میں لکھ کر ان کی وضاحت کر دی۔

اکبر کی تخت نشینی کے بعد ۹۶۶ ہجری میں غوث الاولیاء گجرات سے اکبر آباد تشریف لائے۔
حضرت کا وصال ۱۴ رمضان ۹۷۰ ہجری/۱۵۶۲ء میں آگرہ میں ہوا تدفین گوالیار میں کی گئی۔
شاہ محمد غوث گوالیاری کی تصانیف حسب ذیل ہیں،
۱۔ جواہر خمسہ۔ ۹۲۹ ہجری میں مکمل ہوئی۔ عبادات و مشرب شطاریہ کا بیان ہے۔
۲۔ امداد غوثیہ اور معراج نامہ۔ ۹۴۹ ہجری۔ صوفیانہ تصانیف۔
۳۔ بحر الحیات۔ امرت کنڈ کا ترجمہ ہے۔ اس میں ہندو جوگیوں اور سنیاسیوں کے اطوار و اشغال کی تفصیل ہے۔
۴۔ ضمائر و بصائر اور کلید مخازن۔ ان رسائل میں علم تصوّف کے موضوع، مبادی مسائل اور مقاصد کا بیان ہے۔ توحید صوفیہ کے مشرب اور کشفی تحقیق کے اصول بتائے گئے ہیں۔
۵۔ کنز الواحدہ۔ توحیدِ کشفی اور ایمان حقیقی کا بیان ہے۔

مآخذ:

۱۔ حنیف محمد غوثی شطاری منانڈوی۔ اذکار ابرار (فارسی)، مترجم فضل احمد جے پوری، گلزار ابرار (اردو ترجمہ) اسلامک فاؤنڈیشن ۹۴۲ سمن آباد، لاہور، ۱۳۹۵ ہجری۔
۲۔ محمد مسعود احمد۔ رسالہ "معارف"۔ جولائی ۱۹۶۲ء اور دسمبر ۱۹۶۲ء

سیّد غوث محی الدین

سید غوث محی الدین بنگلوری سلطان ٹیپو کے مشہور سپہ سالار سید عبدالغفار شہید کے پوتے تھے میسور کے ایک قدیم اخبار "الکلام" کے مدیر تھے۔ وہ شاعر بھی تھے۔ اپنی ایک نظم میں انھوں نے اپنے دادا سید غفار کا ذکر کیا ہے۔ جسے سن کر اقبال نے فرمایا کہ "سید! وہ تلوار کے دھنی تھے آپ قلم کے" اس کو سید صاحب نے یوں نظم کیا ہے۔

مسرت سے لپٹ کر آپ نے یوں مجھ سے فرمایا
قلم سے کام لو سیّد! ہیں اب بیکار شمشیریں[1]

جب انھوں نے "الکلام" کا "اقبال نمبر" ۱۹۲۹ء علامہ اقبال کو پیش کیا تو دیوان ریاست میسور سر مرزا اسماعیل نے ان کا تعارف کرایا تھا۔ حکومت میسور کی جانب سے انھیں علامہ کی ہمراہی کا شرف حاصل ہوا تھا یہ حیدر آباد کے سفر میں بھی علامہ اقبال کے ساتھ رہے تھے۔ علامہ نے سر اکبر حیدری سے ان کی سفارش کی تھی۔ یہ ایم۔ ایل۔ سی M.L.C. بھی رہے۔

جب ۱۹۶۰ء میں پنڈت جواہر لال نہرو بنگلور آئے تو ان کا خیر مقدم سیّد صاحب نے اردو اور انگریزی نظم کی صورت میں کیا۔

---

[1] کلیم الملک سید غوث محی الدین کلیم مدیر "الکلام" بنگلور مطبوعہ روزنامہ "پاسبان" بنگلور مورخہ ۱۲ / اپریل ۱۹۶۶ء

مآخذ:

بصد شکریہ: جناب سلیم تمنائی صاحب، میسور

مس مارگریٹ فارک ہرسن

(MARGARET FARQUHARSON)

مس مارگریٹ فارک ہرسن نیشنل لیگ آف انگلینڈ (NATIONAL LEAGUE OF ENGLAND) کی بانی تھیں۔ یہ لیگ ۱۹۱۴ء میں قائم کی گئی تھی۔ اس کا مقصد برطانیہ کی جنگی مساعی میں مدد دینا تھا۔ جنگ عظیم اول ختم ہوئی تو اس کا مقصد اشتراکیت کے خلاف جدوجہد کے علاوہ دنیا کے مسلمان ممالک سے سلطنت برطانیہ کے خوشگوار تعلقات کا قیام قرار پایا۔ مس فارک ہرسن کو مسلمانوں سے ہمدردی تھی اور چاہتی تھیں کہ ان زیادتیوں کا مداوا ہو جو برطانیہ نے جنگ عظیم کے دوران عالم اسلام کے ساتھ کی تھیں۔ مشرق وسطی کے ممالک اور برصغیر نیشنل لیگ کی کوششوں کے خاص محور تھے۔ مس فارک ہرسن اقبال کے علاوہ برصغیر کی دوسری اہم شخصیتوں سے بھی خط و کتابت کرتی رہتی تھیں۔ اقبال نے ان سے دوسری گول میز کانفرنس کے موقع پر ملاقات کی تھی۔ اور اس مرتبہ مس فارقوہرسن نے نیشنل لیگ کی طرف سے اقبال کے اعزاز میں ۲۴ر نومبر ۱۹۳۲ء کو استقبالیہ کا اہتمام بھی کیا تھا اس تقریب میں گول میز کانفرنس کے ہندو اور مسلم مندوبین اور برطانیہ کی بعض مقتدر شخصیات موجود تھیں۔

بشیر احمد ڈار نے " لیٹرز آف اقبال " (ص۔ ۲۰۲) میں اور ڈاکٹر جاوید اقبال نے "زندہ رود " میں اس استقبالیہ کی تاریخ ۲۴ر نومبر ۱۹۳۲ء درج کی ہے جب کہ محمد حمزہ فاروقی نے "سفر نامۂ اقبال " (ص ۶۱ ۱۵۴۔) میں ۲۴ر اکتوبر ۱۹۳۲ء درج کی ہے۔ (مولّف)

بعد ازاں ۵ار دسمبر ۱۹۳۲ء کو اقبال نے نیشنل لیگ آف انگلینڈ کے ایک اور اجلاس سے خطاب کیا۔ اس میں برطانوی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے اراکین غیر ملکی سفیر اور مسلم وفد کے دیگر ممبران موجود تھے۔

مآخذ

۱ محمد حمزہ فاروقی۔ سفر نامہ اقبال۔ ص۔ ۵۴، ۶۱

۲ بشیر احمد ڈار۔ لیٹرز آف اقبال، ص۔ ۲۰۲۔

۳ اقبالیات، لاہور، جولائی۔ ستمبر ۱۹۸۵ء

۴ ڈاکٹر جاوید اقبال۔ زندہ رود، جلد سوم، ص۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔

(ڈاکٹر محمد طاہر) فاروقی (۱۹۰۵ء۔۱۹۷۸ء)

ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی ۱۴ ستمبر ۱۹۰۵ء کو رام پور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محمد محسن فاروقی اپنے دور کے جید عالم تھے۔ انھوں نے بچھراؤں ضلع مراد آباد میں بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک اسکول قائم کیا تھا۔ طاہر صاحب نے ابتدائی تعلیم اسی اسکول میں حاصل کی۔ پھر مزید تعلیم کے لیے حلیم ہائی اسکول، کانپور میں داخلہ لیا۔ ابھی وہ ثانوی تعلیم کے مراحل سے گزر رہے تھے کہ مولوی محمد محسن فاروقی کا تقرر عربی کے پروفیسر کی حیثیت سے اسلامیہ کالج پشاور میں ہوگیا۔ طاہر صاحب کو تعلیم ترک کرکے اپنے والد کے ہمراہ پشاور آنا پڑا۔ پشاور آنے کے بعد انھوں نے پنجاب یونیورسٹی سے مولوی کا امتحان دیا اور تمام یونیورسٹی میں اوّل آئے۔

طاہر صاحب کے عم زاد پروفیسر عابد حسن فریدی اور حامد حسن قادری سینٹ جانس کالج، آگرہ میں فارسی اور اردو کے پروفیسر تھے۔ والد نے ان کو مزید تعلیم کے لیے آگرہ بھیج دیا۔ طاہر صاحب نے آگرہ یونیورسٹی سے فارسی میں ایم۔اے کیا اور حلیم ہائی اسکول کانپور میں ہیڈ مولوی ہوگئے۔

اسی زمانے میں ۱۲ ستمبر ۱۹۳۴ء میں ایرانی حکومت نے فردوسی کی ہزار سالہ جوبلی منانے کا اعلان کیا۔ اقبال کو بھی اس جوبلی میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ طاہر صاحب چاہتے تھے کہ کسی کا ساتھ ہو جائے تو وہ بھی ایران ہو آئیں۔ ان کو جب اس امر کی اطلاع ملی کہ اس جوبلی میں شرکت کی دعوت اقبال کو بھی دی گئی ہے تو انھوں نے اقبال کو خط لکھا اور اپنے ارادے کا اظہار کیا۔ اس زمانے میں اقبال علیل تھے۔ علالت کی وجہ سے وہ اپنی عملی زندگی سے معطل ہوگئے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ ایران جاکر فردوسی کی ہزار سالہ جوبلی میں شرکت کریں۔ لیکن ڈاکٹروں نے

ان کو مکمل آرام کا مشورہ دیا اور سفر پر پابندی لگا دی تھی جس کی وجہ سے اقبال نے طاہر صاحب کو لکھا:

"میں کچھ عرصے سے علیل ہوں۔ ناسازیٔ طبع کے باعث سفر کا ارادہ ملتوی کر چکا ہوں۔ قونصل جنرل، ایران سے خط و کتابت کر کے جزئیات معلوم کر لیں۔"

(مکتوب محررہ جولائی / اگست ۱۹۳۴ء مشمولہ جلد سوم)

اقبال کے اس خط کے بعد طاہر صاحب نے ایران جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس کے کچھ دنوں بعد آگرہ کالج میں شعبہ فارسی کے صدر ہو گئے۔ ۲۱ را پریل ۱۹۳۸ء کو اقبال نے وفات پائی۔ ان کے وفات سے طاہر صاحب کو بے حد صدمہ ہوا۔ اقبال کے پیغام کو عام کرنے کے لیے ۲ رمئی ۱۹۳۸ء کو آگرہ میں ان کی کتاب "بزم اقبال" منظر عام پر آئی۔ جس میں اقبال کے حالات اور کلام اور اس کے جملہ محاسن کا احاطہ کیا گیا تھا۔ یہ پہلی کتاب تھی جو اقبال کی وفات کے فوری بعد لکھی گئی تھی۔

طاہر صاحب نے ملازمت کے دوران ۱۹۴۴ء میں اردو میں ایم۔ اے کیا۔ ۱۹۴۵ء میں عم زاد عابد حسن فریدی کے زیر نگرانی پی ایچ۔ ڈی کرنے کے لیے کام کرنے لگے۔ ابھی یہ کام جاری ہی تھا کہ ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہو گیا۔ وہ پاکستان آکر ڈھاکہ یونیورسٹی میں اردو کے ریڈر ہو گئے۔ کچھ عرصہ پنجاب یونیورسٹی اورنٹیل کالج لاہور میں اردو لیکچرار کی حیثیت سے گزارا۔ پھر اسلامیہ کالج پشاور میں اردو کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ ابھی اسلامیہ کالج پشاور میں کام کرتے ہوئے ان کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ایک بار پھر ان کو ڈھاکہ یونیورسٹی میں اردو ریڈر کی حیثیت سے جانا پڑا۔ ڈھاکہ کی آب و ہوا ان کے مزاج کے موافق نہیں تھی۔ مختلف عوارض نے پریشان کیا۔ دوبارہ پشاور آ گئے۔ جب ۱۹۶۲ء میں پشاور یونیورسٹی نے شعبۂ اردو قائم کیا تو اسلامیہ کالج نے ان کی خدمات یونیورسٹی کے سپرد کر دیں۔ وہ وہیں سے ۱۹۶۸ء میں ریٹائر ہوئے۔

۱۹۶۸ء میں انقرہ یونیورسٹی (ترکی) میں صدر شعبہ اردو کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا۔ ۱۹۷۰ء میں سبکدوش ہو کر پشاور آ گئے۔
طاہر صاحب کی خواہش تھی کہ وہ اپنی باقی زندگی تصنیف و تالیف میں گزاریں۔ چنانچہ ۱۹۷۸ء میں جب ان پر فالج کا حملہ ہوا تو انھوں نے ہمت نہیں ہاری۔ علمی اور ادبی کاموں میں برابر مصروف رہے۔ بالآخر اسی مرض کے نتیجے میں ۲۰ ستمبر ۱۹۷۸ء کو انتقال کیا۔ "دل میں جدا غم طاہر" سے ان کی تاریخ وفات برآمد ہوتی ہے۔
ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی پیر جماعت علی شاہ کے مریدوں میں سے تھے۔
انھوں نے ایک اندازہ کے مطابق ایک سو سے زائد کتابیں لکھیں۔ "نگار عجم" ان کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔ اس کے بعد انھوں نے، بہار اردو، مخزن اردو، سیرت محمد علی جوہر، سرکاردو عالم، روح قواعد انشا، ادبیات ایران نو، سیرت اقبال، پاکستان میں اردو، خیابانِ اقبال، اور سیرت ملت لکھی۔ ان کی تصنیف، سیرت اقبال، بہت مشہور ہوئی ان کی زیر طبع کتابوں میں تاریخ فارسی ادب، سیر نگاری کا فن، فصاحت و بلاغت اور اقبال کے افکار لائقِ ذکر ہیں۔

مآخذ:

عبدالرؤف عروج رجال اقبال۔ ۳۱۸۔ ۳۲۰۔

حضرت فضل رحمٰن گنج مراد آبادی (۱۲۰۸ھ/۱۳۱۳ھ)

حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی کی ولادت ۱۲۰۸ھ میں بمقام ملاواں ضلع اناؤ (اودھ) میں ہوئی۔ والد کا نام شاہ اہل اللہ تھا۔ مولانا نور بن انصاری فرنگی محلی اور دوسرے علمائے لکھنؤ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر مولانا حسن علی محدّث لکھنوی کی رفاقت میں دہلی آئے شاہ عبدالعزیز، شاہ غلام علی، شاہ محمد آفاق دہلوی اور دوسرے مشائخ کبّار سے فیوض حاصل کیے شاہ عبدالعزیز اور شاہ محمد اسحاق سے تعلیم حاصل کی اور اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ اتبّاع و احترام شریعت ان کا دستور العمل تھا۔ آغازِ سن شعور ہی سے طبیعت اشتغال باطنہ کی طرف متوجہ تھی۔ اس لیے تدریس و تصنیف کا اتفاق نہ ہوا۔

۲۲؍ربیع الاول ۱۳۱۳ ھجری میں ان کا وصال ہوا۔ مراد خاں کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔

مولانا شاہ سلیمان پھلواری شریف اپنی حاضری کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "میں حاضر ہو کر ادب سے بیٹھنا چاہتا تھا کہ آپ نے (حضرت فضل رحمان) فرمایا کہ بخاری لاکر انھیں دے دو۔ میں نے پڑھنا شروع کیا۔ اس وقت کی کیفیت کو نہیں عرض کر سکتا ہوں۔ ما دانیم و دل۔ مختصر اس کا یہ ہے کہ مجھے اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے اور میں خاص حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھ رہا ہوں۔ اس وقت حضوری کی ایسی لذّت تھی کہ الفاظ کا بالکل ہی خیال نہ ہوتا تھا اور حضرت کبھی کبھی مسکراتے تھے اور کبھی آہ آہ فرماتے تھے۔ کبھی اشعار پڑھتے تھے۔

کبھی ہندی کے گیت ارشاد فرماتے تھے۔
حضرت عربی فارسی اور اردو کے علاوہ ہندی بھاشا سے بھی گہرا تعلق رکھتے تھے۔ جس کا ثبوت قرآن مجید کے وہ حصّے اور صورتیں ہیں جن کا ہندی ترجمہ حضرت نے فرمایا تھا اور جو ایک بار گلشن ابراہیمی پریس لکھنؤ سے شائع ہوا تھا۔ اب نایاب ہے۔ مولانا علی میاں نے ہندی کے کچھ نمونے اپنی کتاب میں نقل کیے ہیں۔
قائم لکھنوی کا یہ شعر اکثر آپ کی زبان مبارک پر آتا تھا:

دل ڈھونڈنا سینہ میں مرے بوالعجبی ہے
اک ڈھیر ہے یاں راکھ کا اور آگ لگی ہے

مآخذ:

۱ سید ابوالحسن علی میاں ندوی۔ تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی، مکتبہ دارالعلوم، ندوۃ العلماء، لکھنؤ ۱۹۰۸ء

۲ مولوی رحمٰن علی۔ تذکرہ علمائے ہند، مرتبہ محمد ایوب قادری پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی، کراچی، ۱۹۶۱ء

ملک فیروز خاں نون (۱۸۹۳-۱۹۷۰ء)

ملک فیروز خاں نون ۷ رمئی ۱۸۹۳ء کو لاہور میں پیدا ہوئے اور ان کے والد ملک محمد حیات خاں نون نے ان کو ایچی سن کالج لاہور میں تعلیم دلائی۔
پھر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے آکسفورڈ بھیجا ۱۹۱۷ء میں پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور ۱۹۲۶ء تک اس حیثیت سے قومی خدمات انجام دیں اس زمانے میں ان کا قیام زیادہ تر شملہ میں رہا۔ جن دنوں نواب ذوالفقار علی خاں سے علامہ اقبال کے تعلقات خراب تھے وہ شملہ جاتے تو ملک صاحب ہی کے دولت کدہ پر قیام کرتے تھے۔
جب پنجاب میں زمیندار پارٹی برسرِ اقتدار آئی تو ملک صاحب پہلے وزیر لوکل سیلف گورنمنٹ (۱۹۲۷ - ۱۹۳۱ء) اور بعد میں وزیر تعلیم (۳۶-۱۹۳۱ء) مقرر ہوئے۔
ملک فیروز خاں نون نے بڑی مصروف سیاسی زندگی گزاری۔ جب انھوں نے وزارت تعلیم سے علیحدگی اختیار کی تو ان کو ہندوستان کا ہائی کمشنر بنا کر لندن بھیج دیا گیا۔ جہاں ۱۹۳۶ سے ۱۹۴۱ء تک کارگزار رہے۔
ملک فیروز خاں نون گورنر جنرل کی مجلس عاملہ کے ممبر (محنت) (۱۹۴۱-۱۹۴۲ء) اور پھر ممبر دفاع (۱۹۴۲ - ۱۹۴۵ء) رہے۔
قیام پاکستان کے بعد وہ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۰ء تک دستور ساز اسمبلی کے رکن رہے ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۳ء تک مشرقی بنگال کے گورنر رہے۔ ان کو پنجاب کی وزارت اعلیٰ (۱۹۵۳ - ۱۹۵۵ء) بھی تفویض کی گئی۔ ۱۹۵۵ء میں وزیر خارجہ مقرر کیا گیا۔ دسمبر ۱۹۵۷ء سے اکتوبر ۱۹۵۸ء تک انھوں نے ملک کے وزیر اعظم

کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ جنرل ایوب خاں کے دور حکومت میں انھوں نے کسی قسم کی سیاست میں حصّہ لینے کے بجائے گوشہ نشینی میں وقت گزارا۔ اسی زمانے میں انھوں نے " FRO, , ,ORY AN AUTOBIOGRAPHY" (دید و شنید) کے نام سے اپنی یادداشتیں مرتب کیں۔ ان کی دوسری تصانیف میں " CANADA AND INDIA " (کینڈا اور ہندوستان ۱۹۳۹ء) " INDIA ILLUSTRATED " (مصور ہندوستان ۱۹۴۰) اور بچوں کے لیے " HINDU ... FOOLS" (دانائی نادانوں سے ۱۹۴) اور ایک طوائف کی زندگی پر مبنی ناول "SC ... D DUST" (خاک معطّر) شامل ہیں۔ ان کی سیاسی حیثیت اس قدر نمایاں اور مشہور ہے کہ ان کی علمی و ادبی خدمات پس منظر میں چلی گئیں۔

۹ر دسمبر ۱۹۷۰ء کو ان کا انتقال ہوا۔

مآخذ:

۱ عبدالرؤف عروج۔ رجال اقبال، ص۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶

۲ ایس۔ پی۔ سین۔ ڈکشنری آف نیشنل بایوگرافی، جلد دوم ص ۵ ۲، کلکتہ

قرۃ العین طاہرہ (متوفی ۱۸۵۲ء)

قرۃ العین طاہرہ کا نام ابو سلمہ فاطمہ تھا۔ زرّین تاج اس کا لقب تھا اور طاہرہ تخلص سید علی محمد باب نے اسے قرۃ العین کا لقب دیا تھا۔ ۱۶ سال کی عمر میں اپنے عم زاد ملا محمد قزوینی سے بیاہی گئی۔ ابراہیم اور اسماعیل نامی دو بیٹوں کی ماں بنی مگر اس کی ازدواجی زندگی ناکام رہی۔ شوہر کی رجعت پسندی، اس کی روشن خیالی اور مذہبی تاویلات کا مقابلہ نہ کر سکی۔ وہ زیادہ عرصہ میکے میں رہی۔ ۲۶ برس کی عمر میں وہ اپنی بہن مرضیہ خانم اور بہنوئی میرزا محمد علی کے ساتھ کربلائے معلیٰ اور نجف اشرف رہی۔ وہاں پردہ نشین ہو کر وہ دلپذیر وعظ کہتی رہی۔ وہاں اس نے "مظہر فاطمہ الزہرا" ہونے کا دعویٰ کیا مگر اپنے مذکورہ بہنوئی کے توسط سے "باب" کی گرویدہ ہو گئی۔ چار سال بعد وہ واپس آئی، پردے کو خیرباد کہا اور "باب" کی حمایت میں تقریریں کرنی شروع کیں۔ اس کی شیریں بیانی اور حسن و جمال بھی لوگوں کے لیے باعث کشش تھا۔ قزوین آ کر اس نے شوہر سے طلاق لے لی "باب" کے قتل کے بعد علما نے اس کے قتل کا بھی فتویٰ دیا مگر بادشاہ ناصر الدین شاہ دو برس طاہرہ کو تائب ہونے کے لیے کہتا رہا۔ اس نے اُسے ملکہ بنانا چاہا مگر طاہرہ نہ مانی۔ آخر اگست ۱۸۵۲ء میں اسے قتل کر دیا گیا۔ اقبال نے طاہرہ کی بے باکی کو "جاوید نامہ" میں سراہا ہے اور اس ایک غزل کو نقل فرمایا ہے۔

مآخذ:

ڈاکٹر محمد صدیق شبلی اور ڈاکٹر محمد ریاض۔ فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ، ص۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔

(ڈاکٹر مظفّر الدین) قریشی (متوفی ۱۹۷۰)

ڈاکٹر مظفّر الدّین قریشی کا شمار جامعہ عثمانیہ کے قابلِ قدر اساتذہ میں ہوتا ہے۔ وہ لاہور کے رہنے والے تھے انھوں نے لاہور ہی میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۲۱ء میں ان کو اسلامیہ کالج لاہور میں کیمیا کا استاد مقرر کیا گیا۔ اس کے ایک سال بعد انھوں نے جرمنی جا کر اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں اور حیدر آباد پہنچ کر جامعہ عثمانیہ میں شعبۂ کیمیا کے صدر مقرر ہو گئے ڈاکٹر صاحب کو اقبال سے بڑی عقیدت تھی، انھوں نے ۱۹۳۶ء میں اقبال کو دعوت دی کہ وہ حیدر آباد تشریف لے آئیں، ان دنوں اقبال علیل رہتے تھے انھوں نے جواب میں لکھا:

> "میری صحت پہلے سے کسی قدر اچھی ہے، مگر حیدر آباد کے طویل سفر کی متحمّل نہیں ہو سکتی۔"
>
> (مکتوب محرّرہ ۲۰ اگست ۱۹۳۶ء)

اقبال ۱۹۳۷ء میں حکیم نابینا سے علاج کروا رہے تھے، جب تک حکیم صاحب کا قیام دہلی میں رہا۔ دوائیں باقاعدگی سے پہنچ رہی تھیں، جب وہ دہلی سے حیدر آباد چلے گئے تو دواؤں کی ترسیل میں تعطّل پیدا ہو گیا۔ یہ صورتِ حال اقبال کے لیے بہت پریشان کن تھی۔ انھوں نے ڈاکٹر صاحب کو اس مسئلے پر توجہ دلاتے ہوئے لکھا:

> "حکیم نابینا صاحب حال ہی میں حضور نظام کی دعوت پر حیدر آباد چلے گئے ہیں اور معلوم نہیں کب تک وہاں ٹھہریں گے، مہربانی فرما کر ان کا پتہ معلوم کیجئے اور ملفوفہ خط میری طرف سے ان کی خدمت میں پیش کر کے استدعا کیجئے کہ مطلوبہ دوا تیار کر کے ارسال فرمائیں بلکہ

آپ خود ان سے دوا لے کر بذریعہ پارسل روانہ کر دیں تو اور بھی اچھا ہو گا۔"

(مکتوب محرّرہ ۵ / اکتوبر ۱۹۳۷ء)

اس خط کے بعد ڈاکٹر صاحب بالا لتزام حکیم نابینا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے، اقبال کا حال بتاتے اور دوائیں بھیجتے رہے، ابھی علاج جاری ہی تھا کہ حکیم صاحب کو نظام نے اپنا طبیبِ خاص بنالیا۔ اس کے بعد دواؤں کا کیا ذکر، ملاقات کی صورت بھی نہیں رہی، اسی دوران ڈاکٹر صاحب کی ملاقات سر اکبر حیدری سے بھی ہوگئی انھوں نے ان سے اقبال کی شدید بیماری کا ذکر کیا اور بتایا کہ اقبال کو توشک خانہ نظام سے بطور امداد جو رقم دی گئی تھی وہ انھوں نے لوٹا دی ہے، ان کو اس بات کی شکایت ہے کہ ان کے لیے ایک ایسے فنڈ سے امداد کا بندوبست کیا گیا تھا جس کو کوئی غیور آدمی قبول نہیں کر سکتا تھا۔ حیدری صاحب نے اس سلسلے میں پیدا ہونے والی غلط فہمی کی وضاحت کی۔ اقبال کو جب خود ڈاکٹر صاحب سے اس واقعے کا علم ہوا تو انھوں نے لکھا:

"میں آپ کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے حیدرآباد کی طرف سے میرے اعتراض کیے جانے کے متعلق حیدری صاحب سے ذکر کیا۔ شاید آپ کو سارے حالات معلوم نہیں اس وجہ سے آپ نے ان سے ذکر کر دیا۔ ورنہ حالات اس قسم کے ہیں کہ حیدری صاحب سے اس کا ذکر کرنا نا مناسب ہے۔ آئندہ احتیاط رکھنا چاہیے۔"

(مکتوب مورخہ ۳ / مارچ ۱۹۳۸ء)

ڈاکٹر صاحب کا ارادہ تھا کہ قیام پاکستان کے بعد بھی حیدرآباد ہی میں رہیں۔ لیکن ستمبر ۱۹۴۸ء میں حیدرآباد میں پولیس ایکشن (POLICE ACTION) کے بعد پاکستان آگئے اور لاہور میں رہائش اختیار کر لی۔ ان کو محکمۂ انڈسٹریز کا ڈائرکٹر مقرر کیا گیا۔ انھوں نے کچھ دنوں

اس خدمت پر کام کیا بعد میں خانہ نشین ہو گئے۔ ۱۹۷۰ء میں بہ عارضۂ قلب ان کا انتقال ہو گیا۔

مآخذ :

عبدالرؤف عروج : رجال اقبال۔

ص ۴۵۶۔ ۴۵۷۔

(نواب نثار علی خاں) قزلباش (۱۹۰۱-۱۹۴۴ء)

نواب نثار علی خاں برصغیر کے مشہور سیاسی و سماجی رہنما نواب فتح علی خاں کے صاحبزادے اور شیعہ کالج لکھنؤ کے نگراں تھے اور وہ اپنے دور کی معروف سیاسی اور سماجی شخصیت تھے۔ سابق وزیر اعلیٰ جناب نواب مظفر علی خاں قزلباش ان کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان کی ولادت ۱۹۰۱ء میں ہوئی اور وفات ۱۹۴۴ء ہیں۔ اردو زبان کے ممتاز شاعر صفی لکھنوی نے ان کا قطعۂ تاریخ وفات لکھا ہے جس کے آخری شعر سے سنہ وفات نکلتا ہے۔

ہست ایں فغاں بلند زہر گوشۂ مکاں
نواب ما نثار علی صدر جاہ رفت

۱۹۴۴ء

(ترجمہ: مکان کے ہر گوشہ سے یہ واویلا اٹھا ہے کہ ہمارے نواب نثار علی چل بسے جو سردار عالی مقام تھے)

مآخذ:

ارشد میر۔ سالنامہ رسالہ "نقوش" ۱۹۹۱ء

مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی (۱۲۹۵ھ/۱۹۵۲ء)

مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ شاہجہاں پوریؒ ایک جلیل القدر عالمِ دین، وسیع النظر فقیہ اور شریف الطبع انسان تھے۔ مفتی صاحب کی ولادت ۱۲۹۵ھ میں شاہجہاں پور صوبہ اترپردیش میں ہوئی۔

مفتی صاحب ۱۳۱۲ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور دورۂ حدیث کی کتابیں حضرت مولانا عبدالعلی قاسمیؒ اور شیخ الہند حضرت محمود حسن دیوبندی سے پڑھیں اور ۱۳۱۵ھ میں سندِ فراغت حاصل کر کے دیوبند سے وطن تشریف لائے اور شاہجہاں پور کے مشہور دینی مدرسہ عین العلم میں سلسلۂ درس جاری فرمایا مگر کچھ عرصہ کے بعد حضرت مولانا امین الدینؒ بانی مدرسہ امینیہ باصرار تمام دہلی بلاکر مدرسہ امینیہ کے صدر مدرس اور مفتی کے مناصبِ جلیلہ پر فائز کیا۔ اور مولانا امین الدین صاحب مرحوم کے وصال کے بعد مدرسہ امینیہ کا منصب اہتمام بھی ان ہی کو سونپا گیا جس پر وہ مسلسل چالیس سال تک فائز رہے۔

مفتی محمد کفایت اللہ کا شمار جمعیۃ علماء ہند کے ناموں اور چوٹی کے رہنماؤں میں ہوتا ہے انھوں نے سالہا سال تک جمعیۃ علماء ہند کی مسند صدارت کو بھی رونق بخشی ہے اور اس کے علاوہ آزادئ وطن کے جہاد میں بھی ہمیشہ نمایاں کردار ادا کرتے رہے اسی بنا پر ان کا شمار جلیل القدر مجاہدین آزادی میں کیا جاتا ہے اور ان کی عمر کا بہت بڑا حصہ انگریزوں کی مخالفت میں گزرا ہے۔ چنانچہ انھوں نے پہلی مرتبہ گجرات جیل میں ڈاکٹر انصاری اور خان عبدالغفار خاں کے ساتھ چھ ماہ کی قید بامشقت گزاری اور دوسری مرتبہ ڈیڑھ سال قید بامشقت ملتان جیل میں بسر کی۔ یہاں آزادی کے مشہور لیڈر لالہ دیش بندھو گپتا ان کے ساتھ تھے اور اسی زمانہ میں دیش بندھو گپتا نے حضرت مفتی صاحب سے گلستاں پڑھی۔

کانگریس نے جب انگریزی حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چلائی تو حضرت

مفتی صاحب نے اس کی پُرزور تائید کی اور جمیعۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے سول نافرمانی کی تحریک کی تقویت پہنچائی اور کامیابی سے ہمکنار کیا۔

حضرت مفتی صاحب اگر ایک طرف علم دین کی مسند پر فائز تھے تو دوسری طرف سیاست کے میدان میں بھی مسلمانوں کی قیادت کر رہے تھے۔

حضرت مفتی صاحب ایک وسیع النظر مفتی تھے، مولانا شاہ محمد عثمانی صاحب نے اپنی کتاب "ٹوٹے ہوئے تارے" کے اندر لکھا ہے کہ

"مفتی صاحب ایک دفعہ نواب بھوپال کی دعوت پر اسلامی قانون میں مشورہ کے لیے مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کے ساتھ بھوپال گئے اس موقع پر بعض علماء نے مفتی صاحب پر اعتراض کیا کہ وہ سرکاری مہمان ہیں جہاں میز کرسی پر کھانا کھایا جاتا ہے۔ مفتی صاحب نے جواب دیا کہ میز کرسی پر کھانا اب صرف نصاریٰ کا شعار نہیں رہا، دنیا میں ہر جگہ، علماء اور سردار حضرات میز کرسی پر کھاتے ہیں اس لیے اس کو اب ناجائز نہیں کہہ سکتے اس فتویٰ سے مفتی صاحب کی وسیع المشربی اور وسعتِ فکر ونظر کا اندازہ ہوتا ہے۔"

حضرت مفتی صاحب نے یکم جنوری ۱۹۵۳ء میں دہلی میں وفات پائی۔

مآخذ :

عطاء الرحمٰن قاسمی : الواح الصنادید۔ جلد ۲۔ مولانا آزاد اکیڈمی دہلی ۱۹۹۱ء

سی۔ سی۔ گاربیٹ (C.C. GARRETT)

(۱۸۸۱-۱۹۷۲ء)

یہ ۲۸ مئی ۱۸۸۱ء کو CASTLETOWN (کیسل ٹاؤن) میں پیدا ہوا۔ جیمس کالج میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۰۳ء میں ایم۔اے اور ۱۹۰۹ء میں ایل۔ایل۔بی کا امتحان پاس کیا اور اسی سال آئی۔سی۔ایس میں منتخب ہوا۔

۱۹۱۵ء میں ASSISTANT CENSOR (اسسٹنٹ سنسر) مقرر ہوا۔ ۱۹۱۷ء سے ۱۹۱۹ء تک میسوپوٹیمیا (عراق) میں مختلف عہدوں پر فائز رہا۔ ۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۰ء تک اسسٹنٹ سکریٹری کی حیثیت سے انڈیا آفس لندن میں کام کیا۔ ۱۹۲۲ء میں ہندوستان آیا۔ مختلف ضلعوں اٹک، کیمبل پور اور راولپنڈی میں ڈپٹی کمشنر رہا۔ ۱۹۲۹ء میں پنجاب گورنمنٹ کا چیف سکریٹری مقرر ہوا۔ اس کے بعد مختلف عہدوں پر فائز رہ کر دسمبر ۱۹۳۱ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوا۔ اس کے بعد بھی یہ ہندوستانی معاملات سے وابستہ رہا۔ ۱۹۴۴-۴۶ء میں ریاست بھوپال میں وزیر زراعت رہا ۱۹۴۸-۴۹ء میں RAW COTTON COMMITTEE (روکاٹن کمیٹی) کے ساتھ پاکستان اور ہندوستان کا دورہ کیا۔ اس نے کئی کتابیں بھی لکھیں جن میں۔

FRIEND AND FRIEND (۱۹۴۳ء)

THE HUNDRED YEARS (۱۹۴۴ء)

SUN OF PARRIZ (۱۹۵۶ء)

اور RINGING RADIANCE شامل ہیں۔
اس نے ۱۹۷۲ء میں انتقال کیا۔

ماخذ:

WHO's WHO , 1971-1980, p 287, INDIA OFFICE LIBRARY LONDON
(ہوز ہو۔۱۹۷۱۔۱۹۸۰ء) ص ۲۸۷، انڈیا آفس لائبریری، لندن)

سرہنری (استاولے) لارنس (۱۸۷۰ – ۱۹۴۹ء)

(SIR HENRY STAVELLY LAWRENCE)

سرہنری استاولے لارنس (SIR HENRY STAVELLY LAWRENCE) کو ڈونگل (COA DONEGAL) کے مقام پر ۲ر اکتوبر ۱۸۷۰ء کو پیدا ہوا اس نے ہیلی بری کالج (HALLEY BURY COLLEGE) اور میگڈلن کالج (MAGDALEN COLLEGE) آکسفورڈ میں تعلیم پائی ۱۸۹۰ء میں انڈین سول سروس میں داخل ہوا۔ ۱۸۹۶ء میں سندھ میں طاعون کی وبا کے انسداد کے انتظامات کا انچارج رہا۔ اس نے لوگوں کو طاعون زدہ علاقوں سے نکالنے کی حکمت عملی وضع کی جس کی قدرشناسی کے طور پر اس کو ۱۹۰۰ء میں "قیصرِ ہند" میڈل ملا۔

۱۸۹۷ء سے ۱۹۰۰ء تک سر ہنری استاولے لارنس بمبئی گورنمنٹ کی سکریٹریٹ میں رہا۔ پھر ڈائرکٹر آف انگریکلچر (۱۹۰۲ – ۱۹۰۶ء) مقرر ہوا۔ اس نے ۱۹۰۶ء میں پونا میں انگریکلچر کالج قائم کیا۔ ۱۹۰۸ء سے ۱۹۲۱ء میں سندھ کے مختلف اضلاع میں کام کیا پھر کمشنر مقرر ہوا (۱۹۱۶ء – ۱۹۱۸ء) ۱۹۲۱ء میں گورنر کی کونسل کا وائس ممبر مقرر ہوا اور ۱۹۲۶ء تک اس عہدہ پر فائز رہا جب اسے بمبئی کا کارگزار گورنر مقرر کیا گیا۔ ۱۹۲۷ء میں امپیریل کونسل کے ممبر (زراعت) کی حیثیت سے اس کا تقرر ہوا۔

۱۹۳۲ء میں سر ہنری لارنس نے نیشنل ایجوکیشن سوسائٹی آف انڈین ریفارمز

(NATIONAL EDUCATION SOCIETY ON INDIAN REFORMS)

کے زیر اہتمام کینیڈا کا دورہ کیا۔ وہاں کی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں اس موضوع پر خطاب کیا ۱۹۳۴ء میں اس نے ہاؤس آف کامنز میں کنزرویٹو پارٹی سے ہندوستانی اصلاحات پر خطاب کیا۔

وہ نہ صرف باعمل ایڈمنسٹریٹر تھا بلکہ صاحب قلم بھی تھا۔

اس کی تصنیفات مندرجہ ذیل ہیں۔

1. THE INDIAN WHITE PAPER, 1934

(علامہ کے حوالے میں اس کا ذکر ہے)

2. FREEDOM FROM FEAR AND WANT

3. THE IMPRESSION OF SHAKSPEARE

ماخذ۔

برٹش ہائی کمیشن نئی دہلی

الف سی او لائبریری (لندن) انڈکسز

F.C.O. LIBRARY (LONDON) INDEXES

لالہ لاجپت رائے (۱۸۶۵-۱۹۲۸ء)

لالہ لاجپت رائے کا شمار مشہور قوم پرست رہنماؤں میں ہوتا ہے۔ ۲۸ جنوری ۱۸۶۵ء میں ضلع فیروزپور کے ایک گاؤں ڈھوڈیکے[1] میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد منشی رادھا کشن ایک مڈل اسکول میں مدرس تھے۔ منشی رادھا کشن کا علمی اور ادبی پس منظر نہایت وسیع تھا۔ انھوں نے لالہ لاجپت رائے کو عربی اور فارسی کی تعلیم دلائی انھوں نے ۱۸۸۰ء میں انٹرنس کیا اور ۱۸۸۶ء میں لاہور سے قانون کا امتحان پاس کر کے ضلع لدھیانہ کے قصبہ جگراؤں میں وکالت کرنے لگے۔ کچھ عرصہ انھوں نے حصار میں بھی گزارا۔ ۱۸۹۴ء میں وہ ہائی کورٹ میں پریکٹس کرنے کے لیے لاہور آ گئے۔

لالہ لاجپت رائے نے ۱۸۸۸ء میں کانگریس میں شمولیت کی۔ ۱۹۰۵ء میں انھوں نے کانگریس کے ایک وفد کے ساتھ جس میں گوپال کرشن گوکھلے بھی شریک تھے انگلستان کا سفر کیا تاکہ برطانوی عوام کے سامنے ہندوستانی قوم پرستانہ خیالات و آرا کو پیش کریں۔ ۱۹۰۷ء میں انھوں نے پنجاب میں کسانوں کی ایک تحریک کی قیادت کی اس کی وجہ سے انھیں گرفتار کر کے مانڈلے (برما) بھیج دیا گیا۔ رہائی کے بعد لالہ لاجپت رائے ۱۹۰۸ء میں دوبارہ انگلستان کے دورہ پر گئے۔ ۱۹۱۳ء میں وہ جاپان، انگلستان اور امریکہ لیکچر دینے کے لیے گئے۔ اکتوبر ۱۹۱۶ء میں امریکہ میں انھوں نے ہوم رول لیگ قائم کی۔ ان کو ۱۹۱۹ء تک ہندوستان آنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ۱۹۲۰ء میں وطن

---

[1] مالک رام: تذکرہ ماہ و سال ص ۳۲۶۔

واپس آکر سیاسی سرگرمیاں ازسرِ نو شروع کردیں۔ چنانچہ ۱۹۲۱ء میں انھیں دو بار سزائے قید ہوئی۔

۱۹۲۳ء میں وہ مرکزی قانون ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۲۶ء کا انتخاب بھی کامیابی کے ساتھ جیتا۔ اسی دوران ۱۹۲۴ء، ۱۹۲۶ء اور ۱۹۲۷ء میں وہ یورپ کے دورے پر گئے۔

لالہ لاجپت رائے کو برطانوی سامراج سے شدید نفرت تھی۔ وہ انگریزوں کے خلاف چلنے والی تمام تحریکوں سے تعاون کرتے تھے۔ چنانچہ جب سائمن کمیشن کا مسئلہ درپیش ہوا تو انھوں نے لاہور میں اس کے خلاف زبردست جلوس نکالا۔ اور خود اس کی قیادت کی۔ اس جلوس پر پولیس نے لاٹھی چارج کیا ان کو شدید ضربیں آئیں۔ جس کے باعث وہ ۱۷/ نومبر ۱۹۲۸ء کو انتقال کر گئے۔

لالہ لاجپت رائے کو اقبال سے دلی لگاؤ تھا جس زمانے میں اقبال کو دردِ گردہ کی شکایت ہوئی، ان کے استاد شمس العلما، مولوی میر حسن نے ان کو طب سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔ اقبال نے لالہ لاجپت رائے کے مشورے پر حکیم نابینا کے علاج کو ترجیح دی اور ان سے اپنا علاج کرایا۔

لالہ لاجپت رائے بہت اچھے مقرر ہونے کے علاوہ ایک عمدہ نثر نگار بھی تھے انھوں نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ جب MOTHER INDIA (مدر انڈیا) چھپ کر آئی تو انھوں نے اس کے جواب میں UNHAPPY INDIA (اَن ہیپی انڈیا) کے نام سے ایک کتاب لکھی جسے بہت مقبولیت حاصل ہوئی تھی۔ یہ کتاب اب نایاب ہے۔ اس کے علاوہ ان کی اہم تصانیف ہیں:

(۱) (THE ARYA SAMAJ) (۲) (YOUNG INDIA)

(۳) (ENGLAND'S DEBT TO INDIA) (۴) (INDIA'S WILL TO

FREEDOM) (۵) STORY OF MY DEPORTATION

(۶) (MESSAGE OF THE BHAGWAD GITA) شامل ہیں۔

انھوں نے اردو کا ایک روزنامہ " بندے ماترم" بھی جاری کیا۔ اس سے قبل وہ ایک انگریزی ہفتہ وار THE PEOPLE (دی پیپل) نکالتے تھے۔

مآخذ :

۱   نیشنل بائیوگرافی۔ جلد دوم ص ۳۸۸-۳۹۱

۲   عبدالرؤف عروج۔ رجال اقبال۔ ص ۴۱۵-۴۱۶

۳   احمد: جدید ہندوستان کے معمار۔ ص ۶۶۔

محمد حسن لطیفی (۱۹۰۵ء - ۱۹۵۹ء)

محمد حسن لطیفی لدھیانہ میں ۱۱ر دسمبر ۱۹۰۵ء کو پیدا ہوئے۔ انھوں نے پنجاب یونیورسٹی سے بی۔ اے، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم۔ اے (انگریزی) اور آکسفورڈ یونیورسٹی سے ڈپلوما آف جرنلزم کی اسناد حاصل کیں۔ پنجابی، اردو، انگریزی، عربی، فارسی، فرانسیسی، جرمن اور اطالوی زبانیں جانتے تھے۔

۱۹۳۱ء میں جرنلزم کا ڈپلوما حاصل کرنے کے بعد وطن واپس آئے۔ ۱۹۳۲ء میں انھوں نے ''تنہا نگاری'' (SOLO JOURNALISM) کی بنیاد ڈالی۔ اردو ادب کے واحد ''تنہا نگار'' ہفتہ وار جریدہ ''مطالعہ'' کا اجرا کیا۔ یہ رسالہ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۵ء تک برابر شائع ہوتا رہا۔ انھوں نے تین سو کے قریب اردو نظمیں اور کتابچے شائع کیے۔ چھپتر کے قریب انگریزی کتابچوں کی شکل میں مقالات شائع کیے۔ جن میں (DYNAMIC POTENTIALITIES OF HOLY QURAN) (قرآن پاک کے متحرک امکانات) ۲۱ر مئی ۱۹۴۸ء کو گارڈن کالج، راولپنڈی میں پڑھا گیا۔ انھوں نے ایک تحقیقی و تنقیدی کتاب ''ہیر رانجھا''، سات جلدوں میں مرتب کرنے کا تہیہ کیا جس کی پہلی جلد GLIMPSES OF JHANG HISTORY (تاریخ جھنگ کی جھلکیاں) جون ۱۹۵۱ء میں جھنگ سے چھپنے والی تھی۔ اس کے چند ابواب نمونہ کے طور پر روز نامہ سول اینڈ ملٹری گزٹ میں بھی چھپے تھے۔ لیکن لطیفی صاحب کے انتقال تک ان کے اس ضخیم تحقیقی کام کا کچھ پتہ نہ چل سکا۔ اس طرح ان کی غیر مطبوعہ نظموں کی تعداد بھی خاصی ہے۔

مطبوعہ تصانیف میں ''لطیفیات'' جلد اول و دوم اور سات طویل نظموں کا

مجموعہ "ہفت آویزاں" شامل ہیں۔

لطفی صاحب کی ذات شاعرانہ عظمت کے علاوہ اور بھی بہت سے انوکھے پہلو لیے ہوئی تھی۔ وہ ایک بے صدا اصول پرست انسان تھے یورپ سے واپسی پر انگریز حکومت نے انھیں منسٹری آف انفارمیشن میں ایک اعلیٰ عہدہ کی پیش کش کی تھی جو انھوں نے ٹھکرادی۔ کیونکہ وہ صحافت کی تعلیم اس لیے حاصل کرکے آئے تھے کہ انگریز کے خلاف نظریاتی جنگ کا محاذ قائم کریں۔ وہ ہمیشہ انگریزی سامراج کے خلاف نبرد آزما رہے۔ چاہے وہ تحریر کا میدان ہو یا تقریر کا۔ ۱۹۴۲ء میں انگریزی حکومت کے خلاف ایک تقریر کی پاداش میں پہلے راولپنڈی اور پھر ایران میں نظر بند رہے۔

تقسیم ہند پر ستمبر ۱۹۴۷ء میں پاکستان کی طرف انھوں نے ہجرت کی اور ۲۳ مئی ۱۹۵۹ء کو وہیں انتقال کیا۔

مآخذ:

کسریٰ منہاس۔ نقوش، دسمبر ۱۹۸۶ء ص ۲۲۵۔ ۲۲۹۔

(لارڈ) لوتھین ۱ (LORD LOTHIAN)

(۱۸۸۲ - ۱۹۴۰ء)

لارڈ لوتھین کا پورا نام فلپ ہنری کیر (PHILIP HENRY KLER) تھا۔ یہ گیارھواں مارکیوس آف لوتھین (MARQUESS OF LOTHIAN) تھا۔ اس کی پیدائش ۱۸ ر اپریل ۱۸۸۲ء کو لندن میں ہوئی۔ اس نے اوریٹری اسکول برمنگھم (ORATORY SCHOOL, BIRMINGHAM) اور نیو کالج آکسفورڈ میں تعلیم پائی۔ ۵-۱۹۰۵ء میں اس کو انٹر کونٹی ننٹل کونسل ٹرانسول (INTER-CONTINENTAL COUNCIL, TRANSVAAL) اور اورینج ریور کالونی (ORANGE RIVER COLONY) اور ریلوے کمیٹی آف سنٹرل ساؤتھ افریقہ (RAILWAY COMMITTEE OF CENTRAL SOUTH AFRICA) میں اسسٹنٹ سکریٹری مامور کیا گیا۔ اس حیثیت سے اس نے جنوبی افریقہ کا دورہ کیا اور ۱۹۱۰ء تک وہاں مقیم رہا۔ بعدازاں جریدہ "راؤنڈ ٹیبل" (ROUND TABLE) کا جو سامراجی اتحاد و اتفاق کا حامی تھا مدیر رہا۔ (۱۹۱۰ء ۱۹۱۶ء) اور ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۱ء تک وہ لائڈ جارج LLOYD GEORGE) کا سیکریٹری رہا۔ ۱۹۲۱ء میں اس کو اخبار "ڈیلی کرانکل" (DAILY CHRONICAL) کے سیاسی ڈائرکٹر کی خدمات تفویض کی گئیں۔

۱۹۳۱ - ۱۹۳۲ء کے دوران یہ کابینہ میں انڈیا آفس کا پارلیمنٹری انڈر سکریٹری رہا۔ ۱۹۳۲ء میں انڈین فرنچایز کمیٹی (INDIAN FRANCHISE COMMITTEE) کا چیرمین مقرر ہوا۔ یہ دوسری اور تیسری گول میز کانفرس کے اہم شرکاء میں تھا۔ ۱۹۳۸ء میں اس نے ہندوستان کا دورہ کیا۔ اسی دوران مسلم یونیورسٹی

علی گڑھ کے کانوکیشن سے بھی خطاب کیا۔ لارڈ لوتھین علامہ اقبال کا بڑا مدّاح تھا۔ قیام ہندوستان کے زمانے میں علامہ سے اس کی ملاقاتیں بھی رہیں۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے اقبال کے انگریزی خطبات کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت (۱۹۳۴ء) میں اس کی کوششوں کو دخل تھا۔ لارڈ لوتھین کی ایما پر اور وساطت سے ہی علامہ اقبال کو آکسفورڈ یونیورسٹی میں روڈز لیکچر کی دعوت دی گئی کہ وہ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۹ء تک روڈز ٹرسٹ کا سیکرٹری رہا جو روڈز وظیفہ جات اور خطبات کا انتظام کرتا تھا۔

۲۴ اپریل ۱۹۳۹ء کو اسے امریکہ میں بحیثیت سفیر مامور کیا گیا۔ جہاں وہ واشنگٹن میں اپنی وفات (۱۲ دسمبر ۱۹۴۰ء) تک اس عہدہ پر فائز رہا۔

ماخذ۔

۱ دائرۃ المعارف برطانیکا، جلد ۱۴، ص ۳۲۵-۳۲۶۔
۲ رفیع الدین ہاشمی۔ خطوط اقبال، ص۔ ۷۴۔

ایڈورڈ ولیم لین (EDWARD WILLIAM LANE)
(۱۸۰۱ - ۱۸۷۶ء)

ایڈورڈ ولیم لین انیسویں صدی کا مشہور مستشرق ہے جس کی ولادت بمقام ہیرفورڈ (HEREFORD) میں ۱۷ ستمبر ۱۸۰۱ء کو ہوئی۔ ۱۸۱۴ء میں باتھ (BATH) کے گرامر اسکول اور بعد میں ہیرفورڈ میں اس نے ابتدائی تعلیم پائی۔ اس دوران وہ لندن چلا گیا اور ذاتی طور پر عربی زبان سیکھنے لگا اور اس میں مہارت حاصل کرلی اور ۱۸۲۲ء میں بول چال کی عربی زبان کی ایک گرامر مرتب کی۔ اس کا کیمبرج جانے کا منصوبہ پورا نہ ہوا۔ اُسے کلاسیکی ادب ولسانیات اور ریاضیات سے بے حد شغف تھا۔

ملازمت کے حصول کی امید میں ۱۸ جولائی ۱۸۲۵ء کو وہ مصر کے لیے روانہ ہوا اور ۱۸۲۸ء میں وطن واپس چلا آیا کہ اس کی کتاب DESCRIPTION OF EGYPT (بیانِ مصر) شائع نہ ہوسکی۔ جب اس کی اشاعت کی امید ہوئی تو اس پر نظرثانی کی غرض سے اس نے مصر کا دوسرا سفر اکتوبر ۱۸۳۳ء میں کیا اور وہاں ۱۸۳۵ء تک رہا۔ ۱۸۴۲ء میں DUKE OF NORTHUMBERLAND (ڈیوک آف نارد مبرلینڈ) نے لین کو عربی۔ انگریزی لغت مرتب کرنے کے لیے مالی امداد کی پیش کش کی۔ چنانچہ جولائی ۱۸۴۲ء میں وہ پھر عازم مصر ہوا ۲۹ اکتوبر ۱۸۴۹ء کو انگلستان واپس آیا اور لغت کی ترتیب و تدوین میں مستغرق ہوگیا۔

اس نے ۱۰ اگست ۱۸۷۶ء کو انتقال کیا۔

لین کی شہرت MANNERS & CUSTOMS OF THE MODERN

EGYPTIANS (عصرِ حاضر کے مصریوں کی رسوم و اطوار) اشاعت ۱۸۳۶ء سے ہوئی جو گزشتہ صدی کی مصری معاشرت کا مکمل اور بہترین مرقع ہے۔ لین کا الف لیلہ کا انگریزی ترجمہ بھی بہت مقبول ہوا۔ جو تین جلدوں میں ۱۸۴۰ء میں شائع ہوا۔ اس کا اصل کارنامہ جس نے اسے شہرت دوام عطا کی وہ ضخیم اور مفصل عربی انگریزی لغت ہے جو "مدّالقاموس" کے نام سے ۸ جلدوں میں ۱۸۶۳ - ۱۸۹۳ء میں شائع ہوئی۔ اس لغت کے لیے ضروری مواد جمع کرنے کے لیے سات سال تک وہ مصر میں منصور آفندی کے نام سے مقیم رہا اور وہاں کے کتب خانوں میں ۱۲ گھنٹے روزانہ کام کرتا رہا۔ امام صاغانی کی "العباب" اور ان کے دوسرے لغات اور دوسرے اہم مصنفین کی ان کتابوں سے اس نے معلومات جمع کیں جن میں سے بعض اب بھی غیر مطبوعہ ہیں۔ اس لغت کی تدوین میں اس نے ۲۵ سال صرف کیے۔ افسوس ہے کہ اس کی وفات کی وجہ سے "مدّالقاموس" کی آخری تین جلدیں ناقص رہ گئیں۔ بہرحال اس کے عزیز اسٹینلے لین پول (STANLEY LANE POOL ۱۸۵۴ - ۱۹۳۱ء) مصنف MUHAMMADAN DYNASTIES (سلسلۂ سلاطینِ مسلمانان) (لندن ۱۸۸۳ء) نے یہ لغت مکمل طور پر لین کی وفات کے بعد شائع کیا اور اب ان ۸ جلدوں کا عکسی اڈیشن بھی نکل آیا ہے۔

مآخذ:

۱ نجیب العقیقی۔ المستشرقون ۲ ۴۸

۲ شیخ عنایت اللہ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ، ۱۸: ۲۰۱

۳ لین کی سوانح حیات اور اس کے کارناموں پر سب سے اچھا مضمون لین پول کا ہے جو "مدّالقاموس" کی جلد ششم کی ابتدا میں درج ہے۔

۴۔

A J ARBERRY ORIENTAL ESSAYS, PORTRAITS OF SEVEN SCHOLARS, GEORGE ALLEN AND UNWIN, LONDON, 1960

اے جے۔ آربری۔ اورینٹل ایسیز پورٹریٹس آف سیون سکولرز
جارج ایلن اینڈ اَنوِن، لندن ۱۹۶۰ء
بصد شکریہ : پروفیسر مختارالدین احمد صاحب علی گڑھ ۔

(پنڈت) مدن موہن مالویہ (۱۸۶۱-۱۹۴۶ء)

پنڈت مدن موہن مالویہ ہندوستان کے صف اول کے قومی رہنما، ممتاز ماہر تعلیم اور نمایاں سماجی مصلح تھے۔ وہ الہ آباد میں ۲۵ دسمبر ۱۸۶۱ء کو پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم ایک پاٹھ شالہ میں حاصل کی۔ ۱۸۶۹ء میں ضلع سکول میں داخل ہوئے۔ ۱۸۷۹ء میں میٹرک پاس کیا اور میور سینٹرل کالج الہ آباد سے ۱۸۸۴ء میں بی۔ اے کی ڈگری لی۔ ۱۸۹۱ء میں ایل۔ ایل۔ بی کا امتحان پاس کیا اور ۱۸۹۳ء میں الہ آباد ہائی کورٹ میں وکیل ہو گئے۔ سیاسی سرگرمیوں کے باعث ۱۹۰۹ء میں وکالت کے پیشہ کو خیرباد کہا۔ اور انڈین نیشنل کانگریس میں شمولیت کی۔ اور برسوں تک اس کے سرگرم اور فعال رکن رہے۔ دو مرتبہ (۱۹۰۹۔ ۱۹۱۸ء) کانگریس کے صدر منتخب ہوئے۔

اگرچہ پنڈت مالویہ کانگریس کے زبردست حامی تھے تاہم انھوں نے ۱۹۰۶ء میں ہندو مہاسبھا قائم کی اور تین بار اس کے صدر رہے۔

پنڈت مدن موہن مالویہ الہ آباد میونسپلٹی کے وائس چیرمین بھی رہے۔ ۱۹۰۲ء میں صوبہ جاتی قانون ساز کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۰۹ء میں مرکزی قانون ساز کونسل کے ممبر چنے گئے۔ ۱۹۲۰ء میں مہاتما گاندھی کی تحریک عدم تعاون کے پیش نظر وہ ۱۹۲۱ء میں مرکزی مجلس قانون ساز کے انتخاب کے رکن رہے ۱۹۳۱ء میں گول میز کانفرنس لندن میں مدعو کیے گئے۔

پنڈت مدن موہن مالویہ کا سب سے بڑا کارنامہ بنارس ہندو یونیورسٹی (۱۹۱۶) کا قیام ہے۔ وہ ۱۹۱۹ء سے ۱۹۳۸ء تک وائس چانسلر اور اپنی وفات تک اس کے چانسلر رہے۔

پنڈت مالویہ نے ہندی صحافت کی ترقی میں بھی بیش بہا حصّہ لیا۔ ۱۹۰۷ء میں ایک ہفتہ وار "ابھیودیہ" کے نام سے ہندی میں جاری کیا جو ۱۹۱۵ء میں روز نامہ بن گیا۔ ۱۹۱۰ء میں "مریادا" کے نام سے ایک ماہانہ رسالہ نکالا۔ ۱۹۲۱ء میں اودھ میں کاشتکاروں کے مسئلے پر ایک اور ماہنامہ "کسان" انگریزی میں جاری کیا۔ اس سے قبل ۲۴ راکتوبر ۱۹۰۹ء کو ایک انگریزی روزنامہ "لیڈر" کا اجراکر چکے تھے۔ یہاں یہ ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ اس زمانہ میں عدالتوں کا کام اردو زبان میں ہوتا تھا۔ یہ پنڈت مالویہ تھے جنھوں نے ۱۸۹۸ء میں یو. پی. کے لفٹنٹ گورنر سر انتھونی میکڈونل ۱ SIR ANTHONY MACDONNEL کو عرض داشت پیش کی تھی کہ عدالتوں میں فارسی رسم الخط کے ساتھ ساتھ دیوناگری رسم الخط کے استعمال کی بھی اجازت دی جائے۔

ان کا انتقال ۱۹۴۶ء میں ہوا۔

مآخذ :

۱۔ ایس. پی. سین، اے ڈکشنری آف نیشنل بایوگرافی ص ۲۱؍۲۵۔

۲ ایس کھنڈ جاریہ۔ اے ڈکشنری آف انڈین ہسٹری، نیومارک، ۱۹۶۷ء ص۔ ۵۷۵۔

(قاضی) مبارک گوپاموی (متوفی ۱۱۶۲ھ)

مبارک، ابن شیخ محمد دائم ادہمی فاروقی بن عبدالحیٔ بن عبدالحلیم بن مبارک گوپامئو (مشرقی یوپی) میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ گوپامئو میں رہ کر قاضی صدر الدین گوپاموی سے علم حاصل کیا۔ پھر تحصیل علم کے سلسلہ میں دوسرے شہروں کا انھوں نے سفر کیا اور شیخ محدث صبغۃ اللہ حسینی خیرآبادی سے درسیات کی تحصیل کی۔ پھر دہلی گئے اور وہاں کافی جدوجہد کے ساتھ علم کی تحصیل میں لگے رہے حتیٰ کہ مختلف علوم وفنون میں یکتائے روزگار ہوئے۔ فراغت کے بعد دہلی میں تدریس کا کام کرنے لگے اور عرصۂ دراز تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

ان کی تصنیفات میں قاضی محب اللہ بہاری کی "مسلم العلوم" کی نہایت بسیط شرح ہے جس کی تصنیف سے وہ دہلی میں ۷ ربیع الاول ۱۱۴۳ ہجری کو فارغ ہوئے تھے۔ یہ شرح صرف تصورات کی شرح ہے جو قاضی مبارک کے نام سے مشہور ومعروف ہے۔ یہ شرح اپنی نوعیت کی بے نظیر شرح ہے۔ اس میں خوب منطقیانہ نکتہ سنجیاں پیدا کی گئی ہیں، جو مصنف کی انتہائی ذکاوت اور ذہانت پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ کتاب علماء میں اس قدر مقبول ہوئی کہ صدیوں سے شامل نصاب ہے۔

علاوہ ازیں رسالہ "قطبیہ" پر میر زاہد نے جو حاشیہ لکھا ہے قاضی مبارک نے اس پر تعلیقات لکھی ہیں۔ "شرح تہذیب" پر بھی انھوں نے حواشی لکھے ہیں۔

انھوں نے ۵ شوال ۱۱۶۲ ہجری کو گوپامئو میں وفات پائی۔

مآخذ :

مولوی رحمٰن علی : تذکرۂ علمائے ہند مرتبہ محمد ایوب قادری (کراچی، ۱۹۶۱ء)

مولانا حبیب الرحمٰن خیرآبادی ۔ تذکرۃ المصنفین ، مکتبہ نعیمہ مئو ناتھ بھنجن، (یوپی) ص۔ ۷۸۔ ۷۹ ۔

(قاضی) محب اللہ بہاری (متوفی ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء)

قاضی محب اللہ ابن عبدالشکور بہاری، موضع محب علی پور کڑہ، علاقہ پٹنہ کے رہنے والے تھے۔ ان کا تعلق بہار کے مشہور مُلک خانوادے سے ہے۔ ابتدائی درسی کتابیں اپنے عہد کے علماء سے پڑھیں۔ آخر میں مولوی قطب الدین شمس آبادی سے علوم کی تکمیل کی۔ عالمگیر نے ان کی علمی لیاقت سے متاثر ہو کر ان کو لکھنؤ کا قاضی مقرر کیا۔ پھر حیدر آباد کی قضاۃ سپرد کی گئی۔ آخر عمر میں بادشاہ کے حکم سے شہزادہ معظم کے دربار میں کابل چلے گئے۔ عالمگیر کی وفات کے بعد شہزادہ معظم کی جانب سے انھیں "فاضل خاں" کا خطاب ملا۔

۱۷۰۷ء میں شاہ عالم بہادر شاہ اول نے تخت نشین ہونے کے بعد ان کو اپنی مملکت کا قاضی القضاۃ مقرر کیا۔

۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء میں ان کا انتقال ہوا۔ وہ احاطہ مزار شاہ فریدالدین طویلہ بخش محلہ چاند پور قصبہ بہار شریف میں مدفون ہیں۔

موصوف کی تصانیف میں "مسلم الثبوت" (اصول فقہ) "الجواہر الفرد اور سُلّم العلوم (منطق) اور معالطہ عامۃ الورود علماء میں مقبول و مروّج ہیں، مسلم الثبوت، صدیوں سے درس نظامیہ میں داخل ہے۔ اور اس کے متعدد اڈیشن نکل چکے ہیں۔ ان کی بعض تصانیف کے نسخے ٹونک اور دوسرے مقامات پر محفوظ ہیں۔

ماٰخذ:

۱ رحمٰن علی تذکرہ علمائے ہند ص۔ ۴۰۶ مرتبہ محمد ایوب قادری
۲ غلام علی آزاد بلگرامی۔ مآثر الکرام دفتر اول ص۔ ۲۱۱
۳ حکیم سید عبدالحی حسنی۔ نزہۃ الخواطر ۶ : ۲۵۰
۴ نواب صدیق حسن خاں۔ ابجد العلوم ص۔ ۹۰۵

امام محمد (۱۳۲ھ/۱۳۵ھ - ۱۸۹ھ)

ابو عبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی - نامور بزرگ حنفی فقیہ - ان کی پیدائش عراق میں ۱۳۲ ہجری یا ۱۳۵ ہجری میں ہوئی - واسط میں کچھ عرصہ قیام کے بعد والدان کو لے کر کوفے چلے گئے - اسی شہر میں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی - یہ وہ وقت تھا کہ حرمین شریفین کے بعد کوفہ علم کا سب سے بڑا مرکز خیال کیا جاتا تھا - اس وقت کوفہ میں امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف جیسی نابغہ روزگار ہستیوں کے علم و فضل کا چرچا تھا - چودہ سال کی عمر میں انھوں نے امام ابو حنیفہ کے درس میں جانا شروع کر دیا اور چار سال تک فیض حاصل کرتے رہے - انہی کے زیر اثر اپنے آپ کو علم فقہ کی تحصیل کے لیے وقف کر دیا - انھوں نے علم حدیث حضرت سفیان الثوری (متوفی ۱۶۱ھ)، الاوزاعی (متوفی ۱۵۷ھ) اور دیگر حضرات بالخصوص مالک بن انس (متوفی ۱۷۹ھ) سے حاصل کیا، جن کے درس میں وہ برابر تین سال تک مدینہ منورہ میں حاضر ہوتے رہے - امام ابو حنیفہ کے وصال کے بعد انھوں نے امام ابو یوسف سے درس لینا شروع کیا - فقہ میں اُن کی تعلیم و تربیت زیادہ تر امام ابو یوسف کی مرہون منّت ہے -

ان کا معمول ابتدا سے تصنیف و تالیف اور مطالعہ کا رہا - یہ ائمۂ حنفیہ میں سب سے بڑے مصنف ہیں

حدیث میں ان کی مشہور تصانیف میں مؤطا امام محمد اور کتاب الآثار ہیں - فقہ کے موضوع پر ان کی اہم کتابیں یہ ہیں :

۱- کتاب الاصل فی الفروع جو المبسوط کے نام سے مشہور ہے - علم فقہ میں یہ امام محمد کی سب سے ضخیم تصنیف ہے - یہ چھ جلدوں میں تین ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے -

۲۔ الجامع الکبیر۔ اس میں مسائل فقہ کو عقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔
۳۔ الجامع الصغیر۔ اس کتاب میں کل ۱۵۳۶ مسائل ہیں۔ یہ کتاب امام ابویوسف کی فرمائش پر لکھی گئی۔
۴۔ السیر الکبیر۔ یہ ان کی تصانیف میں نہایت اہم سمجھی جاتی ہے۔

امام محمد اصحاب الرائے میں اعتدال پسند تھے اور اپنی تعلیم کو حتی الامکان حدیث پر مبنی رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کے شاگردوں میں امام شافعی کا نام بھی لیا جاتا ہے جنھوں نے اپنے استاد سے کئی مسائل میں اختلاف کیا ہے۔

حنفی مذہب کی نشرواشاعت کا سہرا امام ابویوسف اور امام محمد کے سر ہے۔ ان کی تصانیف جن کی کثرت سے شرحیں لکھی گئی ہیں، قدیم ترین مواد فراہم کرتی ہیں جن سے ہمیں امام ابوحنیفہؒ کی تعلیمات کے متعلق رائے قائم کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

امام محمد نے عمر کا بیشتر حصہ فقہی تحقیقات اور مسائل کے استنباط اور اجتہاد میں گزارا۔ ۱۸۰ھ/ ۷۹۶ء میں ہارون الرشید نے انھیں الرقہ کا قاضی مقرر کیا۔ اور ۱۸۹ھ/ ۸۰۴ء میں وہ خراسان کے قاضی مقرر کیے گئے۔ اسی سال "رنبویہ" کے مقام پر جو رے کے قریب ہے ان کا وصال ہوگیا۔

مآخذ:

۱ حالات، تصانیف، ان کی شروح و تعلیقات، ان کے قلمی نسخوں اور ان کی متعدد طبعات کا تفصیلی ذکر براکلمان کے عربی ترجمے تاریخ الادب العربی (۳: ۲۴۶ - ۲۵۷) اور اردو دائرۂ معارف اسلامیہ (۱۱: ۸۴۳ - ۸۴۴) میں دیکھا جائے۔
۲ غلام رسول سعیدی، تذکرۃ المحدثین مکتبہ قادریہ لاہور، ۱۹۷۷ء
۳۔ نجیب الرحمٰن خیرآبادی، تذکرۃ المصنفین، مکتبہ نعیمیہ مئوناتھ بھنجن (یو پی) ص ۳۱۵ - ۳۲۸ -

محمد ابا سیٹھ

محمد ابا (عباس) سیٹھ میسور کے مشہور و معروف قومی کارکن تھے ان کا شمار اپنے صوبے کے مشہور صنعت کاروں اور تاجروں میں ہوتا تھا۔ جن دنوں اقبال میسور آئے تھے مسلمانانِ میسور کی طرف سے ٹاؤن ہال میں اقبال کی خدمت میں ایک سپاسنامہ پیش کیا گیا تھا۔ یہ سپاسنامہ محمد ابا سیٹھ نے پڑھا تھا۔ محمد ابا سیٹھ کو اقبال سے بڑی عقیدت تھی۔ جب اقبال ٹیپو سلطان شہید کے مقبرے سے دو ڈھائی گھنٹہ مراقبہ کرنے کے بعد گنبد سلطانی سے باہر نکلے تو انھوں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے روضۂ سلطان شہید میں اتنی دیر مراقبہ فرمایا تھا ہمیں بھی بتائیے کہ آپ کو وہاں سے کیا فیض حاصل ہوا؟ اقبال نے جواب دیا "وہاں ایک لمحہ بھی بیکار نہیں گزرا۔ ایک پیغام ملا ہے۔

نورد شوق ہے منزل نہ کر قبول

لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول"

اقبال نے میسور کے عمائدین میں اس بات کی تحریک پیدا کی کہ وہ سلطان شہید کے ملفوظات، روزنامچے اور کتابیں جمع کریں تاکہ ان کی زندگی کا ہر پہلو عوام کے سامنے آسکے۔ اقبال کی اس تحریک نے سب سے زیادہ محمد ابا سیٹھ کو متاثر کیا چونکہ وہ میسور کے با اثر اور بڑے با رسوخ شخص تھے اس لیے ان کی کوششوں سے تھوڑی ہی مدت میں سینکڑوں قیمتی ملفوظات مسلم کلب بنگلور میں جمع ہو گئے۔

مآخذ :

عبدالرؤف عروج۔ رجالِ اقبال۔ ص ۳۶۔

محمد اسد (۱۹۰۰ - ۱۹۹۲ء)

محمد اسد کا پیدائشی نام لیو پولڈ وئس (LEOPOLD WEISS) تھا۔
وہ پولینڈ میں ایک آسٹریائی یہودی خاندان میں ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے۔
تیرہ سال کی عمر میں عہد نامۂ عتیق، عبرانی زبان میں پڑھنے کے لائق ہو گئے۔
انھوں نے اپنے والدین کے ساتھ ویانا، برلن وغیرہ کے سفر کیے۔ ان کا ذہن
کم عمری میں تلاش و جستجو کی طرف مائل ہو گیا۔ جنگ عظیم اول میں فوج میں
بھرتی ہو گئے۔ لیکن طبیعت کے اضطراب نے چین نہیں لینے دیا۔ جنگ کے
خاتمے پر ویانا یونیورسٹی میں دو سال تک فلسفہ اور آرٹ کی تعلیم حاصل کی۔
یہودی ہونے کی بنا پر مذہب ان کا موضوع رہا اور انھوں نے یہودی
فکر و فلسفے سے متعلق تمام کتابوں کا بلاستیعاب مطالعہ کیا۔ اس مطالعہ نے
ان کے یہاں تشکیک کو جگہ دی اور ایک ایسا روحانی خلا پیدا کر دیا جو تا دیر
پُر نہیں ہو سکا۔ انھوں نے مختلف پیشے اختیار کیے اور بالآخر صحافت
سے وابستہ ہو گئے۔

انھوں نے جرمن اخبار "فرینکفرٹر" (FRANKFURTER) کے نمائندے
کی حیثیت سے کئی عرب ممالک کا دورہ کیا اور اسلام کا گہرا مطالعہ کیا۔ وہ آخر
اس نتیجے پر پہنچے کہ اگر کوئی مذہب انسانیت کی فلاح و بہبود اور روحانی ترقی
کی ضمانت فراہم کرتا ہے تو وہ صرف اسلام ہے۔ چنانچہ انھوں نے ۱۹۲۶ء
میں اسلام قبول کیا۔ قبول اسلام کے بعد ان کا نام محمد اسد رکھا گیا۔ اور ابتدا
میں ان کا قیام سعودی عرب میں رہا، لیکن وہ ممالک اسلامیہ کی سیاحت
کرتے رہے اور وہاں کے مفکرین علماء سے ملتے رہے۔ ۱۹۳۴ء میں انھوں نے

برصغیر کا سفر کیا اور علامہ اقبال سے ملاقات کی۔

وہ کئی برس تک سعودی فرماں رواشاہ عبدالعزیز کے مہمان بھی رہے۔ مدینہ منورہ میں انھوں نے عربی سیکھی۔ وہ جرمن، فرینچ، انگریزی، ڈچ زبانیں بہت اچھی طرح جانتے تھے اور اردو زبان سے بھی خاصے واقف تھے۔

محمد اسد قیام پاکستان کے بعد وہاں منتقل ہو گئے اور حکومت پاکستان کی دعوت پر محکمہ "اسلامی تعمیر نو" کے سربراہ کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ پھر وزارت خارجہ میں کچھ عرصہ کام کیا۔ ابتدا میں شرق اوسط میں انھوں نے پاکستان کی نمائندگی کی۔ بعد کو وہ ۱۹۵۲ء تک اقوام متحدہ میں پاکستان کے نمائندے رہے۔ بعدازاں اسپین چلے گئے اور وہاں تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔ ان کی سب سے مشہور کتاب "ROAD TO MACCA" (روڈ ٹو مکہ) ہے جو اردو اور کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ دوسری کتاب "ISLAM AT THE CROSSROAD" (اسلام ایٹ دی کراس روڈ) ہے (ڈلہوزی ۱۹۴۷ء)۔ اسے برصغیر میں خصوصی مقبولیت حاصل ہوئی۔ انھوں نے قرآن کا انگریزی ترجمہ "THE MESSAGE OF THE HOLY QURAN" (دی میسیج آف دی ہولی قرآن) کے نام سے کیا۔ جو غالباً ۱۹۸۷ء میں جبرالٹر سے شائع ہوا۔

انھوں نے ڈلہوزی (پنجاب) سے ایک ماہنامہ بنام "عرفات" ستمبر ۱۹۴۶ء سے شائع کرنا شروع کیا جو جولائی ۱۹۴۷ء تک شائع ہوتا رہا۔ اس میں جہاں اسلام کے دائمی نظام اور فقہ کے اصل ماخذوں یعنی قرآن و سنت اجماع اور قیاس جیسے موضوعات پر بحث کی جاتی تھی وہاں برصغیر کے سیاسی حالات پر بھی اظہار خیال کیا جاتا تھا۔

انھوں نے ۲۳ رفروری ۱۹۹۲ء کو بانوے برس کی عمر میں مربیہ (اسپین)

میں انتقال کیا اور غرناطہ میں دفن ہوئے۔

ماٰخذ:

۱ خواجہ رضی حیدر: قائداعظم خطوط کے آئینہ میں کراچی، ۱۹۸۵ء
۲ مولانا کوثر نیازی: روزنامہ ”جنگ“ لندن، ۱۹۹۲ء
۳ روزنامہ ”قومی آواز“ دہلی، مورخہ ۲۵ رمارچ ۱۹۹۲ء

(سر) مرزا محمد اسمٰعیل (۱۸۸۳ ۔ ۱۹۵۹ء)

سر مرزا محمد اسمٰعیل ایرانی النسل تھے ۔ان کے آباو اجداد نے شیراز سے ہندوستان آکر بنگلور کو اپنا وطن بنایا تھا۔ مرزا صاحب ۲۳ اکتوبر ۱۸۸۳ء میں بنگلور ہی میں پیدا ہوئے ۔ بی۔اے کا امتحان پاس کرکے پولیس کے محکمہ میں ملازمت کی چند دنوں بعد مہاراجہ نے ان کی صلاحیتوں کے پیش نظر ان کو اپنا پرائیوٹ سکریٹری مقرر کیا۔ ۱۹۲۶ء میں وہ ریاست میسور کے دیوان کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ دوسری گول میز کانفرنس میں انھوں نے جنوبی ہند کی ریاستوں کی نمائندگی کی۔ کانفرنس کے اختتام کے بعد اقبال لٹریری ایسوسی ایشن کی جانب سے اقبال کو ایک شاندار پارٹی دی گئی ۔ اس میں سر مرزا اسمٰعیل کی اقبال سے ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات کے دوران ان کو پہلی مرتبہ اقبال کی علمی ، مذہبی اور سیاسی اہمیت کا بھرپور اندازہ ہوا۔

سر مرزا اسمٰعیل ۱۹۴۱ء کے آخر تک ریاست میسور کے دیوان رہے۔ اس کے بعد مہاراجہ جے پور نے ان کی خدمات حاصل کرلیں۔ چنانچہ انھوں نے ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۵ء تک کا زمانہ جے پور کے وزیر اعظم کی حیثیت سے گزارا۔ جب وزارت عظمیٰ سے مستعفی ہوکر نواب احمد سعید خاں چھتاری چلے گئے تو نظام دکن نے انگریزوں کے زیر اثر مرزا صاحب کو حیدر آباد بلاکر وزارت عظمیٰ تفویض کی۔ اور امین الملک کا خطاب عطا کیا۔

مرزا صاحب کی ذہنی اور فکری تربیت کانگریس کے زیر اثر ہوئی تھی۔ وہ تقسیم ہند کے شدید مخالف تھے۔ حیدر آباد کے مسلمانوں نے ان کو پسند نہیں کیا اور وہ ان کے تقرر کے خلاف شدید ردِ عمل کا اظہار کرنے لگے جس کے نتیجے میں مرزا صاحب

کو ایک سال بعد ہی وزارت عظمیٰ چھوڑنی پڑی۔ ۱۹۴۷ء میں انھیں کشمیر کی وزارت عظمیٰ کی پیش کش کی گئی لیکن انھوں نے اسے قبول کرنے کی بجائے اپنی زندگی کا بقیہ حصہ بنگلور ہی میں گزارنا بہتر سمجھا۔

ان کا انتقال ۳/ جنوری ۱۹۵۹ء کو ہوا۔

ان کی خود نوشت سوانح حیات MY PUBLIC LIFE (میری پبلک زندگی) ان کی وفات کے بعد ۱۹۶۴ء میں شائع ہوئی۔

مآخذ:

۱ عبدالرؤف عروج ۔ رجال اقبال۔ ص ۶۷۰

۲ SIR MIRZA ISMAIL MY PUBLIC LIFE, 1964

(سر مرزا اسمٰعیل مائی پبلک لایف ۱۹۶۴ء)

(نواب) محمد اسماعیل خاں (۱۸۸۴۔۱۹۵۸ء)

نواب محمد اسماعیل خاں اگست ۱۸۸۴ء میں آگرہ کے محلہ گلی حکیماں میں پیدا ہوئے۔ یہ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے پوتے اور رئیس جہانگیر آباد نواب محمد اسحاق خاں، سکریٹری، ایم۔اے۔او کالج علی گڑھ کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ ابتدائی تعلیم محمڈن کالجیٹ اسکول میں پائی۔ پھر اپنے والد کے مشورہ پر اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے۔ وہاں کیمبرج یونیورسٹی سے بی۔اے پاس کیا اور بار ایٹ لا کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۰۶ء میں واپس آنے کے بعد میرٹھ میں وکالت شروع کی لیکن جلد ہی اس کی بجائے قومی خدمت کو ترجیح دی۔ تحریک خلافت میں بھرپور حصّہ لیا اور آزادی کے حصول میں بھی عملاً شریک ہوئے۔ اول انڈین نیشنل کانگریس میں شمولیت کی۔ ۱۹۲۳ء اور ۱۹۲۶ء میں دو بار مرکزی قانون ساز کونسل کے بلا مقابلہ ممبر منتخب ہوئے۔ بعد میں مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ اور مسلم لیگی رہنماؤں میں ایک اہم مقام حاصل کر لیا۔ وہ مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے برسوں تک ممبر رہے۔ ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا مسلم کانفرنس کی صدارت کی۔ ۱۹۳۷ء میں یوپی کی قانون ساز اسمبلی کے اور ۱۹۴۶ء میں مرکزی قانون ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ آزادی کے بعد ۱۹۵۰ء میں پارلیمانی الکشن میں حصّہ لیا اور ۱۹۵۲ء تک وہ پارلیمنٹ کے ممبر رہے۔

اقبال مسلم لیگ کے سلسلے میں نواب صاحب کی پُرخلوص مساعی کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جب پہلی گول میز کانفرنس کی اقلیتوں کی سب کمیٹی میں فرقہ وارانہ مسائل کے حل کرنے کے لیے مختلف تجاویز زیرِ بحث آئیں تو مسلمان مندوبین جداگانہ طریقِ انتخاب سے دست بردار ہونے پر راضی ہو گئے۔ اس

صورتِ حال سے ہندوستانی مسلمانوں میں زبردست اشتعال پھیل گیا۔ اقبال نے "مسلم آؤٹ لک" کے نمائندے کو ایک اخباری انٹرویو میں نواب محمد اسماعیل خاں کے ردّعمل کا ذکر کرتے ہوئے بتایا:

"پنجاب اور دوسرے حصّوں کے مسلمان جداگانہ انتخاب پر مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں۔ آل انڈیا مسلم کانفرنس کے اجلاس لکھنؤ کے صدر نواب محمد اسماعیل خاں نے اس بارے میں مسلمانوں کی رائے ملحوظ رکھتے ہوئے نیز یہ سمجھتے ہوئے کہ فرقہ وارانہ مسائل کے متعلق بیان کردہ مفاہمت مسلمانانِ ہند کے لیے نقصان دہ ہوگی، ہز ہائی نس سر آغا خاں کو تار دیا کہ مسلمان کسی حالت میں بھی جداگانہ انتخاب ترک کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔"

نواب محمد اسماعیل خاں مسلمانوں کے بارے میں اقبال سے وقتاً فوقتاً ملتے اور تبادلۂ خیال کرتے تھے۔ جن دنوں اقبال کا قیام بھوپال میں تھا انھوں نے وہاں جا کر ان سے ملاقات کی اور ان ہی کے ساتھ واپس ہوتے ہوئے دہلی سے گزرے اور "اسٹیٹسمین" کے نمائندہ کو ایک مشترکہ بیان دیا جس میں کانگریس کی جانب سے پھیلائی ہوئی افواہ کی تردید کی گئی کہ جداگانہ طریقہ انتخاب کے مسئلہ پر مسلم مندوبین میں اختلاف ہو گیا ہے۔

نواب صاحب کو اپنے والد کی طرح مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے گہرا تعلق تھا۔ اس تعلق کے پیشِ نظر وہ چار سال تک (۲۴ر جولائی ۱۹۳۱ء تا ۱۹ اپریل ۱۹۳۵ء) مسلم یونیورسٹی کے اعزازی خزانچی رہے۔ یکم اکتوبر ۱۹۳۴ء سے ۱۸ر اپریل ۱۹۳۵ء تک عارضی وائس چانسلر کی حیثیت سے یونیورسٹی کی خدمات انجام دیں۔ اس کے تقریباً بارہ سال بعد ۴۸-۱۹۴۷ء میں یونیورسٹی کے باقاعدہ وائس چانسلر مقرر کیے گئے۔ تقسیم ہند کے بعد وہ ہندوستان ہی میں

مقیم رہے۔ انھوں نے جولائی ۱۹۵۸ء میں میرٹھ میں وفات پائی۔

ماٰخذ:

۱ عبدالرؤف عروج۔ رجال اقبال ص، ۶۸۔ ۶۹۔
۲ ایس۔ پی۔ سین۔ اے ڈکشنری آف نیشنل بایوگرافی، جلد دوم، ص، ۱۸۸۔۱۹۰۔
۳ فکر و نظر، ناموران علی گڑھ نمبر، دوسرا کارواں، جلد ۲۳، ۱۹۸۶ء، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ص۔ ۳۰۹۔ ۳۱۷۔

(کنور) محمد اشرف (۱۹۰۳ ـ ۱۹۶۲ء)

کنور محمد اشرف موضع دریا پور ہاتھرس (علی گڑھ) میں ۲۵ نومبر ۱۹۰۳ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۸ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد علی گڑھ سے ایف۔ اے پاس کیا پھر جامعہ ملیہ اسلامیہ میں آن کر داخلہ لیا اور یہاں سے ۱۹۲۲ ـ ۲۳ء میں بی اے پاس کیا۔ اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ۱۹۲۶ء میں ایم۔اے کا امتحان کامیاب کیا۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن چلے گئے جہاں سے ۱۹۳۲ء میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ واپسی پر ۳۵ ـ ۱۹۳۴ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں لیکچرار ہو گئے۔

ابتدا ہی سے ان کو آزادی کی مختلف تحریکوں میں حصّہ لینے کا شوق تھا۔ چنانچہ مختلف سیاسی پلیٹ فارموں سے تقریریں کرتے اور انگریزوں کے خلاف مضامین لکھتے رہے۔ ۱۹۳۶ء میں انڈین نیشنل کانگریس میں ڈاکٹر زیڈ احمد کے ساتھ فارن اینڈ سلسٹی ڈیپارٹمنٹ کی ذمہ داری سنبھالی۔

اسی سال سجاد ظہیر نے انجمن ترقی پسند مصنفین کی بنیاد رکھی تو ان کے ہمنوا ہو گئے۔ اور ان کے ساتھ ادیبوں شاعروں اور لکھنے والوں سے رابطہ قائم کرنے کے لیے مختلف شہروں اور علاقوں کا دورہ کیا۔ اور ۱۹۳۷ء کے آخر میں میاں افتخار الدین کی وساطت سے سجّاد ظہیر کے ہمراہ علامہ اقبال سے ملاقات کی۔ سجّاد ظہیر نے اقبال سے ملاقات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ڈاکٹر محمد اشرف نے خالص سیاسی موضوع پر علاّمہ سے باتیں شروع کر دیں۔ جب ڈاکٹر اشرف گفتگو کا سرا اپنے ہاتھ میں لے لیں تو پھر گفتگو نہیں گفت و شنید ہوتی ہے۔ اس زمانے میں صوبہ متحدہ

میں قوم پرور مسلمانوں اور مسلم لیگ والوں میں سخت سیاسی کش مکش شروع ہوگئی تھی۔ علامہ اقبال خاموشی سے اور ایک ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ اشرف کی دل چسپ اور تیز کلامی سے محظوظ ہو رہے تھے۔ اس درمیان میں نے دیکھا کہ وہ تیسرے صاحب جو وہاں بیٹھے تھے اور جن کا ڈاکٹر اقبال نے ہم سے تعارف بھی نہیں کرایا تھا، کافی جز بز ہو رہے تھے۔ آخر میں ان کی شامت آئی اور انھوں نے اشرف کو ٹوک کر شاید کچھ ایسی بات کہی جس سے یہ مفہوم نکلتا تھا کہ قوم پرور مسلمان کانگریسی لیڈروں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ اشرف بھلا یہ بات کہاں برداشت کر سکتے تھے۔ انھوں نے چھوٹتے ہی کہا اس قسم کی لغویات صرف سرکاری ٹوڈی یا سی۔ آئی۔ ڈی کے لوگ کہہ سکتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان ہی جماعتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس پر ان صاحب کا رنگ زرد پڑ گیا۔ علامہ اقبال اس بے لطفی کے سبب گھبرا گئے اور انھوں نے بات کا رُخ موڑنے کی کوشش کی اور خود اشرف سے مخاطب ہوگئے۔ اشرف کی باتوں کا انداز اب آتش بازی کا تھا۔ جس میں حرارت، تیزی اور گل فشانی تھی۔ سب مبہوت ہو کر انھیں سن رہے تھے۔ اتنے میں مغرب کا وقت ہوگیا۔ اشرف کی باتوں میں مداخلت کرنے والے صاحب بڑے اہتمام اور اعلان کے ساتھ وضو کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہم بھی علامہ صاحب سے اجازت مانگ کر رخصت ہوئے بعد کو جب ہم نے اپنے دوستوں سے اس ملاقات کا ذکر کیا اور ان صاحب کا حلیہ بتایا جو علامہ کے پاس بیٹھے تھے تو انھوں نے کہا وہ ضرور چودھری محمد حسین ہوں گے اور اشرف کا تیر نشانے پر بیٹھا۔ یہ حضرت پنجاب سرکار کے محکمہ اطلاعات میں محتسب کی حیثیت سے کافی بدنام تھے۔ سعادت حسین منٹو پر فحاشی کے مقدمے

چلوانے میں انہی کا ہاتھ تھا۔"

۱۹۴۷ء میں ڈاکٹر اشرف کو سینکڑوں لوگوں کے ساتھ برطانوی حکومت نے دیولالی کیمپ میں نظر بند رکھا۔ طویل بھوک ہڑتال کے نتیجہ میں وہ آنتوں کی دق کا شکار ہو گئے۔ ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۸ء تک وہ کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا (C.P.I) کی سینٹرل کمیٹی کے ممبر رہے۔ جب ۱۹۴۸ء پارٹی نے کلکتہ میں ہونے والی کانگریس کے لیے نئی پالیسی مرتب کی تو ڈاکٹر اشرف اس کی اجازت سے پاکستان چلے گئے۔ ان کو حکومت نے ان کے نظریات اور خیالات کی بنا پر فوری گرفتار کر لیا۔ بعد میں مولانا عبدالحق اور سردار عبدالرب نشتر کی اس یقین دہانی کی بنا پر رہائی ہوئی کہ وہ اب پاکستان میں نہیں رہیں گے۔ چنانچہ وہاں سے ملک بدر ہونے کے بعد لندن میں جاکر بڑی کس مپرسی میں زندگی گزاری۔ اسی دوران ۱۹۵۷ء میں کروڑی مل کالج دہلی میں لیکچرار ہو گئے۔ آخر عمر میں وہ برلن میں مقیم تھے اور ۱۹۶۱ء میں فون ہومبولٹ یونیورسٹی میں پروفیسر ہو گئے۔ یہیں ۷ جون ۱۹۶۲ء کو ان پر دل کا دورہ پڑا اور وہ انتقال کر گئے۔

"ہندی مسلم سیاست" ان کی پہلی کتاب ہے۔ ان کی آخری کتاب جو ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل سے متعلق تھی۔ مشرقی جرمنی کے طلبا اور اسکالر مرتب کر رہے تھے۔ جس کو ایچ کروگر (H. KRUGER) نے "کنور محمد اشرف" کے نام پیپلز پبلیکیشنز ہاؤس دہلی سے ۱۹۶۳ء میں شائع کیا۔

مآخذ

عبدالرؤف عروج۔ رجال اقبال، ص، ۷۵-۷۶۔

[۲] H. KRUGER KANWAR MUHAMMAD ASHRAF, PEOPLES PUBLICATIONS HOUSE, DELHI, 1963

(ایچ کروگر۔ کنور محمد اشرف پیپلز پبلیکیشنز ہاؤس دہلی ۱۹۶۳ء)

(حاجی) محمد جمال مدراسی (متوفی ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء)

حاجی محمد جمال مدراسی بن الحاج جمال محی الدین راؤتھر مدراس کے ایک متوطن تھے اور نہایت مخیر اور فیاض انسان تھے۔ ان کی چرم کی تجارت تھی جاپان، آسٹریلیا، اور یورپ تک ان کی تجارت کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ انھوں نے مسلم ایسوسی ایشن مدراس کی بنیاد رکھی جس کا مقصد تھا کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ مذہب سے کماحقہ واقف ہو جائے۔ اس ایسوسی ایشن نے مولانا سلیمان ندوی اور محمد مارماڈیوک پکتھال کو اسلام پر خطبات دینے کے لیے مدعو کیا۔ "خطباتِ مدراس" مولانا سلیمان ندوی کے اسی زمانے کی یادگار تصنیف ہے جب وہ خطبات دینے کے لیے ۱۹۲۵ء میں مدراس گئے تھے۔ یہ خطبات متعدد بار چھپ چکے ہیں اور اس کا عربی ترجمہ بھی مصر سے شائع ہو چکا ہے۔

حاجی محمد جمال ہی کی دعوت پر علامہ اقبال ۵ جنوری ۱۹۲۹ء کو مدراس آئے۔ اور وہاں چار روز قیام کرکے اپنے تین خطبات دئے جو بعد میں

"RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM"

کے عنوان سے چھپ کر شائع ہوئے۔

علامہ اقبال حاجی صاحب کی شخصیت سے بہت متاثر ہوئے۔ بقول چودھری محمد حسین علامہ نے حاجی صاحب کے بارے میں فرمایا:

"اللہ اللہ یہ انسان کروڑوں کی سالانہ تجارت کرتا ہے تہمد پہنتا ہے اور حقیقت مادّہ و روح جیسے علمی مسائل پر انگریزی اردو میں گفتگو کرتا ہے اس کو فکر دامن گیر ہے کہ مسلمانوں کی تعلیم اور نئی تعلیم کا حقیقی اتصال ہو اور اسلام اپنی اصل شان میں دنیا پر ظاہر ہو۔ مسلمانوں میں ایسے افراد پیدا

کرنے کی ضرورت ہے۔ جب تک یہ [illegible] نہ پیدا ہوگا نصب العین تک
رسائی محال ہے۔"

حاجی جمال محی الدین نے مدرسہ جمالیہ ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء میں قائم کیا۔ اس کے استحکام کے لیے خاص املاک وقف کی اور اپنے فرزند حاجی محمد جمال کو اس مدرسہ اور وقف کا متولی مقرر کیا۔ ابتدا میں صرف ادب عربی اور علوم اسلامی کا یہاں درس ہوتا تھا۔ جس کی سربراہی مشہور عالم مولانا مدار کے ذمہ تھی۔ ۱۹۴۵ء میں مولانا مدار کی وفات کے بعد مدرسے کے انتظامات اور تدریس مولانا سعد علوی، مولانا محمود الحسن حسرو، مولانا سید ابوظفر ندوی، مولانا سید عبدالوہاب بخاری اور دوسرے اہم علماء کے ذمے ہوئی۔ ۱۹۲۷ء میں درس میں انگریزی اور علوم جدیدہ کا اضافہ کیا گیا۔ یہ مدرسہ ترقی کرتا رہا یہاں تک کہ ۱۹۵۷ء میں مدراس یونیورسٹی سے اس کے الحاق کی منظوری مل گئی۔ یہ روز افزوں برابر ترقی کر رہا ہے۔ اس کی ترقی میں افضل العلماء ڈاکٹر عبدالحق مدراسی (متوفی ۱۹۵۸ء) اور مولانا عبدالوہاب بخاری کی کوششوں کو بہت دخل ہے۔ مدرسہ جمالیہ کا کتب خانہ بھی قابل ذکر ہے۔ جہاں عربی فارسی اور اردو کی ہزاروں کتابیں محفوظ ہیں اور ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

حاجی جمال محمد کی یادگار جمال محمد کالج ہے جو ترچناپلی میں واقع ہے۔ جہاں آرٹس اور سائنس کی تعلیم کا پورا انتظام ہے۔

مآخذ:

شکریۂ خاص:

۱ پروفیسر مختارالدین احمد صاحب، علی گڑھ،

۲ جناب سلیم تمنائی صاحب، میسور۔

سید محمد سورتی (متوفی ۱۹۴۲ء)

مولانا سید محمد سورتی کا وطن سورت تھا صغرسنی میں علم کی کشش انھیں دہلی کھینچ لائی۔ کبھی شاگردوں کو اپنے بچپن کے حالات سنایا کرتے تو فرمایا کرتے تھے کہ "ہم توکّل بر خدا دہلی کے ارادے سے گھر سے نکل پڑے سورت سے دہلی تک کا اکثر راستہ پیادہ طے کیا۔ دہلی پہنچے تو ایک مدرسہ میں جگہ مل گئی"۔

مولانا نے دہلی، ٹونک اور رام پور کے مدرسوں سے بہت کچھ حاصل کیا لیکن ان کے فضل و کمال میں زیادہ تر حصہ ان کے اپنے ذاتی مطالعہ اور شب و روز کی محنت کا ہے۔ ایک زمانہ میں موصوف حکیم اجمل خاں کے ہم سبق بھی رہ چکے تھے حکیم صاحب مولانا کی علمیت کے بڑے معترف تھے۔ چنانچہ ۱۹۲۰ء میں جب علی گڑھ میں جامعہ کی بنا رکھی گئی تو حکیم صاحب کے بلانے پر مولانا جامعہ تشریف لائے اور عربی ادب کی اعلیٰ تعلیم ان کے سپرد کی گئی۔ مولانا جامعہ میں سب کے مخدوم و محترم تھے۔

جامعہ جب دہلی آئی تو کچھ عرصہ کے بعد بعض مجبوریوں کی بنا پر انھیں جامعہ سے الگ ہونا پڑا۔ جامعہ سے انکا تعلق صرف آٹھ نو برس تک رہا۔

مولانا نے کوئی قابل ذکر تصنیف نہیں چھوڑی۔ وہ مطالعہ میں اتنے منہمک رہتے تھے کہ تصنیف کے خیال کی انھیں کبھی فرصت نہ ملی۔ معلومات کا ذخیرہ اتنا وسیع تھا کہ اسے سمیٹنے اور ترتیب دے کر کتاب کے قالب میں ڈھالنے کی کبھی کوشش نہ کی۔ اندلس کے مشہور ظاہری عالم ابن حزم پر انھوں نے کچھ لکھا تھا لیکن مولانا کا قابل فخر کارنامہ ان کی مشہور کتابوں کی تصحیح ہے جن میں سے بعض حیدرآباد سے چھپ چکی ہیں۔

مولانا عربی کے ایک بے نظیر عالم اور محقق، علم کے سچے عاشق اور قدیم اسلامی تصنیفات کے بہترین ناقد اور واقف کار تھے۔

مولانا سورتی کی وفات ۱۹۴۲ء میں ہوئی ان کو چند برسوں سے استسقا کا عارضہ تھا۔

ماخذ۔

(۱) محمد سرور، استاد جامعہ ملیہ اسلامیہ، جریدہ "جامعہ" ستمبر ۱۹۴۲ء
(۲) رئیس احمد جعفری، دید و شنید شخصی خاکوں کا مجموعہ، رئیس احمد جعفری اکیڈمی، کراچی۔ ۱۹۸۷ء۔

(ڈاکٹر) محمد شجاع ناموس منعمی

ڈاکٹر ناموس علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ جب انھوں نے ۱۹۲۱ء میں ایم ایس۔سی کا امتحان پاس کیا تو علامہ اقبال نے رائے دی کہ فارسی میں ایم اے کرو تاکہ اپنے آباد اجداد کی سائنس اور آرٹ کی وہ تمام معرکتہ الآرا کتابیں منظر عام پر لاسکو جن کی بنیاد پر جدید تہذیب و تمدن کی نشوونما ہوئی۔ چنانچہ ان کے داخلہ کے لیے علامہ نے ایک ذاتی خط علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ڈاکٹر ہادی حسن اور دوسرا وائس چانسلر کو لکھا لیکن ڈاکٹر ناموس نے پنجاب یونیورسٹی سے فارسی میں ایم۔ اے پاس کیا۔ اب علامہ کے مشورہ پر انھوں نے پنجاب یونیورسٹی سے ہی عربی میں ایم اے کیا۔ بعدازاں ان کو پشتو پڑھنے کی ترغیب دی۔ ان کی خواہش تھی کہ ڈاکٹر ناموس اسلامی دنیا میں ذہنی نشاط ثانیہ کی خاطر اپنی زندگی وقف کردیں۔ چنانچہ ڈاکٹر ناموس نے متعدد کتابیں لکھیں اور معروف ماہر تعلیم ہوئے۔

ماخذ

۱؎ محمد حمید۔ اقبال (انگریزی)، سنگ میل پبلکیشنز، چوک اردو بازار لاہور

۲؎ رحیم بخش شاہین۔ اوراق گم گشتہ ص ۳۷۹-۳۸۱۔

محمد شفیع داؤدی (۱۸۷۵-۱۹۴۹ء)

مولانا محمد شفیع داؤدی ۲۷؍اکتوبر ۱۸۷۵ء کو بمقام داؤد نگر، ضلع مظفر پور (صوبہ بہار۔ بھارت) پیدا ہوئے۔ جب وہ بارہ سال کے تھے تو والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ انھیں طلب علم کا بے حد شوق تھا۔ چنانچہ حاجی پور چلے آئے۔ جہاں انھوں نے سلسلۂ تعلیم شروع کیا۔ وہاں سے فراغت پانے کے بعد پٹنہ چلے گئے اور وہاں سے بی۔اے اور ایل۔ایل۔بی پاس کیا۔ ۱۹۰۲ء میں مظفر پور میں وکالت شروع کی۔

مولانا شفیع داؤدی بدلتے ہوئے حالات سے متاثر ہوتے اور جب گاندھی جی نے بڑوسی ضلع چمپارن میں اپنی تحریک شروع کی تو ان میں بھی جذبۂ بیداری، وطن پرستی اور عوام دوستی پیدا ہوا۔ پہلے مسلم کانفرنس میں شریک تھے۔ لیکن اب کانگریس میں شرکت اختیار کرلی۔ ۱۹۲۱ء میں کانگرس کا اجلاس منعقدہ گیا میں ایک ممتاز کانگریسی رہنما کی حیثیت سے شرکت کی۔ ملک کے دیگر خطوں کا دورہ کیا اور حکیم اجمل خاں کے ساتھ وطن تحریک میں جوش و خروش سے حصہ لیا۔ ۱۹۲۲ء میں مولانا کو مظفر پور میں گرفتار کیا گیا۔ رہائی کے بعد خلافت کمیٹی سے وابستہ رہے اور شمالی بہار میں ترک موالات کی تحریک کی قیادت کی۔

۱۹۲۸ء میں ہندو مسلم اتحاد و یگانگت کی تبلیغ کے لیے امداد باہمی اصول پر ایک اخبار کے اجرا کی ضرورت کا انھیں شدید احساس ہوا۔ ان کی نظر اخبار "اتحاد" پر پڑی۔ یہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۱۳ء میں قصبہ بہار شریف سے جاری ہونا شروع ہوا۔ اس کے بانی بہار شریف کے ایک رئیس شیخ نور محمد

تھے۔ مسجد کانپوری شہادت کے سلسلے میں اس میں پُرجوش مضامین و منظومات کی اشاعت پر حکومت نے اس سے ضمانت طلب کرلی اور یہ بند ہوگیا۔ تحریک خلافت کے زمانے میں ۱۹۲۱/۱۹۲۲ء میں اس اخبار کا دوبارہ اجرا ہوا۔ ۱۹۲۸ء میں مولانا شفیع داؤدی کے تعاون سے مولوی نور محمد نے اتحاد کو پٹنہ منتقل کردیا۔ اس کی ادارت بہار کے ممتاز صحافیوں نے کی جن میں مولانا اسمٰعیل ناصح، مولانا عبدالجبار وحدی، مولانا راغب احسن، مولانا اسمٰعیل وحشی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ۱۹۳۵ء میں اخبار کی ادارت سلطان احمد سہسرامی کے سپرد کردی گئی۔ انھوں نے مولانا شفیع داؤدی کے تعاون سے ہفتہ وار اخبار کو سہ روزہ کردیا اور ۱۹۳۷ء تک اسی طرح جاری رکھا۔ ۱۹۳۷ء کے بعد جب داؤدی صاحب سیاست سے علیحدہ ہوگئے تو اخبار سلطان احمد صاحب نے ان سے لے لیا اور انہی کی ادارت میں ۱۹۵۱ء تک شائع ہوتا رہا۔

۱۹۳۱ گول میز کانفرنس لندن میں انھوں نے ایک مندوب کی حیثیت سے شرکت کی۔ مولانا کی لندن سے واپسی علامہ اقبال کے ساتھ ہوئی ۲۱ نومبر ۱۹۳۱ء کو انگلستان سے روانہ ہوکر روم، قاہرہ اور بیت المقدس ہوتے ہوئے ۲۸ دسمبر ۱۹۳۱ء کو بمبئی پہنچے۔ (روزنامہ انقلاب ۲۴ نومبر ۱۹۳۱ء)

مسلم مندوبین کے فیصلے سے غیر مطمئن ہوکر جب علامہ اقبال نے بطور احتجاج مسلم کانفرنس سے علیحدگی اختیار کی تو مولانا شفیع داؤدی نے بھی اپنی علیحدگی کی اطلاع سر آغا خاں کو دے دی۔ (انقلاب ۲۵ نومبر ۱۹۳۱ء)
مولانا شفیع داؤدی بہار کی سیاست پر ایک طویل عرصہ تک چھائے رہے لیکن آخر زمانے میں جب مقامی ڈسٹرکٹ بورڈ کی صدارت کے انتخاب میں مولانا سازشوں کا شکار ہوئے تو اس صورت حال سے بددل اور برگشتہ ہوکر انھوں نے سیاست کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہا اور وکالت کی طرف متوجہ ہوگئے

پھر وکالت چھوڑ کر اپنے آبائی وطن آکر سکونت پذیر ہو گئے۔
یہیں ۲۵ رجنوری ۱۹۴۹ء کو انھوں نے وفات پائی۔

ماخذ:

۱ "پرچم ہند" دہلی، آزادی نمبر ۱۹۶۴ء، مدیر انیس احمد
۲ محمد حمزہ فاروقی۔ حیاتِ اقبال کے خفی گوشے، لاہور، ۱۹۸۸ء
۳ مظفر اقبال۔ بہار میں اردو نثر کا ارتقا، پٹنہ، جنوری ۱۹۸۰ء ص ۱۷۲۔

محمد عثمان (۱۸۸۵—۱۹۵۰ء)

محمد عثمان کے والد کا نام محمد قاسم تھا۔ یہ ۱۸۹۵ء میں حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ وہیں ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۹۱۰ء میں علی گڑھ گئے جہاں سے ۱۹۱۶ء میں بی اے کیا۔ ۱۹۲۰ء میں مملکت حیدر آباد کی سرکاری ملازمت کا آغاز بیدر سے کیا۔ جہاں سے مختلف مقامات پر تبادلہ ہوتا رہا۔ اعلیٰ تعلیم انگلستان میں لندن اور آکسفورڈ اور لیڈس (Leeds) یونیورسٹیوں میں حاصل کی اور واپس آ کر حیدر آباد کے محکمہ تعلیم میں ملازم ہو گئے عثمانیہ ٹریننگ کالج حیدر آباد کے وائس پرنسپل رہے پھر ضلع رائچور میں مہتمم تعلیمات مقرر ہوئے اور ۱۹۳۷ء میں ترقی پا کر صوبہ اورنگ آباد میں صدر مہتمم تعلیمات بنے۔ ان کا انتقال تاریخ ۲۶ محرم ۱۳۷۰ھ مطابق ۸ نومبر ۱۹۵۰ء کو ہوا۔

محمد عثمان تدریس اور نظامت کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف سے بھی شغف رکھتے تھے۔ تصانیف میں "رہنمائے سعادت"، "اخلاقیات"، "اصول تعلیم" (۱۹۳۸ء) "مبادی نفسیات" (۱۹۳۵ء) اور "نفسیات تعلیمی"، ان سے یادگار ہیں۔ موخرالذکر پر سنہ اشاعت درج نہیں۔ یہ دو مرتبہ شائع ہوئی۔ اس کی دوسری اشاعت مکتبہ ابراہیمیہ مشن پریس، حیدر آباد سے ہوئی اور اس کے آغاز میں چند اکابر کی آرا یکجا کی گئی ہیں۔ انہی آرا میں اقبال کی مختصر رائے بھی شامل ہے۔ جو غالباً بذریعہ خط ترسیل کی گئی ہو گی۔

مآخذ: ۱۔ بحوالہ میر صادق علی (متوفی ۵۲ ۱۹۵۱ء) جو محمد عثمان کے عم زاد بھائی کے بیٹے تھے
ڈاکٹر معین الدین عقیل، "دو نوادر"، منسولہ اورینٹل کالج میگزین، لاہور
اقبال نمبر ۱۹۸۸ء ص۔ ۱۷۔

محمد مجیب (۱۹۰۲ - ۱۹۸۵ء)

محمد مجیب ۳۰ / اکتوبر ۱۹۰۲ء کو لکھنؤ کے ایک خوشحال خاندان میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم لورٹو کانونٹ میں سال بھر حاصل کرنے کے بعد وہ اسلامیہ ہائی اسکول لکھنؤ میں داخل ہوئے۔ ۱۹۱۸ء میں دہرہ دون سے انھوں نے سینئر کیمبرج کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۱۹ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے وہ انگلستان گئے اور آکسفورڈ یونیورسٹی میں انھوں نے داخلہ لیا ۱۹۲۲ء میں تاریخ (عہد جدید) میں بی۔ اے آنرز کا امتحان پاس کیا اور طباعت کی تربیت کے لیے برلن (جرمنی) گئے۔ فروری ۱۹۲۶ء میں ہندوستان واپس آئے اور مارچ ۱۹۲۶ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ میں بہ حیثیت استاد تاریخ کام شروع کیا۔ وہ ۸ / اکتوبر ۱۹۴۸ء کو شیخ الجامعہ کے عہدے پر سرفراز ہوئے۔

پروفیسر محمد مجیب نے متعدد بین الاقوامی مجالس میں ہندوستان کی نمائندگی کی۔ ۱۹۴۹ء میں یو این جنرل اسمبلی میں ہندوستان کے مندوبین میں شامل ہوئے۔ ۱۹۵۱ء میں انڈیا فرینڈشپ کمیٹی کے وفد کے ساتھ چین گئے۔ ۱۹۵۴ء میں حکومت ہند کے نمائندہ کی حیثیت سے یونسکو کے اجلاس میں شرکت کی۔ ۱۹۵۶ء میں روس کے نظام تعلیم کے مطالعہ کے لیے حکومت ہند کے مقرر کردہ وفد کے رکن نامزد ہوئے۔ ستمبر ۱۹۶۱ء میں McGILL UNIVERSITY MONTREAL (مک گل یونیورسٹی مانٹریل) کے وزٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے کنیڈا گئے وہ فروری ۱۹۶۲ء میں جامعہ ملیہ واپس آئے۔ ۱۹۶۲ء میں جامعہ کو یونیورسٹی کا درجہ دلانے میں کامیاب ہوئے۔ ۱۹۶۵ء میں انھیں پدم بھوشن کا اعزاز ملا۔

۱۱ / ستمبر ۱۹۷۲ء کو وہ بیمار ہوئے اور اپنی یادداشت کھو بیٹھے۔ ۱۶ / دسمبر ۱۹۷۲ء کو ان کے دماغ کا آپریشن ہوا اور ۲ / اپریل ۱۹۷۳ء کو تقریباً چار ماہ کی علالت

کے بعد صحت یاب ہوکر انھوں نے بحیثیت شیخ الجامعہ پھر کام کرنا شروع کیا۔ ۸ راکتوبر کو تقریباً ۴۷ سال تک جامعہ ملیہ کی خدمت کرنے کے بعد سبکدوش ہوئے۔ اس طویل مدت میں ۲۴ سال کی وہ مدّت بھی شامل ہے جو بحیثیت شیخ الجامعہ انھوں نے انجام دی۔

ان کا انتقال ۲۰ رجنوری ۱۹۸۵ء کو ہوا۔

پروفیسر مجیب نے اردو اور انگریزی میں متعدد تصانیف چھوڑی ہیں اردو میں ان کی مشہور علمی و ادبی کتابیں : (۱) تاریخ فلسفۂ سیاست (۱۹۳۶ء) (۲) روسی ادب (۱۹۴۰ء) اور (۳) تاریخ تمدن ہند (عہدِ قدیم) (۱۹۵۱ء) ہیں۔ انھوں نے ان کے علاوہ چند ڈرامے بھی (۱۹۳۱ء۔ ۱۹۵۷ء کے درمیان) لکھے۔ انگریزی زبان میں ان کی مشہور تصانیف حسب ذیل ہیں :

1. INDIAN MUSLIM; LONDON, 1967

2. GHALIB - 1969

3. ISLAMIC INFLUENCE ON INDIAN SOCIETY, 1972

مآخذ :

عبداللطیف اعظمی۔ رسالہ "آج کل" نئی دہلی، جون ۱۹۸۴ء۔

محمد وسیم (۱۸۸۵۔۱۹۵۰ء)

محمد وسیم لکھنؤ کے مشہور وکیل مولوی محمد نسیم کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ جنھوں نے ۱۸۹۰ء میں وکالت شروع کی اور چار سال کی قلیل مدت میں ان کا اودھ چیف کورٹ کے ممتاز وکلاء میں شمار ہونے لگا۔

محمد وسیم ۱۸۸۵ء میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم کے بعد کالون تعلقدار کالج (COLVIN TALUQDAR COLLEGE) اور محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علی گڑھ میں مزید تعلیم جاری رکھی۔ اور پھر ۱۹۰۴ء میں انگلستان چلے گئے جہاں کیمبرج یونیورسٹی کے ماڈلین کالج (MAGDLIAN) میں داخل ہوئے۔ ۱۹۰۸ء میں ٹرائی پوس (TRIPOS) حاصل کر کے اور بیرسٹری کا امتحان پاس کر کے لکھنؤ واپس آئے۔ ۱۹۰۹ء میں وکالت شروع کی۔ انھوں نے تعلقداری سے متعلق قوانین کا بطور خاص مطالعہ کیا اور تقریباً آٹھ سال کے عرصے ہی میں اپنے والد کی طرح ایک کامیاب وکیل بن گئے۔ ۱۹۱۶ء میں ان کے والد وکالت کے پیشے سے سبکدوش ہو گئے۔ اس کے بعد محمد وسیم ۱۹۴۷ء تک لکھنؤ میں چوٹی کے وکیل گنے جاتے تھے۔ وہ بالخصوص تعلقداروں کے مقدمات لیا کرتے تھے۔ ۱۹۳۴ء میں یوپی کی حکومت نے ان کو ایڈووکیٹ جنرل مقرر کیا اور ۱۹۴۷ء تک وہ اسی عہدے پر فائز رہے۔

اس عہدے پر فائز رہنے کے باوجود انھوں نے مسٹر محمد علی جناح کے ایما پر کلکتہ جا کر مسلم لیگ کی نمائندگی باؤنڈری کمیشن (جسے ریڈ کلف کمیشن (RADCLIFF COMMISSION) کہا جاتا ہے) کے سامنے کی۔ جس کے نتائج ان کے لیے نہایت مصیبت خیز ثابت ہوئے اور یہ اپنی لاکھوں روپے کی جائداد چھوڑ کر پاکستان چلے گئے جہاں مسٹر جناح نے ان کو پاکستان کا پہلا ایڈووکیٹ جنرل بننے کی پیش کش کی۔

محمد وسیم کیمبرج یونیورسٹی میں علامہ اقبال کے معاصر تھے۔ جب ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لکھنؤ میں ہونے والا تھا (جو بالآخر الہ آباد میں منعقد ہوا۔ اور جس میں علامہ اقبال نے اپنا تاریخی خطبہ پڑھا) تو علامہ اقبال کا ارادہ تھا کہ وہ اپنے پرانے دوست محمد وسیم بیرسٹر کے ہاں قیام کریں گے۔

(ملاحظہ ہو مکتوب محررہ یکم اگست ۱۹۳۰ء)

پروفیسر محمد حبیب، صدر شعبہ تاریخ و سیاسیات، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ اور پروفیسر محمد مجیب، شیخ الجامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی ان کے بھائی تھے۔

محمد وسیم نے ۱۹۵۰ء میں کراچی میں وفات پائی۔

مآخذ۔

بصد شکریہ۔ جناب محمد فہیم، صاحبزادہ محمد وسیم مرحوم، کراچی۔

مولوی سر محمد یعقوب (۱۸۷۹ ـ ۱۹۴۲ء)

سر محمد یعقوب کے والد محمد اسماعیل شاہجہاں پور کے مشہور وکیل تھے۔ ان کو مذہبی اور علمی تحریکوں سے بڑی دلچسپی تھی۔ وہ مولانا شبلی کے زیر اثر ندوۃ العلماء سے گہری وابستگی رکھتے تھے۔ محمد یعقوب ۲۷ ر اگست ۱۸۷۹ء کو مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں پائی۔ پھر علی گڑھ کالج میں انھوں نے داخلہ لیا اور تعلیم کی تکمیل کے بعد وہ مراد آباد میں وکالت کرنے لگے۔ ۱۹۰۸ء میں مسلم لیگ کی رکنیت اختیار کی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی سرگرمیوں میں بھی زور شور سے حصہ لیا۔ مونسپلٹی بورڈ مراد آباد کے انتخابات میں بھی حصہ لیا۔ اور اس کے غیر سرکاری چیرمین منتخب ہوئے۔ ۱۹۱۳ء میں ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ نے ان کی صلاحیتوں اور خدمات کے پیش نظر ان کو اپنا ٹرسٹی مقرر کیا۔ ۱۹۱۹ء میں رولٹ بل کی منظوری کے خلاف ضلعی سطح پر زبردست مہم چلائی۔ ۱۹۲۰ء میں پروونشل لیجسلیٹیو کونسل کے رکن منتخب ہوئے اور ۱۹۲۳ء تک اس اسمبلی میں محمد علی جناح کی آزاد پارٹی کے ڈپٹی لیڈر کی حیثیت سے کام کیا ۱۹۲۶ء میں یوپی مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کی۔ ۱۹۲۷ء میں کلکتہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس ہوا تو اس کے صدر بنائے گئے۔ ۱۹۲۹ء میں آل انڈیا فلسطین کانفرنس بمبئی نے ان کو اپنا رکن مقرر کیا۔ ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۵ء تک آل انڈیا مسلم لیگ کے اعزازی سکریٹری رہے۔

مولوی سر محمد یعقوب کے لیے ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۵ء کا زمانہ اس لحاظ سے بہت اہم تھا کہ اس زمانہ میں انھوں نے مسلم لیگ کی سیاست میں بھرپور حصہ لیا اور اس کی مالی امداد کی اور اسے یوپی اور دوسرے اضلاع میں سرگرم

و فعال بنایا۔ اسی زمانے میں ان کو اقبال کے خیالات و نظریات سے آگہی ہوئی
ان کے اور اقبال کے درمیان خط کتابت ہوئی۔ ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ
کا اجلاس لکھنؤ میں ہونے والا تھا جس کی صدارت اقبال کرنے والے تھے۔
اس اجلاس میں پنجاب کے جن اکابر کو شرکت کی دعوت دی جانے والی تھی،
مولوی سر محمد یعقوب نے ان کی ایک فہرست اقبال کو بھجوائی، اقبال چاہتے
تھے کہ ان لوگوں کو مسلم لیگ کی جانب سے مدعو کیا جائے اور ان کا قیام کہاں
ہوگا اس کی وضاحت کی جائے چنانچہ انھوں نے یکم اگست ۱۹۳۰ء مولوی محمد
یعقوب کو ایک تفصیلی خط لکھا۔

اسی اجلاس کے تعلق سے ایک اور خط میں اقبال نے ان کو لکھا (مکتوب مورخہ
۴ راگست ۱۹۳۰ء)

"مسٹر جناح کا خط پرسوں آیا تھا کہ کونسل کی رائے طلب کی جائے
اور اجلاس لیگ کی تاریخ اور جگہ کا فیصلہ کیا جائے۔ میں نے ان کو
جواب میں لکھا ہے کہ اجلاس لکھنؤ ہی میں ہونا بہتر ہے کیونکہ کسی اور
مقام کے انتخاب میں دقت ہوگی اور وہاں کے لوگ اس کا تقاضہ
کریں گے کہ لیگ کے اجلاس کو کامیاب بنانے کے لیے چندہ کے واسطے
مزید وقت کی ضرورت ہوگی۔ لکھنؤ کے اجلاس کی تیاری ہو چکی ہے
اور اس واسطے موزوں یہی ہے کہ اجلاس وہاں کیا جائے پریذیڈنٹ
وہاں کے اجلاس کی تاریخ مقرر کرے۔ میرے خیال میں ۱۸ ر اکتوبر
(ہفتہ) موزوں تاریخ ہوگی۔ آپ مسٹر جناح سے خط کتابت کر کے
تاریخ کا اعلان کریں کیونکہ اجلاس کی کامیابی کا دار و مدار اس بات
پر ہے کہ تاریخ اجلاس کا اعلان جہاں تک ممکن ہو جلد ہو جائے مسٹر جناح
۴ ر اکتوبر کو انگلستان جا رہے ہیں۔"

اس اجلاس کے بارے میں مولوی سر محمد یعقوب اور اقبال میں مزید خط کتابت

ہوئی ہوگی لیکن مسلم لیگ کے موجودہ ریکارڈ میں اس کا پتہ نہیں چلتا ہے۔ یہ اجلاس لکھنؤ کی بجائے الہ آباد میں منعقد ہوا۔ اس میں اقبال نے خطبۂ صدارت پڑھا جس نے 'خطبۂ الہ آباد' کے نام سے شہرت پائی۔ مولوی سر محمد یعقوب ۱۹۲۸ء میں کونسل آف اسٹیٹ کے رکن مقرر ہوئے اور انتقال تک اسی حیثیت میں کام کرتے رہے۔ ان کی تاریخ رحلت ۲۳ رنومبر ۱۹۴۲ء ہے۔

مآخذ:

عبدالرؤف عروج: رجال اقبال۔ ص ۴۳۲۔ ۴۳۴۔

محمد یحییٰ تنہا (۱۸۹۰ء - ۱۹۶۶ء)

نام محمد یحییٰ اور تنہاؔ تخلص تھا سنہ پیدائش کے بارے میں صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکا۔ لیکن قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ تنہا ۱۸۹۰ء کے لگ بھگ موضع شاہپور، ضلع مظفر نگر (یوپی) میں پیدا ہوئے۔

تنہا نے ۱۹۱۱ء میں بی۔اے کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد ایل۔ایل۔بی کا امتحان پاس کرنے کے بعد وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ شروع میں غازی آباد کی منصفی میں وکالت کرتے رہے۔ ۱۹۳۴ء میں میرٹھ جحی میں منتقل ہو گئے۔ ۱۹۴۷ء تک وکالت کرتے رہے۔ ۱۹۴۸ء میں تنہا کو پنجاب یونیورسٹی نے اپنے یہاں بطور اعلیٰ تعلیم کے مدرس مدعو کیا۔ یہ کام اس خوش اسلوبی سے انجام دیا کہ انھیں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ چنانچہ ۱۹۵۰ء میں تنہا کو ہیلی کالج آف کامرس لاہور میں بھی اردو کی اعلیٰ تعلیم دینے کے لیے پیش کش کی گئی جسے تنہا نے اردو کی خدمت کی خاطر پسند کیا اور ۱۹۵۳ء تک وہ اس عہدہ پر مامور رہے۔ بعد میں اپنی لاغری اور ضعیفی کے سبب انھوں نے اس عہدے سے رخصت لے لی

تنہا ۱۹۶۲ء میں لاہور سے کراچی منتقل ہو گئے اور کراچی میں اپنی باقی ماندہ زندگی گزار کر ۱۹ دسمبر ۱۹۶۶ء کو اس دارِ فانی سے کوچ کیا۔

گو انھوں نے وکالت کا پیشہ اختیار کیا مگر ان کی ایک درجن کے قریب تصنیفات و تالیفات گواہ ہیں کہ وہ علم و ادب کے آدمی تھے۔

ان کی مشہور تصنیفات "سیر المصنفین" ہے جو تین جلدوں میں ہے۔ جلد سوم ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ اس میں اردو مصنفین نثر کے حالات کو شرح و بسط سے بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی اہم تصنیفات میں مراۃ الشعراء (جلد اول و دوم)

تاریخ مغربی یورپ (ڈاکٹر رابنس کی کتاب " A HISTORY OF WE[illegible] EUROPE " (اے ہسٹری آف ویسٹرن یورپ) کا ترجمہ ۱۹۲۸ء) حالاتِ اروِنگ (انگریزی کے مشہور مصنف واشنگٹن اروِنگ (WA[illegible] I[illegible]GTO [illegible] IRVING) کی کتاب " [illegible] OO[illegible] " اسکیچ بُک کے جستہ جستہ مضامین کا ترجمہ ۔ ۱۹۲۸ء) اور تب وتاب جو تنہا کی شعری کاوش کا نتیجہ ہے شامل ہیں۔

مآخذ:

محمد یحییٰ تنہا ۔ سیر المصنفین، مرتبہ امیر اللہ خاں شاہین، ادارہ اشاعت ادب، میرٹھ ۱۹۷۶ء ۔

(میر) محفوظ علی بدایونی (۱۸۷۰ - ۱۹۴۳ء)

میر محفوظ علی کو شوخ نگاری میں ایک خاص طرز کا موجد خیال کیا جاتا ہے۔ وہ ۸ رمئی ۱۸۷۰ء کو بدایوں کے ایک محلہ سید باڑہ کے ایک خوش حال گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مولوی عبدالمتعالی سے ان کے مکتب میں حاصل کی۔ ۱۸۸۶ء میں مشن ہائی اسکول بدایوں سے مڈل کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۸۸ء میں بریلی بغرض تحصیل علم گئے۔ یہاں مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی کا ساتھ رہا۔ ۱۸۹۰ء میں انٹرنس پاس کیا۔ پھر ایف اے کیا۔ ۱۸۹۳ء میں علی گڑھ کا رخ کیا۔ ۱۸۹۵ء میں ایم۔ او کالج سے بی۔ اے کیا۔ ۱۸۹۶ء میں جسٹس سید محمود کی سفارش پر اسسٹنٹ جج کی حیثیت سے دربار خیرپور (سندھ) میں تقرر ہوا۔ اور ترقی کر کے چند ہی سال میں نائب وزیر ہو گئے۔ مگر جلد ہی اس عہدہ سے مستعفی ہو کر ۱۹۰۱ء میں بدایوں آگئے۔ یہاں سے پھر حیدرآباد گئے جہاں انسپکٹر جنرل پولیس کے یہاں مترجم کے فرائض انجام دیئے۔

۱۹۰۴ء میں میر صاحب کا تقرر "بربرہ" سومالی لینڈ میں بحیثیت جج ہو گیا۔ ۱۹۰۷ء میں بمبئی واپس آئے اور مولانا ظفر علی خاں کی شرکت میں کاروبار شروع کیا مگر کچھ چلا نہیں میر صاحب ۱۹۰۹ء میں اہلیہ کی وفات پر بدایوں آگئے۔ ۱۲ر ستمبر ۱۹۱۳ء میں مولانا محمد علی جوہر نے ان کو دہلی بلا کر "ہمدرد" کی ادارت میں اپنا مددگار اور مشیر خاص بنا لیا۔ اس میں "تجاہل عارفانہ" کے تحت نکلا ہی کالم میر صاحب ہی بیشتر لکھتے تھے۔

۱۹۱۸ء میں والد کے انتقال کے بعد میر صاحب بدایوں چلے آئے اور ساری زندگی وہیں رہے۔ یہاں ان کو علم و ادب سے شغل رہا۔

۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۸ء تک شیخ وحید احمد مسعود کے رسالہ " نقیب " میں مضامین لکھتے رہے ۔

۱۹۳۲ء میں بدایوں کے کسی بزرگ نے علم ہیئت پر ایک یونانی رسالے کا ترجمہ کیا تھا اقبال کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے اس سلسلے میں سید محفوظ علی سے خط و کتابت شروع کی اور ان کے ذریعہ مترجم سے دریافت کیا :

" کیا مسلمان ریاضی دانوں میں کوئی اس بات کا بھی قائل ہوا ہے کہ مکان کے ابعاد تین سے زیادہ ہو سکتے ہیں "

(ملاحظہ ہو مکتوب محررہ ۲۱ ستمبر ۱۹۳۳ء مشمولہ جلد سوم)

۲۰ اکتوبر ۱۹۴۳ء کو میر صاحب نے انتقال کیا ۔

ان کے مضامین کے تین مجموعے " مضامین میر محفوظ علی " مرتبہ مولوی عبدالحق (۱۹۵۶ء) پاکستان " انتخاب نقیب " الناظر بک ڈپو ، لکھنؤ اور " طنزیات و مقالات " مولف محمد محی الدین بدایونی ، انجمن ترقی اردو پاکستان ، ۱۹۷۴ء میں شائع ہو چکے ہیں ۔

ماخذ ۔

۱ فکر و نظر ، نامورانِ علی گڑھ ، جلد ۲۴ ، تیسرا کارواں ، جلد اول ،

۲ عبدالرؤف عروج ۔ رجال اقبال ص ۴۴۴ ۔ ۴۴۵ ۔

لہ کلیات مکاتیب اقبال ، جلد دوم ۔ ص ۱۰۷۰ ۔ ۱۰۷۱ ۔

ملا محمود جون پوری (متوفی ۱۰۶۲ھ/ ۱۶۵۲ء)

ملا محمود جون پوری بن شیخ محمد بن شاہ محمد فاروقی، علوم حکیمہ وادبیہ میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ اگر ان کے وجود کی بنا پر سرزمین جون پور، شیراز پر فخر کرے تو بجا ہے۔ ملا محمود نے شروع میں اپنے دادا شاہ محمد سے تحصیل علم کی۔ اس کے بعد مولانا افضل جون پوری کی خدمت میں سترہ سال کی عمر میں تکمیل درس کر لی۔ جون پور سے اکبر آباد گئے وہاں شاہ جہاں بادشاہ کے وزیر آصف خاں سے ملاقات ہوئی۔ جون پور واپس آگئے اور افادہ و درس علوم میں مشغول ہو گئے۔ ۹ ربیع الثانی ۱۰۶۲/ ۱۶۵۲ء میں ان کے استاد مولانا محمد افضل کی زندگی میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے استاد اس صدمہ سے بہت رنجیدہ ہوئے چالیس دن تک مسکرائے بھی نہیں، چالیس دن کے بعد ان کا بھی انتقال ہو گیا کتاب "شمس بازغہ" (حکمت)، "فرائد فی شرح الفوائد" مع حاشیہ (علم معانی و بیان) جس کا سال تصنیف لفظ "طبع" سے نکلتا ہے (۱۰۴۲ھ/ ۳۲-۱۶۳۲ء) اور فارسی زبان میں مختصر سا ایک چہار ورقی رسالہ اقسام زبان کے بیان میں ان کی مشہور تصانیف ہیں۔

ماخذ:

(۱) رحمٰن علی۔ تذکرہ علمائے ہند، ترجمہ محمد ایوب قادری، پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی، ۱۹۶۱ء

(ڈاکٹر صوفی غلام) محی الدین (۱۸۸۶ - ۱۹۶۲ء)

ڈاکٹر صوفی غلام محی الدین کے بزرگوں کا اصل وطن کشمیر تھا لیکن وہ بعض نامساعد حالات کی بنا پر امرتسر آکر آباد ہوگئے تھے۔ صوفی صاحب یہیں ۲ر جون ۱۸۸۶ء کو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ ۱۹۰۵ء میں پنجاب یونیورسٹی سے میٹرک کیا اسی سال اُن کے والد کا انتقال ہوگیا جس کی وجہ سے ان کو مزید تعلیم جاری رکھنے کا موقع نہیں مل سکا اور وہ تلاشِ معاش میں سرگرداں رہنے لگے۔ ابتدا میں اخبار خالصہ اخبار کان پور، لوکل سوز اور آبزرور میں پروف ریڈری کی۔ ۱۹۱۶ء میں الٰہ آباد یونیورسٹی سے بی اے ایل ایل بی کیا۔ ۱۹۱۸ء میں گورنمنٹ اینگلو اسکول امراوتی میں اسسٹنٹ ماسٹر کی حیثیت سے ملازمت کی اسی زمانے میں انھوں نے ایم، اے کیا۔ اور دہلی یونیورسٹی میں رجسٹرار ہوکر دہلی آگئے۔ اور یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنی ملازمت کو برقرار رکھتے ہوئے الٰہ آباد یونیورسٹی سے کشمیری تہذیب و تمدّن پر مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کریں گے۔ الٰہ آباد یونیورسٹی نے ان کو مقالہ لکھنے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ اقبال اور انگلستان اور آئرلینڈ کے دو پروفیسروں کو ان کا نگراں اور ممتحن مقرر کیا۔ جن دنوں صوفی صاحب اپنے مقالے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اقبال کو اپنے آباو اجداد کا حال معلوم کرنے کی بڑی خواہش تھی وہ اپنے بزرگوں کا حال صرف اپنے والد کی زبانی سن چکے تھے، لیکن ان کی تصدیق کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ جب انھوں نے صوفی صاحب کا مقالہ کشمیری تہذیب و تمدّن پڑھا اور اس کے ماخذات کی فہرست دیکھی تو اس میں خواجہ اعظم شاہ کی تاریخ کشمیر اعظمی کا خطی نسخہ کا حوالہ نظر آیا۔ اس خطی نسخہ کے مطالعہ سے اقبال کو نہ صرف اپنے بزرگوں کے حالات تفصیل کے ساتھ مل گئے بلکہ بہت سی ایسی باتوں کی بھی تصدیق ہوگئی جو انھوں نے اپنے والد کی زبانی سُنی تھیں، انھوں نے ۱۵ر اکتوبر ۱۹۲۵ء کو اس امر کی اطلاع

دبے ہوئے اتنے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کو ایک خط لکھا۔

"آپ اور والد مکرم یہ سن کر خوش ہوں گے کہ مدت کی جستجو کے بعد آج اپنے بزرگوں کا سراغ مل گیا ہے۔ حضرت بابا لولی جو کشمیر کے مشہور مشائخ میں سے تھے، ان کا ذکر خواجہ اعظم کی تاریخ کشمیر میں اتفاقاً مل گیا، والد مکرم نے جو کچھ اپنے بزرگوں سے سنا تھا وہ بحیثیت مجموعی درست ہے ان کا اصل گاؤں لوچرنہ تھا بلکہ موضع چکو پرگنہ آدون تھا۔ بارہ سال کشمیر سے باہر رہے اور ممالک کی سیر میں مصروف رہے، بیوی کے ساتھ ان کے تعلقات اچھے نہ تھے اس واسطے ترک دنیا کر کے کشمیر سے نکل گئے۔ واپس آنے پر اشارہ غیبی پا کر حضرت بابا نصرالدین کے مرید ہوئے جو حضرت نورالدین ولی کے مرید تھے، تمام عمر انھوں نے بابا نصرالدین کی صحبت میں گزاری اور اپنے مرشد کے جوار میں مدفون ہیں۔ اب امید ہے کہ مزید حالات معلوم ہو جائیں گے۔

خواجہ اعظم کا تذکرہ مختصر ہے مگر یہ مختصر نشان غالباً مزید انکشافات کا باعث ہو گا۔ ان حالات کے معلوم ہونے کا سبب عجیب و غریب ہے، دہلی یونیورسٹی کے رجسٹرار (ڈاکٹر صوفی غلام محی الدین) الہ آباد یونیورسٹی سے ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے ایک کتاب کشمیری تہذیب و تمدن پر لکھ رہے ہیں، میں ان کے ممتحنوں میں سے ہوں باقی دو ممتحن انگلستان اور آئرلینڈ کے پروفیسر ہیں، اتفاق سے رجسٹرار صاحب کل آئے ہوئے تھے انھوں نے اپنے کسی دوست کو ہدایت کی تھی کہ خواجہ اعظم کی تاریخ کشمیر کا قلمی نسخہ میرے مکان پر پہنچا دے، وہ شخص قلمی نسخہ تاریخ مذکور کا لایا، میں اس وقت فارغ بیٹھا تھا، یہی کتاب دیکھنی شروع کر دی، دو چار ورق ہی الٹے تھے کہ باباصاحب کا تذکرہ مل گیا جس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی۔"

(اس سلسلے میں کلیاتِ مکاتیب اقبال جلد دوم میں خواجہ اعظم دیدہ مری پر نوٹ بھی ص ۶۸۷ پر ملاحظہ ہو۔)

صوفی صاحب نے اپنا یہ مقالہ ۱۹۲۵ء میں مکمل کیا — اس کو انھوں نے الہ آباد یونیورسٹی کو ارسال کیا اور وہاں جا کر اس پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی۔ جن دنوں وہ سرس میں قیام پذیر تھے ان کی بہت سے ایسے لوگوں سے ملاقات ہوئی جو اقبال کی فکر اور شاعری میں دل چسپی لیتے تھے۔ ان کے ایک دوست کی خواہش تھی کہ وہ "بانگ درا" کی نظموں کا انگریزی میں ترجمہ کریں۔ انھوں نے اس سلسلے میں اقبال سے اجازت حاصل کرنے کے لیے صوفی صاحب کو وسیلہ بنایا۔ صوفی صاحب نے اقبال سے اس موضوع پر خط و کتابت کی اور یہ معلوم کرنا چاہا کہ وہ اس خیال سے کس حد تک متفق ہیں، اقبال نے صوفی صاحب کو لکھا:

"غرض یہ ہے کہ بانگ درا کی بیشتر نظمیں طالب علمی کے زمانے کی ہیں بہتر طریق یہ ہے کہ بانگ درا سے بعض نظمیں انتخاب کی جائیں، باقی "زبورِ عجم" اور "پیامِ مشرق" سے انتخاب کی جائیں۔ اس سے زیادہ اہم کام یہ ہے کہ جاوید نامہ کا تمام و کمال ترجمہ کیا جائے یہ نظم ایک قسم کی ڈوین کامیڈی ہے، مترجم کا اس سے یورپ میں شہرت حاصل کر لینا یقینی امر ہے اور اگر اس ترجمہ کو کوئی عمدہ مصور بھی کر دے تو یورپ اور ایشیا میں مقبول تر ہو گا۔"

اس کے بعد اقبال نے ایک رباعی کا انگریزی ترجمہ نمونے کے طور پر بھجوایا اور ضروری ہدایات بھی دیں۔ صوفی صاحب کو اقبال سے بے حد عقیدت تھی وہ ان سے اکثر خط و کتابت کرنے اور مختلف علمی امور پر تبادلۂ خیال کرتے رہتے تھے، انھوں نے ۱۹۳۷ء میں نیویارک جا کر کولمبیا یونیورسٹی میں پوسٹ ڈاکٹری ڈیپارٹمنٹ میں ملازمت کر لی، جب دہلی یونیورسٹی بنی تو انتظامیہ نے ان کو کولمبیا سے دہلی بلالیا۔ اور دہلی یونیورسٹی کا پہلا رجسٹرار مقرر کیا۔ ۱۹۴۷ء میں وہ پاکستان آ گئے تھے۔ ۱۸ اپریل ۱۹۶۲ء کو کراچی میں انتقال کیا۔ ۲۵ سے زائد ضخیم اور مختصر کتابیں ان سے یادگار ہیں۔

مآخذ:

عبدالرؤف عروج رجالِ اقبال، ص ۳۸ - ۳۱ -

مسولینی (MUSSOLINI)
(۱۸۸۳ - ۱۹۴۵ء)

بنٹو مسولینی (BENITO MUSSOLINI) یورپ کے فاسسٹ ڈکٹیٹر کی حیثیت سے سب سے پہلے منظر عام پر آیا اور ۲۰ سال سے زائد عرصہ تک اٹلی پر آمرانہ اقتدار قائم رکھا۔ مسولینی وسط اٹلی کے ایک چھوٹے سے قصبہ پری ڈاپیو (PREDAPPIO) میں ۲۹ جولائی ۱۸۸۳ء کو پیدا ہوا۔ قصبہ کے اسکول میں ابتدائی تعلیم کے لیے داخل ہوا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد مدرسی کا ڈپلومہ حاصل کیا اور کچھ عرصہ مدرس کی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۹ سال کی عمر میں اٹلی چھوڑ کر سوئٹزرلینڈ چلا گیا اور ایک سیاسی صحافی اور پرزور مقرّر کی حیثیت سے امتیاز حاصل کیا۔ ۱۹۰۴ء میں اٹلی واپس آیا۔ یہاں کچھ عرصہ اسکول میں مدرس رہا۔ پھر تدریس کو چھوڑ کر صحافت اور سیاست کی طرف مائل ہوا۔ اس کے باعث کئی مرتبہ گرفتار بھی ہوا اور سزا پائی۔

اسی دوران اس نے سوشلزم پر متعدد رسالے لکھے اور اپنا اخبار (طبقاتی کش مکش) جاری کیا۔ یہ نہایت کامیاب ہوا۔ ۱۹۱۲ء میں معروف سوشلسٹ روزنامہ (آوَنتی) کا مدیر مقرر ہوا۔

مسولینی نے پہلی جنگ عظیم میں حصّہ لیا اور زخمی ہونے کے بعد وطن واپس آیا۔ فروری ۱۹۱۸ء میں اس نے اٹلی میں ایک آمرانہ نظام حکومت کے قیام کی ابتدا کی۔ آئندہ سال ملان (MILAN) میں فاسسٹ پارٹی کی بنیاد پڑی۔ ۱۹۲۲ء میں مسولینی کو ایک سنہری موقع ملا جب اٹلی میں عام ہڑتال ہوئی

اور اس نے سیاسی مفاہمت کرانے کی کوشش کی۔ بالآخر اٹلی کے حکمراں شاہ وکٹر ایمول نے اس کو ۳۱ ر اکتوبر ۱۹۲۲ء کو اٹلی کا وزیر اعظم مقرر کر دیا۔
اٹلی کی تاریخ میں یہ سب سے کم عمر وزیر اعظم گزرا ہے۔ ۱۹۲۴ء کے انتخابات میں فاسسٹ پارٹی کو زبردست فتح حاصل ہوئی۔ مسولینی نے اپنے شکستہ حال زوال آمادہ اور پست ہمت ملک میں ایک نئی روح پھونک دی۔

۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۰ء تک مسولینی اٹلی کے عوام کے لیے ایک ہیرو بن گیا تھا۔ اور بیرون ممالک میں بھی قابل تعظیم سمجھا جاتا تھا۔ اب اس نے اٹلی کی سلطنت کی توسیع کے خواب دیکھنے شروع کیے۔ نوآبادیات کے حصول کے جنون میں اکتوبر ۱۹۳۵ء میں اس نے ابی سینا پر حملہ کر دیا اور بعد میں اس پر قبضہ کر لیا۔

اُدھر جرمنی میں ہٹلر نے مسولینی کو کافی سند دی اور جلد ہی ان دونوں میں دوستی کا وہ رشتہ قائم ہوا جس نے بالآخر دوسری جنگ عظیم میں یورپ کو تاخت و تاراج کر دیا۔ اسی دوران مسولینی نے اپریل ۱۹۳۹ء میں البانیہ پر قبضہ کر لیا اور اسی سال ستمبر میں دوسری جنگ عظیم چھڑ گئی۔ ۱۰ رجون ۱۹۴۰ء کو مسولینی نے بھی جنگ کا اعلان کر دیا اور ہٹلر کے ساتھ جنگ میں شامل ہو گیا۔

مسولینی نے یونان پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا لیکن اس میں اس کو شکستِ فاش ہوئی۔ شمالی افریقہ میں بھی اس کی فوجوں کو پسپا ہونا پڑا۔ ہٹلر نے اس کی امداد کرنا چاہی مگر جب اتحادیوں نے جزیرہ سسلی پر (جولائی ۱۹۴۳ء) کامیاب حملہ کر دیا تو اٹلی کا سقوط ناگزیر نظر آنے لگا۔

۲۴ رجولائی ۱۹۴۳ء کو مسولینی کو اس کے عہدہ سے برطرف کر دیا گیا اور اس کی گرفتاری کے احکامات جاری کر دیے گئے۔ جرمن ہوابازوں نے اس کو (جرمنی) پہنچایا۔ جرمنی نے شمالی اٹلی میں فاسسٹ حکومت از سر نو قائم کرنے کی کوشش کی لیکن یہ کوشش ناکام رہی۔ آخر کار جرمن اور اطالوی فوجوں کو شکست ہوئی۔ جب مسولینی چھپ کر بھاگ رہا تھا تو پہچان لیا گیا اور ایک مقام انزانو AZZANO کے قریب

۲۸ اپریل ۱۹۴۵ء کو اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔

یہ عجب بات ہے کہ اس دور کے دو عظیم ہم عصر ہندوستانی شاعر اقبال اور ٹیگور مسولینی سے بے حد متاثر تھے اور اس کے مداح تھے دونوں نے اس سے ملاقات بھی کی۔

اقبال نے مسولینی سے ۲۷ نومبر ۱۹۳۱ء کو ملاقات کی۔ اس ملاقات کے متعلق کئی روایتیں مشہور ہیں۔ ان روایتوں میں سے کون سی درست ہے؟ یہ بتانا تو ممکن نہیں۔ مگر اس حقیقت سے انکار کرنا مشکل ہے کہ اقبال ملاقات کے وقت واقعی مسولینی کی شخصیت سے متاثر ہوئے تھے۔ چنانچہ پروفیسر آل احمد سرور کے نام اپنے خط محرّرہ ۱۲ مارچ ۱۹۳۷ء میں فرماتے ہیں۔

> "مسولینی کے متعلق جو کچھ میں نے لکھا ہے اس میں آپ کو تناقض نظر آتا ہے۔ آپ درست فرماتے ہیں۔ لیکن اگر اس بندۂ خدا میں ڈیول (شیطان) اور سینٹ (ولی)، دونوں کی خصوصیات جمع ہوں تو اس کا میں کیا علاج کروں مسولینی سے اگر کبھی آپ کی ملاقات ہو تو آپ اس بات کی تصدیق کریں گے کہ اس کی نگاہ میں ایک ناممکن البیان تیزی ہے جس کو شعاعِ آفتاب سے ہی تعبیر کر سکتے ہیں۔ کم از کم مجھے اس قسم کا احساس ہوا۔"
>
> اقبال نے مسولینی پر ایک نظم بھی لکھی ہے۔

ماخذ:

۱۔ دائرۃ المعارف بریطانیکا۔ جلد ۱۲، ص ۷۴۹۔ ۷۵۲۔

۲۔ جاوید اقبال۔ زندہ رود، جلد سوم، ص ۴۵۹۔ ۴۶۱۔

مولانا مظہر الدین (متوفی ۱۹۳۴ء)

مولانا مظہر الدین دہلی کے ان صحافیوں میں سے تھے جنھوں نے مسلم لیگ کی تحریکِ پاکستان کو آگے بڑھانے میں نمایاں کام کیا۔ وہ ضلع بجنور کے ایک قصبہ شیرکوٹ میں پیدا ہوئے تھے، وہیں انھوں نے ابتدائی تعلیم پائی پھر دارالسلام دیوبند میں داخلہ لیا اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے دامنِ عاطفت میں تربیت پائی۔ ان کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے ان کو دارالسلام دیوبند میں درس و تدریس پر مامور کیا گیا، کچھ دنوں بعد وہ کان پور کے الٰہیات میں مدرس ہو گئے۔

مولانا مظہر الدین کو تدریس سے کہیں زیادہ صحافت سے دل چسپی تھی، مولانا ابوالکلام آزاد نے کلکتہ سے اخبار "الہلال" جاری کیا تو وہ مدیر معاون کی حیثیت سے اس کے عملے میں شامل ہو گئے، پھر قاضی عبدالغفار کی ادارت میں کلکتہ ہی سے نکلنے والے اخبار "جمہور" میں کام کیا۔ کچھ عرصے کے بعد اخبار "مدینہ" بجنور کے مدیر ہو کر اس کو شہرت اور مقبولیت کی بلندیوں پر پہنچایا۔

مولانا مظہر الدین ایک آزاد مزاج بزرگ تھے، وہ ملازمت کی قید و بند کو پسند نہیں کرتے تھے۔ انھوں نے جلد ہی اخبار "مدینہ" بجنور کی ملازمت سے چھٹکارا پا لیا۔ اور اپنا ذاتی اخبار "دستور" جاری کیا۔ اس اخبار کے ذریعے مولانا نے انگریزوں کے خلاف جی کھول کر لکھا، ان کی استبدادی پالیسی پر کڑی نکتہ چینی کی، مولانا سے ضمانت طلب کی گئی، ضمانت کے باوجود مولانا کی تحریروں کی کاٹ میں کمی نہیں آئی، انگریزوں نے ضمانت ضبط کر کے اخبار بند کر دیا۔ مولانا نے اس کے باوجود ہمت نہیں ہاری اور رئیس نگینہ

کے مشورے سے ایک اور سہ روزہ اخبار 'الامان' جاری کیا' یہ کچھ دنوں تک نگینہ سے نکلتا رہا۔ بعد میں اسے حکیم اجمل خاں کے مشورے پر دہلی منتقل کردیا گیا۔ اس کے ساتھ مولانا نے ایک اور اخبار 'وحدت' جاری کیا۔ یہ دونوں اخبار مسلم لیگ کی تحریک پاکستان کو آگے بڑھانے میں پیش پیش تھے۔

جن دنوں مسلم لیگ کی حالت بالکل خراب ہو چکی تھی اور قائدِاعظم محمد علی جناح نے انگلستان میں سکونت اختیار کرلی تھی' مسلمان سخت ہیجان اور اضطراب میں مبتلا تھے' اس ہیجان اور اضطراب سے نکلنے کی کوئی راہ سامنے نہیں تھی' آصف علی بیرسٹر دہلی نے مسلم لیگی زعما سے ایک خط کے ذریعے اپیل کی تھی کہ مسلم لیگ کو عوامی جماعت بنانے کی پوری کوشش کرنی چاہیے مولانا مظہرالدین نے اس زمانے میں اقبال سے خط وکتابت کا آغاز کیا تھا' انھوں نے اقبال کو آصف علی بیرسٹر دہلی کے خط کی نقل بھیجتے ہوئے لکھا تھا کہ وہ اسے ملاحظہ فرمائیں' اقبال نے اس خط کی نقل پر مولانا غلام رسول مہر کے نام ایک خط لکھا:

> " یہ اس خط کی نقل ہے جو مسٹر آصف علی بیرسٹر دہلی نے ان حضرات کے نام لکھا تھا جن کے دستخط آج تک مسلم لیگ والی مینی فیسٹو پر تھے۔ آپ کے ملاحظہ کے لیے ارسال کرتا ہوں۔ اور مفتی اعظم کے متعلق جو نوٹ ہے وہ بھی پڑھ لیجئے۔"

مولانا مظہرالدین نے دو مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت کی' حجاز میں ان کا بے حد احترام کیا جاتا تھا اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا تھا کہ وہ دونوں مرتبہ قیام حجاز کے دوران سلطان ابن مسعود والیِ حجاز کے مہمان رہے' انھوں نے ۱۹۳۸ء میں فلسطین کانفرنس قاہرہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کے نمائندہ کی حیثیت سے شرکت کی۔ مولانا صحافتی اصولوں کے معاملے میں سخت گیر تھے ان کی تنقید کی زد سے کوئی محفوظ نہیں رہتا تھا۔ وہ کانگریس سے تعلق رکھنے والے رہنماؤں اور اور لیڈروں پر بڑے سخت الفاظ میں تنقید کرتے تھے اس کی وجہ سے ان کے مخالفوں

کا ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا جو ان کو کسی نہ کسی طرح نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔ مولانا جانتے تھے کہ خفیہ طور سے ان کی مخالفت جاری ہے۔ اور کسی وقت ان کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے لیکن انھوں نے اپنے مخالفوں کو کبھی اہمیت نہیں دی۔ چنانچہ ۴ مارچ ۱۹۳۴ء کو دوپہر کے وقت بعض نامعلوم افراد نے ان کے دفتر پہنچ کر انھیں قتل کر دیا۔ ان کے قتل کی خبر دہلی میں پھیلتے ہی کہرام برپا ہو گیا، مولانا صحافی ہونے کے علاوہ ایک ناول نویس بھی تھے، 'شیر دل خاتون'، 'سندھ کی راج کماری'، اور 'حیاتِ کامل'، ان سے یادگار ہیں۔

ماخذ:

عبدالرؤف عروج: رجالِ اقبال ص ۴۶۰ - ۴۶۱ -

(عبدالصمد) مقتدری (متوفی ۱۹۶۴ء)

ملاّ عبدالصمد مقتدری بدایوں میں پیدا ہوئے مدرسہ قادریہ میں علوم دینیہ کی تحصیل کی۔ الہ آباد یونیورسٹی سے "ملاّ" کا امتحان پاس کیا اس لیے "ملاّ" ان کے نام کا جزو بن گیا۔ سیاست میں مولانا عبدالماجد بدایونی کے پرست مانے تھے۔ تقریر و تحریر میں کمال رکھتے تھے۔ تحریکِ خلافت میں بھرپور حصہ لیا آگرہ اور اس کے گردونواح میں شدھی تحریک اور سنگٹھن تحریک نے زور پکڑا تو اس کے سدباب کے لیے آگرہ میں مستقل قیام کیا۔ ماہنامہ "الہدیٰ" جاری کیا۔ اس سلسلہ میں حکومت کے زیر عتاب آنے کی بنا پر نظر بندھی ہوئے ملاّ مقتدری یو پی مسلم لیگ کے سرگرم کارکن تھے بریلی اور بدایوں میں مسلم لیگ کو کامیاب بنانے میں رات دن کام کیا۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی چلے آئے اور گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ میری کلاکو سکول (صدر) سے وابستہ ہوگئے تھے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر بدایونی کی سوانح حیات مرتب کی تھی جو چھپ نہ سکی۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا مشہور قصیدہ "خراج انس" در مدح حضرت مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی مرتب کرکے شائع کیا۔

مولانا عبدالصمد مقتدری نے ۱۵ رجب ۱۳۸۴ھ ۲ نومبر ۱۹۶۴ء کو وفات پائی۔

ماخذ:

محمد عبدالحکیم شرف قادری تذکرہ اکابر اہل سنت (پاکستان) جلد اول مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ بریلی۔

(ڈاکٹر) مونجے (۱۸۷۲ء-۱۹۴۸ء)

ڈاکٹر بال کرشن شیورام مونجے بلاسپور (مدھیہ پردیش - بھارت) میں ۱۲ دسمبر ۱۸۷۲ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی اور ثانوی تعلیم بلاسپور میں حاصل کی۔ پھر رائے پور کے ہائی اسکول میں داخلہ لیا جہاں سے ۱۸۹۱ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۹۴ء میں گورنمنٹ میڈیکل کالج، ناگپور میں داخلہ لیا اور ۱۸۹۸ء میں ایل۔ ایم۔ اینڈ ایس (L.) کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۰۱ء میں ناگپور میں ڈاکٹری پریکٹس شروع کی۔ یہ آنکھوں کے امراض کے ماہر تھے۔

۱۹۰۶ء کے لگ بھگ ڈاکٹر مونجے نے انڈین نیشنل کانگریس میں شمولیت کی اور بمبئی میں کانگریس کے اجلاس میں شریک ہوئے جہاں بال گنگا دھر تلک سے بہت متاثر ہوئے۔ ۱۹۰۶ء کے بعد سے ڈاکٹر مونجے نے بدیشی اشیا کے بائیکاٹ اور سودیشی کی تحریکوں میں خاص طور پر دلچسپی لی۔ ۱۹۲۱ء میں عدم تعاون تحریک میں حصہ لیا اور دو بار قید کی سزا پائی بعدازاں ہندو مہاسبھا میں شامل ہو گئے اور ۱۹۲۶ء میں اس کے صدر منتخب ہوئے۔ اسی سال مرکزی مجلس قانون ساز کے رکن بھی چنے گئے۔ ۱۹۳۰ء میں کانگریس کی اپیل پر اس مجلس سے مستعفی ہو گئے۔

ڈاکٹر مونجے نے ہریجنوں کی نمائندگی کے بارے میں ایک سمجھوتہ ان کے رہنما ایم۔ سی۔ راجہ کے ساتھ کیا جو مونجے راجہ سمجھوتے کے نام سے مشہور ہوا۔

۱۹۳۷ء میں ہندو ملٹری ایجوکیشن سوسائٹی قائم کی اور ناسک کے

قریب بھونسلے ملٹری اسکول کی بنیاد رکھی۔ اب انھوں نے اپنی زندگی اس اسکول کی نشو ونما اور دہا سبھا کی سرگرمیوں کے لیے وقف کردی۔
ڈاکٹر مونجے نے ۳ر مارچ ۱۹۴۸ء کو ناگپور میں وفات پائی۔

مآخذ:

ایس۔ پی۔ سین۔ ڈکشنری آف نیشنل بیوگرافی، جلد سوم، ص ۱۴۳-۱۴۵۔

(سید) مہر علی شاہ گولڑوی (۱۲۷۴ھ/۱۸۵۹ء-۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء)

سید مہر علی شاہ گولڑوی برصغیر پاک و ہند میں چشتیہ سلسلے کے سب سے آخری اہم بزرگ ہیں۔ یہ یکم رمضان ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۹ء کو پیدا ہوئے۔ سید نذیرالدین شاہ نے ان کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ کی جس کے نتیجے میں کم عمری ہی میں علوم ظاہری سے فارغ ہو گئے۔ انھوں نے کچھ دنوں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھنے کے بعد حجاز کی راہ لی اور مکّہ معظّمہ پہنچے۔ جہاں مشہور عالم دین حاجی امداد اللہ مہاجر مکّی کا قیام تھا۔ ایک دن حاجی صاحب نے ان سے نہایت اصرار سے کہا کہ تم ہندوستان چلے جاؤ کیونکہ وہاں عنقریب ایک فتنہ برپا ہو گا جس کی سرکوبی تم ہی کر سکتے ہو۔ شاہ صاحب نے اس فتنے کو قادیانیت سے تعبیر کیا اور ہندوستان آکر اس کے خلاف نبرد آزما ہو گئے۔

سید مہر علی شاہ نے اپنے دور کے مشہور صوفی شمس الدین سیالوی سے چشتیہ سلسلے میں بیعت حاصل کی اور ایک عرصہ تک سیال شریف سرگودھا میں رہ کر سلوک اور تصوّف کا درس لیا۔ شمس الدین سیالوی نے اپنی رحلت سے کچھ دن پہلے ان کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ جس کے بعد انھوں نے گولڑہ شریف میں متمکن ہو کر مسند رشد و ہدایت بچھائی اور تلقین و درس کا ہنگامہ برپا کیا۔ اقبال نے انجمن حمایت الاسلام کے پلیٹ فارم سے قومی اور ملکی سطح کے اجلاسوں تک میں ان کی تقریریں اور خطبات سنے تھے اور غیر شعوری طور پر ایک خاص قسم کا تاثر قبول کیا تھا۔ اس لیے جب ۱۹۲۰ء میں ترک موالات اور عدم تعاون کی تحریک چلی اور اس کی تائید و مخالفت میں ملک کے متعدد علماء نے فتوے دیے تو اقبال نے انجمن حمایت الاسلام کے سکریٹری کی حیثیت سے سید مہر علی شاہ

کو بھی اس سلسلے میں لکھا اور ان سے رائے مانگی۔ شاہ صاحب کا مشن سیاسی نہیں تھا بلکہ وہ مذہب اور شریعت کی خدمت کے ساتھ ساتھ احوال و کردار چاہتے تھے۔ انھوں نے خاموشی اختیار کر لی۔ شاہ صاحب کو شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے فلسفے پر مکمل دسترس تھی۔ انھوں نے "فصوص الحکم" اور "فتوحاتِ مکیہ" کا بغور مطالعہ کیا تھا اور ان کی رائے اس سلسلے میں دوسروں سے مختلف تھی۔ اس بنا پر اقبال نے کئی مرتبہ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے اور استفادہ کرنے کا ارادہ کیا، لیکن کسی نہ کسی وجہ سے ارادہ عمل کی صورت اختیار نہیں کر سکا۔ البتہ جب انھوں نے ۱۹۳۲ء میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی شخصیت اور فلسفے پر کچھ لکھنا چاہا تو شاہ صاحب کی رہنمائی کی ضرورت محسوس کی اور ان کو ایک خط ۸ راگست ۱۹۳۳ء کو لکھا جو اس جلد میں شامل ہے۔

اقبال کے اس خط سے بہت پہلے سید مہر علی شاہ نے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے بارے میں درس و تدریس کا سلسلہ ختم کر دیا تھا اور وہ بعض علما کی اس رائے سے متفق ہو گئے تھے کہ عوام شیخ اکبر کے نظریات سے گمراہ بھی ہو سکتے ہیں۔ درس و تدریس کی موقوفی کے بعد ان پر استغراق غالب آ گیا تھا۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز معمولاتِ تصوّف میں مشغول رہنے لگے تھے۔ ہفتوں کھانے پینے کی نوبت نہیں آتی تھی۔ جس وقت اقبال کا خط ان تک پہنچا ان پر شدید استغراق کی کیفیت طاری تھی۔ جب استغراق میں افاقہ ہوا تو خدام نے ان کو اقبال کے استفسار کی اطلاع دی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ جواب دیتے پھر عالمِ استغراق میں چلے گئے خدام نے اس صورتِ حال کے پیشِ نظر اقبال کو لکھ بھیجا:

> "شاہ صاحب سے استفسار کا وقت نکل گیا ہے۔ وہ ان دنوں مسلسل استغراق میں رہتے ہیں۔ اس لیے ممکن نہیں کہ اس سلسلے میں کچھ معلوم کیا جائے۔"

شاہ صاحب نے ۲۹ رصفر ۱۳۵۶ھ (۱۱ رمئی ۱۹۳۷ء) کو بمقام گولڑہ ضلع راولپنڈی

انتقال کیا۔ ان کی خانقاہ مرجع خاص و عام ہے۔

شاہ صاحب نے بہت سی تصانیف چھوڑی ہیں۔ جن میں تحقیق الحق فی کلمۃ الحق، الاصلاح القبیح لا عمار المسیح معروف بہ سیف چشتیائی، شمس الہدایہ، اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان وما اہل بہ لغیر اللہ، مشہور ہیں۔ شاہ صاحب فارسی اور پنجابی میں شعر بھی کہا کرتے تھے ان کی بعض پنجابی کافیاں اور فارسی غزلیں صوفیا میں بہت مقبول ہیں۔ لیکن ان کافیوں اور غزلوں کی شایان شان طباعت پر تا حال توجہ نہیں دی گئی۔ شاہ صاحب کے ملفوظات ”ملفوظات طیبہ“ کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

مآخذ

۱ اعجاز الحق قدوسی۔ اقبال کے محبوب صوفیہ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۷۶ء ص ۱۸۱ تا ۵۵۱

۲ عبد الرؤف عروج رجال اقبال ص ۲۷۰۔۲۷۴۔

(جان ایلس) میک ٹیگرٹ (J. E. M. McTAGGART)

(۱۸۶۶ - ۱۹۲۵ء)

معروف برطانوی فلسفی جان ایلس میک ٹیگرٹ ۱۸۶۶ء میں بمقام لندن پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ٹرینٹی کالج کیمبرج میں داخل ہوا۔ جہاں ۱۸۹۱ء میں فلو مقرر کیا گیا۔ اور ۱۸۹۷ء سے ۱۹۲۳ء تک برابر پڑھاتا رہا۔

میک ٹیگرٹ کیمبرج میں اقبال کا استاد تھا۔ اس زمانہ کا ایک قصہ جناب حق نواز نے اپنی کتاب "سفر نامہ اقبال" میں (ص ۱۹۱) لکھا ہے کہ علامہ نے زمانہ طالب علمی میں نظریہ زمان پر ایک مقالہ لکھا تھا۔ پروفیسر میک ٹیگرٹ نے اُسے دیکھا اور ناپسند کیا۔ جسے علامہ نے دل برداشتہ ہوکر ضائع کر دیا۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں جب برگساں نے ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا اور اس نظریہ کی اشاعت ہونے لگی تو میک ٹیگرٹ کو بہت دکھ ہوا۔ اس لیے کہ برگساں نے کم و بیش وہی نظریہ قائم کیا تھا جسے علامہ پہلے ہی اپنے مقالہ میں بحث کر چکے تھے۔

میک ٹیگرٹ تصوریت پسند (IDEALIST) فلسفی تھا۔ جو شروع سے ہیگل کا پیرو رہا گو اس دوران میں فلسفہ کے نظریے اور زاویے بدل گئے تھے میک ٹیگرٹ نے ہیگل پر جو کام کیا وہ اپنی انفرادیت کے باعث ممتاز ہے۔ وہ نظریۂ وجودیت EXISTANCE کا قائل تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ شے کا وجود ہے اور اگر کوئی اس کے وجود پر شک کرتا ہے تو اس شک کا وجود ہے۔

لہ کلیات مکاتیب اقبال، جلد دوم ص ۸۰۵ - ۸۰۸ -

کلیاتِ مکاتیبِ اقبال جلد-۳

اس کی اہم تصانیف میں مندرجہ ذیل شامل ہیں:

1. STUDIES IN THE HEGELIAN DIALECTIC (1896)
2. STUDIES IN HEGELIAN COSMOLOGY (1901)
3. SOME DOGMAS OF RELIGION (1906)
4. A COMMENTARY ON HEGEL'S LOGIC (1910)
5. HUMAN IMMORTALITY OF PRE-EXISTENCE (1915)
6. THE NATURE OF EXISTENCE (1915, 1921 & 1927)
7. PHILOSOPHICAL STUDIES (1934)

ماخذ:

WILLIM L. RESS DICTIONARY OF PHILOSOPHY OF RELIGION HUMANITIES PR., NEW JERSY, pp 343- 344, 1980

ولیم ایل ریس۔ڈکشنری آف فلاسفی اینڈ ریلیجن ہیومینیٹیز پبلشر نیو جرسی ۱۹۸۰ء ص ۳۴۳ - ۳۴۴)

۲ حق نواز۔ سفرنامہ اقبال، اقبال صدی پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۱۹۷۷ء ص ۱۹۱۔

نادر شاہ (غازی) (متوفی ۱۹۳۳ء)

یہ ایک درّانی افغان تھے اور محمد زئی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد محمد یوسف خاں کو امیر عبدالرحمٰن نے جلاوطن کر دیا تو دہرہ دون (اتر پردیش۔ ہند) میں آکر پناہ گزیں ہوئے۔ نادر خاں یہیں پیدا ہوئے۔ اور یہیں انھوں نے تعلیم و تربیت پائی۔

۱۹۱۹ء میں نادر خاں کا خاندان افغانستان واپس ہوا۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد نادر خاں کو افغانی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ ۱۹۲۴ء میں ان کو اس عہدے سے برطرف کر کے افغانستان کے نمائندے کی حیثیت سے پیرس بھیج دیا گیا۔

۱۶ر اکتوبر ۱۹۲۹ء کو نادر شاہ کے نام سے وہ امیر افغانستان بنے۔ اعلیٰ حضرت نادر شاہ غازی نے علامہ اقبال، سر راس مسعود، ڈاکٹر ہادی حسن اور مولانا سید سلیمان ندوی کو ۱۹۳۳ء میں کابل آنے کی دعوت دی کہ وزیر تعلیم کو کابل میں مجوزہ یونیورسٹی کے قیام کے سلسلے میں اپنے مشوروں سے نوازیں۔ اقبال ۲۰ر اکتوبر کو اپنے رفقا کے ساتھ پشاور پہنچے اور وہاں سے کابل کے لیے روانہ ہو گئے۔ وہاں اقبال کی نادر شاہ غازی سے کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ پہلی ملاقات ۲۶ر اکتوبر کو قصر دلکشا میں ہوئی اور اقبال نے غالباً اس ملاقات میں ان کی خدمت میں قرآن کریم کا ایک نسخہ پیش کرتے ہوئے کہا "ایں کتابے ہست کہ تقدیر ہائے امم، شرق و غرب در بطون آں آشکار می بینم" (یہ ایک کتاب ہے جس میں اقوام مشرق و مغرب کی تقدیریں صاف نظر آ رہی ہیں) اعلیٰ حضرت نے فرمایا "آیاتِ بیناتِ او پناہ گاہ من است" (اس کی آیات بینات میری پناہ گاہ ہیں) یہ الفاظ شاہ غازی کی زبان پر جاری تھے اور آنکھیں پُرنم تھیں۔

روزنامہ "اصلاح" (کابل) کی وساطت سے علامہ اقبال نے اپنا پیام ملت غیور افغان کے نام دیتے ہوئے فرمایا:

"الحمد للہ کہ میں نے یہ اسلامی سرزمین دیکھی اور بادشاہ غازی کی بارگاہ میں حاضری سے بھی مشرف ہوا جس کے کام کی بنیاد و اساس "بندگی خدا" اور "عشقِ وطن" پر ہے۔ یعنی وہ بادشاہ جو شاہی قبا کے نیچے خرقۂ درویشی پہنے ہوئے ہے اور خدائے بزرگ و برتر نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کے طفیل اس کی درویشی کو شرفِ قبولیت بخشا۔"

اقبال دو ہفتے کے بعد ۴ نومبر کو لاہور پہنچے۔ ۷ نومبر کو ایک طالب علم نے کابل میں نادر شاہ کو شہید کر دیا۔ اقبال اس المناک حادثے سے بہت متاثر ہوئے۔

اس سلسلے میں اقبال کی فارسی مثنوی "مسافر" کا ذکر ضروری ہے۔ یہ وہ حیات آفریں منظوم پیغام ہے جو اقبال نے سیاحت افغانستان سے واپس آکر ملت افغانیہ کو دیا اور جس کا پہلا اہم عنوان "شاہ شہید نادر شاہ غازی سے ملاقات" اور آخری عنوان "اعلیٰ حضرت ظاہر شاہ سے خطاب" ہے۔

ماخذ

W. K. FRAZER-TYTLER, AFGHANISTAN, LONDON, 1967, P.222-226 ۱

ڈبلو۔ کے۔ فریزر۔ ٹائٹلر۔ افغانستان، لندن، ۱۹۶۷ء ص ۲۲۲-۲۲۶ ۱

۲ محمد حمزہ فاروقی۔ حیات اقبال کے چند مخفی گوشے، لاہور ۱۹۸۸ء

(حکیم) ناصر خسرو (۳۹۴ھ۔۴۸۱ھ)

ناصر خسرو ۳۹۴ھ میں بمقام قبادیان حوالی بلخ پیدا ہوا۔ جوانی ہی سے اسے علوم و فضائل، تحقیق ادیان و عقائد ایران و عرب کی شاعری کے مطالعے کا شوق تھا۔ اس نے حدیث، فقہ، طب، نجوم، فلسفہ و ریاضی میں مہارت پیدا کی۔

ناصر خسرو نے سلطان محمود غزنوی اور سلطان مسعود غزنوی کے دربار بھی دیکھے۔ اس کے بعد اسے سلجوقی دربار میں دیوانی کی خدمت ملی اور وہ وہاں دبیر کے عہدے پر فائز رہا۔ ناصر خسرو نے ۲۷ سال سے ۴۳ سال تک کی عمر کا زمانہ درباروں میں گزارا۔ پھر ایک ذہنی انقلاب نے اس کی زندگی کا دھارا ہی بدل کے رکھ دیا۔ اور ۴۲۷ ہجری میں ملازمت ترک کرکے وہ تلاش حق میں ایک طویل سفر پر روانہ ہوا۔ اس سات سالہ سیاحت میں اس نے چار مرتبہ حج کیے۔ مختلف ممالک ہندوستان، افغانستان، ترکستان، ایشیائے کوچک، شام، میں پھرتا رہا۔ وہ تین سال مصر میں مقیم رہا۔ اور خاص کر اسماعیلی شیعوں سے دینی مطالب اور تفسیر کی تعلیم حاصل کی۔ یہ لوگ اپنے عقائد کو چھپاتے تھے اس لیے باطنی کہلاتے تھے۔ ناصر خسرو نے ان سے روابط پیدا کیے اور ان کا مذہب اختیار کر لیا۔ ناصر خسرو کے اس سفر کا ایک اہم نتیجہ اس کا "سفر نامہ" ہے جس میں آج سے تقریباً ایک ہزار سال پہلے کی دنیا کے حالات محفوظ کرکے اپنی یادگار چھوڑ گیا ہے۔

ناصر خسرو نے واپسی پر اپنے وطن میں اسماعیلی عقائد کی تبلیغ شروع کی تو علماء و امراء نے اس کی شدید مخالفت کی۔ اور اسے بلخ چھوڑنا پڑا۔ وہ چھپتے چھپاتے ایک شہر سے دوسرے شہر جاتا رہا اور غربت کی زندگی بسر کرتا رہا اس زمانے میں بڑی بڑی مصیبتیں اٹھائیں۔

اس روپوشی اور آوارہ گردی کی یادگار کتاب "زاد المسافرین" ہے جس

میں اسماعیلی عقائد کے بنیادی مسائل کو اس نے دلائل سے ثابت کیا ہے۔ اس کتاب کا شمار فارسی زبان کی گنتی کی چند فلسفیانہ کتابوں میں ہوتا ہے۔ خراسان، مازندان اور طبرستان میں کچھ دن رہنے کے بعد ناصر خسرو ۴۵۶ ہجری کے آخر میں بدخشاں کے حوالی یمگان چلا گیا اور عزلت گزیں ہو گیا۔ یہیں ۴۸۱ ہجری میں اس نے وفات پائی۔

"سفر نامہ" اور "زادالمسافرین" کے علاوہ ناصر خسرو نے "وجہ دین" خوانِ اخوان "دو مثنویاں" "روشنائی نامہ" اور "سعادت نامہ" (جو پند و موعظت کے موضوع پر فارسی میں قدیم ترین مثنویاں ہیں) اور دیوان اشعار اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔ ناصر خسرو کے دیوان کے اشعار کی تعداد تیس ہزار تک بتائی جاتی ہے۔ لیکن اب اس میں بارہ ہزار سے زیادہ اشعار نہیں ہیں۔ دیوان میں فلسفیانہ، اخلاقی اور مذہبی قطعات بہت ہیں۔

ناصر خسرو کے بیشتر قصائد کا موضوع دینی مسائل پر بحث و استدلال ہے۔ اور ظاہر سے باطن کی طرف رجوع کی تحریک ہے۔ اس لحاظ سے ناصر خسرو عام قصیدہ سراؤں سے مختلف ہے کہ اس کے اشعار مدح سرائی سے خالی ہیں۔

مآخذ:

۱ ڈاکٹر رضا زادہ شفق۔ تاریخ ادبیات ایران، ص۔ ۱۷۹ - ۱۸۹

۲ ڈاکٹر محمد صدیق شبلی اور ڈاکٹر محمد ریاض۔ فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ ص۔ ۴۵۔ ۴۷۔

(نواب) نذیر جنگ (۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء - ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء)

ان کا نام نذیر بیگ تھا۔ مرزا قادر بیگ (سابق اول تعلقدار) کے خلف اکبر تھے۔ بمقام میرٹھ (یوپی) ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے پھوپا نواب محسن الملک کے ہمراہ حیدرآباد آئے۔ تعلیم و تربیت نواب صاحب ہی کی نگرانی میں ہوئی۔ بغرض حصول تعلیم علی گڑھ گئے جہاں سر سید احمد خاں، مولانا شبلی اور مولانا حالی وغیرہ کی صحبت انھیں حاصل ہوئیں۔ اپنی ذہانت اور قابلیت سے کالج میں نمایاں حیثیت حاصل کی۔

والد کے انتقال کے بعد حیدرآباد آکر نظام کالج میں داخلہ لیا ۱۲۹۹ھ میں ملازمت سرکارِ عالی میں بحیثیت مددگار معتمد مال داخل ہوئے اور اس عہدہ پر ۱۳۱۶ھ تک کارگزار رہے۔ بعدازاں دوم تعلقدار ضلع عثمان آباد کی خدمت پر فائز ہوئے۔ ۱۳۲۱ھ میں علاقہ صرفِ خاص مبارک میں منتقل عمل میں آئی جہاں صدر محاسب کی حیثیت سے کام کیا کچھ عرصہ بعد ان کا تقرر صوبہ داری ورنگل پر عمل میں آیا۔ ۱۳۲۵ھ کو معتمدی فوج کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ مجلس وزراء کے رکن بھی رہے۔ محکمہ جات طبابت و علاج حیوانات کی ذمہ داری بھی ان کو تفویض کی گئی تھی ۱۳۳۵ھ میں وظیفہ حسن خدمت پر علیحدہ ہوئے۔ اسی سال نواب نذیر جنگ کے خطاب سے مفتخر ہوئے۔ وہ جامعہ عثمانیہ کے رفیق جامعہ بھی تھے ان کی وفات ۷ دسمبر ۱۹۴۱ء کو ہوئی۔

ماخذ:

شکریۂ خاص:

جناب حسن الدین احمد، حیدرآباد دکن۔

(راجہ) نریندر ناتھ (۱۸۶۴ - ۱۹۴۵ء)

راجہ نریندر ناتھ لاہور میں ۸ دسمبر ۱۸۶۴ء کو پیدا ہوئے۔ لاہور اور کلکتہ میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۸۰ء میں کلکتہ سے انٹرنس کا امتحان کامیاب کیا۔ ۱۸۸۶ء میں ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۸۸۷ء میں جان سٹورٹ مل (JOHN STUART MILL) کی کتاب "لبرٹی" (LIBERTY) کو اردو میں ترجمہ کیا۔ تعلیم مکمل کر کے سرکاری ملازمت کی اور گرداسپور میں اسسٹنٹ کمشنر مقرر ہوئے۔ بعد میں پنجاب میں مختلف مقامات پر ڈسٹرکٹ جج رہے۔ ۱۸۹۵ء میں منٹگمری (فیصل آباد) ضلع کے ڈپٹی کمشنر مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۱ء میں لاہور ڈویژن کے کمشنر کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ یہ پہلے ہندوستانی تھے جو اس اعلیٰ عہدہ پر فائز ہوئے۔ حکومت ہند کے ہوم ممبر سر ریجی نالڈ کرڈوک (SIR REGINALD CRADDOCK) نے ایک سرکلر نکالا کہ کوئی ہندوستانی کمشنر کے عہدہ پر مقرر نہ کیا جائے۔ اس پر راجہ نریندر ناتھ نے ایک سال کی رخصت لے لی اور انگلستان جاکر لارڈ کریو (LORD CREW) سکریٹری آف سٹیٹ برائے ہندوستان کے سامنے عرضداشت پیش کی اور ۱۹۱۶ء میں اپنے عہدہ سے استعفیٰ دیدیا۔

۱۹۲۱ء میں راجہ نریندر ناتھ زمینداروں کے حلقہ سے پنجاب مجلس قانون ساز کے لیے بلا مقابلہ منتخب ہوئے اور ۱۹۳۷ء تک اس حلقہ کی نمائندگی کرتے رہے۔

راجہ نریندر ناتھ کٹر ہندو تھے۔ انھوں نے ۱۹۲۷ء میں آل انڈیا ہندو مہا سبھا کے اجلاس کی صدارت کی اور برسوں پنجاب ہندو مہاسبھا کے صدر رہے۔ ۱۹۳۰-۳۱ء میں گول میز کانفرنس لندن میں شرکت کی۔ اور کمیونل ایوارڈ پر سخت

نکتہ چینی کی۔

راجہ نریندر ناتھ نے بیواؤں کی شادی، چھوت چھات کی لعنت دور کرنے اور ذات پات کے اختلافات مٹانے کی پُرزور حمایت کی۔ ۱۹۲۹ء میں انھوں نے صوبہ سرحد ہندو کانفرنس منعقدہ لاہور میں تمام فرقہ جات میں اتحاد و اتفاق قائم کرنے کی پُرجوش اپیل کی۔

راجہ نریندر ناتھ نے ایک کتاب "سر سیفورڈ کرپس اینڈ اکھنڈ ہندوستان"

(SIR STAFFARD CRIPPS AND AKHAND HINDUSTAN)

کے نام سے تصنیف کی اور پاکستان اسکیم کی سخت مخالفت کی۔

ان کی وفات ۱۹۴۵ء میں ہوئی

ماخذ :

ایس۔ بی۔ سین۔ ڈکشنری آف نیشنل بایوگرافی، جلد دوم ص۔۲۴۰۔ ۲۴۱۔

(۳) نظامت جنگ (۱۸۷۱-۱۹۵۵ء)

سر نظامت جنگ کا نام نظام الدین احمد تھا۔ یہ ۲۲ اپریل ۱۸۷۱ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ نواب رفعت یار جنگ کے دوسرے بیٹے تھے، جو اس وقت گلبرگہ میں صوبیدار تھے اور اپنے زمانے کی مشہور شخصیات میں شمار ہوتے تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ اس کے بعد چار سال مدرسہ اعزہ میں تعلیم پائی۔ اس مدرسہ کی بنیاد ان کے والد ہی نے رکھی تھی۔ ۱۸۸۴ء میں مدراس یونیورسٹی سے میٹرک پاس کیا۔ ۱۸۸۷ء میں سولہ سال کی عمر میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کی غرض سے انگلستان چلے گئے اور ٹرینٹی کالج، کیمبرج میں داخلہ لیا۔ ۲۱ سال کی عمر میں بی۔اے اور ایل۔ایل۔بی کا امتحان پاس کیا۔ اور ۲۴ سال کی عمر میں بیرسٹری کا امتحان کامیاب کیا۔

ان کو انگریزی شاعری سے بے حد شغف تھا اور شیکسپیئر سے تو والہانہ عشق تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے قریبی دوستوں کے ساتھ مل کر جن میں مشہور کرکٹ کے کھلاڑی رانجی شامل تھے، شیکسپیئر ریڈنگ سوسائٹی قائم کی۔ انھوں نے نہ صرف مشہور انگریزی شعراء کے کلام کا بطور خاص مطالعہ کیا بلکہ جرمن اور لاطینی شاعروں کا کلام بھی دلچسپی سے پڑھا۔

وطن واپس آنے پر وہ حیدرآباد کی اسٹیٹ سروس میں شامل ہو گئے اور مختلف عہدوں پر کام کرنے کے بعد لیجسلیٹو ڈیپارٹمنٹ میں انڈر سکریٹری مقرر ہوئے۔ اور ۱۹۰۹ء میں ہوم سکریٹری کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ وہ ۱۹۱۰ء میں ہائی کورٹ کے جج اور بعد میں چیف جسٹس مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۸ء میں ان کا سکریٹری کی حیثیت سے پالٹیکل ڈیپارٹمنٹ میں تقرر ہوا۔ اس عہدہ پر ۱۹۳۰ء تک فائز

رہے۔ سال بھر بعد وہ نظام کی مجلس عاملہ کے رکن مقرر ہوئے۔ نظام نے انھیں "نظامت جنگ" کا خطاب عطا کیا اور برطانوی حکومت نے "سر" کا خطاب دیا۔

سرکاری ملازمت کے دوران بھی سر نظامت جنگ کو شعر و سخن کا شوق رہا۔ وہ خود بھی شاعر تھے۔ ۱۹۱۸ء میں ان کی انگریزی سانیٹس (SONNETS) کا ایک مجموعہ لندن سے شائع ہوا۔ اس میں عارفانہ رنگ جھلکتا ہے۔ مزید برآں ان کی اسلام اور عربی تہذیب و تمدن پر کم از کم ۳۵ نظمیں ہونگی۔ سر نظامت جنگ ایک شریف النفس، مہذّب اور وسیع المشرب آدمی تھے۔ مسز سروجنی نائیڈو ان کی قریبی دوستوں میں سے تھیں۔ انھوں نے ان کی شخصیت کا جائزہ لیتے ہوئے کہا تھا کہ "سر نظامت جنگ ایک شاعر، سیاستداں، منصب دار اور منتظم تھے۔ وہ جہاں بزم علماء کے جلوت گزیں تھے وہیں انتظام و انصرام کے امور میں تجربہ کار مدبّر بھی تھے۔ وہ مغربی فلسفہ و ادب کے بھی دلدادہ تھے۔ وہ کبھی مغربی تہذیب کے رومانی منظروں سے لطف اندوز ہوتے تھے اور کبھی کاروانِ اسلام کے ایک صوفی منش اور منکسر المزاج راہرو بھی تھے۔

سر نظامت جنگ نے تجرد کی زندگی گزاری۔ وہ ایک عالی شان محل میں رہتے تھے جہاں اب ریٹز ہوٹل (RITZ HOTEL) قائم ہے۔ انھوں نے ۱۲ نومبر ۱۹۵۵ء کو انتقال کیا

ماخذ:

شکریہ خاص:

ڈاکٹر حسن الدین احمد صاحب، حیدرآباد، دکن

نظیر لدھیانوی (۱۹۰۲ ۔ ۱۹۸۹ء)

اصغر حسین خاں نام نظیر تخلص اور وطن لدھیانہ تھا ۔ ۹ ر فروری ۱۹۰۲ء کو پیدا ہوئے ۔ ۱۹۲۱ء میں میٹرک کا امتحان کامیاب کیا ۔ اس کے بعد محکمۂ تعلیم میں ملازم ہو گئے ۔
نظیر لدھیانوی کی پہلی نظم ۱۹۱۸ء میں روزنامہ "زمیندار" میں شائع ہوئی ۔ ان کا پہلا مجموعہ کلام "صبح نشاط" ۱۹۴۰ء میں لدھیانہ سے شائع ہوا اور دوسرا مجموعہ "صبح بہار" لاہور سے چھپا ۔ "جاوید نامہ" کی منظوم شرح لکھی اور "ترجمان اقبال" کے نام سے "اسرار خودی"، مثنوی "پس چہ باید کرد"، "رموز بے خودی" کا منظوم ترجمہ شائع کیا ۔ اس کے علاوہ مولانا حسن رضا خاں حسن بریلوی شاگرد داغ کا کلام "شعر حسن" کے نام سے مرتب کیا ۔ متعدد کلاسیکی شعراء کے انتخابات کلیات پر مقدمے لکھے جن میں "کلیات میر" (اول و دوم) کلیات سودا، کلیات دبیر، کلیات غالب، کلیات مصحفی کے انتخابات شامل ہیں ۔ اس کے علاوہ انتخاب "بہارستان" (ظفر علی خاں)، وانتخاب "نگارستان" انتخاب "چمنستان" بھی شائع کیے ۔ کوکب دہلوی کی "فغان دہلی" اور ظہیر دہلوی کی "داستان غدر" شائع کی ۔ ... سرنگار بھی تھے اور "تذکرہ شعرائے اردو" تاریخ ادب اردو اور فن تنقید اور شعرا پر تنقید میں لکھیں ۔ چین کے عظیم رہنما ماؤزی دونگ کی کتاب "گوریلا جنگ" کا بھی اردو میں ترجمہ کیا ۔
نظیر لدھیانوی نے ۲۷ر جنوری ۱۹۸۹ء کو وفات پائی ۔

مآخذ :

بشکریہ ۔ پروفیسر ظہیر احمد صدیقی، دہلی یونیورسٹی، بحوالہ مقالہ برائے پی ۔ ایچ ڈی از خالد کفایت اللہ، بٹالہ یونیورسٹی، پنجاب ۔

(سید) نعیم الحق (متوفی ۱۹۸۰ء)

سید نعیم الحق پٹنہ کے رہنے والے تھے ان کے والد کا نام نسیم الحق تھا۔ کچھ دنوں انھوں نے مدرسہ فرنگی محل میں تعلیم حاصل کی۔ پھر وکالت پاس کر کے پٹنہ ہائی کورٹ میں پریکٹس کرنے لگے۔ ۱۹۲۷ء کے الیکشن میں ایم۔ ایل۔ اے ہوئے ۱۹۴۶ء میں کلکتہ منتقل ہو گئے اور وہیں وکالت کرتے رہے۔ غالباً ۱۹۷۴ء میں کبر سنی کی وجہ سے کلکتہ چھوڑ کر پٹنہ واپس آ گئے۔

۱۹۳۳ء میں کشمیر میں کچھ مقدمات مسلمانوں کے خلاف دایر کیے گئے تھے۔ اس ضمن میں ان کا رابطہ علامہ اقبال سے رہا۔

وہ ایک ممتاز وکیل اور ذی علم شخصیت کے مالک تھے۔ اس کے علاوہ مذہبی اور سماجی کاموں میں دل چسپی لیتے تھے۔ وہ مدرسہ شمس الہدیٰ کی موقوفہ جائداد کے اپنے انتقال سے چند ماہ قبل تک متولّی رہے۔

انھوں نے ۱۹۸۰ء میں وفات پائی۔

مآخذ:

۱ بصد شکریہ، ڈاکٹر عابد رضا بیدار، ڈائرکٹر، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ بہار۔

۲ لیٹرز آف اقبال، ص۔ ۱۰۷۔

نواب صاحب بہاول پور (۱۹۰۴ - ۱۹۶۶ء)

اقبال کے ہم عصر نواب صادق محمد خاں عباسی ۳۰ ستمبر ۱۹۰۴ء کو پیدا ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم ایچی سن چیفس کالج لاہور (AITCHISON CHIEF'S COLLEGE) میں حاصل کی۔ انتظامیہ معاملات میں ٹریننگ این۔ بولسٹر آئی۔ سی۔ ایس (N BOLSTER I C S) سے لی جو ان کا اتالیق اور سرپرست تھا ۱۹۲۲ء میں ان کو محدود انتظامیہ اختیارات دیئے گئے۔ چھ ماہ بعد کونسل آف ریجنسی (COUNCIL OF REGENCY) کے سربراہ مقرر ہوئے ۸ مارچ ۱۹۲۴ء میں پورے اختیارات کے ساتھ ریاست بہاول پور کے فرماں روا کی حیثیت سے تخت نشین ہوئے۔

نواب صاحب ۱۹۳۳ء سے ۱۹۴۷ء تک چیمبر آف پرنسز کی سٹینڈنگ کمیٹی کے رکن رہے۔ انھوں نے ۱۹۳۵ء میں حج کی سعادت حاصل کی۔

نواب صاحب کی قیادت میں ریاست بہاول پور نے حکومت پنجاب اور ریاست بیکانیر کی شرکت میں ستلج ویلی پروجیکٹ (SUTLEJ VALLEY PROJECT) میں حصہ لیا جس سے ریاست کے ایک وسیع علاقے کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم ہوئیں۔

پنجاب یونیورسٹی نے ۱۹۳۳ء میں نواب صاحب کو ایل۔ ایل۔ ڈی کی اعزازی ڈگری دی۔

نواب صاحب ۱۹۶۶ء میں بغرض علاج لندن گئے وہیں ۲۴ مئی ۱۹۶۶ء کو انتقال کیا۔

مآخذ

۱ MEMORANDA ON INDIAN STATES, CALCUTTA, 1940

GOVERNMENT OF INDIA

• (میمورنڈا آف انڈین سٹیٹس، (کلکتہ ۱۹۴۰ء) شائع کردہ حکومت ہند)

۲ عبدالرؤف عروج ۔ رجالِ اقبال، ص۔ ۳۰۵ ۔ ۳۰۷ ۔

نواب رام پور سر سید رضا علی خاں (۱۹۰۶-۱۹۶۶)

سر سید رضا علی خاں ۱۷ / نومبر ۱۹۰۶ء کو قصبہ شاہ آباد علاقہ ریاست میں پیدا ہوئے۔ اردو فارسی کے اساتذۂ شہر سے معمولی تعلیم پائی۔ انگریزی تعلیم پرنسز کالج (PRINCE COLLEGE) اندور اور میو کالج (MAYO COLLEGE) اجمیر میں حاصل کی۔ نواب حامد علی خاں کے انتقال پر ۲۱/جون ۱۹۳۰ء کو تخت نشین ہوئے۔ تخت نشینی کے دو ایک سال بعد ہی ۱۹۳۲ء میں ریاست کی بعض پالیسیوں سے ناراض ہو کر اہل رام پور نے ذمہ دار آئینی حکومت اور جزوی اصلاحات کی جدو جہد شروع کر دی۔ رعیت کی طرف سے احتجاجوں اور حکومت کی طرف سے قید و بند کا سلسلہ شروع ہو گیا جو ۱۹۴۵-۱۹۴۶ء تک جاری رہا۔ تاہم نواب صاحب ۷/مارچ ۱۹۳۴ء کو انگلستان کی سیاحت کے لیے روانہ ہو گئے اور ۱۰/نومبر ۱۹۳۴ء کو رام پور واپسی ہوئی۔ ۲۰/جون ۱۹۴۹ء تک کامل اختیارات کے ساتھ حکومت کی اور ۱۹ سال کی حکومت کے بعد ریاست کا انضمام یکم مئی ۱۹۴۹ء کو ہوا۔ ادغام کے بعد تقریباً ۱۷ سال حیات رہے۔ اچانک دماغی رگ پھٹ جانے سے ۶/مارچ ۱۹۶۶ء کو انتقال ہوا۔

نواب رضا علی خاں اپنے زمانہ کے روشن خیال والیانِ ریاست میں گنے جاتے تھے۔ ان کے عہد میں ریاست نے ہر جہتی ترقی کی۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے متعدد اسکول اور ایک انٹر کالج (طالبات) کھلے اور لڑکوں کے لیے ایک ڈگری کالج منظور ہوا۔ بڑے اور چھوٹے تقریباً اٹھارہ کارخانے لگے۔ عام فلاح و بہبود کے بہت سے کام ہوئے۔ مجلس قانون سازی کی تشکیل

ہوئی۔ عدالت عالیہ مقرر ہوئی اور آخر عہد میں وزارت داخلہ، وزارت تعلیم اور امور عامہ عوام کے منتخب ارکان مجلسِ مقننہ کے حوالے کی گئی جو ادغام ریاست پر ختم ہوئیں۔

ماخذ:

بصد شکریہ: جناب محمد عبدالسلام صاحب، رام پور،

(مولوی) نور الحق دہلوی (متوفی ۱۰۷۳ھ)

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کے صاحبزادے ہیں۔ یہ انہی کے تلمیذ رشید تھے اور انہی سے شرف بیعت حاصل تھا۔ بعض اصحاب نے انھیں خواجہ محمد معصوم رضا مجدّدی کا مرید لکھا ہے۔ یہ عہد شاہجہانی میں اکبر آباد کے قاضی ہوئے۔ انھوں نے صحیح بخاری و صحیح مسلم کی شرحیں لکھی ہیں۔ انھوں نے "زبدۃ التواریخ" میں عہد اکبری کے حالات منصفانہ انداز میں تحریر کیے ہیں۔

۱۰۷۳ھ میں اپنے والد کے اکیس سال بعد انھوں نے وفات پائی۔

ہندوستان میں علم الحدیث کو رواج دینے میں شیخ عبدالحق اور ان کے صاحبزادے مولوی نور الحق کا بڑا ہاتھ ہے۔

مآخذ: رحمٰن علی۔ تذکرہ علمائے ہند، مرتبہ محمد ایوب قادری، کراچی، ۱۹۶۱ء، ص۔ ۵۳۴-۵۳۵۔

۲ آزاد بلگرامی۔ مآثر الکرام دفتر اول، ص۔ ۲۰۱-۲۰۲۔

۳۔ آزاد بلگرامی۔ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، ص۔ ۵۳

۴۔ صدیق حسن خاں۔ ابجد العلوم، ص ۹۰۱

۵۔ فقیر محمد جہلمی، حدائق الحنیفہ، ص۔ ۴۱۸۔

۶۔ سید احمد عروج قادری۔ تذکرہ عبدالحق محدّث دہلوی، ص۔ ۲۱۱-۲۱۳۔

(موتی لال) نہرو (۱۸۶۱ - ۱۹۳۱ء)

موتی لال نہرو جو ایک کشمیری برہمن خاندان کے چشم و چراغ تھے ۶ مئی ۱۸۶۱ء کو آگرہ میں پیدا ہوئے۔ کانپور سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور میور سینٹرل کالج الہ آباد میں داخلہ لیا۔ لیکن بی۔اے کا امتحان نہ دیا۔ البتہ ۱۸۸۳ء میں امتحان پاس کرکے وکیل ہو گئے۔ تین سال کانپور میں رہ کر بالآخر الہ آباد میں سکونت اختیار کی اور وہاں جلد ہی جماعتِ وکلا کے سربراہ بن گئے۔

موتی لال نہرو نے اول اول سیاسی زندگی میں بڑی بددلی سے حصہ لینا شروع کیا۔ شروع کے چند کانگرس کے اجلاسوں میں شریک ہوئے۔ ۱۹۰۹ء میں یوپی کی قانون ساز مجلس کے رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۱۶ء میں ہوم رول لیگ میں شامل ہو گئے اور اس لیگ کی یوپی شاخ کے صدر منتخب ہو کر ۱۹۱۷ء میں اس کے خصوصی صوبائی اجلاس کی صدارت کی۔ ۱۹۱۶ء میں گاندھی جی سے ان کی ملاقات سے ان دو غیر معمولی اشخاص کے درمیان ایک قریبی تعلق کا آغاز ہوا۔ موتی لال اس زمانہ کی اعتدال پسند صحافت سے خوش نہ تھے اور ۱۹۱۹ء میں انھوں نے ایک روزنامہ "انڈی پنڈینٹ" جاری کیا جس کے ذریعہ ہندوستان کے لیے حصول "ہوم رول" کی وکالت کی۔ جلیانوالہ باغ کے قتل عام نے ان کو ہلا کر رکھ دیا۔ کانگریس کے کمیشن کے چیرمین کی حیثیت سے ان کو پنجاب کے فسادات کی تحقیقات کے لیے مقرر کیا گیا۔ اس سال انھوں نے امرتسر میں کانگریس کے اجلاس کی صدارت کی۔ ۱۹۲۱ء میں "عدم تعاون" کے لیے گاندھی جی کی آواز پر لبیک

کہتے ہوئے موتی لال نے اپنی کامیاب وکالت اور شاہانہ زندگی کو ترک کر دیا۔ شہزادہ ولی عہد کی آمد کے بائیکاٹ کے دوران انھیں جیل جانا پڑا۔ ۱۹۲۳ء میں موتی لال نے جو کانگریس کی سول نافرمانی جانچ کمیٹی کے ایک ممبر تھے ، کونسل انٹری پروگرام کی حمایت کی۔ وہ ایک پُرجوش تعمیر پسند تھے۔ چنانچہ انھوں نے سی۔آر۔ داس کے ساتھ مل کر سوراج پارٹی کی تشکیل اس غرض سے کی کہ برطانوی راج کے خلاف قوم کی جدوجہد قانون ساز مجالس کے اندر رہ کر جاری رکھی جائے۔ وہ مرکزی قانون ساز اسمبلی کے لیے چنے گئے اور حزبِ مخالف کے لیڈر کی حیثیت سے ایوان پر چھائے رہے۔ ۱۹۲۸ء میں انھوں نے اس کمیٹی کی صدارت کی جس نے دستورِ ہند کے اصول پیش کرتے ہوئے مشہور "نہرو رپورٹ" کا مسودہ تیار کیا۔ سائمن کمیشن کے خلاف جو احتجاج ہوا، اس کی تنظیم موتی لال نہرو نے ہی کی تھی۔ ۱۹۲۸ء میں وہ کلکتہ اجلاس کے موقع پر کانگریس کے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۳۰ء میں قائم مقام صدر کی حیثیت سے بھی انھوں نے کانگریس کی خدمت کی۔ انھوں نے نمک ستیہ گرہ میں حصہ لیا اور نظر بند کر دیے گئے۔ ۱۹۳۰ء ہی میں انھوں نے اپنے عالیشان مکان 'آنند بھون' کا نام "سوراج بھون" رکھ کر اس کو کانگریس کے حوالے کر دیا۔ انھوں نے اپنے بسترِ مرگ سے قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

"ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ سوراج بھون میں کرنا۔ مجھے اپنی آخری نیند سونے دینا ایک غلام ملک میں نہیں بلکہ ایک آزاد ملک میں۔"

انھوں نے ۶ فروری ۱۹۳۱ء کو انتقال کیا۔

مآخذ:

عبدالرؤف عروج۔ رجالِ اقبال۔ ص۔ ۷۲،۷۳

لہ ملاحظہ ہو کلیات مکاتیبِ اقبال جلد دوم ص ۸۶۱۔

(سکندر علی) وجد (۱۹۱۳ - ۱۹۸۳ء)

نام سکندر علی اور وجد تخلص ہے۔ ۱۲ر فروری ۱۹۱۳ء کو ویجے پور ضلع اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اورنگ آباد میں ہوئی۔ ۱۹۳۵ء میں عثمانیہ یونیورسٹی سے بی۔ اے کیا اور ۱۹۳۷ء میں حیدرآباد سول سروس کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔ سرکاری ملازمت کے مختلف مراحل طے کرتے ہوئے ڈسٹرکٹ اور سیشن جج کے عہدے تک پہنچے۔ ان کے مجموعے "لہو ترنگ"، "آفتاب تازہ"، اور "اوراقِ مصوّر" شائع ہو چکے ہیں۔

وجد نظم و غزل دونوں کہتے تھے مگر غزل سے زیادہ دل کشی ان کی نظم میں ہوتی تھی۔ نظم کے میدان میں ان کی توجہ کسی ایک رجحان یا موضوع کی پابند نہیں۔ ان کے کلام میں متعدد و مختلف موضوعات قلم بند ہوئے ہیں۔ قدرتی مناظر، انسانی پیکر، سیاسی کش مکش، حسن و عشق کی روداد وغیرہ ہر ایک موضوع پر وجد نے دادِ شاعری دی ہے۔
ان کی وفات ۱۶ر مئی ۱۹۸۳ء کو ہوئی۔

ماخذ:

پروفیسر ڈاکٹر سید اعجاز حسین۔ مختصر تاریخ ادب اردو ص ۲۹۲-۲۹۴۔

(لارڈ) ولنگڈن (LORD WILLINGDON)

(۱۸۶۵ - ۱۹۴۱ء)

اقبال نے اپنے مکاتیب محررہ ۱۹۳۳ء - ۱۹۳۴ء میں وائسرائے ہند کا ذکر کیا ہے۔ اس وقت لارڈ ولنگڈن ہندوستان کا وائسرائے تھا۔ یہ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۵ء تک ہندوستان کا وائسرائے رہا۔ اور ۱۹۱۳ء سے ۱۹۱۹ء تک بمبئی کا گورنر بھی تھا۔ اس نے ۱۹۲۴ء میں حکومت ہند کے نمائندہ کی حیثیت سے لیگ آف نیشنز کے اجلاس میں شرکت کی تھی۔ اس کو ہندوستان کی قومی تحریک سے ذرا بھی ہمدردی نہ تھی۔ اس نے اپنے پیش رو لارڈ ارون کی مصالحانہ حکمت عملی کو یک قلم ترک کر دیا دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے بعد ہندوستان آتے پر اس نے گاندھی جی کو گرفتار کر لیا اور کانگریس کو ایک غیر قانونی تنظیم قرار دیا اور کانگریس کی عدم تعاون کی تحریک کو سختی سے کچلنے کی کوشش کی۔

مآخذ :

بصد شکریہ

شہاب الدین انصاری صاحب جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی۔

ڈاکٹر ایچ ہالسٹ (DR. H. HOLST)

ڈاکٹر ایچ ہالسٹ (DR. H. HOLST) ڈنمارک کے رہنے والے تھے اور ہومیو پیتھک ڈاکٹر تھے جن کا دوا خانہ ۱۹۲۰ء کی دہائی میں شہر بنگلور کی انفنٹری روڈ پر واقع تھا۔ یہ ایک فاضل عیسائی تھے۔ اور تمام مذاہب سے متعلق کافی واقفیت رکھتے تھے۔ انھیں اسلام اور اس کی شاندار تاریخ سے گہری دلچسپی پیدا ہوگئی۔ کچھ ہی دنوں میں وہ اسلام کی ثقافت و تہذیب کے کامل عالم بن گئے۔ وہ 'عہد نامۂ قدیم' انجیل و قرآن کریم کے مابین تعلقات اور مقابلہ و موازنہ اس ڈھنگ سے کرنے کہ سننے والے عش عش کرتے۔ ۱۹۲۴ء کے اواخر میں انھوں نے اسلام قبول کرلیا اور اپنا نام عمر ہالسٹ رکھ لیا۔ ان کے لکچر انگریزی وار دو اخبارات میں شائع ہوکر خواص و عوام میں کافی مقبول ہوئے۔ کئی پادریوں اور عیسائی عالموں سے انھوں نے مناظرہ کیا۔ رفتہ رفتہ ان کے کئی متعصب و غیر تعلیم یافتہ مریضوں نے ان کی حق گوئی، اسلام کی طرفداری و حمایت کے باعث ان سے اپنا علاج کرانا چھوڑ دیا جس کی وجہ سے وہ مالی مشکلات میں مبتلا ہوگئے۔ ان کے کچھ مسلم دوست مل کر انھیں ماہانہ ایک سو روپے وظیفہ دیتے رہے تاکہ بنگلور ہی میں رہ کر اپنی تبلیغ جاری رکھیں۔ چونکہ یہ وظیفہ ان کے لیے ناکافی تھا اس لیے انھیں ماہانہ تین سو روپے وظیفہ دینے کے لیے اپیل کی گئی لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ بالآخر ڈاکٹر عمر ہالسٹ مایوس ہوکر ۲۲ جنوری ۱۹۲۵ء کو یورپ واپس چلے گئے۔ وہاں بھی انھوں نے تبلیغ اسلام کا کام جاری رکھا اور متعدد عیسائی مشرف بہ اسلام ہوئے۔

مآخذ:

شاعر۔ اقبال نمبر ۱۹۸۸ء بمبئی ص۔ ۵۰۸۔

ہٹلر (HITLER)
(۱۸۸۹ - ۱۹۴۵ء)

نازی جرمنی کا آہنی آمر اڈولف ہٹلر (ADOLF HITLER) ۲۰/ اپریل ۱۸۸۹ء کو بمقام بروناؤ (BRAUNAU)، آسٹریا میں پیدا ہوا۔ اس نے لنز (LINZ) میں ابتدائی اور ثانوی تعلیم حاصل کی۔ وہ نہایت کمزور طالب علم تھا اور عام سند حاصل نہ کر سکا۔ ۱۶ سال کی عمر میں (۱۹۰۵ء) اسکول چھوڑ کر آرٹسٹ بننے کے خواب دیکھنے لگا۔ لیکن دو بار اکیڈمی آف فائن آرٹس (ACADEMY OF FINE ARTS)، میں داخلے کے امتحان میں ناکام رہا۔

اور پوسٹ کارڈ اور اشتہارات کے لیے تصویریں بنا بنا کر فروخت کرنے لگا۔

فروری ۱۹۱۴ء میں فوج میں داخل ہونا چاہا لیکن نااہل قرار دیا گیا۔ جب پہلی جنگ عظیم چھڑی تو یہ رضاکارانہ طور پر فوج میں بھرتی ہو گیا۔ البتہ جنگ کے دوران اس نے بہادری کے تمغے حاصل کیے۔ ۱۹۱۹ء میں میونخ میں جرمنی ورکرز پارٹی (GERMANY WORKERS PARTY) میں شامل ہوا۔ ۱۹۲۰ء میں فوج کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر تمام وقت پارٹی کے کاموں میں صرف کرنے لگا۔ یہ ذرائع ابلاغ کے استعمال میں کمال رکھتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جلد ہی ۱۹۲۱ء میں وہ ایک عوامی تحریک شروع کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ملک میں ابتری اور عدم استحکام کا فائدہ اٹھا کر نومبر ۱۹۲۳ء میں نازی پارٹی (NAZI PARTY) سے جبراً اقتدار حاصل کرنے کی کوشش میں ناکام رہا۔ اور اس کی پاداش میں اس نے پانچ سال کی سزا پائی۔

۱۹۲۶ء میں رہائی کے بعد نازی پارٹی کے ممبروں کی تعداد بڑھنی شروع ہوئی

اور ہٹلر پارٹی میں پوزیشن مستحکم کرنے میں کامیاب ہوا۔ ۱۹۲۹ء میں ملک میں معاشی بدحالی اور سیاسی عدم استحکام بڑھتا گیا ان حالات میں ہٹلر حصولِ اقتدار کے منصوبے میں کامیاب ہوا اور بالآخر جنوری ۱۹۳۳ء میں یہ جرمنی کا چانسلر منتخب ہوا۔ ۱۹۳۴ء میں چانسلر اور صدر دونوں عہدوں کے انضمام کے بعد ہٹلر اس نئے عہدہ پر فائز ہوا اور اس حیثیت سے وہ فوج کا سپریم کمانڈر (سپہ سالارِ اعلیٰ) بھی تھا۔ ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۹ء تک ہٹلر جرمنی کا مطلق العنان حکمراں تھا۔ اس کو اختیاراتِ کلّی حاصل تھے۔ اس کی خواہش تھی کہ تمام جرمن نژاد قوموں کو متحد کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے اس نے مشرق کی طرف جرمن ریاست کی توسیع کے منصوبے بنائے۔

ہٹلر نے پروپیگنڈہ شروع کیا کہ یورپ کا واحد دشمن اشتراکی روس ہے۔ جنوری ۱۹۳۵ء میں رائے عامہ کے نتیجہ میں سار لینڈ ([illegible]) نے اپنا تمام علاقہ جرمن کو واپس کر دیا۔ مارچ ۱۹۳۶ء میں اس نے فرانس اور روس کے درمیان معاہدہ کو عذر بنا کر جرمنی کے علاقہ رہائن لینڈ (RHI[illegible]LAND) میں فوج کی از سر نو تشکیل کی۔ جس پر پہلی جنگ عظیم کے بعد پابندیاں عاید کر دی گئی تھیں۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء میں جرمنی اور اٹلی کا متحدہ محاذ قائم ہوا تاکہ یہ دونوں فاشسٹ طاقتیں تمام یورپ فتح کر لیں اور پھر آپس میں مفتوحہ ممالک کے حصے بخرے کر لیں۔ ہٹلر نے اس منصوبے کے تحت ۱۹۳۸ء میں آسٹریا پر قبضہ کیا اور بعد ازاں وہ چیکوسلواکیہ کو بھی زیرِ اقتدار لایا۔

۲۴ اگست ۱۹۳۹ء کو روس کے ساتھ معاہدہ کیا اور اس کے بعد ستمبر میں پولینڈ پر قبضہ کر لیا۔ دو روز کے بعد انگلستان اور فرانس نے اتحادیوں کی جانب سے جنگ کا الٹی میٹم دے دیا چنانچہ یکم ستمبر ۱۹۳۹ء دوسری جنگ عظیم شروع ہو گئی۔

ابتدا میں ہٹلر نے پے درپے کامیابیاں حاصل کیں۔ اپریل ۱۹۴۰ء میں اس کی فوجوں نے برق رفتاری سے ڈنمارک اور ناروے پر قبضہ کر لیا اور جون ۱۹۴۰ء میں اس کی فوجیں فرانس کو پامال کرتی ہوئی پیرس تک جا پہنچیں۔ اب اس کے راستے

میں صرف برطانیہ حائل تھا۔ چنانچہ اس نے متواتر اور طوفانی ہوائی حملوں سے برطانیہ کو زیر نگیں کرنا چاہا۔ ۲۲ رجون ۱۹۴۱ء کو اس نے اچانک روس پر حملہ کردیا۔ دسمبر ۱۹۴۱ء میں روس نے جرمن افواج پر منہ توڑ جوابی حملہ کیا اور اس کے دو روز بعد جاپان کے بحریہ نے اچانک امریکہ کی بندرگاہ پرل ہاربر (PEARL HARBOUR) پر زبردست حملہ کردیا۔ ہٹلر نے بھی امریکہ سے باضابطہ جنگ کا اعلان کردیا۔

۱۹۴۲ء کے آخر میں ہٹلر کی فوجوں کو شکست ہونے لگی اور جولائی ۱۹۴۳ء میں مسولینی کی گرفتاری نے اس کے حوصلے اور پست کردیے۔ ۱۹۴۴ - ۱۹۴۵ء میں جرمنی اور اٹلی کی فوجوں کو پے در پے شکستیں ہوئیں۔ متحدہ اقوام کی افواج ہر طرف سے بڑھتی چلی آرہی تھیں۔ بالآخر ۳۰ر اپریل ۱۹۴۵ء کو ہٹلر نے خودکشی کرلی۔ اس کی شکست کے وقت تمام دنیا کا سیاسی اور معاشی نظام درہم برہم ہوچکا تھا اور جرمنی اور یورپ کا شیرازہ بکھر گیا تھا۔

ہٹلر نے اپنی سوانح حیات بعنوان "مین کیمف" "MEIN KAMPF" لکھی ہے جس کا اردو میں بھی ترجمہ شائع ہوا ہے۔

ماٰخذ۔

دائرۃ المعارف برطانیکا۔ جلد ۸، ص۔ ۹۶۵ - ۹۷۰۔

(شمس العلما، خان بہادر) محمد ہدایت حسین

(۱۸۸۷ - ۱۹۴۳ء)

ان کی ولادت ۱۸۸۷ء میں کلکتہ میں ہوئی۔ ان کے والد کا نام شمس العلماء مولانا ولایت حسین تھا۔ انھوں نے مدرسۂ عالیہ، کلکتہ میں تعلیم پائی اور فائنل مدرسہ پاس کیا۔ تعلیم سے فراغت پانے کے بعد تھوڑے دنوں کے لیے مدرسے کے مدرس بھی رہے۔ لیکن چند ہی دنوں کے بعد ان کو پریسیڈنسی کالج میں عربی و فارسی کا لیکچرار مقرر کر دیا گیا اور پھر وہ ترقی کر کے عربی و فارسی کے پروفیسر کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ ملازمت کے زمانہ میں انھوں نے انگریزی پڑھنا شروع کی اور کام کے لائق لکھنا پڑھنا سیکھ لیا۔ ۱۹۲۸ء میں مدرسۂ عالیہ کے پرنسپل مقرر ہوئے۔

۱۹۳۴ء میں ملازمت سے سبکدوشی کے بعد بھی ان کا علمی مشغلہ آخر وقت تک باقی رہا۔ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے پرانے رکن تھے۔ انھوں نے عربی و فارسی کی متعدد قلمی کتابیں اپنے مبسوط مقدمہ و تعلیقات کے ساتھ مرتب کیں جو ایشیاٹک سوسائٹی سے شائع ہوئیں۔ یکایک حرکت قلب بند ہو جانے سے ۱۹۴۳ء میں وہ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔

مآخذ:

مولانا عبدالستار۔ تاریخ مدرسہ عالیہ ڈھاکہ، ۱۹۵۹ء

سر فرانسس ینگ ہسبینڈ (SIR FRANCIS YOUNGHUSBAND)

(۱۸۶۳ - ۱۹۴۲ء)

یہ ایک فوجی خاندان میں بمقام مری (پاکستان) میں ۳۱ مئی ۱۸۶۳ء کو پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم کلفٹن ہال (CLIFTON HALL) میں حاصل کر کے رایل ملٹری کالج سینڈہرسٹ (ROYAL MILITARY COLLEGE, SANDHURST) میں فوجی ٹریننگ حاصل کی اور ۱۸۸۲ء میں کمیشن آفیسر مقرر ہوا۔ اور میرٹھ میں آن کر اپنی رجیمنٹ میں شامل ہوا۔ اوایل ملازمت میں اس کو محکمہ خفیہ اطلاعات کے لیے منتخب کیا گیا اور اس نے سرحد پار کی متعدد مہمات میں حصہ لیا۔ ۱۸۸۶ء میں ایک مہم کے ساتھ مانچوریا گیا اور سال بھر بعد پیکنگ سے ہندوستان تک کی مسافت خشکی کے راستہ طے کی۔

یہ شمال مغربی سرحد کے علاقہ میں اول ریاست ہنزا (HUNZA) میں پالٹیکل افسر اور بعد میں ریاست چترال میں پالٹیکل ایجنٹ کی حیثیت سے مامور کیا گیا اور ۱۹۰۳ء میں وایسرائے ہند لارڈ کرزن نے اسے لہاسا (LHASA) کی مہم پر بھیجا۔ ۱۹۰۶ء سے ۱۹۰۹ء تک ریاست جموں و کشمیر میں ریذیڈینٹ رہ کر ملازمت سے سبکدوش ہوا۔

انگلستان واپس آکر ینگ ہسبینڈ رایل جیوگرافیکل سوسائٹی کا فعال رکن رہا۔ اور ۱۹۱۹ء میں اس کا صدر مقرر ہوا۔ یہ لندن میں انڈیا سوسائٹی کا صدر بھی رہا۔ جب اقبال دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کی خاطر لندن گئے تو ۴ نومبر ۱۹۳۱ء کی شام کو انھوں نے اس سوسائٹی کی دعوت پر ایک علمی اجتماع سے خطاب کیا۔ سوسائٹی کے صدر سر فرانسس ینگ ہسبینڈ نے حاضرین سے اقبال کا تعارف کرایا۔

۱۹۳۶ء میں اس نے ایک ادارہ فیلوشپ آف فیتھس (FELLOWSHIP OF FAITHS) قائم کیا۔

اس نے ۳۱ جولائی ۱۹۴۲ء کو انتقال کیا۔

فرانسس ینگ ہسبینڈ کو فلسفہ، تصوّف اور سیر و سیاحت سے خاص شغف تھا۔ اس نے ان موضوعات پر متعدد کتابیں لکھیں ان میں (۱) INDIA AND TIBET (۲) WITHIN (1912) (۳) LIFE IN THE STAR (1929) جس کا ذکر اقبال نے اپنے خط میں کیا ہے اور (۴) MODERN MYSTIC شامل ہیں۔

مآخذ:

۱ دائرۂ المعارف برطانیکا، جلد دہم، ص۔ ۸۳۵

۲ پروشتم مہرا۔ اے ڈکشنری آف ماڈرن ہسٹری (۱۹۰۷۔۱۹۴۷ء) دہلی ۱۹۸۵ء ص۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔

۳ ڈاکٹر جاوید اقبال۔ زندہ رود، جلد سوم، ص ۴۵۴۔

(امام) یوسف (۱۱۳ھ/۷۳۱ء/۷۳۲ء-۱۸۲ھ/۷۹۸ء)

امام ابو یوسف بن ابراہیم الانصاری الکوفی ایک ممتاز فقیہ ہیں جو حنفی دبستان کے بانیوں میں سے تھے۔ ان کی تاریخ ولادت کا حساب ان کی تاریخ وفات سے لگاتے ہیں تخمیناً ان کا سنہ ولادت ۱۱۳ھ/۷۳۱ء-۷۳۲ء بتایا جاتا ہے۔ امام ابو یوسف نے فقہ اور حدیث کی تعلیم کوفے اور مدینہ منورہ میں امام ابو حنیفہ، امام مالک اور دیگر اساتذہ کرام سے حاصل کی۔ امام ابو یوسف کا اس وقت تک کوفے میں قیام رہا جب تک کہ وہ بغداد میں منصب قضا پر مامور نہیں ہوئے۔ اس منصب پر وہ اپنی وفات ۱۸۲ھ/۲۷ اپریل ۷۹۸ء تک فائز رہے۔ اسلام کی تاریخ میں پہلی بار خلیفہ ہارون رشید نے امام ابو یوسف کو قاضی القضاۃ کا منصب عطا کیا۔

امام ابو یوسف کا تصنیف و تالیف کا کام یقیناً معتد بہ رہا ہوگا۔ الفہرست میں ان کی جن تصانیف کے نام درج ہیں افسوس کہ ان میں سے ایک کے سوا سب ناپید ہو چکی ہیں۔ یہ باقی ماندہ تصنیف کتاب الخراج ہے جو مالیاتِ عامہ، لگان، عدالت اور اسی قسم کے دوسرے مسائل سے متعلق ہے اور جسے امام ابو یوسف نے خلیفہ ہارون رشید کی فرمائش پر لکھا تھا۔ تین اور کتابیں بھی ہیں جو بلا شبہ انھیں کی ہیں اگرچہ وہ امام ابو یوسف کی قدیم فہرستِ مصنّفات میں مذکور نہیں ہیں۔ یعنی "کتاب الآثار" جو اُن کوفی احادیث کا مجموعہ ہے جو امام ابو یوسف سے مروی ہیں۔ "کتاب الاختلاف ابی حنیفہ و ابن لیلیٰ"، جس میں کوفے کے ان دو مسلّم الثبوت اور مستند اماموں کی آرا کا مقابلہ کیا گیا جو عنوان کتاب میں مذکور ہیں۔ "کتاب الرد علی سیر الاوزاعی"، اس میں جہاد سے متعلق شامی عالم الاوزاعی کی

آراء کو مدلّل طریقے پر اور منظم شرح و بسط کے ساتھ رد کیا گیا ہے۔

امام ابو یوسف کے متعدد بیانات سے جو اصول و قواعد سے متعلق ہیں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں اصول فقہ سے دل چسپی تھی۔ لیکن انھوں نے اس موضوع پر کوئی مخصوص تصانیف نہیں چھوڑیں۔

مآخذ:

اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ، جلد اول ص۔ ۹۴۵۔۹۴۸۔

تعلیقات

القول الجلی

یہ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) کی اولین اور مستند سوانح حیات ہے جو شیخ محمد عاشق پھلتی کی تصنیف ہے۔ یہ شاہ صاحب کی زندگی میں لکھی گئی اور شاہ صاحب کی نظر سے گزری۔ ان کی ہدایت کے مطابق اس میں اضافات بھی کیے گئے۔ نواب صدیق حسن خاں نے ۱۲۸۸ء میں 'اتحاف النبلا' میں اور ۱۲۹۶ھ 'ابجد العلوم' میں اس کتاب سے استفادہ کیا اور یہ مولوی رحمٰن علی کے 'تذکرۂ علمائے ہند' کے مصادر میں رہی۔ پھر تقریباً ایک صدی تک یہ کتاب گویا گم ہو گئی اور کسی مصنف کی کتاب میں اس کا حوالہ نہیں ملتا۔ اتفاق سے خانقاہ کاظمیہ، کاکوری ضلع لکھنؤ میں اس کا ایک نسخہ مولوی حافظ تقی الانور علوی کاکوروی خلف مولانا حافظ شاہ محمد مجتبٰی حیدر کو دستیاب ہو گیا اور انھوں نے اس نسخے کی بنیاد پر اس کا اردو ترجمہ کر کے ۱۹۸۸ء میں شائع کیا۔

ایک طویل مقدمہ ۵۵ صفحات کا حضرت زید ابوالحسن فاروقی صاحب کا لکھا ہوا اس میں شامل ہے۔ جو علیٰحدہ سے کتاب کی صورت میں بھی شائع ہو گیا ہے۔

"القول الجلی" کے اصل قلمی نسخے (مکتوبہ ۲۵ شعبان ۱۲۹ء) کا عکسی اڈیشن بھی مولانا زید ابوالحسن فاروقی صاحب نے مرتب کر کے شاہ ابوالخیر اکادمی دہلی سے شائع کر دیا ہے۔

مآخذ:

بصد شکریہ

۱ ڈاکٹر عابد رضا بیدار صاحب، ڈائرکٹر، خدا بخش لائبریری، پٹنہ بہار،

۲ پروفیسر مختار الدین احمد صاحب، علی گڑھ۔

برہمو سماج

ابتدا میں اس تحریک کا نام "برہمو سبھا" تھا۔ یہ وہ تحریک تھی جسے راجہ رام موہن رائے نے ۲۰ اگست ۱۸۲۸ء کو کلکتہ میں شروع کیا تھا۔ یہ پہلی دانشوارانہ تحریک تھی جس میں اقلیت اور بیداری کے خیالات کو جدید ہندوستان میں فروغ دیا۔ سماجی اور مذہبی معاملات میں اس کے پیروؤں کے نقطہ نظر کی فراخ دلی کی وجہ سے انگریزوں اور جدید تعلیم یافتہ ہندوستانیوں میں مقبولیت حاصل کی۔ اس کے تعلیمی اور معاشرتی سرگرمیوں نے ایک نیا جذبہ پیدا کیا۔ جس نے ہندوستانی قومیت کو فروغ دیا۔

برہمو سماج تحریک عیسائیت کے زیرِ اثر پروان چڑھی۔ اس کے معتقدین نے بت پرستی اور ذات پات کا نظام ترک کر دیا اور اپنا زیادہ تر وقت سماجی خدمت اور تعلیمی سرگرمیوں میں صرف کرنے لگے۔ نیز اس کے مبلغین ملک کے مختلف حصوں میں بھیجے گئے۔ ۱۸۶۰۔ ۱۸۶۴ء کے دوران مدراس میں "وید سماج" اور بمبئی میں "پرارتھنا سماج" کے نام سے دو نئے ادارے قائم ہوئے۔ ۱۸۳۳ء میں راجہ رام موہن رائے کی وفات کے بعد برہمو سماج میں ایک طرح کا جمود آگیا۔ ۱۲ سال بعد رابندر ناتھ ٹیگور کے والد دیوندر ناتھ ٹیگور (۱۸۱۷۔ ۱۹۰۵ء) نے اچاریہ کا چارج سنبھالا اور اس تحریک میں نئی روح پھونکی۔ اگرچہ ان کے پیروکار ویدوں کو آسمانی صحیفہ ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ تاہم دیوندر ناتھ ٹیگور نے اپنشدوں کے اقتباسات سے ایک کتاب "برہمو دھرم" ترتیب دی جو پرارتھنا اور عبادت کے موقعوں پر کام آتی تھی۔

کیشپ چندر سین (۱۸۳۸۔ ۱۸۸۴ء) نے برہمو سماج میں ۱۸۵۷ء

میں شرکت کی ان کی کوششوں اور لگن سے یہ ایک فعال اور سرگرم ادارہ
بن گیا۔ تین سال کے بعد انھوں نے ایک ر سنگت سبھا، قائم کی جس میں
مذہبی اور سماجی مسائل پر تبادلۂ خیالات ہوا کرتا تھا لیکن دیو نندر ناتھ
ٹیگور کیشپ چندر سین کے انقلاب آفریں اصلاحات سے متفق نہ تھے۔
چنانچہ ۱۸۶۵ء میں کیشپ چندر سین اور ان کے رفقار کار نے ایک نیا ادارہ
"برہمو سماج آف انڈیا" کے نام سے قائم کیا اور دیوندرناتھ ٹیگور کا گروپ
"ادی برہمو سماج" کہلایا۔

کیشپ چندر سین اور ان کے ساتھیوں نے عورتوں کی آزادی، لڑکیوں کی تعلیم
بیواؤں کا عقد ثانی کی تبلیغ کی۔ تعدد ازدواجگی اور کم سنی کی شادی کے خلاف
آواز بلند کی۔ یہ اس کی مساعی جمیلہ کا ہی نتیجہ تھا کہ حکومت نے ۱۸۷۲ء میں
نیٹیو میرج ایکٹ ددم پاس کیا
جس کی رو سے لڑکیوں کے لیے شادی کی کم سے کم عمر ۱۴ سال مقرر ہوئی انھوں نے
لڑکیوں کی تعلیم کے لیے اسکول قائم کیے۔

۱۸۷۸ء میں جب کیشپ چندر سین نے اپنی ۱۳ سالہ لڑکی کی شادی کوچ
بہار کے راج کمار کے ساتھ کر دی تو ان کے ساتھیوں سے شدید اختلافات پیدا
ہو گیا کیونکہ دولہا اور دلہن دونوں کی عمریں قانون کی رو سے کم تھیں اور یہ
قانون کی سراسر اور کھلی خلاف ورزی تھی جس کی زبردست حمایت خود کیشپ
چندر سین کچھ عرصہ قبل کر چکے تھے۔ چنانچہ ایک بااثر گروہ نے شیوناتھ شاستری
اور آنند موہن بوس کی قیادت میں ایک "سادھارن برہمو سماج" کی بنیاد
رکھی۔ جس کا نظام جمہوری تھا۔ بہرحال کیشپ چندر سین برہمو سماج کے اپنی
وفات تک (۱۸۸۴ء تک) مسلمہ لیڈر رہے۔

برہمو سماج تحریک آج بھی زندہ ہے اور اس کی علمی اور سماجی سرگرمیاں
جاری ہیں گو اس کا دائرۂ اثر بہت محدود ہو کر رہ گیا ہے۔

مآخذ:

MEHRA P. DICTIONARY OF MODERN INDIAN HISTORY 1707-1947, OXFORD UNIVERSITY PRESS, DELHI, 1985.

(پرشوتم مہرا— اے ڈکشنری آف ماڈرن انڈین ہسٹری، ۱۷۰۷ء۔
۱۹۴۷ء، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، دہلی، ۱۹۸۵ء)

تسویلاتِ فلسفہ

تسویلات فلسفہ حضرت شاہ ظہور الحق ظہور پھلواری کی تصنیف ہے۔
یہ فلسفہ پر ہے اور عربی میں ہے۔ ان کی دوسری کتاب "تنویرات" ہے
جو تصوف پر ہے اور فارسی میں ہے۔ یہ دونوں کتابیں غیر مطبوعہ ہیں۔
خدا بخش لائبریری میں "تسویلات" کا قلمی نسخہ اور "تنویرات" کے قلمی
نسخے کا عکس محفوظ ہیں۔ "تنویرات الفلاسفہ" نام کی کوئی کتاب ان کی نہیں
ہے۔

۲۔ ان کی دیگر تصانیف میں اردو فارسی اور عربی کی کئی کتابیں موجود ہیں۔
مثلاً "اعیان" "فیض کبیر" "فیض صغیر" "نہی عن المنکر" "اثبات ایجاد
الخیر عن الحق" "اوامر و نواہی" "ماہیتہ ایمان" "معاصم المآثم" "فیوضات الہامیہ"
"تصحیح التصحیح" "تائید الحق۔ (شاہ ظہور الحق کے چار رسالے اردو میں ملتے ہیں:
"رسائل نماز" "فضائل رمضان" "فیض عام" اور "کسب النبی"۔ پہلے دو رسالے
۱۲۰۰ھ/۱۷۸۵ء سے پہلے کے بتائے جاتے ہیں۔)

۳۔ "تسویلات فلسفہ" کے مصنف کو علامہ اقبال نے "ہندی فلسفی ساکن
پھلواری" کہا ہے۔ حضرت شاہ ظہور الحق کی ولادت ۱۱۸۵ھ/۱۷۷۱ء میں قصبہ
پھلواری شریف ضلع پٹنہ میں ہوئی۔ ابتدائی کتابیں اپنے والد شاہ نور الحق تپاں ($\frac{۱۱۵۶ھ}{۱۷۴۳ء}$ — $\frac{۱۲۳۳ھ}{۱۸۱۸ء}$)
سے پڑھیں اور سند حدیث بذریعہ مکاتبہ حضرت شاہ
عبد العزیز محدث دہلوی قدس سرہ سے حاصل کی۔ ۱۲۱۱ھ میں والد نے انھیں
خانقاہ عمادیہ مجیبیہ کا جانشین قرار دیا۔ یہ حافظ قرآن اور حافظ صحیحین تھے۔
ساری عمر درس و تدریس کا مشغلہ رہا۔ ہمیشہ طلبا کی کثیر تعداد زیر تعلیم رہتی تھی۔

۳۔ ۱۲۲۲ھ میں بعض وجوہ کی بنا پر پھلواری کی سکونت ترک کر کے قدیم شہر پٹنہ سٹی میں انھوں نے مستقل سکونت اختیار کر لی اور محلہ "منگل تالاب" میں اپنی خانقاہ عمادیہ کی بنیاد رکھی۔

۴۔ ۱۲۳۴ھ ۱۸۱۹ء میں ان کا وصال ہوا۔ لاش آبائی وطن پھلواری لائی گئی اور اپنے والد حضرت شاہ نورالحق تپاں کے پہلو میں دفن کیے گئے۔

مآخذ:

بصد شکریہ: جناب ڈاکٹر عابد رضا بیدار، ڈائریکٹر خدا بخش لائبریری پٹنہ۔

دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد

یہ عربی زبان کا ایک علمی و تحقیقی مرکز ہے۔ جو حیدر آباد میں ۱۹۱۸ء میں قائم ہوا۔ اس کا بنیادی مقصد قلمی کتابوں کو محفوظ کرنا اور جدید اصولوں کے مطابق تصحیح و تعلیق کے بعد ان کو طبع کرنا ہے۔

ابتدا میں یہ جامعہ عثمانیہ کا ایک ملحقہ شعبہ تھا۔ اس کے اشاعتی پروگرام کے لیے ایک خطیر رقم مختص کی جاتی تھیں۔ سقوطِ حیدر آباد کے بعد دارالترجمہ کی طرح دائرۃ المعارف بھی بند ہو چکا ہوتا لیکن مولانا ابوالکلام آزاد وزیرِ تعلیم حکومت ہند کی توجہ سے یہ ادارہ زندہ رہا اور نامساعد حالات میں بھی وہاں سے کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔ اور شرق اوسط، یورپ اور امریکہ کے علمار دین ان سے مستفید ہو رہے ہیں۔

آج کل اس ادارہ کو مالی دشواریاں درپیش ہیں۔ اس کے احیار کے لیے مرکزی حکومت نے ۱۹۹۰ء میں گرانٹ منظور کی تھی۔ لیکن اس سے اس عظیم ادارے کے اخراجات پورے نہیں ہوتے۔ اسی لیے اشاعت کتب کی رفتار سست پڑ گئی ہے۔

اس کی مجلس انتظامیہ کے صدر ریاستی وزیر اعلیٰ اور نائب صدر شیخ الجامعہ جامعہ عثمانیہ ہیں۔

دائرۃ المعارف کے ڈائرکٹروں میں پروفیسر ڈاکٹر محمد نظام الدین، پروفیسر عبدالمعید خاں، افضل العلماء، مولانا عبدالوہاب بخاری اور پروفیسر سیدہ مہرالنساء، سابق صدر شعبہ عربی، جامعہ عثمانیہ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ جن کے عہد نظامت میں اس ادارے نے بہت ترقی کی۔

پروفیسر فریتس کیرینکو (کیمبرج)، شیخ یحییٰ الیمانی، علامہ ابو عبداللہ السورتی کا اس ادارے سے گہرا تعلق رہا ہے۔

دائرۃ المعارف اب تک ڈھائی سو سے زیادہ کتابیں شائع کر چکا ہے۔ جن میں ایسی ضخیم کتابیں بھی ہیں جو کئی جلدوں میں آئی ہیں۔ بعض اہم کتابوں کے دو دو تین تین اڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ کتابوں کی اہمیت کی بنا پر مشرق اوسط کے بعض اداروں نے بغیر اجازت کے یہاں کی بعض کتابوں کے عکسی اڈیشن چھاپ ڈالے ہیں مثلاً "الحماسۃ البصریہ" (مرتبہ پروفیسر مختار الدین احمد صاحب) کا عکسی اڈیشن دار صادر بیروت نے دو جلدوں میں شائع کر دیا ہے۔

ماٰخذ

شکریۂ خاص، پروفیسر مختار الدین احمد صاحب، علی گڑھ،

رسالہ غایتہ المکان فی درایتہ الزمان

علامہ اقبال نے (فخر الدین) عراقی[1] کے رسالہ "غایتہ المکان فی درایتہ الزمان" کا ذکر اپنے مکتوب محرّرہ ۸ راگست ۱۹۳۳ء میں کیا ہے اور اپنے خطبات "تشکیل جدید الٰہیات" میں بھی کئی بار عراقی کے نظریۂ مکان وزمان کا حوالہ دیا ہے۔ مولانا امتیاز علی خاں عرشی مرحوم نے اپنے مضمون بعنوان "اقبال اور عراقی" مشمولہ "نقوش۔ اقبال نمبر" ستمبر ۱۹۷۷ء، میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے کہ علامہ اقبال نے عراقی کے اس رسالے کا حوالہ دیا ہے جس کا نام "غایتہ المکان فی درایتہ الزماں" ہے۔ لیکن عراقی کے کسی تذکرہ نگار نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ فن تصوف پر اس کی دو کتابوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جو "لمعات" اور "اصطلاحات صوفیہ" کے نام سے چھپ چکی ہیں۔ مگر ان میں زمان ومکان کی بحث ضمناً بھی نہیں ملتی[2]

البتہ رضا لائبریری رام پور میں فن تصوف (فارسی) پر اس نام کا ایک رسالہ محفوظ ہے۔ جس میں زمان ومکان سے متعلق علامہ کی نقل کردہ باتیں جوں کی توں موجود ہیں۔ عرشی صاحب مرحوم کا خیال ہے کہ علامہ اقبال نے عراقی کے نام سے جو مطالب بیان کیے ہیں وہ اسی کتاب سے ماخوذ ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کتاب کا نام کیا ہے اور اس کا مؤلف کون ہے۔

رضا لائبریری کے اس رسالہ کے ایک نسخہ میں جو ۲ رصفر ۱۲۱۲ھ کا نوشتہ ہے

---

[1] ملاحظہ ہو کلیات مکاتیب اقبال جلد اول ص ۲ ۹ ۹۔

[2] کلیات عراقی، بتصحیح سعید نفیسی، چاپ سوم، تہران ۱۳۳۸ ھش

کتاب کا نام مصنف نے دیباچے میں "غایۃ المکان فی درایۃ الزمان" لکھا ہے۔ دوسرے مخطوطے میں بھی یہی نام نظر آتا ہے۔ مگر اس پر کوئی تاریخ درج نہیں۔

خود علامہ اقبال نے ۱۹۲۸ء میں اورینٹل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ لاہور میں شعبہ عربی و فارسی میں اپنے خطبہ صدارت "حکمائے اسلام کے عمیق تر مطالعے کی دعوت" میں کہا تھا کہ "یہ معاملہ مشکوک ہے کہ اس کتابچے کا مصنف کون ہے۔"

اقبال کے مکتوب بنام سید مہر علی شاہ گولڑوی محررہ ۸ راگست ۱۹۲۳ء (جو اس جلد میں شامل ہے) میں ذکر آیا ہے کہ دیوبند کے مولوی سید انور شاہ صاحب نے اس رسالے کے ایک نسخے کی نقل ان کو بھیجی تھی لیکن چھان بین کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ رسالہ نہ نواب اقبال کے کاغذات و کتب میں موجود ہے نہ دارالعلوم دیوبند میں اور نہ ہی مولوی انور شاہ کی عطیہ شدہ کتابوں (مجلس علمی، ڈابھیل، سورت) میں۔ ممکن ہے اقبال والا نسخہ کہیں کاغذات میں گم ہو گیا ہو۔

یہ دیکھتے ہوئے کہ عراقی نے ہندوستان میں زندگی کا کچھ حصہ بسر کیا تھا اس کی تصنیف کا نسخہ ہندوستان میں ملنا قابل تسلیم معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات بھی فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ تذکروں میں کہیں عراقی کے نام کے ساتھ اس قسم کی کوئی تصنیف منسوب نہیں ہے۔ (انوار اقبال ص ۲۵۶-۲۵۷)

ملا جامی نے "نفحات الانس" میں "غایۃ المکان فی معرفۃ الزمان والمکان" نام بتایا ہے۔ یہی نام "کشف الظنون" میں اختیار کیا گیا ہے۔ مگر اس کے نسخہ مطبوعہ استنبول کے حاشیہ میں "غایۃ الامکان فی درایۃ المکان" بھی مذکور ہے۔ یہی نام کتاب کے مطبوعہ نسخہ کے دیباچے میں نظر آتا ہے جسے رسائل شاہ نعمت اللہ ولی کے ساتھ میرزا عبدالحسین مونس نعمۃ اللہی نے ۱۳۱۱ ہجری میں تہران سے شائع کیا تھا۔ خدا بخش لائبریری پٹنہ کی فہرست (۱۷/ ۱۷۷) میں بھی یہی نام مندرج ہے۔

مولف کا نام مورخ نسخے میں عین القضاۃ سید ہمدانی اور جس نسخے پر تاریخ کتابت درج نہیں اس میں عین القضاۃ سید علی ہمدانی لکھا ہوا ہے۔ یہاں یہ صراحت ضروری ہے کہ عین القضاۃ ہمدانی سید نہیں ہیں اور سید علی ہمدانی کا لقب عین القضاۃ نہیں۔ عین القضاۃ کا نام ابوالفضل عبداللہ بن محمد المیانجی الہمدانی اور سال وفات ۵۲۵ ہجری (۱۱۳۱ - ۱۱۳۰ء) ہے۔ اور سید ہمدانی کا نام الامیر السید علی بن شہاب بن محمد الہمدانی اور سنہ وفات ۷۸۶ ہجری/ ۱۳۸۴ء) ہے۔ مگر ان دونوں کے ترجمہ نگاران کی کسی ایسی کتاب کا ذکر نہیں کرتے جس کا موضوع زمان و مکان ہو۔

حاجی خلیفہ نے "کشف الظنون" میں مصنف کا نام شیخ محمود اُشنوی لکھا ہے، جب کہ مولانا جامی نے شیخ محمود الاشنوی درج کیا ہے۔ "اُشنوی" آذربائیجان کے ایک چھوٹے سے شہر اُشنہ سے منسوب ہے۔

خدا بخش لائبریری پٹنہ کے فہرست نگار نے بھی جامی کا اتباع کیا ہے اور لکھا ہے کہ نجم الدین رازی نے اپنی تفسیر موسوم بہ "بحرالحقائق" میں اُشنوی کا ذکر اچھے الفاظ میں کیا ہے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اُشنوی ۶۵۴ سے پہلے فوت ہوا۔ اگر اشنوی کا سال وفات مل جائے تو یہ معاملہ سلجھ سکتا ہے۔

احمد منزوی کے ذکر کردہ مخطوطات میں سے ایک نسخہ ۷۰۰ ہجری (۱۳۰۰-۱ء) کا نوشتہ ہے۔ اس کے کاتب کا نام "تاج الدین محمود خداداد اشنہی" ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ تاج الدین محمود کا عہد کیا ہے "نفحات الانس" میں اسے مولانا شمس الدین بن عبدالملک دیلمی کا شاگرد بتایا ہے مگر ان کی تاریخ وفات معلوم نہیں۔ نیز اسے سلطان مجدالدین طالبہ کے گنبد مزار میں مدفون بتایا ہے اور طالبہ کو فخرالدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ/ ۱۲۱۰ء) کا معاصر قرار دیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اُشنوی، رازی سے متاخر ہے۔

مصنف نے اپنی کتاب میں درج شدہ اشعار میں سے دو شعر بم س
مشہور مثنوی "حدیقۃ الحقیقۃ" کے لکھے ہیں جو خاتمہ مثنوی کے مطابق د
(۱۱۳۰ء) کی تصنیف ہے۔ لہٰذا "غایۃ الامکان" سنہ مذکور کے بعد
تالیف ہوگی۔

مآخذ:

۱ امتیاز علی خاں عرشی۔ اقبال اور عراقی، "نقوش" اقبال نمبر، ستمبر ۱۹۷۷ء ص۔ ۱۲۶۔۱۳۳۔

۲ بشیر احمد ڈار: انوار اقبال، اقبال اکادمی، پاکستان لاہور طبع دوم ۱۹۷۷ء ص۔ ۲۵۶۔۲۵۷۔

ساردا ایکٹ ۱۹۲۹ (ایکٹ ۱۹، ۱۹۲۹ء)

"بچہ بیاہ ممانعت ایکٹ" ۱۹۲۹ء جو ساردا ایکٹ کے نام سے مشہور ہوا۔ ہر بلاس ساردا نے پیش کیا تھا۔ مرکزی مجلس قانون ساز نے اسے یکم اکتوبر ۱۹۲۹ء کو منظور کیا تھا۔ اس ایکٹ کی رو سے ۱۸ سال سے کم عمر بالغ مرد کے لیے ۱۶ سال سے کم عمر لڑکی کے ساتھ شادی کرنا ممنوع قرار دیا گیا۔ اس قانون کی خلاف ورزی کی سزا ۱۵ دن کی قید یا ہزار روپے جرمانہ یا دونوں قرار پائیں۔ اس ایکٹ میں ۱۹۷۸ء میں ترمیم ہوئی جس کی رو سے لڑکے کے لیے شادی کی عمر ۲۱ سال اور لڑکی کی عمر ۱۸ سال تک بڑھا دی گئی۔ یہ ہندو میرج ایکٹ ۱۹۵۵ء کی مطابقت کے لیے کیا گیا۔ اس میں ایک اور ترمیم بھی کی گئی کہ اگر ۱۸ سال سے زاید اور ۲۱ سال سے کم عمر کا مرد ۱۵ سال سے کم عمر کی لڑکی سے شادی کرے گا تو اس کو تین ماہ کی قید اور جرمانہ دونوں ہو سکتے ہیں۔

اس ایکٹ کا مقصد یہ تھا کہ بچپن کی شادی کو یک قلم غیر قانونی قرار دے کر اس لعنت کو ہندوستانی معاشرے سے ختم کر دیا جائے جو صدیوں سے چلی آ رہی ہے۔

مرکزی مجلس قانون ساز میں اس بل کو پیش کرنے والے ہر بلاس سارد (۱۸۶۷ء۔ ۱۹۵۲ء) ایک ممتاز مصلح اور سکالر تھے۔ ان پر سوامی دیانند سرسوتی کی تعلیمات کا گہرا اثر تھا۔ یہ ۳ جون ۱۸۶۷ء کو اجمیر میں پیدا ہوئے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اجمیر سٹی سکول میں مدرس ہو گئے اور ساتھ ساتھ گورنمنٹ کالج اجمیر میں پڑھتے بھی رہے۔ اور ۱۸۸۳ء میں میٹرک اور ۱۸۸۵ء میں انٹرمیڈیٹ کا امتحان کامیاب کیا۔ مزید تعلیم کے لیے آگرہ گئے اور وہاں آگرہ کالج سے ۱۸۸۸ء

میں بی۔ اے پاس کیا۔

۱۸۸۹ء میں گورنمنٹ کالج اجمیر میں سینئر ٹیچر مقرر ہوئے۔ دسمبر ۱۸۹۲ء کمشنر اور ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں مترجم کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا۔ دسمبر ۱۸۹۴ء میں وہ مہاراجا دل جیسلمیر کے اتالیق مقرر ہوئے۔

۱۹۰۲ء میں وہ سرکاری ملازمت پر واپس آکر اجمیر کے کمشنر کے دفتر کے ورنیکلر سپرینڈنٹ مقرر ہوئے۔ اسی سال اپنی قابلیت کی بنا پر وہ جوڈیشل سروس (JUDICIAL SERVICE) میں لیے گئے اور سب جج، رجسٹرار، سپیشل جج، ڈپٹی مجسٹریٹ کے مختلف عہدوں پر رہ کر ۱۹۲۳ء میں ڈسٹرکٹ سیشن جج اجمیر مقرر ہوئے اور ایک سال بعد ملازمت سے وظیفہ پر سبکدوش ہوئے۔

زمانۂ ملازمت میں بھی ہربلاس ساردا اصلاحی اور سماجی کاموں میں دلچسپی لیتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۸۸ء میں آریہ سماج اجمیر کے صدر منتخب ہوئے۔ انھوں نے ۱۸۸۹ء میں وہاں ڈی۔ اے۔ وی۔ اسکول قائم کیا جو بعد میں کالج بن گیا۔ ۱۸۹۴ء سے ۱۹۰۲ء تک وہ اجمیر میونسپل کمیٹی کے بھی ممبر رہے۔ ۱۹۲۹ء میں وہ انڈین نیشنل سوشل کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے۔

ہربلاس ساردا ۱۹۲۴ء، ۱۹۲۷ء اور ۱۹۳۰ء میں مرکزی قانون ساز مجلس کے ممبر منتخب ہوئے۔ جب سے وہ سماجی فلاح کا کام کرنے لگے تھے اسی وقت سے وہ ہندوستانی معاشرہ میں مروّج بچپن کی شادی کی لعنت کے خلاف جدوجہد کرتے چلے آرہے تھے۔ چنانچہ انھوں نے ۱۹۲۵ء میں مرکزی قانون ساز میں "بچہ بیاہ ممانعت بل" پیش کیا جسے عام طور پر "ساردا بل" کہا جاتا ہے۔ یہ ۱۹۲۹ء میں منظور ہوا۔ حکومت ہند نے ان کی خدمات کے اعتراف میں ان کو ۱۹۲۱ء میں رائے بہادر اور ۱۹۲۹ء میں دیوان بہادر کے خطابات عطا کیے۔

ہربلاس ساردا مصنف بھی تھے۔ انھوں نے سوانح نگاری، تعلیم اور فلسفہ

کے موضوعات پر متعدد کتابیں لکھیں۔ ان کی اہم تصانیف ہیں MAHARAJA
KUMBH (مہاراجہ کمبھ) MAHARAGA SANGA (مہاراجہ سانگا)
اور LIFE OF SWAMI DAYANAND SARASWATI (سوامی دیانند
سرسوتی کی سوانح حیات) شامل ہیں۔ ان میں سب سے مشہور HINDU
SUPERIORITY (ہندوؤں کی برتری) ہے۔

ہربلاس سارداایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ وہ جج، ماہر تعلیم، قانون ساز، مصلح، سکالر، ادیب اور محب وطن تھے۔ ان کو آنے والی نسلیں ان کے پیش کردہ "بچہ بیاہ ممانعت ایکٹ" کی وجہ سے سدایاد رکھیں گی۔
ان کی وفات ۱۹۵۲ء میں ہوئی۔

مآخذ:

۱ ایس۔ پی۔ سین۔ نیشنل بایوگرافی۔ ص ۵۷ - ۵۹۔
۲ بصد تشکر یہ ڈاکٹر ظہور محمد خاں، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی۔

سر السماء

اس رسالے کا پورا نام "سر السماء و تسہیل السیارات" ہے جو علم ہیئت میں ہے۔
اس کے مصنف مولانا ابو عبد الرحمٰن عبد العزیز بن احمد بن حامد قرشی پرہیاروی ملتانی ہیں جو اپنے وقت کے مشہور عالم اور مقتدر مصنف گزرے ہیں۔ وہ صاحبِ تصانیفِ کثیرہ تھے۔
اب تک ان کی ۱۱ تصانیف کا پتہ چلا ہے۔ ان کے کتب و رسائل تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، کلام، عقائد، منطق ہیئت و توقیت، فقہ، طب اور دوسرے فنون پر مشتمل ہیں۔ نزہتہ الخواطر میں ان کی ۲۹ کتابوں کے نام ملتے ہیں یہ سب بظن غالب عربی زبان میں ہیں۔ فارسی کی دو کتابیں الایمان الکامل عقائد میں اور فرہنگ مصطلحاتِ طب فن طب میں ہیں۔ ان کی بیشتر تصانیف غیر مطبوعہ ہیں اور ان کے وجود کا بھی قطعی علم نہیں۔ مصنف نزہتہ الخواطر کی نظر سے ان کی کم از کم تین کتابیں ضرور گزری تھیں جن کے مختصر اقتباسات کتاب میں درج ہیں یہ الیاقوت، کوثر النبی اور تشہید میں رفع سبابہ کے موضوع پر منظوم عربی رسالہ ہے جو ان کی کتاب اثبات رفع السبابہ فی التشہد کی منظوم تلخیص ہے۔
حسب ذیل کتابوں کی اشاعت کی اطلاع مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری نے اپنے ایک خط میں کی ہے۔
کوثر النبی (اصول حدیث) مکتبۂ قاسمیہ ملتان سے اس کی پہلی جلد ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی دوسری جلد ابھی تک اشاعت پذیر نہ ہو سکی۔
النبراس شرح شرح العقائد (عقائد) عرصہ ہوا میرٹھ سے چھپی تھی پھر ملک دین محمد نے لاہور سے شائع کیا، اب یہ شاہ عبد الحق محدث دہلوی اکیڈمی، بندیال ضلع سرگودھا کے تعاون و اشتراک سے مکتبۂ رضویہ لاہور سے ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء سہ بارہ شائع ہوئی ہے۔

حسبِ ذیل چار کتابوں کا ذکر نزہۃ الخواطر میں نہیں:

مرام الکرام (عقائد) مکتبۃ السلفیہ ملتان سے شائع ہوئی، سال طبع درج نہیں

ایمان کامل (عقائد) یہ منظوم رسالہ مرام الکرام کے ساتھ شائع ہوا ہے

السرّ المکتوم فی ما اُخفاہ المتقدمون (فن اکسیر) تاریخ تصنیف ۴ صفر المظفر ۱۲۴۲ھ ۶۰ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ العزیز اکیڈمی کوٹ ادّو ضلع مظفر گڑھ نے ۱۳۹۷ میں شائع کیا ہے۔

گلزار جمالیہ (تاریخ و سوانح) علامہ نے یہ کتاب اپنے پیر و مرشد حافظ محمد جمال ملتانی کے حالات میں لکھی ہے مولوی برخوردار ملتانی نے فارسی اور اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ عربی متن فارسی و اردو ترجمے کے ساتھ مکتبہ جمال ملتان سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ سال طباعت معلوم نہیں ہو سکا۔

سرّ السماء کا ایک نسخہ کتب خانہ سعیدیہ خانقاہ سراجیہ، کندیاں (پاکستان) میں موجود ہے اور دوسرا نسخہ مولانا اسد نظامی صاحب کی تحویل میں ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے اوراق ۲۳۲۔ تقطیع ۲۰×۱۲ سطور ۱۴ خط نستعلیق (فہرست نسخہ ہائے خطی کتاب خانہ ہائے پاکستان ص ۱۶۵)

علامہ عبدالعزیز کا سال ولادت معلوم نہیں، صاحب نزہۃ الخواطر نے لکھا ہے کہ سال وفات معلوم نہ ہو سکا لیکن شیخ قادر بخش جلیلی شجاع آبادی کا قول نقل کیا ہے کہ انھوں نے عین زمانۂ شباب میں جب ان کی عمر تیس سال سے کچھ ہی زائد تھی وفات پائی۔ الزمرد الاُخضر انھوں نے عربی میں ۱۲۲۸ھ میں لکھی اور النبراس کا سال تالیف ۱۲۲۹ھ ہے۔ یہ رسالے انھوں نے یقیناً تیس سال سے کم عمر میں کیا لکھے ہوں گے، ان کی ولادت تیرھویں صدی ہجری کے پہلے عشرے (۱۲۰۱ھ — ۱۲۱۰ھ) میں ہونی چاہیے۔ پروفیسر نجم الاسلام صاحب نے اطلاع دی ہے کہ ان کی وفات ۱۸۲۴ء میں ہوئی۔ ہجری سال ۱۲۴۰ھ سمجھنا چاہیے ملتان کی تاریخ و تذکرے کی کتابوں میں بھی ممکن ہے ان کا ذکر مل جائے۔ خود

ان کی تصانیف کے مطالعے سے بھی کچھ حالات زندگی معلوم ہو سکنے کے قرائن ہیں۔

(مندرجہ بالا نوٹ جناب پروفیسر مختار الدین احمد صاحب نے ازراہ مرحمت خاص تیار کیا ہے)

مصادر:

نزہۃ الخواطر مؤلفہ مولانا سید عبدالحیٔ حسنی (۷/۲۸۳) دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد، ۱۹۷۹ء

مکتوب پروفیسر نجم الاسلام، صدر شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی بنام راقم مؤرخہ ۲۸ مئی و ۳۱ اکتوبر ۱۹۹۲ء

مکتوب مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری، استاد جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور بنام راقم مؤرخہ ۲ دسمبر ۱۹۹۲ء

مکتوب محرّرہ ۲۵ ستمبر ۱۹۳۰ کی شانِ نزول

جب ۱۹۳۵ء میں انڈیا کی کاؤنسل آف سٹیٹ کی رکنیت کے الکشن کا مرحلہ آیا جس میں نواب نثار علی خاں قزلباش امیدوار تھے اور ان کے مقابل خان بہادر چودھری محمد دین سابق وزیر مال ریاست مالیر کوٹلہ تھے تو سید حسن جعفری نے اس سلسلے میں پہلے خود پروفیسر سراج الدین آذر سے رابطہ قائم کیا تو انھوں نے کہا میں اپنا ووٹ علامہ اقبال کو بھیج چکا ہوں کہ وہ ان کا ووٹ جس امیدوار کو چاہیں دے دیں اور نشان لگا دیں۔ کیونکہ اس الکشن میں ووٹنگ کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ ووٹر جو محدود اور مخصوص اہلیت کے حامل تھے۔ اپنا بیلٹ پیپر جو ان کو ڈاک کے پتے پر بھیجا جاتا تھا اس پر اپنی پسند کے امیدوار کے سامنے معیّنہ نشان لگا کر اپنے دستخط ایک فرسٹ کلاس مجسٹریٹ کے روبرو پیش کر کے اس کی تصدیق کے دستخط اور مہر ثبت کرانے کے بعد بذریعہ ڈاک الکشن کمشنر کو روانہ کر دیں۔ یا اسے کسی شخص کے ذریعہ جمع کروا دیں۔

سید حسن جعفری کے نواب نثار علی خاں سے خاندانی مراسم تھے اور وہ ان کے حلقے کے ووٹروں سے ووٹ لے کر لاہور لا رہے تھے۔ پسرور میں جب آذر صاحب نے اپنے ووٹ کی بابت بتا دیا تو پھر جعفری صاحب علامہ اقبال کے پاس گئے اور نواب صاحب کے لیے ووٹ مانگا۔ جس پر علامہ نے فرمایا کہ ابھی تک میرے پاس پروفیسر سراج الدین آذر کا بیلٹ پیپر نہیں پہنچا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ جعفری صاحب علامہ اقبال کا خط لے کر خود جائیں یا کسی کو دے دیں تاکہ وہ دستی جا کر بیلٹ پیپر لے آئے۔ جعفری صاحب زیرِ نظر خط خود ہی لے کر پسرور گئے۔ وہاں گرمیوں کی تعطیلات کی وجہ سے کالج بند تھا اور پروفیسر آذر بھی موجود نہ تھے۔

جس پر وہ اسی گاڑی سے جو سیالکوٹ سے براستہ پسرور لاہور آتی ہے میں سوار ہوئے اور اگلی روئیداد سید حسن جعفری نے اپنے مخصوص شگفتہ انداز میں یوں بیان کی ہے:

"میں انٹر کلاس کے ایک خالی ڈبے میں لیٹا ہوا نیم خوابی کے عالم میں تھا کہ نارنگ کے اسٹیشن سے تین معتبر زمیندار سوار ہوئے اور الکشن کی باتیں کرنے لگے۔ نواب نثار علی خاں کا نام بھی میرے کانوں میں پڑا۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور معلوم ہوا کہ فریقِ مخالف کے کارکن ہیں۔ علامہ صاحب کا یہ خط میری قمیص کی بیرونی جیب میں چمک رہا تھا۔ انھوں نے سمجھا یہ بیلٹ پیپر ہے اور بے تکلفی سے کہا یہ کوئی ووٹ ہے۔ میں نے حواس درست رکھے اور بے پروائی کے انداز میں کہا یہ پرائیوٹ خط ہے۔ ان لوگوں نے دیکھ کر کہ لفافہ سرکاری نہیں ورنہ بیلٹ پیپر کے لفافے پر آن ہز میجسٹی سروس (HIS MAJESTY SERVICE) چھپا ہوتا ہے جو اس لفافے پر نہ تھا۔ لفافہ جو میری جیب سے اچک لیا تھا مجھے واپس کر دیا اور اس طرح یہ خط دشمن کے ہاتھوں سے نکل کر آج تک محفوظ ہے"

اس خط سے اور باتوں کے علاوہ یہ بات بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اس دور کے احبابِ علم و دانش کی ہی علامہ اقبال سے بے پایاں محبت و عقیدت نہ تھی بلکہ وہ بھی اپنے بہی خواہوں اور محسنوں کے لیے سفارشی خطوط تک لکھنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔

مآخذ:

ارشد میر۔ سالنامہ رسالہ "نقوش" ۱۹۹۱ء

حالات کشمیر (۱۹۳۳ء)

علامہ کے مکتوب محرّرہ ۱۳ر جولائی ۱۹۳۳ء کی شانِ نزول یہ ہے کہ ۳۳-۱۹۳۲ء میں ریاست کشمیر میں حالات بد سے بدتر ہونے لگے۔ وہاں عوامی احتجاجی مظاہروں کا سلسلہ ۱۹۳۱ء سے چل رہا تھا۔ جس کے نتیجے میں حکومت کشمیر کو GLANCY (گلینسی کمیشن) COMMISSION کا تقرر کرنا پڑا۔ مگر ۱۹۳۳ء تک اس کمیشن کی سفارشات پر حکومت نے کوئی عمل نہیں کیا بلکہ اسی دوران سیاسی لیڈروں کو گرفتار کر لیا جس پر پھر احتجاجی مظاہرے ہونے لگے اور تشدّد اور سخت گیری شروع ہوئی۔

جون ۱۹۳۳ء میں علامہ اقبال از سرِ نو تشکیل شدہ آل انڈیا مسلم کشمیر کمیٹی کے صدر منتخب ہوئے۔ (یہ کمیٹی پہلے پہل ۱۹۲۹ء میں قائم ہوئی تھی۔)

علامہ اقبال اور کمیٹی کے ایک دوسرے رکن ملک برکت علی ایجی ٹیشن کو تیز کرنے کے لیے کشمیر جانا چاہتے تھے۔ اس پر حکومت کشمیر نے حکومت پنجاب سے درخواست کی کہ وہ آل انڈیا مسلم کشمیر کمیٹی کے صدر یا ممبران کو کشمیر آنے سے باز رکھے۔ اس پر حکومت پنجاب کے ایک افسر سی۔ سی۔ گاربیٹ نے علامہ اقبال کے خدمت میں درج ذیل خط لکھا تھا جس کے جواب میں علامہ نے مذکورۂ بالا خط تحریر کیا تھا۔

نیم سرکاری خط نمبر
پنجاب سول سکریٹریٹ، شملہ
۱۱ر جولائی ۱۹۳۳ء

ٹ خط اگلے صفحے پر ملاحظہ ہو۔

مائی ڈیر سر محمد

گورنران کونسل کو پوری طرح علم نہیں ہے کہ آیا اب آپ آل انڈیا کشمیر کانفرنس کے صدر ہیں اور ان کو یہ باور کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ آپ بہر صورت کشمیر جانے کا قصد کر رہے ہیں۔ لیکن انھیں ہز ہائی نس مہاراجہ کشمیر کی حکومت کا مراسلہ موصول ہوا ہے جس میں حکومت پنجاب سے درخواست کی گئی ہے کہ آپ کو بحیثیت صدر کانفرنس مطلع کر دیں کہ حکومت کشمیر کی خواہش ہے کہ اس وقت تک کانفرنس کا کوئی رکن ہز ہائی نس کی حکومت کی اجازت کے بغیر کشمیر نہ جائے نیز یہ کہ اگر کانفرنس یا اس کے ممبران نے مقامی مسلمانوں کی جانب سے معاملات میں دخل اندازی کرنے یا گفت و شنید کرنے کی کوئی کوشش کی تو وہاں کے حالات بد سے بدتر ہو جائیں گے۔ خوش قسمتی سے فی الحال حالات قابو میں ہیں۔

آپ کا مخلص

(سی۔ سی۔ گاربیٹ)

ملنڈ پنھو[1] (THE QUESTION OF MILINDA)

"ملنڈ پنھو" پالی زبان کی قدیم ترین کتاب ہے جو سری لنکا میں محفوظ رہی۔ نہ اس کے مصنف کا نام آج تک پتہ چلا اور نہ اس کی تاریخ تصنیف کا۔ جو راجہ ملنڈا اور ایک عارف تھیرناگ سین کے درمیان مکالمات پر مبنی ہے۔ یہ پیچیدہ سوالات مذہبی مسائل پر کئے تھے۔ ان میں اہم ترین سوال یہ تھا کہ آیا روح کا کوئی وجود ہے یا نہیں؟ بظاہر ناگ سین نے شاہ ملنڈ کو باور کروایا کہ بدھ مت کا راسخ عقیدہ ہے کہ روح کا وجود نہیں۔ ملنڈ ہی کا نام مینندر ( ) تھا جو باختر کا راجہ تھا۔ اس نے غالباً دوسری صدی ق۔م کے آخری حصہ میں ایک طویل عرصہ تک قریبًا ۱۴۰ ق۔م سے ۱۱۵ ق۔م تک یا ۱۱۰ ق۔م تک حکومت کی۔ قیاس ہے کہ اس نے دریائے سندھ کے ایک جزیرہ بنام الاسانداِ یا سکندریہ ( ) میں ایک مقام کلاسی ( ) میں جنم لیا۔ اسی کی بدولت یونانیوں کی حکومت ہندوستان کے مشرق میں دور دراز تک پھیل گئی۔ اس نے دریائے ستلج کو پار کر کے دریائے جمنا تک کا علاقہ فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ وہ سلطنت جس کی بنیاد سکندرِ اعظم نے ڈالی تھی وہ اس کا ممتاز ترین حکمراں گزرا ہے۔ بلکہ ایک مورخ کہتا ہے کہ سکندر اعظم سے زیادہ فتوحات حاصل کیں۔ اس کے دعوے کی تائید بلاشبہ سکّوں کی اس بڑی تعداد سے ہوتی ہے جو کابل سے لے کر متھرا تک اور اس سے بھی آگے مشرق کی طرف

---

[1] پالی میں پنھو کے معنی سوالات کے ہیں (مولّف)

[2] [illegible]

بندیلکھنڈ تک پائے جاتے ہیں۔ وہ اپنے عدل وانصاف کے لیے مشہور تھا۔ وہ باختر کا واحد راجہ ہے جس کا نام ہندوستانی روایات کی بدولت آج تک زندہ ہے۔ وہ بدھ مت کا پیرو تھا اور مملکت کے تمام باشندوں اور راجاؤں نے بھی بدھ مت اختیار کرلیا تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ اس نے بدھ مت اختیار کرنے کے بعد عنان حکومت اپنے بیٹے کو سونپ دی تھی۔ پلوٹارک (PLUTARCH) کے مطابق راجہ ملنڈ کا وادی گنگا کے میدان جنگ میں انتقال ہوا تو اس کی رعایا میں اس بات پر جھگڑا ہوا کہ اس کی چتا کی راکھ کون لے جس پر وہ سب کے سب استوپ STUPA بنانا چاہتے تھے۔

ناگ سین کے بارہ میں بھی کوئی بات بلاشک وشبہ نہیں کہی جاسکتی ہے البتہ یہ درست ہے کہ بدھ مت کے جید عالم ناگرجن (NAGARJUNA) کے نام کی ہی ایک صورت ہے۔ جو بدھ مت کے مہایان (MAHAYANA) دبستان کے بانی کی حیثیت سے شہرت رکھتا ہے۔ ناگ سین کا اس سے زیادہ قدیم روایات سے تعلق ہے۔ دونوں کا زمانہ مشتبہ ہے۔ ایک دبستان فکر کے مطابق یہ مہاتما بدھ کی وفات کے ۱۳۷ برس بعد گزرا ہے۔

ظاہر ہے کہ زیر بحث مکالمات حقیقی نہیں ہیں۔ اب جو کچھ ہمارے پیش نظر ہے وہ ایک تاریخی رومان سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ اشوک کے ایک چٹانی فرمان میں جو بدھ مت کے پیروؤں کے نام ہے۔ بدھ مت کے صحایف میں سے سات حصوں کا انتخاب کیا گیا ہے جن کو زبانی یاد کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ان سات میں سے ایک " ملنڈ پنھو " بھی ہے۔

یہ مکالمات بلاشبہ پالی کی نثر نگاری کا شاہکار ہیں اور ادبی اعتبار سے ایک بہترین تصنیف شمار کیے جاتے ہیں۔ جو ہندوستانی نثر کا ایک قابل تقلید نمونہ ہیں۔ ہندوستان کے قدیمی ادب میں صرف دو تین تصانیف ایسی ہیں جن کا مقابلہ اس کتاب سے کیا جاسکتا ہے۔ یہ بھی بدھ مت کے بارہ میں پالی زبان میں ہیں۔

مآخذ:

T.W. RHYS DAVIDS THE QUESTIONS OF MILINDA.
OXFORD [illegible]. 1?90 , [illegible] , MOTI LAL BANARSI DASS,
[illegible] . 1965 & 196?

۱ ٹی. ڈبلو. ریس ڈیوڈز ۔ دی کیو سچنس آف ملنڈا، پہلی بار آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۸۹۰ء میں شائع ہوئی اور بعد ازاں موتی لال بنارسی داس نے بنارس اور پٹنہ سے بالترتیب ۱۹۶۵ء اور ۱۹۶۹ء میں شائع کی

۲ رما شنکر تریپاٹھی ۔ قدیم ہندوستان کی تاریخ، بیورو فار پرموشن آف اردو، حکومت ہند، نئی دہلی ۱۹۸۱ء ص۔ ۲۳۸-۲۳۹۔

موافق

"موافق" علم کلام کی مشہور کتاب ہے۔ اس کے مصنف قاضی عضد الدین عبدالرحمٰن ایجی (متوفی ۷۵۶ھ) ہیں۔ جو فارس کے مشہور قصبہ ایج سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ قصبہ ولایت شبانکارہ کا پایۂ تخت تھا۔ وہ ایک واسطے سے قاضی ناصرالدین بیضاوی کے شاگرد تھے۔ وہ حافظ کے معاصر تھے۔

قاضی عضدالدین سلطان ابوسعید کے عہد میں تمام ایران کے قاضی القضاۃ اور شہر سلطانیہ میں اقامت گزیں تھے۔ خواجہ غیاث الدین محمد بن رشیدالدین فضل اللہ سے بھی ارتباط رکھتے تھے۔ چنانچہ موافق کا متن غیاث الدین کے نام تیار کیا۔ شیخ ابواسحاق ان کی بڑی عزت کرتا تھا۔ چنانچہ ۷۵۳ ہجری میں شیخ کی طرف سے امیر مبارزالدین محمد مظفری کی خدمت میں گئے۔ آخرالذکر نے ان کی عزت و تکریم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ لیکن جب امیر مبارزالدین نے شیراز کا محاصرہ کیا تو یہ شبانکارہ چلے گئے۔ امیر شبانکارہ سے ان کی نہ بنی اور اس نے ان کو قید کر دیا۔ وہ قید ہی کی حالت میں ۷۵۶ ہجری میں فوت ہو گئے۔

موافق کے علاوہ قاضی صاحب نے دو اور کتابیں "فوائد غیاثیہ" اور "شرح مختصر ابنِ حاجب" غیاث الدین کے نام پر معنون کی ہیں۔

مآخذ:

۱ تاریخ مغول جلد دوم ص، ۵۱۰۔۵۱۱۔
۲ محمد معین فرہنگ فارسی۔ جلد چہارم، ص۔ ۱۱۸۰۔

بصد شکریہ: پروفیسر نذیر احمد صاحب سکریٹری غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی۔

نزہتہ الخواطر

اس کتاب کا پورا نام ''نزہتہ الخواطر و بہجتہ المسامع والنواظر'' ہے۔ اور عربی زبان میں ہے۔ یہ آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں ہندوستان کے ساڑھے چار ہزار سے زائد علما، وصوفیاء کا تذکرہ ہے۔ سب سے پہلے ۱۹۳۱ء میں اس کی دوسری جلد شائع ہوئی۔ جس میں آٹھویں صدی ہجری کے علماء وصوفیاء کا تذکرہ ہے۔ ۱۹۴۷ء میں پہلی جلد، ۱۹۵۱ء میں تیسری جلد، ۱۹۵۴ء میں چوتھی جلد شائع ہوئی۔ اس طرح ۱۹۵۹ء تک اس کے سات حصے شائع ہو گئے۔ ۱۹۶۸ء میں اس کی آٹھویں جلد منظر عام پر آئی۔ جس میں چودھویں صدی ہجری کے علما، وصوفیا، اور مشاہیر ہند کا تذکرہ ہے۔ یہ تمام جلدیں مطبع مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد، دکن سے شائع ہوئیں۔ آٹھویں جلد کی تکمیل مصنف کے فرزند مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب کے ہاتھوں ہوئی ہے۔

اس کے مصنف حکیم سید عبدالحئی (۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹ء۔ ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۳ء) ہیں۔ یہ ۱۸ رماہ رمضان ۱۲۸۶ھ/ ۲۲/ دسمبر ۱۸۶۹ء کو دایرہ شاہ علم اللہ جو رائے بریلی سے دو میل کے فاصلے پر ہے پیدا ہوئے۔ لکھنؤ اور بھوپال کے مشہور ارباب تدریس سے مختلف علوم میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۱۱ ہجری میں بھوپال سے لکھنؤ واپس آکر طب کی تکمیل کی۔ مولانا شیخ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ ۱۳۱۳ ہجری میں ندوۃ العلماء سے وابستہ ہو گئے۔ جس کی نظامت ان کو ۱۳۳۲ ہجری میں سونپ دی گئی جسے انھوں نے اپنی زندگی کے آخری لمحات تک سنبھالے رکھا۔

۱۵ ر جمادی الآخر ۱۳۴۱ھ/ ۲ر فروری ۱۹۲۳ء کو وفات پائی ۔
مولانا سید عبدالحئی نے عربی، فارسی اور اردو میں متعدد تصانیف چھوڑی ہیں جن میں مشہور نزہتہ الخواطر (عربی)، تذکرہ گل رعنا، (اردو) اور یاد ایام ۔ (تاریخ گجرات دکن، اردو) چھپ چکی ہیں۔

مآخذ :

نزہتہ الخواطر بہجتہ المسامع والنواظر مولف سید عبدالحئی بریلوی لکھنوی، مترجم ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۵ء

مکتوب محررہ ۱۲/ستمبر ۱۹۳۳ء بنام شیخ اعجاز احمد

بیدی صاحب لاہور کے ایک گوردوارہ کے گرنتھی تھے۔ جو مسلمان ہونا چاہتے تھے۔ لیکن اس صورت میں خدشہ یہ تھا کہ ان کا موجودہ ذریعہ معاش ختم ہو جائے گا بعد میں اقبال نے سمجھایا کہ اگر آپ کو اسلام کی حقانیت پر یقین ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کے لیے خود غیب سے سامان پیدا کرے گا۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ بعد کو معلوم ہوا کہ اپنے گوردوارے کے منتظمین سے ان کا کچھ تنازعہ تھا جس کی وجہ سے انھیں گرنتھی کے عہدے سے ہٹا دیا گیا تھا۔

(شیخ اعجاز احمد)

مکتوب محررہ ۱۶ر جولائی ۱۹۳۴ء بنام سید نذیر نیازی

اس مکتوب کے پیرا (۲) میں جس جراح کا ذکر کیا گیا وہ لاہور میں فلیمنگ روڈ پر محمد عاشق جراح تھے اقبال ان کے بڑے معتقد تھے اور گھر میں کسی کے پھوڑا پھنسی نکلے تو انہی کا علاج ہوتا یا وہی چیر پھاڑ کرتے تھے اقبال نے ان کو ایک سند بھی دی تھی جس میں لکھا تھا :

"مسٹر محمد عاشق فن جراحی میں فوق العادت دسترس کے مالک ہیں جس حد تک مجھے آزمائش کا موقع ملا ہے میں نے محسوس کیا ہے کہ وہ فن جراحی میں ید طولیٰ رکھنے کے علاوہ نہایت فرض شناس اور دقیقہ رس انسان ہیں مزید برآں مجھے یہ بھی احساس ہے کہ وہ لاہور کی پبلک میں ایک ہر دل عزیز جراح واقع ہوئے ہیں"

۱۔ جاوید اقبال ۔ زندہ رود، جلد سوم، ص ۶۹۸

۲ بشیر احمد ڈار : انوار اقبال ص ۱۳

ضمیمہ

میر سراج الدینؒ[1] کے نام

مخدومی جناب میر صاحب

السلام علیکم! ایک بزرگ علامہ عبدالعزیز بلہارویؒ[2] تھے جن کا انتقال ۱۲۶۰ھ

---

[1] (الف) اس خط کو علامہ کے مکتوب محررہ ۲۰ رجوری ۱۹۳۱ء بنام خواجہ ایف۔ ایم شجاع مالوس معی کے بعد پڑھنے سے اس کا پس منظر واضح ہوجائے گا۔

میر سراج الدین کے متعلق علامہ نے اپنے مذکورہ بالا خط میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ۔ "میرے پرانے مہرباں ہیں"، زیر بحث مکتوب سے صاحب اثر و رسوخ معلوم ہوتے ہیں۔ غالباً بہاولپور میں سکونت پذیر تھے۔ اس کے علاوہ کچھ اور معلومات حاصل نہ ہوسکیں۔

(ب) اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں۔ اس کی تاریخ تحریر کا تعین ان حالات کی پیش نظر کرنا ہوگا کہ علامہ کو پہلی بار مولوی صالح محمد صاحب تونسوی نے اپنے خط مورخہ ۱۹ رجون ۱۹۳۰ء کو سر السماء کے بارہ میں اطلاع دی تھی۔ ان کے والد ماجد نے اس کتاب کو دیکھا تھا (علامہ کا مکتوب محررہ ۴ راگست ۱۹۳۰ء) بالآخر یہ کتاب مولوی احمد سعید صاحب کی تحویل میں ملی۔ لیکن وہ غالباً اسے عاریتاً دینے کو تیار نہ تھے۔ چنانچہ علامہ نے مولوی صالح محمد صاحب کو لکھا کہ اس کتاب سے سیارات کے متعلق مضامین سے جستہ جستہ نوٹ مولوی احمد سعید صاحب کی موجودگی میں لے لیے جائیں۔ (مکتوب محررہ ۹ راگست ۱۹۳۰ء)

اسی دوران علامہ نے اس کتاب کے متعلق پروفیسر شجاع منعمی صاحب کو بھی لکھا (ان کا خط بلا تاریخ ملاحظہ ہو "اقبال نامہ"، اول ص ۲۱۷) بعدازاں علامہ نے مذکورہ بالا خط میر سراج الدین صاحب کو بھی بھیجا۔ میر سراج الدین کے جواب کے بعد علامہ نے ۲۰ رجنوری ۱۹۳۱ء کو پروفیسر شجاع منعمی کو لکھا کہ یہ کتاب میرے مطلب کی نہیں ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں ہوا۔ انھوں نے ایک رسالہ "سرالسما" کے نام سے لکھا، جس کی تلاش مجھے ایک مدت سے ہے۔ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ علامہ موصوف کا کتب خانہ ایک بزرگ مولوی شمس الدین بہاولپوری کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔ شاید مولوی شمس الدین ان کے کوئی عزیز تھے یا کیا؟ بہرحال اس عریضے کا مقصود یہ ہے کہ ازراہِ عنایت آپ مذکورہ بالا رسالے کی تلاش میں مجھے مدد دیں۔ قابل دریافت امر یہ ہے کہ کیا علامہ عبدالعزیز مرحوم کا کتب خانہ بہاولپور میں محفوظ ہے؟ ممکن ہے مولوی شمس الدین کے خاندان و ہ کتب محفوظ ہوں۔ اگر مولوی شمس الدین کے خاندان میں وہ کتب محفوظ ہوں تو رسالہ بالا ممکن ہے ان کتب میں مل جائے۔ آپ مہربانی کرکے اپنے اثر و رسوخ کو اس مقصد کے لیے کام میں لائیں جس کے لیے میں آپ کا نہایت ممنون ہوں گا۔ اس کے علاوہ

(بقیہ پچھلے صفحہ کا)

اس میں صاف اشارہ ہے کہ اس کتاب کی تلاش انھیں ایک مدت سے تھی۔ کتاب کا علم ہی انھیں جون ۱۹۳۰ء میں ہوا۔ اس لیے اس سیاق و سباق میں اغلب ہے کہ یہ خط ۱۹۳۰ء کے آخر میں لکھا گیا ہوگا۔

اس خط تک میری رسائی نہ ہوتی اگر محب مکرم پروفیسر مختارالدین احمد صاحب کا ملطف خاص میرِ شامل حال نہ ہوتا۔ (مولف)

[۲] صحیح پیر ہاروی۔ پیر ہار کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ کے مضافات میں ایک بستی ہے دورا فتادہ اور پس ماندہ

[۳] علامہ اقبال کو صحیح اطلاع نہیں ملی۔ سال وفات ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۴ء ہے آہ مظہر حبیب اللہ اور ابدال رضی اللہ عنہ مادہ ہائے سال وفات ہیں۔

[۴] اس کتاب کے دو نسخوں کا اب تک پتہ چلا ہے ایک کتب خانہ سعیدیہ خانقاہ سراجیہ کندیاں میں محفوظ ہے اور دوسرا مولانا محمد اسد نظامی کے ذاتی کتب خانے میں ہے۔ (مولف)

جو مقصد زیر نظر ہے وہ قومی ہے۔ انفرادی نہیں ہے۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ اس خط کے جواب کا انتظار رہے گا۔

مخلص محمد اقبال بیرسٹر۔ لاہور

(غیر مدون)

مآخذ

۱۔ ماہنامہ "المعارف" لاہور، دسمبر ۱۹۸۲ء

۲۔ متین کاشمیری: احوال و آثار،

حضرت علامہ عبدالعزیز پرہاروی (ص ۶۵ - ۶۶ -)

مجلس خدام اسلام لاہور

۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء

کتابیات

۱ آزاد بلگرامی علامہ غلام علی (۱) سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان (۲) مآثر الکرام مطبع مفید عام آگرہ ۱۹۱۱ء۔

۲ ابن قتیبہ، سیر انبیا و صحابہ و تابعین، ترجمہ سلام اللہ صدیقی نورانی کتب خانہ بناس کنٹھا (گجرات)۔

۳ اثر سید امداد امام، کاشف الحقائق، مرتبہ ڈاکٹر وہاب اشرفی ترقی اردو بیورو نئی دہلی ۱۹۸۲ء۔

۴ احمد، جدید ہندوستان کے معمار ترقی اردو بورڈ نئی دہلی ۱۹۷۹ء۔

۵ احمد ڈاکٹر حسن الدین مجلس (زیر طباعت) حیدر آباد دکن۔

۶ احمد سید بدر الدین حقیقت بھی کہانی بھی بہار اردو اکادمی، پٹنہ ۱۹۸۸ء۔

۷ احمد نذیر الدین سوانح بہادر یار جنگ، بہادر یار جنگ اکادمی، حیدر آباد دکن ۱۹۹۰ء۔

۸ اختر قادری آثار اثر مطبوعہ دی آرٹ پریس پٹنہ۔

۹ اخلاق اثر، اقبال نامے، طارق پبلی کیشنز صادق منزل چوکی امام باڑہ،

بھوپال دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۰ء۔
۱۰ اخلاق اثر ڈاکٹر اقبال اور ممنون طارق پبلی کیشنز، صادق منزل چوکی امام باڑہ، بھوپال، مئی ۱۹۹۱ء۔
۱۱ اعجاز احمد، مظلوم اقبال بی۔ ۲۱۳ داؤد پوتہ روڈ کراچی ۱۹۸۵ء۔
۱۲ اعجاز حسین پروفیسر ڈاکٹر سید، مختصر تاریخ ادب اردو، اردو کتاب گھر دہلی ۱۹۴۶ء۔
۱۳ اندرابی ڈاکٹر محمد امین مطالعہ مکاتیب اقبال تابش پبلی کیشنز اندرابی ولا نزد ڈاک خانہ راجباغ سری نگر کشمیر دسمبر ۱۹۹۱ء۔
۱۴ براکلمان، تاریخ الادب العربی۔
۱۵ برکاتی حکیم محمد احمد کتاب اتقان العرفان کراچی ۱۹۶۸ء۔
۱۶ بشیر الدین احمد میرٹھی قاضی تذکرہ عزیزیہ مجتبائی پریس میرٹھ ۱۹۲۶ء
۱۷ تاریخ مغول جلد دوم
۱۸ ترپاٹھی رماشنکر، قدیم ہندوستان کی تاریخ (اردو ترجمہ) بیورو فور پروموشن آف اردو حکومت ہند نئی دہلی ۱۹۸۱ء۔
۱۹ تنویر ظہور (مرتب) یادیں آغاز پبلی کیشنز لاہور جولائی ۱۹۹۱ء۔
۲۰ جاوید اقبال ڈاکٹر زندہ رود جلد اول، دوم، سوم، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلی کیشنز ادبی مارکیٹ چوک انارکلی لاہور اشاعت اول ۱۹۷۹ء۔
۲۱ جعفری رئیس احمد دید و شنید رئیس احمد جعفری اکیڈمی کراچی ۱۹۸۷ء۔
۲۲ جلیل قدوائی حیات مستعار جلد اول و دوم مکتبہ اسلوب کراچی ۱۹۸۷ء
۲۳ جہلمی، مولوی فقیر محمد حدائق الحنفیہ مطبع نول کشور، لکھنؤ ۱۹۰۶ء
۲۴ حبیب الرحمٰن حیدرآبادی، تذکرۃ المصنفین مکتبہ نعیمہ، مئو ناتھ بھنجن (یوپی۔ ہندوستان)
۲۵ خالد شمس الحسن قائداعظم کا ادھورا خواب، شمس الحسن فاؤنڈیشن کراچی ۱۹۹۱ء۔

۲۶ حنیف محمد غوثی شطاری مناڈوی اذکار ابرار (فارسی) مترجم فضل احمد جے پوری موسوم بہ گلزار ابرار اسلامک فاؤنڈیشن، سمن آباد لاہور ۱۳۹۵ھ۔

۲۷ دُرّانی سعید اختر، اقبال یورپ میں، اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۸۵ء

۲۸ ڈار بشیر احمد، انوار اقبال اقبال اکادمی پاکستان لاہور طبع دوم ۱۹۷۷ء۔

۲۹ رحمان علی، مولوی تذکرہ علمائے ہند، مرتبہ محمد ایوب قادری کراچی ۱۹۶۱ء۔

۳۰ رضی حیدر خواجہ قائداعظم خطوط کے آئینہ میں کراچی ۱۹۸۵ء۔

۳۱ سعیدی غلام رسول، تذکرۃ المحدثین مکتبہ قادریہ لاہور ۱۹۷۷ء

۳۲ سکسینہ رام بابو مترجم مرزا محمد عسکری تاریخ ادب اردو (ہسٹری آف اردو لٹریچر) مطبع منشی تیج کمار لکھنؤ ۱۹۸۶ء۔

۳۳ شاہین رحیم بخش (مرتب) اوراق گم گشتہ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ ۱۳۔ای شاہ عالم مارکیٹ لاہور بار دوم مارچ ۱۹۷۹ء۔

۳۴ شبلی و ریاض ڈاکٹر محمد صدیق شبلی و ڈاکٹر محمد ریاض فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور نومبر ۱۹۷۴ء۔

۳۵ شبلی نعمانی شعر العجم جلد پنجم مطبع معارف اعظم گڑھ طبع چہارم ۱۹۵۷ء۔

۳۶ شفق ڈاکٹر رضا زادہ تاریخ ادبیات ایران ترجمہ سید مبارز الدین رفعت ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی بار نہم مئی ۱۹۸۵ء۔

۳۷ شمس الحسن سید، سیدھے سادے مسٹر جناح رائل بک کمپنی کراچی ۱۹۷۶ء۔

۳۸ صابر کلوروی ڈاکٹر (۱) اشاریہ مکاتیب اقبال اقبال اکادمی پاکستان، لاہور طبع اول ۱۹۸۴ء (۲) مکاتیب اقبال کے مآخذ ـ چند مزید حقائق صحیفہ لاہور (۳) مکاتیب اقبال کے مآخذ ـ ایک تحقیقی جائزہ اقبال ریویو۔

۳۹ صدیق حسن خاں نواب ابجد العلوم مطبع صدیقی بھوپال ۱۲۹۶ھ۔

۴۰ عبدالحکیم خلیفہ (مترجم) تاریخ فلسفہ جدید جلد اول دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔

۴۱ عبدالحیٔ حسینی مولانا حکیم نزہتہ الخواطر جلد چہارم ترجمہ ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی مقبول اکیڈمی لاہور ۱۹۸۵ء۔

۴۲ عبدالوحید جدید شعرائے اردو فیروز سنتر لاہور (تاریخ طباعت ندارد)

۴۳ عبدالسلام ڈاکٹر شاہ دبستان آتش مکتبہ جامعہ دہلی ۱۹۷۷ء

۴۴ عروج عبدالروف (مرتب) رجال اقبال نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی مارچ ۱۹۸۸ء۔

۴۵ عروج قادری سید احمد تذکرہ عبدالحق محدث دہلوی۔

۴۶ عطاء اللہ شیخ اقبال نامہ اول شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار لاہور ۱۹۴۴ء

۴۷ عطاء اللہ شیخ اقبال نامہ دوم شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار لاہور مارچ ۱۹۵۱ء۔

۴۸ علی میاں، مولانا سید ابوالحسن ندوی تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ۱۹۰۸ء۔

۴۹ غلام حسین ذوالفقار ڈاکٹر اقبال۔ایک مطالعہ اقبال اکادمی پاکستان لاہور طبع اول ۱۹۸۷ء۔

۵۰ فاروقی محمد حمزہ حیات اقبال کے چند مخفی گوشے لاہور ۱۹۸۸ء۔

۵۱ قادری مفتی محمد احمد تذکرہ علمائے اہل سنت کانپور ۱۳۹۱ھ

۵۲ قاسمی عطاء الرحمٰن الواح الصنادید شاہ ولی اللہؒ اکیڈمی پھندیان نئی دہلی ۱۹۸۹ء

۵۳ قریشی محمد عبداللہ (۲) مکاتیب اقبال بنام گرامی اقبال اکادمی پاکستان لاہور طبع دوم ۱۹۸۱ء۔

۵۴ قریشی محمد عبداللہ معاصرین اقبال کی نظر میں مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۷۷ء۔

۵۴ قریشی، محمد عبداللہ، حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں بزم اقبال، لاہور، مئی ۱۹۸۲ء۔

۵۵ قریشی محمد عبداللہ روح مکاتیب اقبال، اقبال اکادمی پاکستان لاہور طبع نومبر ۱۹۷۷ء۔

۵۶ لین (ایڈورڈ ولیم) مدالقاموس (ترجمہ) جلد ششم ایشین ایجوکیشنل سروس نئی دہلی ۱۹۸۵ء۔

۵۷ مالک رام حواشی غبار خاطر ساہتیہ اکادمی (تیسرا ایڈیشن) دہلی ۱۹۸۹ء

۵۸ مالک رام، تذکرہ ماہ و سال، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی نومبر ۱۹۹۱ء

۵۹ مالک رام نذر ذاکر، دہلی ۱۹۷۴ء۔

۶۰ مالک رام (مرتب) نذر عابد مجلس نذر عابد دہلی ۱۹۷۴ء

۶۱ محمد انیس الرحمٰن عربز ملت اور کارنامے علامہ سید سلیمان ندوی اکیڈمی پبلی کیشنز ۱۹۸۸ء۔

۶۲ محمد جہانگیر عالم اقبال کے خطوط جناح کے نام یونیورسل بکس اردو بازار لاہور ۱۹۸۴ء۔

۶۳ محمد رفیق افضل (مرتب) گفتار اقبال ادارۂ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب لاہور طبع دوم نومبر ۱۹۷۷ء۔

۶۴ محمد عبداللہ شیخ (کشمیری) آتش چنار علی محمد اینڈ سنز سری نگر کشمیر ۱۹۸۶ء۔

۶۵ محمد فرید الحق اقبال۔ جہان دیگر، گردیزی پبلشرز کراچی جولائی ۸۳ ۱۹ء

۶۶ محمد معین فرہنگ فارسی۔

۶۷ مسعود انور علوی کاکوروی مقالات انور لکھنؤ ۱۹۸۳ء۔

۶۸ نذر ذاکر مجلس نذر ذاکر نئی دہلی ۱۹۶۸ء۔

۶۹ نجیب العقیقی المستشرقون جلد دوم۔

۷۰ نظامی پروفیسر خلیق احمد، تاریخ مشائخ چشت، ادارہ ادبیات دلی، دہلی، جلد اول ۱۹۸۰ء۔
۷۱ نعمانی مفتی عبدالسلام تذکرۂ مشائخ بنارس، بنارس ۱۹۷۱ء۔
۷۲ نوادر، ناشر، ملک فیض بخش، ادارہ ثقافت اسلامیہ ۲ کلب روڈ لاہور (تاریخ طباعت ندارد)
۷۳ نیازی سید نذیر (مرتب) مکتوبات اقبال، اقبال اکیڈمی پاکستان لاہور باردوم اکتوبر ۱۹۷۷ء۔
۷۴ نیازی، سید نذیر، مترجم، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، اسلامک بک سینٹر، کلاں محل دریا گنج، نئی دہلی ۱۹۸۶ء۔
۷۵ ہاشمی، حمیداللہ خطوط اقبال بنام بیگم گرامی، محبوب بک ڈپو امین پور بازار فیصل آباد (پاکستان) ۱۹۷۸ء۔
۷۶ ہاشمی، رفیع الدین خطوط اقبال بیسویں صدی بک ڈپو دریا گنج نئی دہلی ۱۹۷۷ء۔
۷۷ ہاشمی، رفیع الدین تصانیف اقبال کا تحقیقی وتوضیحی مطالعہ، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور نومبر ۱۹۸۲ء۔
۷۸ یونس جاوید (مرتب)، صحیفہ، اقبال بزم اقبال کلب روڈ لاہور نومبر ۱۹۸۶م
۷۹ اقبال نامہ زیر اشاعت، اقبال اکیڈمی پاکستان لاہور۔

اخبارات و رسائل

۱ (ماہنامہ) آج کل شمارہ مارچ ۱۹۷۶ء دہلی۔
۲ اردو دائرۃ معارف اسلامیہ جلد ۱، ۲، ۸، اور ۱۱ دانش گاہ پنجاب لاہور ۱۹۶۴ء۔

۳ اردو انسائیکلو پیڈیا فیروز سنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۶۸ء۔
۴ اسلامی انسائیکلو پیڈیا مرتبہ سید قاسم محمود شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی ۱۹۸۴ء
۵ اقبال ریویو شمارہ جولائی ۱۹۸۰ء اقبال اکیڈمی حیدر آباد دکن۔
۶ (رسالہ) اقبالیات شمارہ جولائی ستمبر ۱۹۸۵ء اقبال اکیڈمی پاکستان لاہور۔
۷ (ہفتہ وار) تکبیر، کراچی (جلیل قدوائی از مشفق خواجہ)
۸ (رسالہ) جامعہ شمارہ اپریل ۱۹۳۴ء جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی ۔
۹ (روزنامہ) جنگ لندن ۱۹۹۲ء
۱۰ (رسالہ) شاعر اقبال نمبر بمبئی ۱۹۸۸ء۔
۱۱ (رسالہ) صحیفہ اقبال نمبر (حصہ اول) جولائی۔ اکتوبر ۱۹۷۷ء لاہور ۔
۱۲ (مجلہ) علوم اسلامیہ جلد ۱۳، شمارہ ۲۱، علی گڑھ (مضمون از ڈاکٹر کبیر احمد جائسی)
۱۳ فکر و نظر، ناموران علی گڑھ، دوسرا کارواں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۸۶ء جلد ۲۳۔
۱۴ (روزنامہ) قومی آواز دہلی مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۹۲ء۔
۱۵ (رسالہ) ماہ نو جلد نمبر ۵ شمارہ ۹، لاہور (مضمون از ڈاکٹر علی محمد خاں)
۱۶ (رسالہ) معارف، شمارہ جولائی ۱۹۶۲ء اور دسمبر ۱۹۶۲ء اعظم گڑھ (یوپی) (مضمون از محمد مسعود احمد)
۱۷ (رسالہ) نقوش ادارۂ فروغ اردو لاہور۔
۱۸ (رسالہ) نقوش دسمبر ۱۹۸۶ء ادارہ فروغ اردو، لاہور۔
۱۹ (رسالہ) نقوش، ستمبر ۱۹۷۷ء ادارہ فروغ اردو لاہور۔
۲۰ (رسالہ) نقوش، سالنامہ ۱۹۹۱ء ادارہ فروغ اردو، لاہور۔

اشخاص

ا

پ

ت

ز

س

ش

ص

ض

ط

ظ

ع

غ

ف

ق

ک

گ

ل

م

و

مقامات

آ

ا

ب

ت

ٹ

ج

خ

د

ڈ

ر

ز

س

ک

ق

گ

ل

ی

کتابیں اور رسائل

آ

ا

ب

ٹ

ث

ج

خ

د

ش

ص

ض

ط

ظ

ع

غ

ف

ن

و

ادارے، تحریکیں، انجمنیں، کانفرنسیں

ب

ز

س

غ

ف

ق

ک

گ

ل

ن

INDEX OF ENGLISH BOOKS AND JOURNALS

BIBLIOGRAPHY

1. AHMAD, S. HASAN, IQBAL--- HIS POLITICAL IDEAS AT CROSSROAD, PRINTWELL PUBLICATIONS, 1979

2. AHMAD, SYED NOOR, MARTIAL LAW TO MARTIAL LAW, POLITICS IN PUNJAB, 1919- 1988

3. ARBERRY , A.J., ORIENTAL ESSAYS, PORTRAITS OF SEVEN SCHOLARS, GEORGE ALLEN AND UNWIN, LONDON, 1960.

4. AZIZ ,K.K., A HISTORY OF IDEAS OF PAKISTAN, LAHORE, 1986.

5. BHATTACHARYA, S., A DICTIONARY OF INDIAN HISTORY, NEW YORK, 1967,

6. DAR, B.A, LETTERS OF IQBAL, IQBAL ACADEMY PAKISTAN, LAHORE, 1978.

7. DAR, B.A, LETTERS AND WRITING OF IQBAL, IQBAL ACADEMY PAKISTAN, LAHORE, 1981

8. FRAZER - TYTLER , W.K., AFGHANISTAN, LONDON, 1967

9. INDEXES, F.C.O. LIBRARY, LONDON,

10. INDIAN YEAR BOOK, 1931, BENNETT COLEMAN AND COMPANY, THE TIMES OF INDIA, BOMBAY, CALCUTTA

11. JAIN, N.K., MUSLIMS IN INDIA A BIOGRAPHICAL DICTIONARY, MANOHAR PUBLICATIONS, NEW DELHI, 1979,1983

11. KASHFI, SYED ABUL KHAIR, SOUNDS AND WHISPERS, ABASA BOOKS, QUETTA, PAKISTAN, 1991

12. MAHMUDUL HAQUE, MOHD. ABDA· A STUDY OF THE MUSLIM THINKER OF EGYPT, INSTITUTE OF ISLAMIC STUDIES, ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY, ALIGARH,

13. MEHRA, PURUSHOTAM, A DICTIONARY OF MODERN INDIAN HISTORY, 1707- 1947, DELHI, 1985.

14. RHYS, DAVIDS, T.W, THE QUESTION OF MILINDA, OXFORD PRESS, 1990, REPRINT BY MOTI LAL BANARSSI DASS, BANARAS AND PATNA, 1965 & 1969.

15. SEN, S.P., THE DICTIONARY OF NATIONAL BIOGRAPHY, INSTITUTE OF HISTORICAL STUDIES, CALCUTTA,

16. SHERWANI, LATIF AHMED, SPEECHES, WRITINGS AND STATEMENTS OF IQBAL, IQBAL ACADEMY PAKISTAN, LAHORE, 1977.

17. SUNDERLAND, HAROLD, ISLAM AND DIVINE COMEDY, JOHN MURRAY, LONDON, 1926.

VERNOFF, EDWARD, INTERNATIONAL DICTIONARY OF TWENTIETH CENTURY BIOGRAPHY, LONDON, 1987,

19. WOJTULLA, GYULA, WRITINGS OF HUNGARIAN ISLAMOLOLIST, LIGHT AND LIFE PUBLISHER, NEW DELHI,

20. WASTI, S. RAZA, BIOGRAPHICAL DICTIONARY OF SOUTH ASIA, UNITED PUBLISHER, LAHORE,

21. WHO'S WHO, 1977- 1980, INDIA OFFICE LIBRARY, LONDON,

22. WILLIAM L. REESE DICTIONARY OF PHILOSOPHY OF RELIGIONS HUMANITIES, NEW JERSEY, 1980.

23. THE ENCYCLOPAEDIA BRITANNICA, VOL. X, XIV, XVI, CHICAGO, 1974.

24. THE ENCYCLOPAEDIA OF BRITANNICA (MICROPAEDIA READY REFERENCE) VOL. VIII, X, CHICAGO, 1974

25. KHUDA BAKSH LIBRARY JOURNAL NO. 16, 1981,

26. MEMORANDA OF INDIAN STATES, GOVERNMENT OF INDIA, CALCUTTA, 1940.